

الکھنکری

ممتاز مفتی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

الکھنجرى

”علی پور کا ایلی“ کا دوسرا حصہ

ممتاز مفتی

ناشرانِ قمبرانِ مکتب
عزیز شریف آباد و لاہور

الفیصل

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

928 Mumtaz Mufti
Alukh Nagri / Mumtaz Mufti - Lahore:
Al-Faisal Nashran , 2005,
1120p.

1.Sawaneh 1. Title card

ISBN 969-503-077-7

محترمہ ڈاکٹر عفت شہاب

محترم خواجہ جان محمد

محترم سید سرفراز شاہ

کے نام

جن کی کرم نوازیوں نے

مجھے کیا سے کیا بنا دیا

ممتاز مفتی

۱۹۹۲ء

اٹنی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے فوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ثبیت سے رائی

جملہ حقوق محفوظ

دسمبر ۲۰۰۵ء

محمد فیصل نے

میٹروپولیٹنز سے چھپوا کر شائع کی۔

UrduPhoto.com

قیمت: 700/- روپے

AL-FAISAL NASHRAN

Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore, Pakistan

Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387

http : www.alfaisalpublishers.com

e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پہلی بات

ملتی کوئی ذات نہیں بلکہ خاندان مفتیاں اپنے لکھنے لکھانے کی صفت کی وجہ سے مشہور تھا جو بادشاہوں، راجوں، مہاراجوں کے درباروں سے وابستہ لکھنے لکھانے کا کام کرتے تھے۔ درباروں میں تاریخی حالات و واقعات، احکامات، شاہی لکھنے والے یہ قلم کار لکھنے کے اس حد تک عادی تھے کہ گھر میں بھی اپنے معمولات زندگی کو لکھ کر (Document) کر لیا کرتے تھے۔ ممتاز مفتی کے والد مفتی محمد حسین گھر میں موجوداً لویا کی تفصیلات بھی لکھ لیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے لکھنے لکھانے کی یہ موروثی صفت ممتاز مفتی کو بھی منتقل ہوئی مگر اس کے ساتھ ہی حالات و واقعات کی تبدیلی کا ایک انعکاس بھی انہیں پہنچا۔ قیام پاکستان، ہندو مسلم فساد، بے گھر ہو کر در بدر کی ٹھوکریں، خونی رشتوں اور باپ سے بغاوت، ہجرت، پھر اپنے وطن میں مسلسل سیاسی عدم استحکام اور سب سے بڑھ کر انقلابی سماجی اور معاشرتی قدروں میں یک دم اتنی بڑی تبدیلی، غرض یہ کہ ممتاز مفتی کو تبدیلی زمانہ کے بہت بڑے ٹھیلے کھانے پڑے۔ غصہ تو ان میں تھا ہی، پھر تبدیلی کی اتنی بڑی لہر نے باپ سے بغاوت کو رشتے داروں، معاشرے، سماج اور مکہ بند روایات سے بغاوت تک پھیلا دیا اور ان کی ساری زندگی اسی لڑائی اور بغاوت کو نبھاتے گزر گئی۔ یہ ان کی معاشرے کے خلاف کھلی بغاوت تھی۔

ممتاز مفتی کے لکھنے کو یہ داؤد دینی پڑے گی کہ ان پر جو بیتی وہ انہوں نے کسی لگی لپٹی کے بغیر سچ لکھ دی۔ لوگوں کا خیال ہے یہ قصے کہانیاں ہیں۔ میں بھی جو ہر واقعے کو دلیل، عقل اور سائنس کی روشنی میں دیکھنے کا عادی ہوں پہلے میرا بھی یہی خیال تھا اور میں شرماتا رہتا تھا۔ اس کی حقیقت تو اس وقت معلوم ہوئی کہ ان کی وفات کے بعد ان کی ذاتی ڈائریاں دیکھیں۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح بالخصوص پہلی روزنامہ لکھنے کے عادی تھے حتیٰ کہ یہ تک لکھ لیتے تھے کہ آج کون سی دو کتنی قدر میں کھائی۔ ان کی ڈائریاں پڑھ کر ”علی پور کا ایلی“ اور ”الکھ نگر“ میں درج واقعات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ نہیں یہ محض داستان آرائی نہیں۔ ممتاز مفتی کی زندگی کی ساری باتیں اس نے اپنی اس سرشت کو اپنی آپ بیتی میں بڑی شدت سے برتا اور

رواج سے ہٹ کر نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی ذات پر کوئی طمع چڑھائے بغیر وہ لکھ دیا جو حقیقت تھی۔ اس انکشاف حقیقت کے بعد مجھے شدت سے راسخاں ہو رہا ہے کہ اگر میں نے حالات و

دیباچہ برائے بار دوم

۱۹۹۵ء

گذشتہ تین سال کے دوران مجھے الکھ نگر کی کے حلقہ استے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ
 حضرت اولیٰ ہے اس بات پر کہ گرامر قیامت ہونے کے بعد جو دہائے لوگوں نے الکھ نگر کا مطالعہ
 کیا ہے۔

مجھے علم ہے کہ ہر خط کا جواب لکھو لیکن خط و کتابت کی عیاشی میں پڑنے سے گریز کرو۔
 مجھے پتہ چلتا ہے کہ پندرہ برس میں خط موصول ہوتے ہیں۔ بیشتر خطوں میں الکھ نگر کے حوالے
 سے سوال پوچھے جاتے ہیں۔

در حقیقت میں الکھ نگر سے مطمئن نہیں تھا اس کی دو وجوہات تھیں ایک یہ کہ یہ
 کتاب میں نے پہلے میں عمل کی تھی مجھے یہ غرض لگا رہتا تھا کہ شاید میں کتاب عمل نہ کر
 سکوں۔ اسی وجہ سے میں اسے "رش" کرنے پر مجبور تھا۔ دوسری وجہ ظاہر ہے کہ ایک اتنے
 بارے میں کامیاب کرنے کے لئے میرا قلم بہت چھوٹا تھا۔

قدرت اللہ کی ایک اسطور پر بیٹے تھے۔ میں صرف ایک سنگ بھدو تھا۔
 پہلے کئے ہیں قرآن حکیم کا ہر لفظ "منسوب" کے حوالے سے کتاب کے پھول کے ہند ہوتا
 ہے۔ ایک "منکرمی" لفظ تو بچے ایک اور "منکرمی" ہوتی ہے۔ اس لفظ تو بچے ایک اور "منکرمی"
 اولیٰ ہے۔ "منکرمی" در "منسوب" میں جی حال بزرگوں کا ہے وہ ایک وقت کی ایک
 اسطور پر بیٹے ہیں۔

قدرت اللہ شاپ بھ سے اکثر کار کرتے تھے مفتی صاحب! عقیدت کوئی اچھی چیز نہیں اس
 جی شاپ ہے اور شاپ کوئی اچھا وصف نہیں آپ عقیدہ پالے چونکہ عقیدے میں توازن
 ہے۔

اباب بھی میں میں سے کا کرتا تھا کہ شاپ صاحب میرے اندر تو عقیدت ہی عقیدت ہے

اگر قدرت اللہ شاپ بھ میں آخری باب کا اضافہ نہ کرتا تو میں الکھ نگر لکھنے پر مجبور نہ
 ہوتا۔

میں قدرت اللہ سے اس لیے سنا نہیں ہوا تھا کہ وہ بزرگ تھا یا اس لیے کہ اس کی زندگی
 میں چوتھی ست کو دخل حاصل تھا۔ بلکہ اس لیے کہ وہ بڑا انسان تھا۔ اس کا مسلک محمد پڑ
 (Mohammad Hood) تھا۔

وہ قدم افشانے سے پہلے سوچا کرتا تھا کہ ایسے حالات میں حضور علیہ السلام کا رد عمل کیا ہوتا۔ اس
 کے نزدیک افضل ترین مہارت (Identification with Mohammad) تھی۔

اس کتاب کے پہلے تیس باب اعلیٰ کی زندگی کا تسلسل ہیں۔ اس کے بعد میری زندگی میں
 کا پلاٹ قسم کی تبدیلی واقع ہوئی اور پھر اعلیٰ کی قدرت اللہ شاپ کے گرد گھومتی رہی۔

اس کتاب میں واقعات کو تسلسل کے مطابق نہیں بلکہ موضوعات کے مطابق تحریر کیا گیا
 ہے۔ تسلسل کے مطابق لکھتا تو یہ کتاب ڈائری کی شکل اختیار کر لیتی۔ یہ بات مجھے پسند نہ تھی۔

موضوعات کے مطابق لکھنے میں کہیں کہیں زنان و مکان کی تبدیلی کرنی پڑی۔
 ۱۹۵۶ء سے میں نے باقاعدہ ڈائری لکھنی شروع کی تھی۔ اس کتاب کا قدرت اللہ شاپ
 سے حلقہ حصہ ہوا اور ان سے اس لکھا گیا ہے۔

میں نے اپنی دیگر تحریروں میں اپنی آپ بینہوں کا جبکہ جبکہ تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب
 میں مجھے ان واقعات کو دہرا دہرا پڑا ہے ایک مجبوری تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

شدت ہی شدت۔ میں عقیدے اور توازن سے محروم ہوں۔ جو چیز میرے اندر ہی موجود نہیں وہ میں کیسے پال سکتا ہوں۔

شباب صاحب عام بزرگوں کی طرح نہ تھے وہ دانشور بزرگ تھے۔ وہ محبت کو برداشت کرنا جانتے تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ ٹیڑھی لکڑی کو زبردستی سیدھا کیا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔

لگتا ہے وقت کے بعد وہ زیادہ فعال ہو گئے ہیں زیادہ پر اثر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے میرے دل میں وہم پیدا کر دیا کہ جب تک میں عقیدے پر کتنا چپ نہ لکھوں گا تجھے چھٹی نہیں ملے گی۔ چونکہ میں جاننا چاہتا ہوں اس لئے مجبوراً میں نے عقیدے کا مطالعہ شروع کر دیا۔

مشاہیر نشر و اشاعت کا خیال ہے کہ شباب نامہ گزشتہ پانچ سال میں بسٹ سِلر (Best Seller) رہا ہے ایک اندازے کے مطابق گزشتہ پانچ سال میں شباب نامے کی ایک لاکھ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ اسلام آباد کے ایک مقامی کتب فروش کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ساڑھے چار ہزار جلدیں فروخت کی ہیں۔

شباب نامے کے حوالے سے الگھ ٹگری کی فروخت میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ سنگ میل نے الگھ ٹگری کی پہلی ایڈیشن جو دو ہزار کاپیوں پر مشتمل تھی ۱۹۹۲ء میں بڑی محنت اور محبت سے شائع کی تھی۔ دوسری ایڈیشن انہیں دسمبر ۱۹۹۳ء میں شائع کرنی چاہیے تھی لیکن سنگ میل کا مصنف کے ساتھ معاہدہ کرنے کا رویہ بدل گیا ہے، معاہدے میں وہ کاپی رائٹ کو رہن رکھ لیتے ہیں۔ یہ بات مجھے گوارہ نہ تھی۔ اس پر قدرت اللہ نے گورے کو میرے پاس بھیج دیا۔ لہذا اب دوسری ایڈیشن طاہر اسلم گورا اپنے اشاعتی ادارہ گورا پبلشرز، پیش کر رہے ہیں۔

ممتاز مفتی
جون ۱۹۹۵ء

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پاکستان



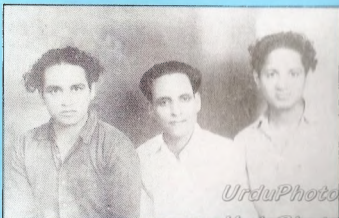
خورشید بیگم (بیگم اشفاق حسین)

۱۔ ہوں نہیں ہوں

۲۔ ۲۶ ہندیاں

۳۔ پرمیلا، پریتے، شکنتلا

۴۔ شاہ کا کو کا بارکا



اشفاق حسین (۱۹۲۳ء) ممتاز مفتی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

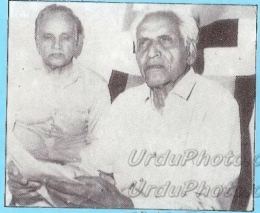
اہوں نہیں ہوں

وہ رہ کر مجھے خیال آتا کہ میں ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان کیوں چلا آیا؟ ملائکہ، بمبئی میں
مجھے ہمارا ایک کانٹریکٹ مل چکے تھے۔ زندگی میں پہلی بار ہزاروں روپے کمانے کی صورت پیدا ہو
گئی تھی۔ اس کے باوجود میں بمبئی میں مسلمان نہیں تھا۔ ساسا، اکھوا، کڈوا۔
لاہور پہنچ کر میں یوں مسلمان ہو گیا تھا جیسے کبھی گھونسلے میں آ بیٹھا ہو۔ ملائکہ، لاہور میرا
کوئی گھر نہ تھا، ذریعہ معاش نہ تھا، کیا میں اس لیے مسلمان ہو گیا تھا کہ پاکستان میں آ گیا تھا۔ میں
بے گھر ہو سکا تھا۔ مجھے پاکستان سے کوئی لکھو نہ تھا، میں نے کبھی پاکستان کو اپنا نہ تھا۔ جب قیام
پاکستان کی تحریک چل رہی تھی تو میں حیران ہوا کہ آقا کا کہنا تھا کہ مسلمان پاکستان بنانے کے لیے کیوں
تیار ہو رہے ہیں۔ ملائکہ مجھے ابھی طرح شعور تھا کہ ہندوؤں کے دل مسلمانوں کے خلاف
تھپتھپ رہے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان کسی میدان میں آئے، بدھیں، بھن کے
رابطے ہیں، رکھ نہیں کڑی کرنا ہندو اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود مجھے قیام
پاکستان سے نفیس ہو رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ میں نے خود کو کبھی مسلمان نہ سمجھا تھا۔ میں
وہاں ۱۴ مسلمان قلم، مہتمم، شہری کا مسلمان۔

میرے دل میں ہندوؤں کی بڑی عزت تھی۔ بحیثیت قوم وہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان
کی فکر تھا، احساس تھی، عقل تھا، رکھ رکھو تھا، استقامت تھی۔ وہ مسلمانوں کی طرح ہڈیاں نہ



ممتاز مصطفیٰ (۱۹۴۷ء)



تھے۔ جوش میں نہیں آتے تھے۔ اپنی مومن دونوں سروں پر چلانے کے شوقین نہ تھے۔ میرے ذہن میں سیاست کا غلطہ سرے سے غلط ہے۔ سیاسی خبوں سے مجھے قطعی طور پر دلچسپی نہ تھی۔ سرسری طور پر سرخیں پڑھ لیتا اور متن کو نظر انداز کر دیتا۔ مسلمانوں کے اظہارِ جذبات میں رنگے ہوتے تھے اس لیے میں روزانہ شیعین پڑھا کرتا تھا۔ قائد اعظم مجھے پسند نہ تھے۔ میں ان بجز نہ تھا۔ خلی و قادی و قادی پھر اس قدر خود اعتمادی اور اصول پرستی، اصول انسان کے لیے بنتے ہیں۔ انسان اصولوں کے لیے نہیں بلکہ سب سے بڑھ کر مجھے یہ اعتراض تھا کہ قائد بچا "سیکر تھے۔ مسلمانوں کی فلیڈ کی کرتے تھے، نہیں اسلام سے باخبر نہ تھے۔ فضیلت پر اسلام کا رنگ نہ تھا۔

مغربی مفکر

درحقیقت میں خود سیکور خیالات کا مالک تھا۔ مذہب کو اچھا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے مذہب پر شرمسار تھا۔ میرے دل میں شک و شبہات ہوں جن جن کرتے جیسے بھڑوں کا چمکا لگا ہو۔ یہ چمکا میں نے بڑی محنت سے چلا تھا۔ مغربی علماء نے میری رہبری کی تھی۔ کالج میں میں ایک خاکسار لڑکا تھا۔ مشکل سے بی اے پاس کیا تھا۔ پھر محبت کا ایک بہت بڑا بلبل پھانسا تو غم فراق کرنے کے لیے اتفاقاً میرے ہاتھ کتاب لگ گئی اور میں مطالعے میں ڈوب گیا۔ یہ ایک دورِ قرار تھی۔ علم حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ اس نائنٹھ میں اردو کی کتابیں عام نہ تھیں۔ سکولوں میں اردو صرف آٹھویں جماعت تک پڑھائی جاتی تھی۔ نویں جماعت میں اردو زبان لازمی نہ تھی۔

کالجوں میں اردو زبان سرے سے رائج ہی نہ تھی۔

مشرق زبانوں کی درسگاہیں لگ گئیں۔

اے اے کی ڈگری حاصل ہوئی تھی۔

ایک ظاہر کو جو مشرقی علوم کے بعد بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرتے تھے۔

اور انجمن تفسیر۔ دلیا، بنشٹا اکھا جاتا تھا۔

میں مشرقی زبانوں اور ادب سے قطعی طور پر کور تھا۔

اس لیے میرا مطالعہ صرف انگریزی تک محدود تھا۔

اور کے علاوہ جو کہ اس کی حیثیت قرار کی تھی۔ اس کی کوئی منزل نہ تھی۔ سرت نہ تھی۔

اس مطالعہ سے مجھے صرف ذہنی آوارگی حاصل ہوئی۔ میرے خیالات سیکور ہو گئے اور میں

نہیں رہا۔ دور ہو گیا۔

اللہ میاں

میرا ذہن مغربی مفکروں نے ترحیب دیا تھا۔ جس گھر میں میں نے پرورش پائی تھی۔ وہاں اللہ کا نام بچوں کو ڈرانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اہل کہیں نہ نہ یہ نہ کہو اللہ میاں ناراض ہوں گے۔ داری لیں کہیں ایسا کرے تو اللہ میاں غصے ہوں گے۔

ان دنوں میرے ذہن میں تو اللہ کا تعظیم تھا اس میں دو آئیں چش چش تھیں ایک تو اللہ ہماری بہت بڑے تھے۔ بڑے زبردست تھے دوسرے وہ بڑے خود مجھے تھے بات بات پر ناراض ہو جاتا کرتے، لیکن اللہ میاں کی ناراضگی کی دھونس بیڑوں پر نہیں صرف بچوں پر چلتی تھی۔ پھر یہ اہل تھا کہ گھر میں کبھی کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ اللہ میاں اس بات پر خوش ہوتے ہیں۔ بچوں لگتا تھا کہ اللہ میاں خوش ہو جاتے ہی نہ تھے۔

کتاب میں داخل ہوا تو وہاں جا کر اللہ میاں کی ایک اور بات ظاہر ہوئی۔ پتہ چلا کہ اللہ میاں نے ایک دماغ تخلیق کر رکھا ہے۔ انہوں نے ایک بہت بڑی بھٹی تیار رکھی ہے اور ان کا واحد غرض یہ ہے کہ بھندوں کو پکڑ پکڑ کر اس بھٹی میں ڈالنے جائیں۔

لیکن یہ ہوا کہ ذہنیاتی میں میں ذہنی طور پر اللہ کا شکر رہا اور جذباتی طور پر اللہ سے خوف زدہ رہا۔ عقل ہی تھی کہ میری شخصیت کا بنیادی جذبہ خوف تھا۔ میں ایک ڈرا ہوا سما ہوا تھا۔ اگرچہ اللہ ہی تھا۔ یہ خصوصیت صرف بچپن پر محدود نہ تھی۔ زندگی بھر میں ایک ڈرا ہوا سما ہوا فرد رہا۔ رات بے رات اپنی اندر جھرا چھا جاتا تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا اس وقت خدا یاد آ جاتا۔ دن کے

اجالے میں خدا کی کوئی حیثیت نہ رہتی۔ بلکہ دن کے وقت میں خدا کا مقام اڑا کر آقا محمد
 لاہور پہنچ کر دوسرا جذبہ جو میرے دل میں پیدا ہوا۔ حیرت کا تھا حیرت کی بات تھی کہ میں
 صحیح سلامت لاہور کیسے پہنچ گیا۔ پہنچنے کے امکانات بہت کم تھے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس
 خیال کو توجہ سے ہٹا دوں۔ دوسری باتوں کی طرف توجہ مبذول کروں، لیکن بنتا میں اس خیال کو
 ذہن سے نکالنا ہی وہ مسلما ہو نہ تھا۔ میں ایسے کیوں ہو تا ہے، لیکن ایسے ہو تا ہے۔ خوف یا تو
 خطرے کے آنے سے پہلے اور یا اس کے گزر جانے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ خطرے کے وقت
 انہیں چند ساعت کے لیے بے خوف ہو جاتا ہے۔ غلو گزر چکا تھا لیکن اب اس کی ایک ایک
 تفصیل میرے ذہن میں آ رہی تھی۔ خوف طاری ہو رہا تھا۔ خوف اور حیرت۔ وہ کوائف جو
 خطرے کے دوران دھندلے پڑ گئے تھے۔ اب وضاحت سے سامنے آ رہے تھے۔ سوچنا۔ قتل و
 خون کے اس جھگڑے میں میں کیسے نکلنا۔ حیرت بدھتی جا رہی تھی۔

اتفاقات

میں مجبور کو میں ٹرک لے کر لاہور سے ہٹا چکا تھا جو چٹا کوٹ روڈ پر امرتسر ۲۳
 میل دور۔ ضلع گورداسپور میں واقع ہے اور جو خلاف اصول خلاف توقع ہجرت میں شامل کر دیا
 گیا تھا تاکہ اپنے والدین بھائی بھنوں اور بیٹے کو پاکستان لے آؤں۔ ہٹانے کے بعد وہاں نے
 اعلان کر دیا تھا کہ وہ تیس خبر کے بعد مسلمانوں کو سمجھ لیں گے۔ پہلی آنکھ کو ہٹانے کے
 مسلمانوں پر بہت برا حملہ ہونے والا تھا۔ اگرچہ تقسیم چودہ آگست کو ہو چکی تھی، لیکن شر میں
 مسلمان فریئر فورس مقیم تھی تیسے خبر کی رات کو وہیں سے ہٹایا جانا تھا۔

اگر میں ایک دن کی تاخیر سے ہٹانے پہنچتا۔ سنہیں ملنے کی لائن سے لائن بھائی جا چکی
 ہوتی۔ اور وہاں پہنچے ہوئے دھیرے سوا کچھ باقی نہ ہوتا۔ میرا بھین وقت پر پہنچ جانا کیا محض اتفاق
 تھا۔

پھر جب ہم ٹرک میں سوار ہمارے سے امرتسر کی جانب آ رہے تھے تو سڑک پر کوئی بلوائی نہ
 تھا صرف کوئے تھے، کتے تھے، چلیں تھیں اور گدھے تھے جو سڑک پر پڑی ہوئی لاشوں کو جھنجھوڑ
 رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بلوائیوں کو اٹھانے کی بجلی تھی کہ گورداسپور سے مسلمانوں کی

اور ان کی زمین آ رہی ہے۔ یہ خبر سن کر تمام بلوائی ریلے لائن کے دو روپے قطاریں بنائے ٹرین
 کی قطار میں کھڑے تھے۔

اس نے باتوں میں درختوں کی شیشیاں اٹھا رکھی تھیں تاکہ دور سے جھانپوں کی قطاریں
 معلوم ہوں۔ سڑک سے ریل کی لائن صاف نظر آتی تھی۔

بلوائیوں نے ہمارے ٹرک کو سڑک پر پہنچے ہوئے دیکھا تھا۔ دیکھ کر نعرے بھی لگائے تھے۔
 انہوں نے ہمارے سے جانے نہ پائے، لیکن وہ ڈرتے تھے کہ اگر سڑک کی طرف آئے تو ریلوئی ٹرین
 انہیں نکل جائے گی۔ ٹرین میں سوار ہزاروں مسلمانوں کو تھپ چھ کرنے کی لذت کے مقابلے
 میں ٹرک کے چند ایک مسلمانوں کو قتل کرنے کی کیا حیثیت تھی۔

وہ نہ لکھتے خیال آتا کہ اگر اس روز ریلوئی ٹرین کی آمد نہ ہوتی تو ہم سب کی بونیاں
 کھنسی ہو تیں۔ کیا یہ بھی ایک اتفاق تھا۔

پھر جب ہم امرتسر میں داخل ہو رہے تھے تو سپاہی نے ہاتھ دکھا کر ہمیں روک لیا تھا اور
 ہمیں سڑک کے پہلو میں پیچھے ہوئے بلوائیوں کو اشارہ کر دیا تھا۔ بلوائی ٹرک کی طرف دوڑے
 گئے۔ ہمیں کیا ہوا۔ چوک کے سپاہی کی جگہ ایک دوی ٹوٹی والا افسر آیا۔ اس نے ہمارے
 کو رستہ دے دیا تھا۔ ٹرک چل پڑا اور بلوائی پیچھے رہ گئے۔ پھر ٹرک ڈرامپور نے جو ایک
 گاؤں تھا۔ ٹرک کو سڑک سے اتار کر کھیتوں میں ڈال دیا تھا۔

وہ دوی ٹوٹی والا کوئی تھا۔ سکھوں نے گڑھ میں دوی ٹوٹی۔ بات میری سمجھ سے بالاتر
 امرتسر سے اناری تک یہاں وہاں سکھوں کے ہتھے موجود تھے۔ وہ ٹرک کو دیکھ کر ہچکچاتے
 تھے۔ لگاتے تھے۔ کراہیں مارتے تھے، لیکن کسی نے ٹرک پر حملہ نہیں کیا تھا۔ کیوں۔ وہ
 اس کیلئے تھے جیسے کسی نے ان کو کیل دیا ہو۔

کیا یہ سب اتفاقات تھے۔

پھر مجھے بھی سے لاہور آنے سے متعلق تفصیلات یاد آجائیں۔

اسی میں احمد بشیر لودھی نے قلعہ قلعی طور پر علم نہ تھا کہ قیام پاکستان سے پہلے ہی پاکستان کو جانے
 والے تھے۔ نہ کہ دیے جاتے تھے کہ لودھی مسلمانوں کے قتل و خون کا بازار گرم ہو جائے گا۔ یہی

میں ہمارے پاس روپیہ ختم ہو گیا تھا۔ ضروری تھا کہ لاہور جا کر پالشیر سے رقم حاصل کی جائے۔
میں نے احمد بشیر سے کہا تم چلو۔ وہ نہ مانا لہذا مجھے خود لاہور آنا پڑا۔ وقت یہ تھی کہ دہارے پاس
کرایے کی رقم بھی نہ تھی۔ لہذا ادھر جا بنگلہ پڑا۔ بستی میں ادھر حاصل کرنا آسان کام نہیں۔
جس گاڑی سے میں لاہور پہنچا۔ وہ آخری گاڑی تھی۔ اس کے بعد امرتسر سے لاہور کا
راستہ بند ہو گیا۔ سٹلے شروع ہو گئے اگر قرض حاصل کرنے میں ایک دن کی تاخیر ہو جاتی تو میں
کبھی لاہور نہ پہنچ پاتا۔ اگر میں لاہور نہ پہنچتا تو ترک لے کر مٹلے نہ پہنچ سکتا تو میں ممکن تھا کہ
میرے تمام عزیز مٹلے میں ہی ختم ہو جاتے۔
اسنے سارے اتفاقات۔

میری حیرت جو سچی جاتی تھی۔ اگر میرا اللہ ہو تو کہتا کہ یہ سب اللہ کا کرم ہے۔
یوں حیرت شکرگزاری کے جذبات میں بدل جاتی تھیں میرے ذہن میں اللہ کے کرم کا کوئی
مفہوم نہ تھا۔ لہذا میں حیرت کے سمندر میں ڈبکیں کھانا رہا کھانا رہا۔

لاہور

یہ ان دنوں کی بات ہے جب برصغیر دورہ میں جہلا تھا۔ پاکستان کی پیدائش کا اعلان ہو چکا
تھا۔ لیکن عمل جاری تھا اور یہ عمل اس قدر حیران کن لڑتے ناک اور خوشیں تھا کہ مسلمان
شاک کے عالم میں تھے۔ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔

مسلمانوں نے کئی سال آزادی کی جدوجہد میں گزارے تھے اور اب ان کی کوششیں
کامیاب ہو چکی تھیں۔ وہ آزادی کی جدوجہد میں اس قدر مصروف تھے کہ انہوں نے کبھی سوچا
ہی نہ تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو دشمن انتہائی کارروائی کر سکتا ہے۔ انہوں نے اس بات پر
بھی توجہ نہ دی تھی۔ کہ دشمن منصوبہ بندی سے کام لے رہا ہے اور اپنے چٹان کو عملی صورت
میں لا رہا ہے۔ وہ شیخون مار کر قیام پاکستان پر ضرب مار سکتا ہے۔ ایسی ضرب ہو تو دنیا بھر ملکیت کو
اس قدر کمزور کر دے کہ وہ سہا سہا اپنے قدم تھالے میں ڈال نہ رہے۔ اس شیخون کی وجہ
سے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ ہنگامہ لاہور کی طرف تھا۔ لاہور
نہان کی بو سے متھن ہو رہا تھا۔ امرتسر اور اس کے گرد و نواح میں مسلمانوں نے وہ وہ کچھ دیکھا

دیکھا کہ ان کے گاہوں پر دغا بگی مسلط تھی۔ وہ لاہور کے مسلمانوں کو لٹا رہے تھے۔ انتقام
لے لیتے تھے۔

میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑا شکر کا چاند لے رہا تھا۔ سڑکیں مسلمان پڑی تھیں۔ چاروں
ایک طرف لٹی لٹا رہی تھی۔ یہاں وہاں لاکھ لاکھ لوگ سر ٹھکائے چل پھر رہے تھے۔ بد کہیں کہیں
پھر بھی نہ گھر لوٹے اٹھ رہے تھے۔

لاہور نہیں تھا جس سے میں واقف تھا۔ دن بھر خاموشی چھٹی رہتی۔ لمبے وقتوں کے
بعد آواز سنائی دے جیسے بہت سے لوگ چل رہے ہوں چنگھاڑ رہے ہوں اور پھر سے ہمایاں
کھینچ رہے ہوں۔ رات کے وقت چار چار آوازیں سنائی دیتیں۔ گولیاں پلٹیں۔ پٹاٹے چھوٹتے۔
تھپتھپتے۔ تھپتھپتے۔ آوازیں سنائی دیتیں اور پھر ڈروائی خاموشی طاری ہو جاتی۔

ایک دن تو میں چھت پر کھڑا ہو کر یہ مقرر دیکھا کہ پھر ایک روز گھبرا کر باہر نکل گیا۔
میں نے اس کی طرف اشارہ کیا اور پکارے۔ جاتی۔ دل میں ایک مکش گنگ جاتی۔ اس تکلیف وہ مکش
میں سے نکلتے تھے۔ میں باہر نکل گیا۔

میں نے اس کوئی رولہ کر چکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ڈرا ڈرا سا سما۔

میں نے اس میں کہیں کہیں لاشیں پڑی تھیں سڑکیں تھیں۔ تھپتھپتے میں خون جما ہوا تھا۔
میں نے اس کو ہار پکارتے تھے۔ وہ اشتعال پر ناک تھے۔ یہ بھی خوف کی ایک صورت

میں نے اس کے دن تھے فرد سر چھپائے گھر بیٹھا تھا۔

میں نے اس کے ایک گردے میں راستہ روک لیا۔ مجھے سانس لینے سے انکار لیا۔

میں نے اس کو ہار پکارتے تھے۔ وہ اشتعال پر ناک تھے۔ یہ بھی خوف کی ایک صورت

میں نے اس کے دن تھے فرد سر چھپائے گھر بیٹھا تھا۔

میں نے اس کو ہار پکارتے تھے۔ وہ اشتعال پر ناک تھے۔ یہ بھی خوف کی ایک صورت

میں نے اس کے دن تھے فرد سر چھپائے گھر بیٹھا تھا۔

میں تو کیا میں شے میں ہوں۔

ہندو ہے ہندو۔ پکڑ لو پکڑ لو ایک لڑکا چلا۔

کھر پڑھ کر سنا لڑے رعب جھاڑ۔

میں سنا میں شے میں ہوں۔

ہندو ہے ہندو۔ آواز میں آئیں۔

وہ سب میری طرف بڑے دنگے دینگے اور دنگلی کر میدان کی طرف لے گئے۔

میرا دل چاہتا تھا کہ چچ کرکوں میں ہندو ہوں۔ ہندو لیکن مجھ میں جرات نہ تھی۔

نوجوانوں کے تیور دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ میں چٹا ہوں۔ تم ایک مسلمان کو

باتیں تک کر رہے ہو۔

ابے جا جا، ہم نے دیکھے ہیں تم سے مسلمان ایک بولا۔

سڑے تل چاکلیاں کرنا میں

پکڑ لو پکڑ لو چھوٹے بچے چیتے گئے۔

مجھے ہینڈ ٹائیڈ ناگھیں کانپنے لگیں۔

اگر میں ابتدا میں کھر پڑھ کر سنا تو بات نہ بدلتی۔ اب کھر پڑھتا میرے لیے مشکل

ہوا جا رہا تھا۔ میری اتالیجہ بھول گئی تھی لیکن نوجوانوں کا رویہ سخت تر ہوا جا رہا تھا۔

ایک نوجوان چچرا مار رہا تھا۔

میں اس وقت سڑک پر ایک سائیکل سوار گزر رہا تھا اس نے مجمع دیکھ کر تقریباً غصہ لگایا۔ پکڑ لو

جائے نہ پائے اس نعرے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

نوجوانوں میں تازہ وحشت چلی۔

علی علی نوجوانوں نے غصہ لگایا۔

میری ان کی ساری چوہک نکل گئی۔ غصہ میں چٹا ہوا اور پھر کھر پڑھنے لگا۔

پھر کھر پڑھتا ہوا کھر پڑھتا ہوا میں نے شور مچا دیا۔

اس پر سب مجھے غصے سے لڑنے لگے۔ وہ ایک نے گھونٹے بھی مارے۔

اس وقت سامنے مجھے سے ایک نوجوان بھاگا بھاگا آیا۔ بولا کیا بات ہے۔

پورے کے پورے جمونا کھر پڑھ رہا ہے۔

نوجوانی ہے ایک بولا۔

گھنٹے کی گھنٹے ہے دوسرے نے کہا۔

نوجوان وار، وار۔ اسی پتا چل جاتا ہے اس کی ہائیں پکڑ لو اچھی طرح مشغولی سے آزار

نوجوان وار۔

دل ادب کیا ہے۔ ذلت کی انتہا تھی۔ پھر مجھے پتہ نہیں۔ گردو چوڑا پر اندھیرا چھا گیا۔

وہ دم کے بعد وہ سب مجھے چھوڑ کر قہقہے لگاتے ہوئے سڑک کی طرف بھاگے جا رہے

نوجوان کی انتہا تھی۔ میرے اپنے شعر میں۔ مسلمانوں کے ہاتھوں۔ میرے اندر ایک

نوجوان ہاں۔ من ہائے میں میں چٹا ہوں۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ پھر

نوجوان کب سائیکل لٹایا۔ کب وہاں سے چل پڑا۔

دل آواز دینا کہ میں ریلوے سٹیشن کے سامنے کھڑا ہوں۔

نوجوان کی نوجوانی

نوجوان مسافر خانے میں 'فٹ پتھر' پر سڑک پر ماجر مودھوں اور بچوں کا ایک جھوم زمین

نوجوان کی نوجوانی ہوئی تھی۔ کدے مڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں یوں کھلی

نوجوان کی نوجوانی ہوئی تھی۔ چہرے حیرت اور خوف و ہراس سے بدلتا ہو رہے

نوجوان کی نوجوانی ہوئی تھی۔ امر تر سے گاڑی آگئی۔ امر تر سے گاڑی آگئی۔ سب لوگ پیٹ فارم کی

نوجوان کی نوجوانی ہوئی تھی۔ کون پیٹھے رہے۔ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

نوجوان کی نوجوانی ہوئی تھی۔ لوگ ناک پر دوہل دنگے گاڑی کے ڈیوں میں داخل ہو رہے

نوجوان کی نوجوانی ہوئی تھی۔ کراہت کے آواز کھلیاں ہوتے۔

نوجوان کی نوجوانی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں لور کھینچا جا رہا تھا۔ یوں

جیسے خوف نے چٹان پر رکھا ہو۔ پائل خانوستان میں ڈبے کی طرف بڑھا۔ دروازے میں رک گیا۔ وہاں خون کا چھڑکا ہوا قتلہ سامنے ایک بوڑھی عورت شجر کی طرح پڑی تھی۔ آنکھیں چرائی ہوئی تھیں دونوں ہاتھ پیٹ پڑے تھے۔ سامنے پیٹ سے نکلی ہوئی آنکھوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ دیر تک میں بڑھیا کو گھورتا رہا خون کی بو سے طبیعت ہلش کر رہی تھی۔ سر پکرا رہا تھا۔ نظر دھندل پڑی جا رہی تھی۔ گاڑی کے اندر داخل ہونے کی ہمت نہ پڑی دروازے میں کھڑے کھڑے ڈبے کا جائزہ لیا سارے ڈبے میں کتے ہوئے گوشت کی ڈھیر لگی ہوئی تھیں۔ دو ڈنڈے اوپر تختے سے لنگ رہے تھے دو کتے ہوئے سرفروش پر لڑھک رہے تھے۔ ایک چھ کب سے لنگ رہا تھا۔

گھبرا کر میں باہر نکل آیا اور پلیٹ قلم کی ایک بچہ پر دھڑام سے گر گیا۔ مٹی کا ہو رہا تھا۔ پلیٹ قلم کو ہم رہا تھا۔ بیٹھا جا رہا تھا۔ جب طبیعت سنبھلی تو قریب ہی سے آوازیں سنائی دیں یہ گاڑی شلے سے آئی ہے۔ سنٹرل گورنمنٹ کے ملازموں کی گاڑی ہے۔ قریب ہی دو شخص آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ یاد ہے جب لاہور سے ہندو گورنمنٹ سروس کی گاڑی مٹی خسی تو ان کے گلوں میں بار والے گئے تھے۔

شاہد شیلے میں ان کے گلوں میں بھی بار والے گئے ہوں۔ ہاں۔ اور ساتھ ہی امرتسر کے غزٹوں کو بھیار کر دیا گیا ہو کہ پھینچے نہ پائیں۔ یہی ہندو مسلمان کا فرق ہے مسلمان اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہے ہندو دوسرے کے ہاتھ سے قتل کرتا ہے۔

ہر دو لعنت ہر دو لعنت میرے دل سے آواز آئی۔ میں اس وقت ایک شخص گاڑی سے نکل کر بیٹھنے لگا۔ کوئی بچہ نہ جانے۔ کوئی بچہ نہ جانے۔ اس کے منہ سے کف جاری تھا آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

چند نہیں اس وقت مجھے کیا ہوا۔ میری مٹھیاں از خود بند ہو گئیں۔ ہاتھ ہوا میں لڑکھا۔ کوئی بچہ نہ جانے میرے منہ سے جیسی نکل کر میں جوش میں اٹھ گیا۔ میری کتھیاں پھڑک رہی

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

میرے دل سے آواز آئی تھی۔

உதயசுந்தரி

[illegible]

پاس آیا ہوا آج سے میری ذمہ داری ختم۔ اگر وہ اندر آکر فکر کے پیٹ

اس کا پہلا کارکنوں نے پوچھا

اساتذہ کرام! یہ سب وہ بچہ تھا۔ ساتھ ہی فکر کی طرف اشارہ کیا۔

ہو گئے تھے ہزاروں میں گھوم رہے ہیں۔ امرتسر میں ہزار ہا مسلمانوں کو بے چارہ کر دیا
مسلمانوں کے غلوں کو آگ لگا دی گئی دوکانوں کو لوٹ لیا ہے۔ جو بچ بچ کیل بچپنے ہیں
ان لوگوں کو چوڑیوں کا تختہ بچھا ہے۔ مطلب ہے تم مرد میں دو چوڑیاں پہن کر گھر
نہیں آسکتے۔ بچے والے کہہ رہے تھے۔ اپنے ہندو مخالف دو ٹوک دوسری تو ہم دوکان
داروں کے۔ یہ کہہ کر میسر پر کلر کر بیٹھ گیا۔ چلو کلر تو ساری میں لے گیا۔ چلو گھر

میں نے اپنے پیارے لے کر باہر نکلے تو وہ تم کو بھی چھرا گھونب دیں گے۔

میں نے اس کی وجہ سے مجھ میں جرات پیدا ہو گئی تھی۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔

بلکہ خوف کی انتہا تھی۔ خوف حد سے بڑھ جائے تو انسان ڈیپرٹ

$$-\frac{1}{4}(\psi^2 - 1)$$

تو کیا اس نے پوچھا۔

تو تم کیا کرو گے۔

کچھ بھی نہیں وہ یوں کہ

اگر فصلوات پونہی پڑھتے گئے تو۔

پڑھتے جائیں اس نے بے پرواہی سے کہا۔

تم بھارت جانے کا تو نہیں سوچ رہے۔

میں کہیں جاؤں گا۔ میں اسی دھرتی کا پوتا ہوں اس نے جواب دیا۔

واقعی فکر تو نسوی اسی دھرتی کا بونا تھا۔

جس لوارے میں ہم دونوں کلام کرتے تھے اس کا ہانک چودھری برکت علی ایک وسیع القلب
فرد تھا اور اس کا کردار اہل کاکہ اور منہ پر آئی کہہ دینے والا۔

اس نے فکر تو سوسے کا تھا۔ فکر تم ہیں چھوڑ کر چلنا چاہتا تو ہے کب چلو تمہاری مرضی، لیکن ہم ہمیشہ کے لیے تمہیں پاس رکھیں گے۔ اپنی حفاظت میں رکھیں گے۔ کسی کی جرات نہ ہو گی کہ تمہاری طرف آنکھ اٹا کر دیکھے۔

پھر ایک روز فکر متحرک نظر آ رہا تھا چونکہ جس ہندو محلے میں دو رہتا تھا وہیں کے سب لوگ
ہجرت جا رہے تھے۔ یہ پلادان تھا کہ اس کے چہرے پر فکر کے آثار نظر آئے۔

چند ایک روز کے بعد دفتر کی سہمی سڑک پر فٹ پتھریں رکھنے لگے تھے۔

لوارے کا مینجر کٹر قسم کا مسلمان تھا۔

میں اندو اور مسلمان لڑ رہے ہوں۔ ملک نے کہا تو میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ کس
 کی طرف سے لڑ رہے ہیں۔ یہ نہیں پوچھوں گا کہ کون حق پر ہے۔ پوچھنے بغیر سوچے۔ کیجئے بغیر اندو کو
 اندو کا شرع کر دوں گا۔

میں اندو ہوں۔ جو تہذیب سے بھرا ہوا میں نے پوچھا۔
 میں اندو ہوں۔ مسلمانوں کے حق میں تہذیب غیر مسلم کے خلاف تہذیب۔

سائیکل چلاتے ہوئے میں نے اپنا منہ باہر نکالا ہوا تھا اور باہر تکہ رام لال کے
 پیچھے چھپا نہ رہے۔ میرا چہرہ چلا کر کتا رہے میں مسلمان ہوں۔ یہ میرے آگے بیٹھا ہوا شخص
 ہندو سی، لیکن میں مسلمان ہوں۔ میرا خیال رکھنا۔
 میں ایسے راستے سے گھر کو جا رہا تھا جہاں نجوم سے لکھ بھیڑ ہونے کا امکان نہ تھا۔ پھر بھی

اس وقت دوبارہ آؤ۔ گھر میں بڑی چھری موجود ہے پھر جو میں نے دیکھا تو میں لالہ جی کو لے کر اس کے پاس کھڑا تھا ہاتھ میں روٹی کا ٹکٹ تھا۔ دو روٹیاں لوہہ والی۔

۷۔ مسلمان نہیں مسلمان بڑھل نہیں ہوتا ڈر پوک نہیں ہوتا۔

میں نے آواز اٹائی۔ ضروری ہے کہ وہ زندہ رہے اور کالے صندوق کی رکھوائی کرے۔

مصدق تو ایک مضمیٰ چیز ہے۔ مقصد تو ہندو کو قتل کرنا ہے۔ مصدق تو مجبوراً لہا لے گا۔

آدمی رات سے پہلے یہاں سے باہر نہ نکلتا اور دیکھو یہ دھوئی اجڑ

۱۱۔ اگر لٹور چادر کی طرح پٹنہ لو۔ لالہ میرے پاس پڑ گیا۔ بھگوان تسلیم اہلا کرے۔

جڑے ہوئے ہاتھ۔ اس کی گود و زاری۔۔۔۔۔ نہیں نہیں میں بوجھایا۔

اور اگر ہمیں مجھ پر اثر نہیں کر سکتیں۔

۱۔ قرآن کی نور مہنائیں دیکھئے لگا۔ سسں لایف از، سموما۔ کیتا سخا۔ ربارہ شاہ جہاں

یہ کیا ہے میں نے کالے صندوق کی طرف اشارہ کیا جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا یہ میرا سامن ہے

مہاراج۔ بس یہی سبکی ڈالنا ہے۔ سارے جیون میں بس یہی کیا ہے۔
ہوں، میں نے چھاتی پہلا کر کیا۔

امرتسر کو کوئی گاڑی نہیں جاتی، میں نے جوب دیا۔

یہ کہہ کر وہ میرے پاؤں پڑ گیا۔

لہذا اٹھ کر رونے لگی۔

سیالکوٹ کی گاڑی کس وقت جائے گی مہاراج۔ رات کی گاڑی ہو۔ آدھی رات کی۔
م۔ رات لگتا ہے۔ ابھی آؤں گا۔ تم یہیں بیٹھے رہتا ہوں سے لٹاؤں۔

میں شیخ کی طرف چل پڑا۔ کانا صندوق میرے سامنے معلق ہو گیا۔ پھر اس کا ڈھکا کھل گیا۔ وہ سونے کے زیورات سے بھرا ہوا تھا۔

کوئی بچہ نہ جائے میرے دل سے آواز بلند ہوئی۔
.....

میں بھاگ کر سانگیل پر چڑھ گیا۔ سانگیل کے نیچے چھپنے لگے میں مسلمان نہیں ہوں۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔

بنا ہوا شیعہ میں بیچ رہا تھا۔ انہوں نے امرتسر میں قرآن پاک جلائے تھے۔ حدیث شریف کو آگ لگا کی تھی۔

میں چھری لینے کے لیے جا رہا ہوں۔ میں نے خود کو تباہی آج رات کے بعد کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔

.....

انہوں نے ریلوئی کیمپ بنا دیا ہے، میں نے کہا۔

واللہ اعلم، اس کا چوروہ عمل سے خلی قتلہ

پارہم، انہوں نے کسی میں ریلوئی کیمپ کی طرف جا رہے تھے جہاں ہندوؤں کے لیے فوج کا

.....

.....

.....

.....

ابو الہر شہزادوں کی تھی۔

ابو الہر ایک خصوصیات تھی۔ خوش شکل تھی۔ اچھی پوشاک پہنتی تھی۔ سزا
 دینے کے فن میں ماہر تھی۔ انہیں بٹے سنور نے کاشق قبا۔ بن سنور کردہ میاں کو
 دیکھ کر رنجش کے رموز میں متعلق تھی۔ اسی وجہ سے انہیں ابو الہر میں شہزادوں کی چلتی تھی۔

کی عزت کا سوال ہے۔ اگر ہم گاڑی کو نہ روک سکے تو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔
 گویا ان کے لوگ طے دیں گے۔

— — — — —

فلسفہ میں آئیں۔

اگر آپ اس بات کو دیکھ سکتے ہیں کہ علم نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آئندہ سے ایسا نہیں

اپنی طاقت کا احساس قسوں میں خوں دوڑاتا ہے۔ کل گال ہو جاتے ہیں۔

پھر اس برکتے کہتی۔ آخر ہم نے ہندو دھانوں کو بھی پتہ لایا تھا یا ہے۔ وہ تو مشکل کام تھا۔

کاڑی کو پتہ لایا مشکل تو نہیں۔

اگر وہی ہو۔

اگر وہی آواز میں یہ خبر پھیل گئی کہ ہندو رنچو جیوں کی گاڑیوں کی آمد ملتوی ہو گئی ہے
 اس لیے ان سے مسلمان زفیوں کی گاڑی آرہی ہے جو سیدھی جہلم جائے گی۔

اسی سے کم ہوئی تو بات میں بنے گی۔ جگ ہنسائی ہو گی۔

جب اشفاق اور میں اماٹے میں پہنچے تو حلف اٹھانے کی رسم ادا ہو رہی تھی۔

اشفاق حسین کو دیکھ کر اندر ہنیر کا خوش و خروش اور بڑھ گیا۔

.....

۔ شاہ کی شیش ماسٹر صیلا پڑ گیا۔ گاڑی کے ساتھ بلوچ رجمنٹ کا دستہ ہو گا۔ وہ قاتل

کو مار دیا۔ کچھ لیں گے۔ شاہ نے کہا اور جھانڑیوں میں چھپے ہوئے لوہوں کو اشارہ کیا۔

اللہ ستر لوہوں ہاتھوں میں کھائیں اٹھائے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے یات

کہا۔ سکتل ہوتے ہی ہمیں شیش پر رش کرنا ہے۔
وہ دیکھو احمد بشیر نے کہا شاہ شیش پر پہنچ چکا ہے۔

شاہ لور میجر

میں بھی ہوں شاہ نے جواب دیا۔

گاڑی آگے جانے کی میسر چلایا۔

دھاری لاشوں پر آگے جانے کی۔ صوبے نے تقری گانگ سے ہٹ لگاتے ہوئے کہا۔

کچھ پرواہ میں مجبور ہوا چاہے لاشوں پر جانے مگر جانے کی۔

مسلمانوں کی بیسیوں گاڑیاں کٹ چکی ہیں شاہ نے کہا۔

یہ گاڑی ہر سال میں کٹنے کی میسر چلایا۔

ہم مسلمانوں کے خون کا بدلہ لیں گے صوبے نے کہا۔

ہم قازق کاکھم دیں گے۔ میسر چلایا۔

دسے دو حکم۔ شاہ بولا ہم تمہاری ہندو قوتوں سے نہیں ڈرتے۔ یہ کہہ کر شاہ نے اللہ اکبر کا

نعرہ لگایا۔ جواب میں سرنوجوانوں کے غرے سے کبھی لرز گئے۔ نوجوانوں نے پیٹھ کر فوجی

سپاہیوں کو گھیرے میں لے لیا۔

گاڑی میں سے آدھان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اندر ہندو بھائی چچ رہی تھیں۔ باہر حملہ آور

چنگھاٹھ رہے تھے۔ درمیان میں میسر فٹے سے ہٹ کر رہا تھا۔

کھولو قازق شاہ نے کہا میں چلایا۔ مسلمان لادھر فٹنوں کے ہاتھوں کٹ رہے ہیں لادھر فرض

شناس افسروں کے ہاتھوں کٹیں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے اس کے منہ سے کلف جاری تھا مارو

مسلمانوں کو مارو۔ لاشوں کے پٹے لگا دو۔

میسر غاصب شکر قازق۔ سپاہی اڑے پھینکے ہوئے تھے۔ نظر صوبہ مجبور کو کٹ کر داخل ہوا۔

میسر وہ بولا۔ آگے دیں کی پشروی آگزی ہوئی ہے۔ گاڑی آگے نہیں جاسکتی۔

کہاں سے آگزی ہوئی ہے خوالد مار بولا۔

یہاں سے ایک ڈیڑھ میل دور صوبے نے جواب دیا۔

تمہارا مطلب ہے تمہارے قتلے کی حدود میں۔ میں یہ نہیں ہو سکتا ساری مصیبت

تمہارے سر پر آ رہی ہے۔ پولیس کا ہیڈ کوارٹریل چلایا۔

مصیبت تو مسلمانوں کے سر پر پڑی ہوئی ہے۔ لادھر بھی کٹ رہے ہیں۔ لادھر بھی کٹ

رہے ہیں۔ لادھر تم کو اپنی فوجیوں کا ٹھہر ہے۔

لادھر لادھر نہیں۔ واپسی لگی ہوئی ہے۔ میسر بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ کھولو۔ منہ کیا کٹ رہے ہو۔ شاہ بولا۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ کو ویکس پشروی کہاں سے کٹی ہوئی ہے۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔ لادھر لادھر نہیں۔

ہندو ہاتھ جوڑ کر منتیں کر رہے تھے۔ حملہ آور اپنا جوش و خروش قائم رکھنے کے لیے چنگاڑا رہے تھے۔

دیہ تک خون خرابہ جاری رہا پھر حملہ آوروں کی توجہ لوٹ کی طرف مبذول ہو گئی۔
مندوق سوٹ کیس بستر تو کھریاں دھڑا دھڑ پٹ قارم پر ڈھیر ہونے لگیں۔

میری پتیاں

اس وقت اس دے کا رونا دکھائے اختلاف کو بغیر کلاموں سے کاٹ رہے تھے ایک
لوہر عسکر بھٹی باہر لگا رہی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ذول قاضی میں بنیاں تھیں۔
بجھان کے واسطے جیسے نہ مارو۔ بجھان کے واسطے جیسے نہ مارو۔ وہ ہاتھ پاندھ کر ان کے
دور دور کڑی ہوئی۔ مجھے اپنے پاس کھ لو۔ تو کہتا لو کہ مارو نہیں۔

وہ اپنی باتوں سے اشتقاق کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے پیچھے پیچھے کسی ایک ہی بات پر توجہ دے کر دیکھتا تھا۔

پلیٹ فارم پر اس وقت بہت سے کالے صندوق پڑے ہوئے تھے، لیکن مجھے کلا صندوق

عمر رسیدہ ہندو نے جبکہ کراشتق کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ میں زندگی بھر تیری سیوا کروا
گی۔ مجھے ساتھ لے جاؤ۔

اشفاق لاجل پڑھ رہا تھا۔ کجواس بند کر۔ پیچھے جہت جا۔ وہ مصنوعی فیسے میں چلا رہا تھا۔ اس انجاء میں دونوں اشفاق حسین کے قریب آکر بیٹھے ہوئے۔ ایک نے ہاتھ بڑھا۔

ہماری شہر کی طرح اٹھ بیٹھی۔ میری پٹیاں میری پٹیاں دو ڈول کی طرف لگیں۔
 نورجوان کا منہ جس نے پی پی میں ڈالی تھی۔ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے پی پی ہاتھ پر اور
 دیکھ پی پی میں سے سونے کا باندھ نکل گیا۔ اُسے وہ چھاپا ان پٹیاں میں سونے کے زیور پہنا۔

اشفاق نے کلمہ چھپ چاہا۔

ہم تینوں رک کے اور سڑک کے کنارے لگی ہوئی جہازوں میں چھپ گئے۔ جہازوں میں ایک اویسر عمر ہندی چھپی ہوئی تھی۔

جب ہم ایک کباب چھپتے تو آدھی رات کا وقت ہو گیا۔ بازار ویران تھا لیکن گھروں میں جتلیں جل رہی تھیں۔ لوگ جاگ رہے تھے۔ شیتانیاں ہاتھ پاء چلا کر بائیں کر رہی تھیں۔ جب شیتانیاں نے جہازوں کو پر اٹھے دئے کر شیش کی طرف رشت کیا تھا تو وہ بہت خوش تھیں۔

بھری شیریں

پھر صوبہ کی بن سے بھاڑا چھوڑ دیا۔ اس نے سردار اس کو بتا دیا کہ صوبہ سردار ان چھرے اور کھانیاں و صوبہ دار رہا ہے۔ یہ سن کر شیتانوں کو شک پڑ گیا پھر نو ہمارے صاف کہہ دیا کہ مسلمان ریلوے جیوں کی خبر تو جہازوں نے اس لیے اڑائی تھی تاکہ مزاحمت سے بچیں اور تصادم نہ ہو۔

اس پر شیتانیاں غصے سے لال ہو گئیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں دھوکا دیا گیا ہے۔ ان کی توہین کی گئی ہے۔

انہوں نے گھر گھر پیٹیم پہنچا دیا کہ فیروں اور قاتلوں کو ذلیل کیا جائے۔ ان سے ایسا برتاؤ کیا جائے کہ عمر بھر یاد رکھیں۔

اگرچہ شیتانیاں قتل و غارت کے خلاف تھیں لیکن اس وقت ان کے غصے کی وجہ یہ تھی کہ نوجوانوں نے گھروا بیوں کی رضا مندی حاصل کیے بغیر قدم کیوں اٹھایا تھا۔ یہ گھروا بیوں کے اقتدار کے خلاف سازش تھی۔ اگر اس کا سد باب نہ کیا تو ہن کی صدیوں پرانی برتری کی روایت ختم ہو جائے گی۔

اس کے باوجود گھروا بیوں بیڑوں بھائیوں کے لیے فکر مند بھی تھیں۔ ہمیں چراغ لے دروازوں پر بٹھائی ہوئی تھیں۔ ہمیں کھڑکیاں ملے جہاں رک رہی تھیں۔

نوجوان دانوں کے دل مرکز رہے تھے۔ لب خاموش تھے۔ اقتدار کی اہانت نہ تھی۔ جب ہم گھر پہنچے تو اشفاق کی بیوی ثور شید بیڑیوں میں کھڑی تھی۔ اس نے خون

کھانیاں کھانے لگی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔

اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔

اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔

اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔

اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔

اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔

اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔ اشفاق نے کہا کہ آج کل کے سارا فصد بھول گئیں۔ ان کی توجہ دشمنی پر آگئی۔

ہندنی مل جاتی تو اسے ساتھ لے آئیں اور کسی ذمہ دار شیفتنگ کے سپرد کر دیتیں۔ یہ لے ماسی انت
تو اپنے گھر میں رکھ لے۔ انہیں صرف ایک غلطو تھا کہ انہیں ایڈ میں کسی ہندنی کی آبرو نہ لٹ
جائے۔

اس رات شیفتنگ کا چلوں انہیں آپڈ کی گلی میں گھوم رہا۔
اس رات انہیں آپڈ سے کل چھپیں ہندنیاں پر آمد ہوئیں۔

پرمیلا، پیتے، شکندا

آپڈ میں ہندنیوں کی آمد نے مل جل چا دی۔

آپڈ میں لے جب دیکھا کہ شیفتنگ نے لٹا پڑا کام کر دکھایا ہے۔ تو انہوں نے سوچا کہ ہم
کچھ نہ کر سکتے۔

آپڈ میں وہ سب تو ہمار کی حویلی میں اکٹھے ہو گئے۔ بڑی باتیں ہوئیں۔ اتنی کہ ڈھیر لگ
گئی۔ یہ سب درست تھی شیفتنگ کا شیفتنگ سے مقابلہ جو ٹھن گیا تھا۔ سوئی یہ تھا کہ ہم کون سا
کھانا کھا رہے ہیں۔ ہر کسی نے اپنی اپنی تجویز پیش کی جس پر دل کھول کر بحث ہوئی۔

پرمیلا

آپڈ میں ہمار لیڈر کن انداز میں بولا، یعنی سیدھی بات ہے۔ شیفتنگ نے ہندنیوں کی
تائید کی۔ تو ہم لوٹ کاہل اکٹھا کرتے ہیں۔ ایک مل خانہ بناتے ہیں۔ جب لے پٹے
کھانا کھا رہے ہیں آپڈ کے توہن میں تقسیم کر دیں گے تاکہ وہ آپڈ ہو سکیں۔

آپڈ میں ہمارے لوگ دلو دلو کر رہے گئے۔

آپڈ میں ہمارے لوگ دلو دلو کر رہے گئے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

آپڈ

سے چندوں دلچسپی نہ تھی، لیکن لوٹ کاہل۔ کیا مصافحہ ہے۔ اپنی حیثیت کو معکم کرنے کا بغور موقع تھا۔

اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ شیخ نو مسلم تھے اور بیڑوں کے خواص ابھی ان میں باقی تھے۔ لیکن ہونا تو ہاتھ آگے بڑھتا۔ دینا ہونا تو ہاتھ پیچھے کر لیتے۔

شیخوں کی اس خصلت پر کسی زندہ دل شیخ نے ایک لٹیفہ ٹھکڑ رکھا تھا کہ ایک شیخ کسی کڑے میں کر گیا۔ بہت کوشش کی، لیکن باہر نکل نہ سکا۔

اسے میں ایک آدمی اور سے کڑا رہا۔ شیخ نے ہاتھ باندھ کر چلایا کہ مجھے اس کڑے سے نکالو۔ راہ گیر نے اپنا ہاتھ بڑھایا بولا شیخ ہی مجھے اپنا ہاتھ دیں۔ لیکن شیخ چپ چاپ کھڑا رہا۔

راہ گیر نے کئی ایک بار کھلے شیخ ہی اپنا ہاتھ دیں، لیکن شیخ نے ہاتھ نہ دیا۔ راہ گیر حیران تھا کہ کڑے سے نکلتا تو چاہتے ہیں، لیکن ہاتھ نہیں دیتے۔

اسے میں ایک بوڑھا شیخ آگیا۔ راہ گیر نے کامیں کب سے کہہ رہا ہوں کہ دیجئے اپنا ہاتھ۔ لیکن یہ ہاتھ بڑھاتا ہی نہیں۔ اس پر بوڑھا بیٹے لنگ بولا بر خوردار شیخ دے گا نہیں۔ تم کو شیخ

ہی کیجئے میرا ہاتھ۔ تو دو محبت اپنا ہاتھ بڑھا دے گا۔

بہر حال لیکن کھارے کے شیخ سوڑے کے کچے تھے چاہے منہ زبانی ہو۔ گواہ کوئی نہ ہو۔ سوڑا ہو

جیسا تو ہو گیا۔ پیسے بھر پر تکیہ پر مگنی۔ وہ اہانت میں خیانت نہیں کرتے تھے۔ بے

لنگ ان میں مل کی حرص تھی لیکن دوسرے کے مل کو ہتھیالے کی کوشش نہ کرتے تھے۔

نو بہارن تنصیلت کو اچھی طرح سے جان تھا اس لیے شیخوں کو کھلے کھڑے کے لیے اس نے اپنی بات کی وضاحت کی بولا بھائیو لوٹ کاہل ہم پر حرام ہے۔ ہمیں اللہ نے کھائے پینے کے

بہت دے رکھا ہے۔ وہی دراصل ان مسلمانوں کا حق ہے جو بھارت سے لے پٹے یہاں آئیں گے۔

شیخ ہم نے کھلے بے لنگ بے مل ہم پر حرام ہے ہمارے پاس اللہ کا دیسا ب کچھ ہے۔ شیخ ہم سے پاس اللہ کی دی ہوئی ایک بچی کو کھری تھی۔ جو برسات کے دنوں میں چوٹی تھی اور شیخ ہم اسے نکالنے کے خواب ایک مدت سے دیکھ رہا تھا۔

سب نے شیخ ہم کی بات پر رولہ وا کی۔

خبردار بولا۔ بھائیو میں معافی چاہتا ہوں۔ بوڑھا ہوں بہت نہیں کہ تمہارے ساتھ گھر گھر

کاہل ہو رہا ہوں۔ یہ ایک کام تھیں ہی کرنا ہو گا۔

کاہل۔ یہ ہمارا فرض ہے۔ چاندوں طرف سے آوازیں آئیں۔

جس نے ہم سے خدمت کر سکا ہوں تو بہار بولا کہ اپنی کوشش کرنا ایک کمرہ اور دو ایک جگہوں

پر کھانے کے لیے وقف کر دوں۔ آپ سے گھر ہو کر مل آگیا کریں اور اسے بیت اللہ میں جمع

ہو کر لکھتے ہو۔ ہم مل کی رکھولی کریں گے اور جب مسلمان مابین یہاں آئیں گے تو

ہمارے ہاں کریں گے تاکہ آپ اپنے ہاتھوں سے تقسیم کر سکیں۔

چاندوں طرف سے سبحان اللہ۔ اللہ آپ کو بڑے خیر سے کا شاور

کرے گا۔ راہ گیر نے چہرے پر خوشی کی سرخی دوڑ گئی اور اس کی ہتھیلیوں میں کھجلی ہونے

کا شاعرانہ طرب شروع کیا۔

ان بات پر متفق تھے کہ یہ کار خیر فی الفور شروع کر دیا جائے۔

میں نے ان باتوں کو بھول کر ان کے زہن دوقی بنی ہوئی حویلی میں داخل

ہوئے۔ اس کے ساتھ ایک دنوں لڑاکا تھا۔ انھوں نے اس کے گلے میں دوپٹہ باندھ رکھا تھا۔ جسے

انھوں نے اندر لا دی تھی۔ لڑکے کے منہ پر لالک لی ہوئی تھی۔

انھوں نے دو دروازے میں کھڑی ہو کر انھوں سے لپٹا کر لے گئی۔ کبھی دونوں ہاتھ چماتی پر ہار تھی۔

انھوں نے اور کبھی سر پر اور ساتھ فٹے جاتے۔

انھوں نے لٹ گئی۔ میرے گھر کی عزت خاک میں مل گئی۔ ہمارے منہ پر لالک لی گئی۔

انھوں نے ادا ہوا انھوں۔ سب جیلانی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

انھوں نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ بولی اس سے پوچھو۔ کیا کرتوت کی ہے اس نے۔

انھوں نے کہا۔ میں اس نے دوپٹے کو کھینچ کر لڑکے کو کھینچا۔ اب بتائیں اپنی کرتوت۔

یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔
 یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔

یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔
 یہ لڑکا ہے کون، ایک نے پوچھا۔
 یہ نہیں کون ہے، دوسرے نے کہا۔

گاہ میں میرے سامنے کھڑا جا رہا تھا۔

پھر تینوں نے ایک کینی بنائی۔ انہوں نے ہاتھ میں قرآن کریم اٹھایا اور وہ مگر گھر دروازہ کھٹکنا شروع ہوا بل پر آؤ کرنے لگے تاکہ اسے بیت اللہ میں جمع کرادیں۔
ہم تینوں بھی ان کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔

تایا۔۔۔ شیارہ

پہلا دروازہ جو انہوں نے بنایا۔ تیسرے تار کا تھا۔ تیار ایک طویل تھاری کے بعد فوت ہو چکا تھا اس کا سارا علاج معالجے پر صرف ہو چکا تھا۔ تیسرے کے چار بیٹے تھے۔ جن میں سے تین بے کار تھے۔ سارا دن چٹکیں لوٹتے۔ کھلی ڈنڈا کھینچتے اور بازار میں سائزموں کی طرح جھوم جھوم کر گھومتے پھرتے۔ اس کا چوتھا بیٹا جو گرجا والے میں کسی ٹیکسٹری میں کام کرتا تھا۔ اسی کے سہارے گھر چلا تھا۔

دروازہ بننا تو تینوں لڑکے باہر نکل آئے اور تھیں کھاتے لگے کہ ہم تو گاڑی سے کچھ بھی نہیں لائے نہ کوئی ہتھیلی نہ سلاں۔

شر شرایا سن کر ان کی بل چادر لیے باہر نکل آئی۔ اس کے ہاتھ میں جوتی تھی۔ باہر نکل کر اس نے بیٹوں کے سروں پر دھاریں دھاریں جوتاں مارنا شروع کر دیں۔ تھمرا سٹیاں ہو۔ تم پر قرآن کی مار پڑے۔ مرنا کھینچنے پڑ جائیں۔

اندرا آج بھائی ہوئی۔ دونوں ٹرک کچھ سلامت پڑے ہیں اور ان میں سے یہ رور نکلے

میں نے یہ دیکھ کر فیس میں اپنی بیوی خورد خور کو کواڑیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے بعد وہاں کئی ایسی ہی تو باہر عورتوں میں بیٹھی ہیں۔
میں نے انہیں لے کر چھا کھینچنے کو کوئی کس نے ہندھی ہے۔
ایک تھا۔ وہ بولی۔ وہ ہندھ گیا ہے پٹی۔

ایک تھا۔ وہ ہندھ گیا ہے کچھ مدھم پڑ گیا پھر وہ کتنے لگے کہ کور کو کھاتے پکاتے پر کیوں لگا رہا ہے۔ اس میں اس نے تو نہیں اٹھا کر لیا کہ اس سے گھر کا کام کرانیں۔

ایک تھا۔ وہ ہندھ گیا ہے کچھ مدھم پڑ گیا پھر وہ کتنے لگے کہ کور کو کھاتے پکاتے پر کیوں لگا رہا ہے۔ اس میں اس نے نہ کچھ کھایا ہے۔ نہ پیا ہے۔

ایک تھا۔ وہ ہندھ گیا ہے کچھ مدھم پڑ گیا پھر وہ کتنے لگے کہ کور کو کھاتے پکاتے پر کیوں لگا رہا ہے۔ اس میں اس نے نہ کچھ کھایا ہے۔ نہ پیا ہے۔

ایک تھا۔ وہ ہندھ گیا ہے کچھ مدھم پڑ گیا پھر وہ کتنے لگے کہ کور کو کھاتے پکاتے پر کیوں لگا رہا ہے۔ اس میں اس نے نہ کچھ کھایا ہے۔ نہ پیا ہے۔
ایک تھا۔ وہ ہندھ گیا ہے کچھ مدھم پڑ گیا پھر وہ کتنے لگے کہ کور کو کھاتے پکاتے پر کیوں لگا رہا ہے۔ اس میں اس نے نہ کچھ کھایا ہے۔ نہ پیا ہے۔
ایک تھا۔ وہ ہندھ گیا ہے کچھ مدھم پڑ گیا پھر وہ کتنے لگے کہ کور کو کھاتے پکاتے پر کیوں لگا رہا ہے۔ اس میں اس نے نہ کچھ کھایا ہے۔ نہ پیا ہے۔

تایا۔۔۔ شیارہ

ایک تھا۔ وہ ہندھ گیا ہے کچھ مدھم پڑ گیا پھر وہ کتنے لگے کہ کور کو کھاتے پکاتے پر کیوں لگا رہا ہے۔ اس میں اس نے نہ کچھ کھایا ہے۔ نہ پیا ہے۔
ایک تھا۔ وہ ہندھ گیا ہے کچھ مدھم پڑ گیا پھر وہ کتنے لگے کہ کور کو کھاتے پکاتے پر کیوں لگا رہا ہے۔ اس میں اس نے نہ کچھ کھایا ہے۔ نہ پیا ہے۔
ایک تھا۔ وہ ہندھ گیا ہے کچھ مدھم پڑ گیا پھر وہ کتنے لگے کہ کور کو کھاتے پکاتے پر کیوں لگا رہا ہے۔ اس میں اس نے نہ کچھ کھایا ہے۔ نہ پیا ہے۔

اے گھر کی لڑکی ہے اور اچھا کھانے کی عادی ہے۔ پھر ایک دن وہ ہاتھ
 دھو کر سامنے کھڑی ہو گئی۔ بولی پیتے پیتے میری عزت اب تیرے ہاتھ میں ہے۔
 اور اگر تو اپنے کے چٹنی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لڑکے نے جملہ سے دو مہینے سے
 پہلے تو اچھا کھانے کی عادی ہے پر میں مجبور ہوں۔ اگر مجھ میں تو تیرے
 ہاتھ کی طرح نہ ہو۔

اور شہ کے گھر آئی اور اشفاق حسین سے کہنے لگی۔ مجھے آپ سے ایک
صحن میں چائے چاہئے اور وہ ایک دوسرے سے باتیں
کرتے اور شہ کو جوڑنے کے لئے لڑائی کرتے اور شہ کو
دیکھ کر وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ سب سنا ہے۔

پھر اس کو یہ چلا کہ بیٹیاں چیرے کمانے کے لیے کلام لاتی ہے تو ہنسے۔
بیٹیاں کو تو کچھ نہ کہا میدی خود شید کے گھر پہنچی۔ اشفاق حسین
اس کے خدا کی بناہ۔ اشفاق حسین اور خود شید گردنیں اٹکائے سنتے رہے۔
چونکہ خالہ سردار اس کے سامنے ہونا ممکن نہ تھا۔

اب کیسے ہو گا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ میں نے اسے چلی چلا دیا۔ اب کیا

میں نے کہا کہ میں اس کو لے کر آؤں پھر کرسن دیں گی۔ وہ باہر نکل آئی اور
میں نے کہا کہ میں اس کو لے کر آؤں پھر کرسن دیں گی۔ وہ باہر نکل آئی اور
میں نے کہا کہ میں اس کو لے کر آؤں پھر کرسن دیں گی۔ وہ باہر نکل آئی اور

شکنتے نے چی کر کہا۔ بھابی میری ماما جی مل گئی۔ سب

چونکہ کرنے دو تاکہ ان کا دھرم بھڑٹ نہ ہو۔

خالد سردار اس کی طرح پھر گئی۔ بہت بڑے سے بڑھتے ہوئے۔ میں مانا ہوں۔ میرے پاس کھانا کو طویلے ہائے میں ہیں، لیکن آپ چاہے چٹنی کھائیں اسے سو۔ کالوا کھائیں گی۔ خالد سردار اس کی بھی گزری میں جتنا سمجھتی ہو۔

اس روز سارا دن خالہ سرداراں کی آواز سارے محلے میں گونجنی رہی۔ لوسن لوہمن ۱۰ :
آتے جاتے سے قصہ چھیڑ لیتی۔

اسی روز اس نے جس کا چہرہ لہجہ کاٹک کر دیا۔
تیسرے دن غلام سردار اس کے چہرے پر جا بیٹھی۔ پوری جہی میں بھی تیرا پکڑا ہوا کھنکھار
گئی۔ تو میرے ہاتھ کاٹکنا نہ کھینکنا سکتا تھا۔ میں تو تیسرے ہاتھ کاٹکنا سکتی ہوں۔ تیرا دھرم بھروسہ
ہوتا ہے۔ پر میرا تو نہیں ہوتا۔

ساری عمر مجھے یہ آرزو رہی کہ میری بھی ایک بیٹی ہو۔ خالہ سردار اس آئندہ ہو کر اپنی لب لبابی بھی آخری عمر میں تو میں اسے اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں سکھائی۔ اسے مجھے کتابچاؤ قلم۔ خالہ سردار اس دامن دامن کر کے روئے گئی۔

پرتیاں نے چہلچلکا چھوڑ کر غلہ سرائیاں کو دونوں بازوؤں میں قلم لیا اور اس
کچے لک کر دوئے گئی تو میری ماں ہے تو میری چچی ماں ہے۔ میری اپنی ماں بچنے میں سوگ ماں
ہو گئی تھی پھر ہائی نے اس کو سہارا کر لیا اور میں سو گئی کے گھر لپی۔ چاچی نے بھی منہ مولا
جیون میں کسی نے مجھے اتنا پیار نہیں دیا تھا تو نے دیا ہے۔ تو مجھ سے ہو چھٹی ہے۔ پرتیاں
تو میرے گھر میں اپنی جہان پریشان کیوں رہتی ہے۔ تجھے یہ گھر گھر میں لگا کیا؟

میں حیرے گھر میں اتنی حیران اس لیے ہوں کہ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میں پتہ نہ دیکھ رہا ہوں۔ اُردو ہوں کہ آگے نہ کل جائے۔

خالد سرداراں اپنا رونا بھول گئی اس نے پریتوں کو اپنی ہانوں میں سمیٹ لیا۔
مجھے کبھی کسی نے پیار نہیں دیا تھا۔ بہنیاں بولی۔ پیار ملا بھی تو کہاں ملا۔

خاندان سردار اہل غریب عورت تھی۔ وہ مشکل سے اپنا گزارہ کرتی تھی۔ بہنیاں کے آسے سے اسے خاصی مشکل پڑ گئی تھی۔ کئی ایک دن تو وہ بہنیاں کو اچھا کھلاتی رہی چونکہ

سیڑھیوں کی طرف بھاگے دیکھا تو شکنتلے اور کور کے ساتھ ایک اور عورت کھڑی ہے۔

چونکہ شکنتلے کا چہرہ کاوشم بھر چکا تھا اور ڈاکٹر نے اسے چلنے پھرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس لیے اب اشفاق حسین کو اسے چہرے پر اٹھا کر ڈاکٹر کی دکان پر لے جانے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ لہذا صبح سویرے ناشتے سے فارغ ہو کر کور شکنتلے کو ساتھ لے کر دکان پہنچ جاتی۔ وہاں وہ اپنی باری کا انتظار کرتیں اور پھر دوا لگوا کر گھر لوٹ آتیں۔

اس روز جب وہ دوا لگوا کر چکری چوک میں پہنچیں تو شکنتلے نے کور سے کہا کہ میں ڈراپائی لیا ہوں۔

چکری چوک بازار کے عین درمیان میں واقع تھا وہاں سے چار ایک گلیوں کے راستے

تھے۔ ان گلیوں میں سلوتری اور شکنتلے کے ٹاپ کی باتیں ہوتی رہیں۔

کبھی کبھی حتیٰ کہ ماما جی سرگہش ہو گئیں۔ سلوتری سمجھتی تھی کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔

وہ دوا لگوا کر پہنچیں تو ماما جی کی ساری فیشیہاں اکٹھی ہو گئیں۔

ان گلیوں میں اپنی اپنی ایک دوسری کو سینے سے لگا لگا کر دوسری دوسری طرف شیتائیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ماما جی ہڈیات سے اس قدر چپ چاپ رہا تھا کہ اشفاق حسین نے اسے دیکھا تو اس کا ہنسنے کے بدلے باہر نکل گئے۔

وہ دوا لگوا کر پہنچیں تو ماما جی کی ساری فیشیہاں اکٹھی ہو گئیں۔

ان لڑکیوں کو کھڑکیوں میں آکھڑی ہوئیں۔ اسے سلام کرتیں۔ اشارے کرتیں۔

فیضو اور احمد ایں

شیخ عنایت اللہ بولے، 'میں نے چھوٹی چھوٹی چال مچھلیاں پکڑنا کوئی بات نہیں مزا تو جب ہے!
کوئی ڈولا، انھی شکار کر کے دکھائے۔

اس پر جیسا ہمارا بولہ - شیعہ جی اپنے ممبرزئیل میں ایک جنی ہے۔ یہ قد بت۔ دلیر الکی
بوڈھول کے ڈاکو ممبرزئیل آئے تھے، ڈاکہ ڈالنے۔ ایک ڈاکو کی دینی احمد جنی کے ہاتھ آگئی

ہالے کو لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ان کی طرف دیکھ کر سرسری طور پر
سکراتا، جھوٹی کلیفہ لہائی چکاتا اور آگے نکل جاتا۔

کام کے معاملے میں ہالا بے حد متکا تھا۔ باپ نے زبردستی اسے سکول میں داخل کر دیا تھا۔
وہ مشکل سے آٹھ سال کا تھا تو تک چل سکتا پھر اس نے سکول چھوڑ دیا۔

اب اس کا کام آوارہ گردی کرنا۔ اٹھارے میں ڈنڈ بیٹنگ لگانا اور جوان لڑکوں کے ساتھ
گیند بٹا کھیلنا تھا۔

جب انہوں نے دہلی جانی تو ان میں آٹھ آدمی تھے اور اس نے دیکھا کہ گھر میں ایک ہندو لڑکی بیٹھی
ہے۔ تو اس نے جوتا اٹھا لیا اور مار مار کر ہالے کا بھر کس نکال دیا پھر وہ اس کا منہ نکلا کر بے ہوش
کے سامنے لے گئی۔

وہاں سے واپس آکر اس نے ہالے کو گھر سے نکال دیا اور کہہ دیا خود بخود تو نے اس گھر میں
قدم رکھا تو۔

پھر وہ پر میلائی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کا منہ دھلایا۔ کپڑے بدلوائے کھانا کھلایا اور پھر بار
سے بولی۔ ہے بھاری کیا حال بنا ہے تیرا۔ ہے میں کیا کروں یہ لڑکا پاؤں سے نکلا ہوا ہے۔ میں
بس مار بیٹھ ہی کر سکتی ہوں۔ مار کھا لیتے ہے پر اپنا چلا نہیں چھوڑتا۔ یہ بتا لڑکی کل رات کو اس
نے۔

وہ رک گئی۔ پھر بولی۔ تو آجی کی تھی یا نہیں اس نے۔
وہ پھر رک گئی۔

پر میلا نے سر جھکایا، جھکائے رکھا۔

اس کے بعد جب پر میلا انہوں سے بہت باتیں ہو گئی تھی، جب وہ اس کی ہر بات کا
آواز نہ جواب دینے لگی تھی۔ تب انہوں نے کئی بار اس سے یہی سوال کیا تھا، بار بار کیا تھا
لیکن جب بھی وہ یہ سوال پوچھتی پر میلا سر جھکاتی۔ اس کے چہرے یا انداز سے کبھی پتہ نہ چلا
تھا کہ اس رات کیا ہوا تھا، کچھ ہوا بھی تھا یا نہیں۔ یہ تفصیل آج تک سرپرست راز رہی تھی۔

اگر پر میلا ابھی سی جنبش سے سر ہلا رہی، چاہے فنی یا لہجہ میں یا اس کے چہرے پر نفرت
تھارت، غصہ یا شرم کا جذبہ، جھک چکا، تو انہوں کے سینے سے بوجھ اتر جاتا، لیکن ایسا نہ ہوا۔

وہ کسی بھی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ ایک دہائی پر پہلی لڑکی تھی۔ بی۔ اے کر چکی تھی۔ فصل و
تھوڑے دنوں میں اسے نو بہار کا سما جائے، لیکن تھی بڑی چارمب نظر اور اتنی جلیبی تھی
تھی کہ اس کی طرف سے کوئی تھی۔

وہ کسی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
تھی وہ نہ تھا اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

وہ کسی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی اندر اندر پر میلا گھر میں چھا گئی کہ انہوں نے ہر بات اس کے مشورے سے
کی تھی۔

وہ کسی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ انہوں کو موسیٰ کا کرتی تھی۔ موسیٰ بیٹے کو گھر سے نکالے
تھی کہ اس کا منہ وہ اپنے چاہتے کے گھر دیتا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکا چاہا کے

تھی وہ کسی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی تو جانتی ہوں کہ وہ گھر آجائے، پر مجھے اس پر اعتبار بھی ہو۔ وہاں چاہتے
تھی کہ اس کا منہ وہ اپنے چاہتے کے گھر دیتا ہے، جو میں آکر اس نے تجھ پر ہاتھ ڈالا تو میں

تھی کہ اس کا منہ وہ اپنے چاہتے کے گھر دیتا ہے۔

وہ کسی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
تھی وہ نہ تھا اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

وہ کسی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
تھی وہ نہ تھا اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

وہ کسی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
تھی وہ نہ تھا اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

وہ کسی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
تھی وہ نہ تھا اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

وہ کسی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی تو اس کا جواب نہ تھا۔ ایسی برہنہ اور لذیذ باتیں کرتی کہ کوئی نہ تو
تھی وہ نہ تھا اور اتنی وقتہ شیاں تھی کہ محفل کا رنگ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

وہ کہتی تھی 'اے لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکی کو اپنے ہاتھ کاٹنے پر مجبور کر رکھا

پھونسا دیا۔ وہ بہت بدلتی گھر پر گزارنے لگا۔

تو کوئی اسے نہیں لے پاس رکھ

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

بریتھمن چلا کر بولی میں کھلی میں نہیں آؤں گی۔

تم اندر آ جاؤ۔ سردار نے کہا۔

کچھ میجر داؤھی میں کھلت پر بیٹھ گیا۔ خالہ سرداروں پریتھمن کو سارا دیے ڈانڈا

میں لے آئی۔

کچھ میجر ہوا۔ ہم لڑکی سے اکیلے میں بیٹھ گئے۔

خالہ سرداروں بولی ساری بات میرے سامنے ہو گی۔ اے میں اپنی بیٹی کو غیروں کے ہاتھ

میں کیسے دے دوں بھلا۔

کچھ میجر نے پوچھا لڑکی تو کیوں نہیں جانا چاہتی۔

بریتھمن نے جواب دیا۔ کیوں کا کیا مطلب ہے۔ بس میں نہیں جانا چاہتی۔

کچھ میجر نے کہا لڑکی تم پر دیکھ ڈالا جا رہا ہے۔

بریتھمن نے جواب دیا ہاں مجھ پر دیکھ ڈالا جا رہا ہے کہ میں تمہارے ساتھ چلی چوں۔

پھر بڑے بوڑھے آ گئے۔ وہ سب اصرار کرنے لگے۔ بولے تجھے کوئی زیروستی نہیں لے

جائے گا تو صرف اتنا بتا دے کہ تو کیوں نہیں جانا چاہتی۔

بریتھمن سوجھ میں بیٹھی۔ کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر بولی میں صرف ایک صورت میں

کھتی ہوں کہ میرا بھتیجہ تو امرتسر میں رہتا ہے وہ آکر مجھے لے جائے۔

وہ نہیں آسکتا میجر فریڈ۔ راستہ بند ہیں۔

تو نہ آئے وہ بولی میں یہاں خوش ہوں بہت خوش ہوں۔

یہ سن کر خالہ سرداروں کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو پونے لگے۔

تجھے ہم پر اعتبار نہیں کیا کچھ میجر نے گویا دھکی دی۔

نہیں وہ بولی۔

مجھے پر کھٹکھٹا ماری ہو گیا۔

مجھے چہ ہے کیوں میں کیا ہوتا ہے بریتھمن نے کہا۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

کچھ میجر ہوا لڑکی کو کھلی میں لے آئے۔

دیرین پڑے تھے۔ کہیں سے ہانسی یا ماسیجے کی آواز میں آ رہی تھی۔ پہری پر کوئی رادہ نہیں چل رہا تھا۔ نہ ہی ڈھور ڈھوروں کے گھگھے کی گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

جب میں لاہور سے چلا تھا تو میرے ذہن میں صرف دو چیزیں تھیں۔ ایک کٹا صندوق اور ایک خوبصورت ہنسی، لیکن انہیں آپد میں دونوں چیزیں میرے دل سے نکل گئی تھیں۔

میں صرف اس لیے انہیں آپد کیا تھا کہ خود پر یہ ثابت کر دوں کہ میں مسلمان ہوں، مگر ہندو کے پیٹ میں چھرا گھونپ دوں، لیکن انہیں آپد میں یوں محسوس کر رہا تھا جیسے ہندو

تقریباً ایک سال پہلے جب لاہور میں سکھوں اور ہندوؤں نے پہلا جلوس نکالا تو اس اذراہ اتفاق احمد بشیر کے ساتھ مل روڈ پر گھوم رہا تھا۔

اگر وہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔ اتنا بڑا جلوس نکلی کر نہیں سکتا تھا۔

گئیں تھیں، نہ بازار وہ بازار تھے، نہ محلہ وہ محلہ تھا۔ محلے والوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔
ہندوؤں کے بی مہاراج میں دھولس ملوث تھی جس مہاراج، ذرا خرنیشور فورس کو یہاں
سے چالینے دو، جی مہاراج۔
سارے شہر کے مسلمان اپنے گھروں میں یوں بیٹھے تھے جیسے مسافر ہوں۔ ایک چھوٹے
اطالان نے مسلمان اکثریت کے علاقے کو یوں بلا دیا تھا جیسے ڈنرلہ آگیا ہو۔

سراب

دفترا، گاڑی کو شدید جھکا لگا، میں اچھل کر سامنے والی سیٹ پر جا کر۔ پھر میں نے اٹھ کر
کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی۔ پتہ نہیں ایسا کیوں ہوا۔ پر ایسے ہوا۔ میں سمجھا لاہور آگیا ہے۔
اٹھا کر میں گاڑی سے اتار گیا۔ سوچنے لگا یہ کس پایت قادم پر گاڑی کھڑی کی ہے انہوں نے۔
ردنیوں کی طرف چلتے ہوئے دفترا، مجھے خیال آیا کہ وہ جو تلوں کی قطار میں نے کھانا
سے دیکھی تھی۔ وہ کیا ہوئی اور وہ ٹی سٹل۔ گیٹ پر جلی حوض میں کھانا کھا ہوا تھا۔
مڑا کر گاڑی میں پھر سے بیٹھ جاؤں، لیکن گاڑی جا چکی تھی۔ لائن خالی پڑی تھی۔ شیشیں دیر
تھا۔

پھر دور سے ایک جھولتی ہوئی حق کھانڈی دی جو میری چاہ آرہی تھی۔ دب و قریب
تو میں نے دیکھا کہ ایک دھلا پٹا نہ فرق آدمی میرے سامنے کھڑا ہے۔
یہ کون سا شیش ہے۔ میں نے پوچھا۔

کھانا کھاؤ۔

لاہور میں سے کتنی دور ہے۔

دو شیش آگے۔

آپ کون ہیں۔

اشیش ماسٹر۔

لاہور کو گاڑی کب جاے گی۔

دب پٹے آدمی نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ بولا آپ تو لاہور کی گاڑی سے

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

لاہور آگیا۔

میرے ساتھ چلے۔
 (اگر آپ یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہیں۔ میرے ساتھ چلے۔)

پراسرار وہ

وہ میرے پاس آکر رک گیا۔ بولا آپ یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہیں۔ میرے ساتھ چلے۔

[illegible]

سے، نہیں اتر کیا۔ تو نے دیکھا کہ تیلوں کی قطار کھڑی ہے۔ سٹال پر لوگ چائے پی رہے تھے۔
دیکھا تھا نہ تو سمجھا لاہور آگیا ہے۔ تو گاڑی سے اتر گیا۔

یہ سن کر میرے ذہن کا فیورڈ اڑ گیا۔ کیا تم نے مجھے یہاں اتارا ہے جو اب دو۔

ڈھکے چھپے کوائف

میں نے اپنی زندگی میں بڑا مشکل دور گزاری ہے۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کیوں پیش آئے جو کہ میں نے انہیں اپنے دل سے چھپائے ہوئے تھے۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کیوں پیش آئے جو کہ میں نے انہیں اپنے دل سے چھپائے ہوئے تھے۔

میں نے اپنی زندگی میں بڑا مشکل دور گزاری ہے۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کیوں پیش آئے جو کہ میں نے انہیں اپنے دل سے چھپائے ہوئے تھے۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کیوں پیش آئے جو کہ میں نے انہیں اپنے دل سے چھپائے ہوئے تھے۔

میں نے اپنی زندگی میں بڑا مشکل دور گزاری ہے۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کیوں پیش آئے جو کہ میں نے انہیں اپنے دل سے چھپائے ہوئے تھے۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کیوں پیش آئے جو کہ میں نے انہیں اپنے دل سے چھپائے ہوئے تھے۔

میں نے اپنی زندگی میں بڑا مشکل دور گزاری ہے۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کیوں پیش آئے جو کہ میں نے انہیں اپنے دل سے چھپائے ہوئے تھے۔ میری زندگی میں ایسے واقعات کیوں پیش آئے جو کہ میں نے انہیں اپنے دل سے چھپائے ہوئے تھے۔



ممتاز مفتی، مسعود، عماد، عمر، عکسی، افغانی (چھپڑیاں)



دہ بجی تھی مگر میں کمانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ دوکان دار غرض دینے سے ہٹا چکا تھا۔
تھے۔ پشاور نے مزید دیکھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان دنوں کاروبار شپ ہو چکے تھے۔ کوکڑ
کی توجہ یا تو ان دکانوں اور مکانوں کو لوٹنے پر مرکوز تھی جو ہندو پیچھے چھوڑ گئے تھے اور یا
دعائی لٹے پٹے مہاجرین کی طرف لگی ہوئی تھی جو مشرقی پنجاب سے لاہور پہنچ رہے تھے۔

جاگتے کے خواب

اس نے انبار میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ انبار کی
میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ انبار میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

ان دنوں نوکری تلاش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے دل میں کئی بار آ رہا
پیدا ہوتی تھی۔ کہ کسی ہندو کے مکان میں بیچنے سے کس جاؤں اور وہاں سے سارا مال اکٹھا
کے لے آؤں۔

پھر لالہ آگئی۔ اسے دیکھ کر ایسے محسوس ہوا جیسے اس کی تمام تر مظلومیت اور دکھ میرا
وجہ سے تھا۔ اس نے مجھ سے کبھی کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا اس کے باوجود میں محسوس کرتا تھا۔
میرے طور طریقے سے ناخوش ہو۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

دہ بجی تھی مگر میں کمانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ دوکان دار غرض دینے سے ہٹا چکا تھا۔
تھے۔ پشاور نے مزید دیکھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان دنوں کاروبار شپ ہو چکے تھے۔ کوکڑ
کی توجہ یا تو ان دکانوں اور مکانوں کو لوٹنے پر مرکوز تھی جو ہندو پیچھے چھوڑ گئے تھے اور یا
دعائی لٹے پٹے مہاجرین کی طرف لگی ہوئی تھی جو مشرقی پنجاب سے لاہور پہنچ رہے تھے۔

ان دنوں نوکری تلاش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے دل میں کئی بار آ رہا
پیدا ہوتی تھی۔ کہ کسی ہندو کے مکان میں بیچنے سے کس جاؤں اور وہاں سے سارا مال اکٹھا
کے لے آؤں۔

پھر لالہ آگئی۔ اسے دیکھ کر ایسے محسوس ہوا جیسے اس کی تمام تر مظلومیت اور دکھ میرا
وجہ سے تھا۔ اس نے مجھ سے کبھی کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا اس کے باوجود میں محسوس کرتا تھا۔
میرے طور طریقے سے ناخوش ہو۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اپنا انداز کیسے بدلوں۔ میرے دل میں خود کو بدلنے کی
خواہش بھی تو پیدا نہ ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے درود جالے یا اس کے پاس بیٹھنے
خوف زدہ تھا۔

رائسہ راجہ میاں یحیٰ

اب کہیں سے سہلی میں نے پوچھا۔
 (نہری میں ہی یوٹوسی ہو گئی ہوں۔)

پیارے بیٹے۔
 (نہری نے) "نہریوں کے چروں پر آگاہ تھی، لڑکیاں یوں بیٹھی تھیں جیسے وہ

اود۔ بر سبیل تذکرہ۔ ساری کی ساری ہو چکی ہے۔ اس کے میاں ریاست کے ٹولپ ہیں۔
 (نہری نے) "نہریوں کے چروں پر آگاہ تھی، لڑکیاں یوں بیٹھی تھیں جیسے وہ

ریاست نے پاکستان سے اتفاق کر لیا تھا، لیکن چونکہ پاکستان سے ملحق نہ تھی اس لیے لڑایا
نے بہادر قبیلہ کر لیا۔
اور وہ لوگ میرا مطلب ہے۔
صرف جسم ہی جسم تھیں۔ ایسے ہی شعور ہی نہیں تھا کہ وہ عورتیں ہیں۔ ان
کا، بہت کاہم و نشان نہ تھا۔ عورت میں اگر لڑائی شعور نہ رہے، اگر اسے
وہ عورت ہے تو وہ جسم کا ایک تودہ بن کر رہ جاتی ہے۔ بے حس، بے ہمدرد جسم

ہاں وہ لوگ مشکلات میں ہیں۔ مشکلات تو ہوں گی۔ ہم نے جو جو اٹھایا ہے۔ پاکستان بنایا ہے اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ کروے ہیں وہ مسکرایا۔ ایک گھنٹہ ہم دونوں باتیں کرتے رہے۔

جب میں رخصت ہوئے گا تو اس نے ایک قاتلہ خط میرے ہاتھ میں تھموا۔ بولایہ ایک معمولی سی آفر ہے۔ معمولی سی آسانی ہے۔ اگر آپ کے کام کی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ بھڑا دیجیے۔ ریلوے جنوں کا مورچہ بڑھانے کے لیے "ٹانگ" لگا کر ان سے باتیں کرتا ہوں گی، ہمدردی کی باتیں، خوشی کی باتیں، اسلام کی باتیں، چٹاری کی باتیں، ہجرت کی باتیں۔

میں نے انہیں دیکھ کر شدت سے محسوس کیا کہ اگر وہ فداوات میں مر جائے تو میرے
یوں زندگی کے سوتے خشک ہو جانے کے بعد زندہ لاشوں کی طرح چنے چٹائے میں نے
بحرِ بھری محسوس کی۔

رہو جیوں کا یہ اتھوڑا کی ایک کہیں میں مٹا ہوں قتل شاید پانچ یا سات کپ تھے۔

میری قینقاں کپ نمبر ایک میں ہوئی تھی جو فیوڈ پر روڈ پر برب سڑک واقع تھا۔
لیے میں کپ نمبر ایک میں گھومتا رہا، دیکھتا رہا، دیکھتا رہا حتیٰ کہ مزید دیکھنے کی ہمت نہ رہی
دکھ سے بھر گیا۔ ذہن پر بے غام غم کے ہل چلائے۔ پھر میں یوں چل پھر رہا تھا جیسے
قتل۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی خلیاں میں امید کا دیا جلائے ہو گا
لوٹوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگنے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

پاکستان کے خلاف

ان دنوں میرا شعور پختہ نہ تھا مجھے پاؤں کا علم نہ تھا، میں اس حقیقت سے واقف نہ تھا
قیام پاکستان پر جتنا بھی گفت خون ہوا تھا، وہ رہا تھا، وہ پاکستان کی بنیادوں پر چلنے لگنے کا کام
تھا، پاکستان کی بنیادوں کو پختہ کر رہا تھا، اس کے قیام کو مضبوط تر کر رہا تھا، اس کو زائید و مستحکم
استحکام بخش رہا تھا۔

قدرت نے ہندو کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا، عدم تشدد کے داعی کو تشدد پر ابھارا تھا
اس نئی اسلامی مملکت کو لپٹے پاؤں پر کھڑا ہونے کی قوت حاصل ہو چاہے۔

ان دنوں میں جس ایک دانشور قتل چٹوڑ کو پرکھنے کے لیے میرے پاس صرف ایک
تھی۔ محلِ دولہا کی مورتی۔

میں سمجھتا تھا کہ محفلِ دولہا انہیں کی واحد دہریہ ہے، اس کا واحد امتیاز ہے۔ ان دنوں

میں نے انہیں دیکھ کر شدت سے محسوس کیا کہ اگر وہ فداوات میں مر جائے تو میرے
یوں زندگی کے سوتے خشک ہو جانے کے بعد زندہ لاشوں کی طرح چنے چٹائے میں نے
بحرِ بھری محسوس کی۔

رہو جیوں کا یہ اتھوڑا کی ایک کہیں میں مٹا ہوں قتل شاید پانچ یا سات کپ تھے۔
میری قینقاں کپ نمبر ایک میں ہوئی تھی جو فیوڈ پر روڈ پر برب سڑک واقع تھا۔
لیے میں کپ نمبر ایک میں گھومتا رہا، دیکھتا رہا، دیکھتا رہا حتیٰ کہ مزید دیکھنے کی ہمت نہ رہی
دکھ سے بھر گیا۔ ذہن پر بے غام غم کے ہل چلائے۔ پھر میں یوں چل پھر رہا تھا جیسے
قتل۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی خلیاں میں امید کا دیا جلائے ہو گا
لوٹوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگنے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی خلیاں میں امید کا دیا جلائے ہو گا
لوٹوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگنے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی خلیاں میں امید کا دیا جلائے ہو گا
لوٹوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگنے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی خلیاں میں امید کا دیا جلائے ہو گا
لوٹوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگنے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی خلیاں میں امید کا دیا جلائے ہو گا
لوٹوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگنے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی خلیاں میں امید کا دیا جلائے ہو گا
لوٹوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگنے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی خلیاں میں امید کا دیا جلائے ہو گا
لوٹوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگنے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

چلتے چلتے دلتا، مجھے یاد آیا کہ میرا کام ان مردہ گھڑیوں میں جینے کی ہمت پیدا کرنا،
ان کا سوز بیل استوار کرنا ہو گا۔ ان دھواں دھواں تک خلی خلیاں میں امید کا دیا جلائے ہو گا
لوٹوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ نہیں ہو گا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کپ کا ایک پتھر لگنے
بعد میرے اپنے احساسات مثل ہو چکے تھے، میں خود زندگی سے آگاہ محسوس کر رہا تھا۔

وہ ابھرنے لگی، ابھرتی گئی۔ حتیٰ کہ ساری کائنات پر چھا گئی۔ میں بھول گیا کہ کون کیوں وہاں آیا ہوں، وہ جگہ کون سی جگہ ہے، ساری کائنات میں صرف وہ فرد باقی رہ گئے ایک باشندہ، جو بالکل معدوم ہوا جا رہا تھا اور ایک وہ جو فرش سے عرش تک محیط و مسلط تھی وہ جگہوں کی ایک شیار تھی۔

اس کا قد لمبا تھا، جسم بھرا ہوا تھا، دوانی پٹلی چارویں تھی، رنگ سانواں تھا، شخص چمکے آنکھیں مدھ بھری تھیں اور انداز میں بے نیازی کے انہار گئے ہوئے تھے۔ وہ کھڑی باتنی کی طرف دیکھ رہی تھی، کسی خیال میں اس قدر غور تھی کہ اسے پتہ بھی نہ تھا کہ سامنے کوا شخص سمٹ سمٹ کر ہاتھ پیریں چکا ہے اور مسلسل اس کی طرف دیکھے جا رہا ہے۔ عام عورت کی طرف تنگی کی پاندھ کر دیکھو تو وہ دیاں چونک کر متوجہ ہوتی ہے جیسے کانٹا ہو، لیکن وہ جیسا اتنی بے نیاز تھی کہ اسے پتہ بھی نہ چلا۔

پھر دفعتاً گویا وہ جاگ پڑی۔ اس کی نگاہیں باتنی سے لوٹ آئیں۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ کچھ اس طرح کہ یہ کیا ہے۔ پھر اس کی نگاہ میں حقیر بھرا جسم جھلک اٹھی جتنے کاٹ کر رکھ گئی، جیسے اس کی نگاہ کہہ رہی ہو تو تو کیا ہے۔ ایک پلٹا کیزل پھر وہ میری اور دیکھنے میں داخل ہو گئی۔

دفعتاً مجھے ہوش آیا۔ شیار کی اس ایک نگاہ نے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ میں نے اپنے ٹکڑے پنے انہیں ڈوڑا اور پھر چپ چاپ بائیکل پر سوار ہو کر گھر کی چل پڑا۔

دو مظلوم

گھر جا کر میں چار پائی پر ڈھیر ہو گیا۔ میری بیوی اقبال بیگم میری طرف دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ بات کیا ہے۔ اقبال بیگم اور میں ایک ہی گھر میں اٹھتے رہتے تھے، رشتے کے لحاظ سے ہم بھائی تھے، لیکن اس کے علاوہ ہم دونوں ایک دوسرے سے انہی تھے، ایک دوسرے سے۔

گرم اور ہمدردی سے بھرا ہوا جسم۔ اقبال نیلم مجھے وہ کاشٹیکسٹ میانہ کر سکی تھی۔

اس کی سب سے بڑی خوشی یہ تھی کہ میں اسے ہاتھ نہ لگائے لیکن اس کے پاس ہاتھ نہیں کرے۔ ہاتھ نہ۔ چونکہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھی اور مجلسی زندگی سے گریز کرتی تھی۔ اس لیے اقبال نیلم کی باتیں رسی باتیں تھیں۔ رکھ رکھاؤ کی باتیں، لین دین کی باتیں۔ مناسب اور غیر مناسب سے متعلق باتیں، ان باتوں سے مجھے قلبی دل چسپی نہ تھی۔ لہذا میں مجبور تھا کہ اقبال سمجھتی تھی کہ وہ ایک بد نصیب اور مظلوم عورت ہے۔

دراصل دونوں ہی مظلوم تھے۔

اقبال کو ان دنوں مجھ سے یہ شکایت تھی۔ کہ میں کھٹ پر پڑا سوچ میں ڈوبا رہتا تھا۔ نہ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔

اقبال میرے سرہانے آگڑی ہوئی۔ بولی، آپ کچھ کرتے کیوں نہیں۔

میں چونک کر جاگا۔ کیا اکروں میں نے پوچھا۔

نوکری تلاش کرو۔ اس طرح کب تک گزارہ ہو گا۔

نوکری کو مل گئی ہے۔ میں نے کہا۔

مل گئی ہے، وہ حیرت سے چلائی۔

ہاں مل گئی ہے۔

مجھے کیوں نہ بتایا کہ مل گئی ہے۔

مجھے خیال نہیں رہا۔

ایسی بے خیالی بھی کیل۔

ہاں غلطی ہوئی۔ کل ہی تو ملی تھی آفر۔ ابھی اس کے جواب میں ہاں کرنا باقی ہے۔

ہاں کرنا باقی ہے۔

میں نے جیب سے مجید ملک کا خط نکالا۔ یہ آفر ہے، میں نے کہا۔

وہ کیا ہوتی ہے آفر۔

خط ہوتا ہے، میں نے خط لہراتے ہوئے کہا۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

اگر آپ کو یہ نوکری منظور ہے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔

خصوصیات میرے ذہن کی آئیڈیل عورت کی خصوصیات تھیں۔ ہر مرد کے ذہن میں آئیڈیل عورت ہوتی ہے۔ جس کی تلاش میں وہ سرگرداں رہتا ہے۔

میں نے زندگی میں کئی ایک عورتیں کی تھیں، لیکن مجھے کبھی اپنی آئیڈیل عورت نہیں مل سکی تھی۔

ہر مرد کی بہت سے کوائف منقوہ ہوتے ہیں۔ میں کسی لڑکی سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔ میرا نگاہ میں یوں تھی جیسی کہ پچھلے بچے کا پچھلے بچے کے پچھلے بچے کی طرح۔ ایک لڑکی کے سپرد کر دینا میری دانت میں ایک اعتقاد ہوتا تھا۔ عورت کی سب سے خصوصیت ایک گویہ، بھوری بھری، متا بھری گود۔

وہ مرد، لڑکی کی محبت کے خواہاں ہو سکتے ہیں، جو اسے اپنے اپنے لیے کے خواہاں مند ہوں۔ کے آگے بڑھنے کی گزروں دیکھتے ہوں، جو اس کے محبوب بننا چاہتے ہوں۔

میں محبوب طبیعت کا مالک نہ تھا۔ عورت کو اپنا لینے کا خواہش مند نہ تھا۔ لانا میری تھی کہ میں اپنا آپ صرف اس کے حوالے کروں، جسے شعور ہو کہ آپ سے کیسے برتاؤ کرنا ہے۔ آپ کے محبت کے مطالبات کیا ہیں۔ کس طرح آپ کو جذبہ محبت سے سرشار رکھنا ہے۔

جذبہ محبت کے قیام اور استحکام کے لیے صرف محبت کرنے کا عمل ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ کافی نہیں ہوتی مجھے محبت کے جذبہ سے سرشار رکھنے کے لیے بے وفائی کی دھمکی اڑیں تھی۔

میری محبت کے کوائف میں عورت کا شیار ہونا ضروری تھا۔ میں صرف متا بھری سے محبت کر سکتا تھا۔

میری محبت کے کوائف کے حلقہ میں دوسری اہم بات یہ تھی کہ محبوب کے خطاب میں ہونے کا ہر ہوں۔ میں اپنی قوت کا مالک نہیں تھا کہ تحقیق کے زور پر ان ابھرتے ہوئے گستاخوں، میرا مطالبہ تھا کہ محبوب عملی طور پر ان باتوں کو ابھارے اور اپنے برتاؤ میں کی گئیں تاکہ۔ اور ان میں بے پروائی پیدا کرے اور اگر محبت کے پس منظر میں انتخاب بھی ہو جائے تو یہاں لے۔

میں نے کئی ایک عورتوں سے محبت کی تھی۔ سہراؤں میں مایا کا عنصر موجود تھا۔ بے وفائی کا عنصر بھی تھا۔ لیکن میں اس سے بے پروائی اور انتخاب بھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

میں نے لڑکیوں کی تلاش کی تھی۔ اس میں صرف جرأت کی ایک تھی۔

مجھے علم نہ تھا کہ عورت سے بار بار ڈسے چاہا میرا مقدر ہے۔

اگر میں تھا ہمارا نہ ہو تو رشتہ ہی بیکپ کی اس بنیاد کو دیکھ کر وہیں دھڑلار کر بیٹھ جاتا جس طرح میرے دوست سب نے کیا تھا۔

سب سے پہلے بدوش

سب سے پہلے عورت کا نام تھا۔ اوتار سے ابھی میری طرح عورت سے ڈسے جانے کا بیڑا تھا۔ وہ بھی محبت کے میدان کا بار بار ہوا سب سے پہلے اس نے بھی اپنی زندگی کو نئے خطوط پر چلانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اس نے ایک نیک اور پاکیزہ عورت سے شادی کر لی تھی اور وہ عرصہ سات سال پر سکون گزری زندگی بسر کر رہا تھا اس وقت ان کے چار بچے تھے۔ میاں بڑی میں اتفاق تھا محبت تھی۔ گھر میں اطمینان اور سکون کا دور دورہ تھا۔

پھر ایک دن دردناک عجل اس وقت سب سے پہلے اس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ سب سے پہلے اس کا دور اڑنے پر وہ ————— کھڑی تھی۔

وہ ایک خاندان بدوش عورت تھی۔

پتہ نہیں اس ایک ساعت میں کیا کیا امر اور رموز عمل میں آئے۔ خاندان بدوش نے اپنا ڈنگ دکھایا۔ سب نے لپٹائی ہوئی نگر سے ڈنگ کی طرف دیکھا شاید اس مختصر سی ملاقات کے کو انک مختلف ہوں۔ ہر سال وہ کو انک بے حد پر اثر تھے۔ خاندان بدوش نے بے زبانی کی زبان میں جو کچھ کہا وہ سب سے پہلے اتنی توجہ سے سنا کہ وہ اس کے دل کی گہرائیوں میں جا اترتا اس کے احساسات پر چھا گیا۔

پھر خاندان بدوش جلی جلی اور سب سے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا اس کے بعد سب سے پہلے گھر نہ پہنچا اس کے دوست اور رشتے دار سب کی تلاش میں نکلے۔

سب کی تلاش بیکم مشکل نہ تھی۔ شہر کے کوئلوں نے جبکہ جگہ جگہ کے دوراؤں پر اسے خاندان بدوش کے پیچھے پیچھے جانے ہوئے دیکھا تھا۔

پھر وہ خاندان بدوش کے ڈسے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ڈسے کی حدود سے باہر سب

سب سے پہلے اس کی بات کی جس جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ سب سے بات نہیں کی جاتی۔ اس کے گھر میں وہ ایک عجیب سی اوجھل سحرانہ مگر اوجھل تھی۔

اس کا یہاں بیٹھنا ہماری بڑائی کا باعث ہے۔ دیکھ لو ہم نے اسے اس کے لیے نہیں دیا۔ ہمارا جتن ہے کہ اگر کوئی ہماری بیٹی سے بیاہ کرنا چاہے تو اسے ہم سے پہلے ہم سے بیاہ کرے گا۔ ہم سے پہلے وہ ہمارے ڈسے کی حدود سے باہر اس کی وفاداری کا یقین آ جائے تو پھر وہ سال ہمارے ڈسے میں گزارے گا۔

اس کا یہاں بدوش بیٹھنے سے۔

اس کی بات سن کر بڑی بڑی جلی۔ بے جا ہے۔ اسے یہاں سے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ اس نے کوئی نہیں لے جاسکتا۔

اس کا یہاں انہوں نے پوچھا۔

اس کا یہاں وہ بھی نہیں جانتی ہوں۔

اس کی بات سن کر وہ بیٹھنے لگیں۔ صرف وہ خاندان بدوش بیٹھ جاتی ہے کہ کہیں اس کے پیچھے اس کے پیچھے کو انک کا بیکہ کس نے لیا ہے۔

اس کے پاس بیکار تھی۔ سوائے کسی دھڑ تک تک چل رہے تھے۔ اس کے پاس جو

علم جنس میں جا لگا تھا۔

جنس کے مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنس میں میری عملی دلچسپی کم سے کم تھوڑی تھی۔ دل میں ایمان ابھر آیا کہ نئی نوع انسان کے بیشتر مسائل جنس کی وجہ سے ہیں۔ ہر عورت کی طرف دیکھ کر میں اندازہ لگانا کہ یہ کیسی عورت ہے اس کا نظام آرزو کی رنگ میں رنگا ہوا ہے اس کے اندر وہ "جینک" ذوق کون سے ہیں، مضامبات کیسے ہیں، کس حد تک لاشعوری ہیں، کس حد تک شعوری۔

کیمپ میں جا کر میں ایک غراب میں مبتلا ہو گیا۔ بڑی بھدردی سے گرد و پیش کا جائزہ لیتے۔ جذبہ خدمت سے بھیگ جاتا۔ لئے پئے مہاجرین کے دکھ کو شہرت سے محسوس کرتے۔ پھر ان جانے میں کہیں مڑوں کی تک نیک سنائی دیتی۔ چوک جاتا، احساس شرمندگی چاروں طرف سے گھیر لیتی، لیکن میں اس احساس کو خود پر طاری ہونے سے دھت قلم تک تک کو ان سنی کر دینے کی کوشش میں لگ جاتا۔ نہیں نہیں، یہ عروسی نہیں، یہ تو مہاجرین میں ظلم و تشدد کے دانت

ان مردوں کو دیکھ کر یہتے ہوئے دلوں کی یادیں آئے گئیں۔ ہاں یہ جسم عورت کا تھا۔ یہ جسم کے ہاتھوں سنائی ہوئی۔ ہر وقت کی تک تک تک نہ موقع کا لالہ۔ جسم سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں، مہاشا چاری، اور پھر اس ظلم کا کسی کو شرم نہ آیا۔ اور لا چاری کی انتہا ہے۔ مرد کی ایک نظر بڑھانے کو اندر کی سنائی گھڑی کی گھڑی کی گھڑی ہے۔

لہائی کپڑے اور مردانہ نگہ بنیام کے دو مہینوں دل حائل ہوتا ہے۔ نگہ سیدھی دل
دل اسے قبول نہ کرے، تو لہائی کپڑے چھوڑ دیں۔ قبول کرے، تو تک تک
مہینہ جیسی عورت میں نگہ بنیام کا تعلق برہہ راست جسم سے ہوتا ہے۔ لوصح
تک شروع ہوئی۔ چٹو کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جذبات کا دل سے نہیں بلکہ جسم

ہلک کر چپ چپ کرتی ہیں، جیسے جتا اور ہل چپ چپ کیا کرتے تھے۔
میرے دو دو جتا اور ہل آکر بڑے ہوئے۔

پال سے میں بڑے گھر میں حلاف ہوا تھا۔ ہل کا چرو ہلک ہی ہلک تھا۔ اتنی لمبی اور لمبی
نیچے تک پھیلی ہوئی ہلک میں سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ لوگوں کے چرے پر تو ہلک ہوتی
پال کے چرے پر ہلک تھا۔

شاید وہ ہلک اتنا لمبا نہ تھا جتنا کہ دکھتا تھا۔ زندگی میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو ہوتی
ہیں پر دکھتی بہت زیادہ ہیں، اتنا دکھتی ہیں کہ دیکھنے والے کو یقین نہیں آتا کہ اتنی نہیں
دکھتی ہیں۔

پال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہلک کر جیسے کا عادی تھا۔ چھوٹے سے
میں اتنی ساری جان تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہو۔ مجھے علم نہ تھا
میں جان نہیں ہے، صرف دکھتی ہے، یا اگر ہے تو اس کی نوعیت مختلف ہے۔ شاید اس راز
نہ جان سکتا اگر پال مجھے اپنا راز دانا نہ بتاتا۔ میں پال سے راز دانی کے لیے از خود میرا
تھا یا یہ نتیجہ امر تھا۔ بڑا ہلک ایک روز پال نے تنگ میں آکر کہہ دیا ہے میں جس میں
جا رہا ہوں۔

ہل تم اپنے پھوپھاکے گھر جا رہے ہو۔

پھوپھو تو فوت ہو گئی ہے۔ پھوپھانے ہی کر لی ہے۔ اب یہ پھوپھاکا گھر نہیں ہے پال۔

کہ۔

تو بھر تم جانتے کیوں ہو؟ میں نے پوچھا۔

نیتا

اس گھر میں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک تنہا
بات ہو، اس کا نام اور لیا ہو گیا۔ وہاں کل اتنی اور اس نے چرے کو کات کر لو لیا
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

ہلک کر چپ چپ کرتی ہیں، جیسے جتا اور ہل چپ چپ کیا کرتے تھے۔
میرے دو دو جتا اور ہل آکر بڑے ہوئے۔

پال سے میں بڑے گھر میں حلاف ہوا تھا۔ ہل کا چرو ہلک ہی ہلک تھا۔ اتنی لمبی اور لمبی
نیچے تک پھیلی ہوئی ہلک میں سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ لوگوں کے چرے پر تو ہلک ہوتی
پال کے چرے پر ہلک تھا۔

شاید وہ ہلک اتنا لمبا نہ تھا جتنا کہ دکھتا تھا۔ زندگی میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو ہوتی
ہیں پر دکھتی بہت زیادہ ہیں، اتنا دکھتی ہیں کہ دیکھنے والے کو یقین نہیں آتا کہ اتنی نہیں
دکھتی ہیں۔

پال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہلک کر جیسے کا عادی تھا۔ چھوٹے سے
میں اتنی ساری جان تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہو۔ مجھے علم نہ تھا
میں جان نہیں ہے، صرف دکھتی ہے، یا اگر ہے تو اس کی نوعیت مختلف ہے۔ شاید اس راز
نہ جان سکتا اگر پال مجھے اپنا راز دانا نہ بتاتا۔ میں پال سے راز دانی کے لیے از خود میرا
تھا یا یہ نتیجہ امر تھا۔ بڑا ہلک ایک روز پال نے تنگ میں آکر کہہ دیا ہے میں جس میں
جا رہا ہوں۔

ہل تم اپنے پھوپھاکے گھر جا رہے ہو۔
پھوپھو تو فوت ہو گئی ہے۔ پھوپھانے ہی کر لی ہے۔ اب یہ پھوپھاکا گھر نہیں ہے پال۔
کہ۔
تو بھر تم جانتے کیوں ہو؟ میں نے پوچھا۔

نیتا

اس گھر میں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک تنہا
بات ہو، اس کا نام اور لیا ہو گیا۔ وہاں کل اتنی اور اس نے چرے کو کات کر لو لیا
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

نیتا

اس گھر میں میری محبوبہ رہتی ہے، پال نے کچھ اس انداز سے یہ خبر دی جیسے ایک تنہا
بات ہو، اس کا نام اور لیا ہو گیا۔ وہاں کل اتنی اور اس نے چرے کو کات کر لو لیا
میں حیرت سے پال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک ایسا خوش ہاش آدمی

نیتا

تم سامنے نہیں آتی۔ پال نے اپنی ٹوپی سے پوچھا۔
کھڑی تو ہوں، بادلوں میں کسی نے سسکی بھری۔

دودھ آیا کرو۔

کوئی آنے دے گی۔

سوچتی ہے دینی ہو۔

اونٹوں۔

ابا ہے۔

اونٹوں۔

کس سے۔

کسی نے نہیں۔

وہ گھر سے نکل دے گی۔

اللہ کرے۔

پھر کیا کرو گی۔

کچھ نہیں۔

دل چاہی۔

اس گھر میں رہنے کی نسبت اچھا ہو گا۔

ابا نہیں اپناتے کیا۔

اپناتے ہیں۔ سوچتی کو۔

اُور تمہیں۔

کوئی نہیں۔ دودھ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔

میں جو ہوں۔

منہ زبانی۔ کواڑ میں ڈاکر دھار تھی۔

ایک بجلی سی گری، پال، کچا، ترپا، دبا، غاموشی چھائے رہی، لیکن وہ ترپ سارے سسکی

تھک چکا تھا۔ پال نے تھکا کر ترپ سے سارا آگن بھرا ہوا ہے، لیکن وہ یوں مطمئن تھی،
کہ اس کی سسکی سسکی تھی۔

پال نے اس کی طرف اشارہ کرنا شروع کیا۔ میری حیرت لذت میں بدلتی جا رہی تھی۔

پال نے اس کی طرف اشارہ کرنا شروع کیا۔ میرے دھوئے کے لیے باغ میں ملنے کا پروگرام بنایا۔ شاید اس لیے کہ

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ تیرے آدمی کے بغیر طاقت ممکن نہ تھی۔

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ باغ میں ملے تو دودھوں نے زبردستی مجھے پتھر پر درمیان میں بٹھا دیا اور خود

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ میرے لیے یہ بات بڑی اہم تھی۔ طالب اور مطلوب، دوری

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ مجھے استعمال کر رہے تھے۔

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ بچ کی بناوٹ کا مطالعہ کر رہا تھا۔

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ابا زادہ لے رہی تھی۔

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ بچہ سے متعلق ہو کر کہہ۔ یہ ڈرتی کیوں ہے۔

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

پال نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں سے کھا، کمرہ دو صرف ایک شخص سے، صرف ایک۔ میں نے

بیگ جاتا۔

اگر وہ بولی کہ مجھ سے شادی کر لو۔

شروع شروع میں تو میں اس صورت حال سے گھبراہٹ ہی محسوس کرتا رہا تھا، لیکن پھر لذت آنے لگی۔ عجیب لذت تھی وہ دکھ میں لپٹے ہوئے رویوں کی لذت۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میں کسی لڑکی کو اپنا روگ بنا لوں اور پھر آنسوؤں سے بیگلی بیگلی باتیں کروں۔ آہوں اور اُکے چال میں پھنس کر رہوں۔ شاید اسی لیے میں نے جیتا سے اکیلے میں بیٹے کی کوشش کی وہ ایک بار۔

ہائیں۔ تم بھی

جیتا میں نے پوچھا تھا، تم چاہتی کیا ہو۔

کچھ بھی نہیں۔

پھر بال سے ملاقاتوں کا مقصد۔

برہادی اور کیا۔

کیوں۔

بس۔

چل تم سے بیاہ کیوں نہیں کر لیتا۔

پتہ نہیں۔

تم اسے کہتی کیوں نہیں۔

کیا۔

کہ مجھ سے بیاہ کر لو۔

جیتا نے بلی بلی جیسی چلی گئی۔ میں نے پہلی مرتبہ اسے ہنسنے دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ طبع سمجھ ہوا تھا۔ یوں جیسے مسکرا کا دردہ پڑ گیا ہو۔ اس کے بلو جوڑیوں گٹکا تھا جیسے وہ دوسری قسم کے عالم میں ہو۔ خوشی اس کے آنکھ سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی جیڑی نے اسے دیکھتا رہا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے اسے دیکھا تھا۔

اس روز مجھے احساس ہوا تھا کہ دیکھی عورت کی اپیل کتنی خوفناک اور جوانہ کن ہوتی ہے۔ وہ اپنا ہند بند کر رکھ دیتی ہے لیکن اس کٹ میں کتنی لذت ہوتی ہے۔

کیپ دیکھی عورتوں سے بھرا ہوا قلعہ میراثی چاہتا تھا کہ ان کے پاس چاہیوں۔ دل کے جذبات سے اس رہا قلعہ جتنا میرے درپردہ آکفری ہوئی، اس کا بار بار قلعہ کو نہجست۔ سارا کپ، ٹنٹوں سے بھر جاتا مجھے ایسے لگتا جیسے دیکھی عورت کا راز افشاں ہو گیا ہو۔

گڈ ٹائم

کیپ میں ہنوز عورتیں کہیں نظر نہیں آتی تھیں۔ ہوں گی تو بہت لیکن بیچے جاوالت نے ان کی ہنسی پر دیکھ کے غلاف چڑھا رکھے تھے ہنسی کی دھار رنگ آنسو ہو چکی تھی۔ ویسے بھی مجھے ہنوز عورت سے دلچسپی نہ تھی ہنسی فرحت ضرور پیدا کرتی ہے، لیکن ایک سٹپلی جذبہ ہے۔ اس کا گھٹا نہیں ہو سکتا اس کے برعکس بھلا میں گھرے گھٹا کا گھٹا گلاب پر منوں پھول پیچنک دو تو وہ ارتعاش پیدا نہیں ہوتا جو ایک پتھر پھینکنے سے ہوتا ہے۔ اسی لیے آج کل کی ٹوٹھ پیٹ مسکراہٹیں صرف گڈ ٹائم کی دعوت دے سکتی ہیں اور بس۔ ٹائم کے بعد تھمائی اور بھی گہری ہو جاتی ہے اور خاموشی اور بھی بوجھل۔

پرانے زمانے کی عورت بڑی سیاتی تھی وہ گڈ ٹائم سے دامن پھاتی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ کے بعد خاموشی ستانا ہی جاتی ہے۔ جس سے بچنے کے لیے پھرے شور پیدا کرنے کی جانتی ہے۔ اور یوں شور اور سانسے کا ساکیں چلتا ہے۔ چلا رہتا ہے جس میں عورت ڈوبے جاتی ہے۔

کیپ میں گڈ ٹائم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا قلعہ ماجرین مدد سے عالم میں تھے۔ ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جن کا تراسیر مدد سے میں بھی خاموش نہیں ہو سکتا تک ہے، لیکن ایسی عورتیں زیادہ تر تھک چکی ہیں پیدلوار ہیں، دیں کیپ میں تو صرف

عورتیں تھیں۔

بہر حال کیپ کے کلاسن مزد بھی اسلامی اور قومی جذبات سے اس قدر پیچھے ہوئے

اس دن رات قلعہ کیسے رہتا تھا۔ چاروں طرف دکھ کا سمندر تھا نہیں بار رہا ہو، ہزاروں دلوں تو شکلی کے چھوٹے چھوٹے جڑے بھی پیچھے بغیر میں رہتے۔

ہزاروں گھنٹوں میں کارندوں کے ہاتھوں زیادتیاں ہوتی تھیں، لیکن یہ زیادتیاں

میں گڈ ٹائم کی نیت سے نہیں۔

جب دونوں فریق شعوری طور گڈ ٹائم کی طرف قدم

دلی

جذبہ بہروری کی تھی۔ جذبہ بہروری بڑا غلام جذبہ ہے۔ اس کی شدت وہ وقت ہے کہ وہ بدل لیتا ہے۔ پٹ سے چٹ ہو جاتا ہے شہل کی طرف

پٹ کی طرف ہنسنے لگتا ہے۔ پٹ کی طرف ہنسنے لگتا ہے اور اس میں تیرے دلا جوڑا اٹھ جاتے

ہو جاتا ہے۔ "دوب جاتا ہے۔"

ظفر محمود آکفری ہوئے۔

دلی بہت عادت تھی۔ وہ ایک باعزت وکیل تھے۔ دلی صراط مستقیم ہی صراط مستقیم

دلی کے راج کرنے والی بیگم تھی، میاں سر حلیم شرم کو اپنا بیٹے تھے۔ دلی کے ہوا

پہل رہی تھی۔ پھر ایک روز رات گئے، ایک برقعہ پوش خاتون وکیل صاحب

دلی ہوئی۔

دلی نے "لوشاپ پھوٹ پھوٹ کر روئے گی۔"

ان کے پاس کبھی کوئی موکل ایسا نہ آیا تھا، بات کیے بغیر پھوٹ پھوٹ کر

دلی بڑے معزز انداز میں بار پوچھتے رہے۔ "بات کیا ہے بی بی؟" "آپ بات

دلی روئے جاتے تھے۔"

دلی نے کہا ہے۔ "بی بی بات نہیں کرو گی تو میں مشورہ کیسے دوں گا۔"

دلی نے کہا ہے۔ "بات کیا ہے۔"

دلی نے کہا ہے۔ "بات کیا ہے۔"

کیمپ میں نوشایا گئیں بھی تھیں۔ جنہوں نے کیمپ کے کارندوں کو اپنے دکھ کی داستانیں سنائی تھیں اور کارندوں نے جذبہ بھردری سے سرشار ہو کر ان کے سروں پر دست شفقت پھیرے تھے اور پھر وہ مقدس ہاتھ آٹنوع پھینکتے لگے تھے۔ اور پھر ————— ”میرا یہ ہتھ تو نہ تھا“ وہ ”یہ میں نے کیا کر دیا۔“ کسی سرکشیاں ابھری تھیں ”اور نوشایا اؤسر نو روئے“ تھیں ”میں کرنے لگی تھیں کہ یہ کیا ہوا۔ دھنوں کے ہاتھوں سے تو بچ لگتی تھی انہوں نے کو لیا۔

میں نے بھی اپنے آپ پر جذبہ بھردری طاری کر رکھا تھا۔ میری خواہش تھی کہ کسی دریا نوشایہ کے پاس جائیوں اور جذبہ بھردری سے سرشار ہو کر کہوں۔ بڑا ظلم ہوا ہے تم پر لی لی مجھے تم سے بڑی بھردری ہے۔ یہ تاکہ ہوا کیسے۔ کیا ان دردوں کی اپنی بو چٹیاں نہ تھیں میرا بھی یہی چاہتا تھا کہ ایک بار کسی کو اپنی آپ چھپنے سے پرانہ کر لوں ”ایک بار کسی میں جذبہ بھردری کا سارا لینے کی آرزو پیدا ہو جائے۔“ بقی رنگ تو جذبہ بھردری خود بھر دیا ہے۔

کیمپ میں قیام کے دوران میں پتہ جذبہ خوق تحقیق ”انگل پڑ کر مجھے کہاں لے جاتا۔ اور پھر میرے جذبے کی شمع کسی کس رنگ میں بجتی اور اس زریں موسیقی سے میں کیا کیا لگتی ————— ”مگر سب کو دیا سب کو گولید چونکہ میرے رویہ وہ آکھڑی ہوئی“ بخش نفس اور ساری کائنات اس کے درود ہاتھ ہاتھ کر کمری ہو گئی۔ پھر میری نظر میں نہ کیمپ رہا۔ مہاجرین رہے۔ نہ غور میں رہیں نہ وہ دکھ بھرنا محل دہا۔ جب ذاتی لاگ لگاؤ کا مغرب سر اٹھا ہے تو گرد و پیش دھندلا جاتا ہے۔ سب کچھ معدوم ہو جاتا ہے۔ پھر ذات کا جن ابھرتا ہے۔ ابھرے چلا جاتا ہے حتیٰ کہ زمین اور آسمان سب اس کی لوٹ میں آ جاتے ہیں۔

یہ کیفیت میری تھی۔

ناٹو

ناٹو کو دیکھتے ہی سب کچھ معدوم ہو کر رہ گیا تھا۔

ناٹو میری آنکھیں میں عورت تھی۔

”دوڑی چوری“ لاشعوری طور پر ”بیٹو کی آرزو کی تھی“ ان جانے میں ناٹو کی بات دیکھتے کیسے دکھائی نہ دی تھی۔

”اس دن میں تین تین تھیں کی تھیں۔“ حلیم شزلو اور سلوی۔ حلیم تو محض ایک ہمانہ ”حلیم کو ہمارے طور پر دیکھا بھی نہ تھا۔ بس دو لوجھری جھلکیں“ سفید دھب ”حلیم سے محبت رکھانے کی دو دو بات تھیں۔ ایک تو یہ محبت اپنے باپ کے ”اتھاج“ تھا۔ دوسرے یہ محبوب سے محبت نہ تھی بلکہ محبت کرنے کے عمل ”حلیم والی میں کسی سے محبت کرنے کی آرزو ہر جوان کے دل میں پیدا ہوتی۔“ ان حالات کچھ اس طرح کے تھے کہ محبت کرنے کے سب راستے مسدود تھے۔ ”ان دو زبان روایات کی دوا میں کھڑی تھیں۔“ ان دوا داروں کو قوتوں کے لیے ”ان دو زبان روایات کے دل میں محبت کرنے کی آرزو کی جوت چکار تھی۔“

”دو زبان روایات اور سلوی آگئیں۔“

”ہاں آئیں۔“ ”نہ تھی“ ”نہین شزلو میں بیٹو کی دو ایک خصوصیات کی واضح شک تھی۔“ ”ان دو زبان روایات کی جب شان تھا اور سلوی میں ہلاکی جرات تھی“ ”شوئی تھی۔“ ”ان دو زبان روایات سے محبت میں کر سکتا تھا۔ جب تک محبوب میں بے پروائی اور بے ”ان دو زبان روایات میں نہیں کرتی تھی۔“ میں چاہتا تھا کہ ایک لگاؤ لگاؤ کی ہو اور پھر نٹل ”ان دو زبان روایات۔“ یہ نٹل میری محبت کے کوایف کی ایک لازمی کڑی تھی۔ میری ”ان دو زبان روایات سے تھے“ ”نہین چار ایک بنیادی اہمیت رکھتے تھے۔“

”ان دو زبان روایات کے کوایف منفرد ہوتے ہیں۔“ ہم اپنی جھٹکوں کو محبوب کے وصف کی ”ان دو زبان روایات کے کوایف“ ”نہین اکثر اور بیشتر محبوب کی خامیاں ہم میں لگاؤ کے دیے جلا دیتی ہیں۔“

”ان دو زبان روایات اپنے ذاتی آنکھیں سے محبت کرتا ہے۔“ اس آنکھیں میں شبت اور حتیٰ ”ان دو زبان روایات کے کوایف“ ”نہین زندگی میں آنکھیں محبوب مکمل ملتے ہیں۔“ ”ویش ڈی فائیلو کی ”ان دو زبان روایات کے کوایف“ ”نہین کسی کی ناک مڑی ہوتی ہے۔“ کسی کی ٹھوڑی کرم خوردہ ہوتی ہے۔

”ان دو زبان روایات کے کوایف“ ”نہین کسی کی ناک مڑی ہوتی ہے۔“

”ان دو زبان روایات کے کوایف“ ”نہین کسی کی ناک مڑی ہوتی ہے۔“

زندگی بھر میں اس کی تلاش میں سرگرداں تھا۔
 آج وہ میرے دروازے پر کھڑی تھی۔
 کتنا عظیم اتفاق تھا۔
 مجھے اپنی نگاہ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
 دیر تک میں اپنے آپ کو چٹکیاں بھرتا رہا کہ سو تو نہیں رہا یہ عالم خواب تو نہیں ہے۔

خندہ ملی والیاں

میرے دروازے پر ہوتی تو مجھ پر حواگی اور سپردگی کا جنون مسلط ہو جاتا تھا۔
 میں ایک مجذوب ہوں۔ محبت کا جذبہ طاری ہوتا تو اندر کا مجذوب، عقل و
 حواس کو ہار کر باہر نکل آتا۔ اس وقت صرف ایک خواہش بھوت بن کر سوار ہو جاتی
 کہ میرے دروازے پر کھڑی ہو۔ سب کچھ دیوی کی بھیشت

میرے دروازے پر کھڑی ہوتی تھی صرف لمس کی خواہش "بیشن"
 اور ہاتھوں پر ہاتھ لگانا۔ میری زندگی کے بہترین لمحات وہ تھے جب میں
 اس کے ہاتھوں سے کیلا دھو رہا تھا اور شراوے کے جسم کی خوشبو
 میرے ہاتھوں میں گھس رہی تھی۔ چھٹی رات تھی۔

میرے دروازے پر کھڑی تھی، بلکہ نہائی خواہش ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا ہائے کہ
 اس کے ہاتھوں سے زور پر قائم ہے۔

مرد کا جذبہ چھوٹے چھوٹے طوفانوں سے مرتب ہوتا ہے، طوفان آتا ہے چلتا ہے، پھر طاری ہو جاتا ہے، جب تک طوفان کا دوسرا میلہ آئے گا دوسرا میلہ آئے گا۔

طوفان میں شدت ہوتی ہے، شعلیں نہیں ہوتیں، ٹپکنے ہوتی ہے، ٹنڈر ٹس نہیں ہوتی۔ ہوتا ہے، روانی نہیں ہوتی۔ جوش ہوتا ہے، قیام نہیں ہوتا۔ جب تک محبت میں نسائی جذبہ شامل نہ ہو قیام پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مرد میں خالص جذبہ ہو تا تو محبت کی بجلی کے پینچے زمین میں گڑ کر رہ جاتے۔ شاید اسی مقصد کی تکمیل کہ محبت میں شعلیں پیدا ہو، فتنہ نہ دینا کہ تباہ رکھنے کے لیے ہر مرد میں کہیں تا کہیں ناگ رکھی ہے۔

ایک نندو کی کمی بیشی سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ ہر حال مجھ میں نسائی کھلیاں کچھ زیادہ ہی ناگنی تھیں۔ اتنی زیادہ کہ مردانہ اہلی کزور رہ گئی تھی۔ محبت میں میری کھلیائی کا وار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ محبوب تو بہ شعل کو محسوس کرے، پردہ کی کو جانے، لیکن یہ تو بھی ممکن ہو سکتا ہے، جب قرب تک پہنچے۔ دور سے یہ اہلی صرف جذبہ ترس پیدا کر سکتی ہے، ترس یا تحقیر۔

ان دونوں مجھے ان حقائق کا احساس نہیں تھا۔ محبت کی کیفیت میں مجھ میں کبھی نکٹش پیدا نہ ہوتی تھی۔ اگر محبت کا جزو اعظم ہر ایک نکٹش کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ پہلی بار تھی کہ اس سادہ لیڈر نے میرے اندر نکٹش پیدا کر دی تھی۔

کیپ کی طرف جاتے ہوئے میں سوچتا، نہیں میں نہیں چاؤں گا۔ اس بار کی طرف چاؤں گا، جہاں وہ رہتی ہے۔ بارگوں میں چائے میرا کام نہیں تھا۔ میرا فرض صرف یہ تھا کہ صندوق سے ٹانگ لہا۔

اسے میرے ہٹ کر دیا اور پھر صاحبزادے سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ ایسی باتیں جو ان میں اچھا لگتا، سنیے کی آواز پیدا کریں، مگر وہ پیش پر اچھا پیدا کریں۔

کیپ میں گھومتے پھرتے چند روز ہو چکے تھے، لیکن میں نے کبھی صندوق سے نہیں نکالا تھا۔ کپ والوں نے کبھی میری آواز نہیں سنی تھی۔ دوسرے کیپوں سے ان کی باتیں سن کر میں نے کہا کہ یہاں تو ایک اور چیز ہے۔

پاس بیٹھا ہوا بڑا بھولا۔ "ار" اور "ار" مردوں نے میں بولا "جا بیا خیر اور پھر اور کیا تو۔" "ار" سانس آکڑی ہوئی۔ "چاہا تجھے کیا تکلیف ہے" وہ غرا کر بولی "دیکھتا ہی

مرد کا جذبہ چھوٹے چھوٹے طوفانوں سے مرتب ہوتا ہے، طوفان آتا ہے چلتا ہے، پھر طاری ہو جاتا ہے، جب تک طوفان کا دوسرا میلہ آئے گا دوسرا میلہ آئے گا۔

طوفان میں شدت ہوتی ہے، شعلیں نہیں ہوتیں، ٹپکنے ہوتی ہے، ٹنڈر ٹس نہیں ہوتی۔ ہوتا ہے، روانی نہیں ہوتی۔ جوش ہوتا ہے، قیام نہیں ہوتا۔

جب تک محبت میں نسائی جذبہ شامل نہ ہو قیام پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مرد میں خالص جذبہ ہو تا تو محبت کی بجلی کے پینچے زمین میں گڑ کر رہ جاتے۔

شاید اسی مقصد کی تکمیل کہ محبت میں شعلیں پیدا ہو، فتنہ نہ دینا کہ تباہ رکھنے کے لیے ہر مرد میں کہیں تا کہیں ناگ رکھی ہے۔

ایک نندو کی کمی بیشی سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ ہر حال مجھ میں نسائی کھلیاں کچھ زیادہ ہی ناگنی تھیں۔ اتنی زیادہ کہ مردانہ اہلی کزور رہ گئی تھی۔

محبت میں میری کھلیائی کا وار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ محبوب تو بہ شعل کو محسوس کرے، پردہ کی کو جانے، لیکن یہ تو بھی ممکن ہو سکتا ہے، جب قرب تک پہنچے۔

دور سے یہ اہلی صرف جذبہ ترس پیدا کر سکتی ہے، ترس یا تحقیر۔ ان دونوں مجھے ان حقائق کا احساس نہیں تھا۔

محبت کی کیفیت میں مجھ میں کبھی نکٹش پیدا نہ ہوتی تھی۔ اگر محبت کا جزو اعظم ہر ایک نکٹش کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ پہلی بار تھی کہ اس سادہ لیڈر نے میرے اندر نکٹش پیدا کر دی تھی۔

کیپ کی طرف جاتے ہوئے میں سوچتا، نہیں میں نہیں چاؤں گا۔ اس بار کی طرف چاؤں گا، جہاں وہ رہتی ہے۔ بارگوں میں چائے میرا کام نہیں تھا۔

میرا فرض صرف یہ تھا کہ صندوق سے ٹانگ لہا۔ اسے میرے ہٹ کر دیا اور پھر صاحبزادے سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔

ایسی باتیں جو ان میں اچھا لگتا، سنیے کی آواز پیدا کریں، مگر وہ پیش پر اچھا پیدا کریں۔ کیپ میں گھومتے پھرتے چند روز ہو چکے تھے، لیکن میں نے کبھی صندوق سے نہیں نکالا تھا۔

کپ والوں نے کبھی میری آواز نہیں سنی تھی۔ دوسرے کیپوں سے ان کی باتیں سن کر میں نے کہا کہ یہاں تو ایک اور چیز ہے۔ پاس بیٹھا ہوا بڑا بھولا۔

"ار" اور "ار" مردوں نے میں بولا "جا بیا خیر اور پھر اور کیا تو۔" "ار" سانس آکڑی ہوئی۔ "چاہا تجھے کیا تکلیف ہے" وہ غرا کر بولی "دیکھتا ہی

اسی طرح اس نے اللہ ماری دیوار کی طرف "وہ بولی۔

ہاں! "اے کیا پتہ کہ سامنے کون کھڑی ہے۔ میں نے پھر منہ
 نہ دیا۔" (۱۰)

۱۰۰ "میں نے یہاں کر دی۔"

”دوبلی“ ”دیکھتا ہوں ہے۔“

۱۰۰ "اقلی بڑ بڑائی۔"

میری طرف دیکھو، وہ تن کر کہنسی ہو گئی۔ "میری کوئی حد

میں نے اسے یاد دلایا۔

میں اسے جانتا ہوں۔ سالہا سال سے جانتا ہوں۔ میں اٹھ کر

کمال اللہ نے ماتے پر ہاتھ مار کر کہا اور چل پڑی۔

میں نے اپنے اہلکاروں کو گردن اٹھائے دیکھ کر دفعتاً "شمارو میرے

۱۱۔ ہولی ہٹ چلو، آگے سے ہٹ چلو، میرے ذہن میں

ساتھ آکھڑی ہوئی جس طرح پچیس سال پہلے کنڈلی

..... داتا ۱۱ منظر میرے ذہن پر ہمیشہ کے لیے

در این کتاب، اصول و قواعد کلی و جزئی را در یک جلد گردآوری کرده و به گونه‌ای ساده و روان به شما عرضه کرده‌ام.

کنڈی والیاں ایک گھون تھا؟ جس ہم شادی پر مجھے تھے۔ ساری شرارت ارجند کی تھی۔

کنڈی والیاں

کنڈی والیاں میں ارجند کے دوست محمود کی بیوی من کی شادی تھی۔ محمود نے بایا تھا۔ ارجند آگیا جانا میں چاہتا تھا اس لیے اس نے شادی سے چند روز پہلے والیاں کا پارٹی بلڈ کرنا شروع کر دیا تھا۔

محلے کی کسی لڑکی کو دیکھ کر ارجند حسب عادت سینے پر ہاتھ رکھ لیتا پھر روٹ کر اٹھانے کے بہانے ہوں جھٹکتے کورٹس بنالہ رہا ہو۔ جب وہ چلی جاتی تو حسب عادت "مجھے پی پیارو مطلب ہے خاصی ہے" ایسے کراٹھڑی رچانے کے لیے گزرا رہا۔ کنڈل والے ہوتے تو شاید بات بن جاتی۔ ارے یار کنڈل کے کچھ دیکھتے ہوں تو کبھی کنڈل چلو۔ بے کیا نیار میں ہیں وہاں کی، جیسی تو گھوں کلام ہی کنڈی والیاں بڑ گیا ہے۔ ہاں ہاں ہاں جیسے چل نکھ رہے ہوں پڑا پڑا در پڑا "اوجھ اوجھ" اوجھ اوجھ "اوجھ اوجھ" ہے کیا نقشہ ہے اور پھر اچھی اچھی جیسے چاک کنڈی مار کر بیٹھی ہو۔ لوہر تم نے سر نہ لے لیکن پھیلا۔ یہاں محلے میں تو سب عورتیں ہیں نہ با کچن نہ بچن نہ پھل نہ یہاں تو کچھ ہے ہی کچھ ہے ہیں" چے چان رنگتی ہوئی سنڈیاں۔

میں سوچنے لگا کہ ارجند کنڈی والیوں کے گمن کیوں گانے لگا ہے۔ ہر بات میں کنڈی کا ذکر کیوں لے جیتا ہے؟ بات کیا ہے؟

ایک روز میں نے کہا "یار یہ کنڈی والیاں کہاں واقع ہے۔ کتنی دور ہے تو؟"

بچے بچے وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا "یہی تو قیامت ہے کہ اپن وہاں مجھے ہی نصیبی۔ ہاگل ہنصیبی کنوئیں پر بیٹھے ہیں پر تیا سے ہیں۔ محمود نے کئی بار یہاں کپ کپ میں اتنے مصروف رہے کہ محل و فرد جواب دے گئی۔ دیکھ لو! انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب تیار ہو اور میں کوس پر تیار ہال ہاتھ سے لکھتا جا رہا ہوں میں ہیں کنڈی والیوں کی۔ اب پھر محمود نے بایا ہے۔ اس کی من کی شادی ہے۔"

یہاں کنڈی والیاں ایک گھون تھا؟ جس ہم شادی پر مجھے تھے۔ ساری شرارت ارجند کی تھی۔ محمود نے بایا تھا۔ ارجند آگیا جانا میں چاہتا تھا اس لیے اس نے شادی سے چند روز پہلے والیاں کا پارٹی بلڈ کرنا شروع کر دیا تھا۔

محلے کی کسی لڑکی کو دیکھ کر ارجند حسب عادت سینے پر ہاتھ رکھ لیتا پھر روٹ کر اٹھانے کے بہانے ہوں جھٹکتے کورٹس بنالہ رہا ہو۔ جب وہ چلی جاتی تو حسب عادت "مجھے پی پیارو مطلب ہے خاصی ہے" ایسے کراٹھڑی رچانے کے لیے گزرا رہا۔ کنڈل والے ہوتے تو شاید بات بن جاتی۔ ارے یار کنڈل کے کچھ دیکھتے ہوں تو کبھی کنڈل چلو۔ بے کیا نیار میں ہیں وہاں کی، جیسی تو گھوں کلام ہی کنڈی والیاں بڑ گیا ہے۔ ہاں ہاں ہاں جیسے چل نکھ رہے ہوں پڑا پڑا در پڑا "اوجھ اوجھ" اوجھ اوجھ "اوجھ اوجھ" ہے کیا نقشہ ہے اور پھر اچھی اچھی جیسے چاک کنڈی مار کر بیٹھی ہو۔ لوہر تم نے سر نہ لے لیکن پھیلا۔ یہاں محلے میں تو سب عورتیں ہیں نہ با کچن نہ بچن نہ پھل نہ یہاں تو کچھ ہے ہی کچھ ہے ہیں" چے چان رنگتی ہوئی سنڈیاں۔

میں سوچنے لگا کہ ارجند کنڈی والیوں کے گمن کیوں گانے لگا ہے۔ ہر بات میں کنڈی کا ذکر کیوں لے جیتا ہے؟ بات کیا ہے؟

ایک روز میں نے کہا "یار یہ کنڈی والیاں کہاں واقع ہے۔ کتنی دور ہے تو؟"

بچے بچے وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا "یہی تو قیامت ہے کہ اپن وہاں مجھے ہی نصیبی۔ ہاگل ہنصیبی کنوئیں پر بیٹھے ہیں پر تیا سے ہیں۔ محمود نے کئی بار یہاں کپ کپ میں اتنے مصروف رہے کہ محل و فرد جواب دے گئی۔ دیکھ لو! انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب تیار ہو اور میں کوس پر تیار ہال ہاتھ سے لکھتا جا رہا ہوں میں ہیں کنڈی والیوں کی۔ اب پھر محمود نے بایا ہے۔ اس کی من کی شادی ہے۔"

"اور کس بات کا؟" رضائے پھر اپنی ہانک تک گھمائی۔

"پتہ نہیں مل رہا دھک دھک کرتا ہے۔"

"تو پھر تو کٹلی والیاں نہ چلے۔"

"کیوں۔"

"اس علاقے کے لوگ اونچے لمبے ہوتے ہیں۔ لوسر جنبیاں واقعی ہیں۔ دھک دھک

لوہے چلے یہ بدن پائے پکڑ لیں تو چھڑائی نہ جائے۔"

"اچھا۔" میرا دل دھک دھک کرنے لگا میری آنکھوں کے سامنے لوہی لمبی بھرے

جنبیاں آکڑی ہوئیں۔ جی چاہئے لگا کہ کوئی میری ہانہ پکڑ لے، ایسی پکڑ لے کہ پھر پڑا

جائے۔

"یہ تیری آنکھیں کدھر لگ گئیں۔" رضائے کہا۔

"میں چونک پڑا۔" میں نہیں سمجھ بھی نہیں۔

"بہل پھر جانا چاہتا ہے کیا۔"

"کیوں۔"

"لوسر کٹلی والیاں ہیں۔"

"کیا وہاں واقعی کٹلی والیاں رہتی ہیں۔"

"مجھے کیا پتہ؟" رضابولا۔ "چل چل کر دیکھ لیں گی۔"

"اور اگر وہاں چلائی ہو سکتی تو۔"

"میں جو تیرے ساتھ ہوں گا۔" رضائے مجھے حوصلہ دیا۔

اس رات مجھے نیند نہ آئی۔ ساری رات کٹلی والیاں میرے گرد بختی رہیں اور

امید پر کھڑا رہا کہ کوئی میری ہانہ پکڑ لے، ایسی کہ چھڑائی نہ جائے۔

دراصل میں ایک تخیلی فرد تھا۔ میرا جسم ٹھنڈا تھا اور ذہن گرم۔ سارے جسم

ذہن میں بھٹل ہو جاتی تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

"میں تو کٹلی والیاں پہنچے تو دھیر کا وقت تھا۔ محمود ہمیں بڑے تپاک سے

لوہے چلے گا۔"

"اور میں دور تھی، جسے وہ لوگ مروانے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔"

"میں تو کٹلی والیاں سات آدمی بیٹھے تھے۔ جب ہم آئیے ہوئے تو اتر بند نے محمود کا

لوہے چلے تو ہمیں حویلی میں بٹھانے کے لیے لایا ہے کیا۔ یہاں بیٹھ کے کیا

لوہے چلے وہ تیری کٹلی والیاں۔"

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

لوہے چلے گا۔" محمود نے کہا۔

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

"میں تو کٹلی والیاں بیٹھے رہے تھے۔ محمود کا پب بھی ڈاکٹر تھا۔ اس لیے دونوں پانی پت

لے گا۔

"وہائی سے ڈرتا ہے۔" ارشد نے منہ بیٹھا۔

"ہاں۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی اور دیرانتی ہے کہ اکیلے دو جوانوں کا ساتھ لے کر آئے ہوتے آئے ہوں۔ شہر کا ایک غلڑا پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس نے دھمکیوں دی تھیں۔ شاد نے ڈانگ مار کر اس کی ہانہ توڑ دی۔"

نہ نہ نہ نہ ارشد بولا۔ اپنی تو صلیب بند آوی ہیں اس پہلوان کو چھو کسی لور کی بات رضا اور میں بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ رضا کے انداز میں یہ تھی۔ لیکن میرا دل دھک دھک کر رہا تھا میں چاہتا تھا کہ محمود اس "پت" یا "کاتھ" سنانا دیر عورت پر میری چل چلتی تھی۔ پتہ نہیں کیوں شرما کر پیچھے ہٹ جانے والی عورت دلچسپی نہ تھی۔ آگے بڑھ کر ہانہ پکڑ لینے والی عورت سے مجھے عشق آئے سارے مردوں میں آگے بڑھ کر کہے۔ "مجھے ہی دیکھتا ہے۔ بد دیکھنے دے" تجھے کیا ہے۔"

شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھ میں جرات نہ تھی۔ میں تنہا کر ڈر کر پیچھے ہٹا والا مرد تھا۔ اس لیے میری آواز تھی کہ کوئی ایسی ہو جو آگے بڑھ کر ہانہ پکڑ لے، ایسے چھڑائی نہ جاسکے۔

پھر محمود ہمیں اپنے کیتوں میں لے گیا۔ وہاں ایک بار پھر شاد کی بات چل پڑی اور سارا وجود گویا کلن بن گیا۔

"شاد بڑے میرے بڑے بھائی کی نظر تھی۔" محمود زبردست بولا "لیکن اس نے نہ کر دیا۔ پتہ میرے گھر میں میرا گزارہ نہیں، میں تو کسی اپنے پیسے کے گھر جاؤں گی۔ نخل پر گھڑ نہیں لگتی۔"

بھائی نے کہا "نخل کی تو تو خود ہے۔" کہنے لگی "تو مجھے ایسا دیکھے ہے جیسا میں دیکھتی دیکھے ہے نہیں جانتے، اصل پر جاتے ہیں، تو مجھے نہیں جانتا۔"

محمود نے پھر سے بات شروع کی اس کی علاقے کا چھاپا پچھانا ڈاکو چرا ہے۔ چرے نے کہا شاد وہاں بیٹھی کیا کر رہی ہے۔ تو۔ یہاں آ جا میرے پاس، میرے گھر والی بن کر۔

لے گا۔

"وہائی سے ڈرتا ہے۔" محمود نے جواب دیا۔ جیڑا پھر گیا۔ اس نے کھلا بھیجا جو آپ نہ آئے گی تو شاد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے کہا "اسے کہہ دیا ہے شک آ جا۔ ہر ایک اٹا بے خبری میں رہتا ہے۔ اگر اس کی طرح۔ میں بھی کسی دوسرے کو خبر نہیں دوں گی، پھر جو تو لے جائے تو شاد نے ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر منہ پر کلک لے رکھا۔ جیون بھر۔"

شاد نے کہا "محمود، رضا نے لاشی ٹیک کر پوچھا۔ محمود بولا "آپ، محمود بولا شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو شاد نے ہاتھ پکڑ لیا۔ کوئی کہہ نہ سکتا تھا کہ جو کام نہیں رہے گا۔"

شاد نے کہا "محمود، رضا نے لاشی ٹیک کر پوچھا۔ محمود بولا "آپ، محمود بولا شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو شاد نے ہاتھ پکڑ لیا۔ کوئی کہہ نہ سکتا تھا کہ جو کام نہیں رہے گا۔"

شاد نے کہا "محمود، رضا نے لاشی ٹیک کر پوچھا۔ محمود بولا "آپ، محمود بولا شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو شاد نے ہاتھ پکڑ لیا۔ کوئی کہہ نہ سکتا تھا کہ جو کام نہیں رہے گا۔"

شاد نے کہا "محمود، رضا نے لاشی ٹیک کر پوچھا۔ محمود بولا "آپ، محمود بولا شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو شاد نے ہاتھ پکڑ لیا۔ کوئی کہہ نہ سکتا تھا کہ جو کام نہیں رہے گا۔"

شاد نے کہا "محمود، رضا نے لاشی ٹیک کر پوچھا۔ محمود بولا "آپ، محمود بولا شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو شاد نے ہاتھ پکڑ لیا۔ کوئی کہہ نہ سکتا تھا کہ جو کام نہیں رہے گا۔"

شاد نے کہا "محمود، رضا نے لاشی ٹیک کر پوچھا۔ محمود بولا "آپ، محمود بولا شاید آجائے، کسی روز آجائے، پر سوچ سمجھ کر ہی آئے گا جو شاد نے ہاتھ پکڑ لیا۔ کوئی کہہ نہ سکتا تھا کہ جو کام نہیں رہے گا۔"

اور عین تو ہنس رہی تھی، نہ جینینا، نہ بھانا، نہ آنکھیں منکھانا، نہ نظرس

اور قلب، نہ وہ خوش تھا، نہ غمگین، البتہ صورت حالات پر اسے کسی آدمی
نے لڑنے کے لئے کہا تھا، "میں ہار گئے تھے، ان کٹلی والے ساتھیوں کو رام میں
نہ تو کھڑکیوں کی دروازوں سے، ابو کرد کے کمروں کے صحن صاف نظر

چلا، "ابو کو اس کی تو دوسری ٹانگ بھی تو ڈولنا گا۔"

ابھی عین گاؤں میں دو راتیں بسر کرتے تھے۔

ابو کرد بار بار آکر بھر کر کہا، "ہم تو یہاں دو روز کے لیے قید ہو گئے۔ مراد

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بیگنوں کو دیکھ کر جینپ کر بیچنے میں ہفتی تھیں، بلکہ ہوا
بے باکی سے کھڑی رہیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہو، جیسے وہ کتنی شرمیلی ہی نہ ہوں۔ جس طرح
شری نیکیات خواجے والوں کے دروہیوں کھڑی رہتی ہیں جیسے وہ مردی نہ ہوں۔

وہ ایک نے تو مجبور کر نہیں دیکھا تھا اور پھر محمود نے پوچھا تھا، کون ہیں یہ محمود کے ہوا
پر کہ مہمان ہیں شہر سے آئے ہیں، تو ان کی نگاہوں میں نری آگئی تھی۔ ہم لکھتے کہ وہ اپنا
کلم کلاج میں مصروف ہو گئی تھیں۔

ارے! ارشد انہیں دیکھ کر چلا۔ یہ کیا چیزیں ہیں، نہ ہائے، نہ لونی لٹہ۔ نہ کھر پھر
شرم، نہ جینپ انہیں تو پتہ ہی نہیں کہ یہ کون ہیں۔ یہ ہم کہاں آجیتے ہیں۔

"میں پتہ نہیں" محمود بولا۔

تو پھر یہ مردوں کو دیکھ بھائی کیوں نہیں۔

"یہ شر والوں کو مرد نہیں سمجھتی۔" محمود ہنسا۔

"بڑا پیمان ہے ہمارا" ارشد بولا "عورت ذات کو محبوب ہوتی ہے، اسے تو ہر مرد کو
کھینچا چاہیے۔ محمود ہنسا بولا، "شر کی عورت محبوب ہوتی ہے۔ گاؤں کی نہیں۔ یہاں کی عورت
تو عاشق ہوتی ہے۔ کوئی بلادر ہوا ہے نیاز مرکز ہائے تو اسے دیکھے گی۔ ہر کسی کو نہ دیکھتی ہے
نہ اپنا آپ دکھاتی ہے۔"

کچھ دیر ہم گاؤں میں گھومتے پھرے۔

مجھے صرف ایک لگن تھی، ہوئی تھی کہ کسی طرح شادو نظر آئے، لیکن اس کے گھر کا دروازہ
باہر سے بند تھا۔

"کیس باہر گئی ہوئی ہے۔" شادو، "محمود نے بند دروازے کو دیکھ کر کہا۔

شادو کے گھر کے سامنے کچھ دیر تک ہم منڈلاتے رہے، لیکن وہ نہ آئی۔ گاؤں کی گلیوں
میں اول تو گھومنا پھرنا بہت مسیوب ہوتا ہے، کھڑے رہنا تو پاگل ہی جہاننا فعل ہے، لہذا وہاں
زیادہ دیر کے لیے رکا ممکن نہ تھا۔

چہاڑے میں پہنچ کر میں قریب گلیہ شادو کو نہ دیکھنے کی وجہ سے، مجھ پر ایسی چمٹکی ہوئی
تھی۔ ارشد تو گاؤں میں آکر اپنی تمام تر حیثیت کو چکا تھا۔ "لا حول ولا قوہ" وہ منکھانا رہا تھا، یہ

ہاں، لیکن "اور ان کے گیت اتنی جی سربوں والے تھے کہ ایسے معلوم پڑا تھا

کہ "ارشد چلا رہا تھا۔" بہت دھوکا ہوا ہم سے۔ یہ کٹل والیوں تو بڈل

”نکس۔“

”میں چپ چاپ کھڑی سے لگا دیکھے جا رہا تھا۔“

”تو کیا دیکھ رہا ہے؟“ رضیہ بار بار مجھ سے پوچھتا۔

”اے کیا پتہ کہ دیکھنے والی چیز کیا ہوتی ہے۔ بالکل کورا تھا یہ۔ وہ تو میں نے آج
باقاعدہ بس دنگر لے کر نکلتے، پھر کہیں کچھ سدھ بدھ پیدا ہوئی۔ کیوں بے سچ ہے یا نہیں
میری تمام تر توجہ پردوس کے گھر کی طرف مرکوز تھی۔ میں اس امید پر کھڑی سے لگا
کہ شاید شاید نظر آ جائے۔“

پردوس والے گھر کا صحن چاندنی میں صاف نظر آ رہا تھا۔ صحن کی ایک جانب درخت
چھپر سا پڑا تھا۔ چھپر میں چوہا نما جمل رہا تھا ایک اندھی لالہ میں کے گرد دوسرے حرکت کرتے
تھے۔ کبھی کبھی ایک سایہ درمیان والی دیوار پر آکھڑا ہوتا اور دیوار کے اوپر سے محمود کے گھر
جھانکتا، لیکن ایسے دوسرے سے دیکھنا کہ گیس کی روشنی اس کے چہرے پر نہیں پڑتی تھی۔
”اُسے نیچے آ رہندہ چلایا“ کیوں اپنی آنکھیں خراب کر رہا ہے تو؟ ہٹا! دوسرے رکھا ہی
تھے تو دیکھ رہا ہے۔“

”یہ شاید کوڑھوڑ رہا ہے۔“ رضیہ نے کہا۔

”اُسے اپنی میں بیٹھی ہوگی کبھی؟“ جو قہر کا کلاس مل بیٹھے صحن میں ڈھیر ہو رہا ہے۔
”کچھ آئی! میں کو یہ محمود ہے تو نامیلا جھوں میں رہ کر اس کا شیڈرو کتا ہو گیا ہے۔“

ارجنہ نے لپک کر مجھے اٹھایا اور چارپائی پر دے مارا۔ کیوں خواہ مخواہ اپنا پتھر چوڑا
ہے تو دوسرے کی حرکت نہیں ہوگی۔ بیٹھ میں تاش کھیلے آرام سے۔
کچھ دیر تک ہم تاش کھیلنے رہے پھر آکر کمرے۔

جیرا ڈاکو

رات کو کسی نے میرے شانے جھنجھوڑے۔ میں ڈر کر اٹھ بیٹھا دیکھا کہ رضیہ مجھ پر بڑا
ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

”کہہ دوں؟“ رضیہ نے کہا۔

عورتوں کا شور من کر اورد گرد کے گھروں میں حرکت ہوئی۔ ایک دروازہ کھلنے کی آواز
اس پر گلی میں کھڑے ایک ڈاکو نے چلا کر کہا "کوئی گھر سے باہر نکلا تو خیردار۔ اپنے اپنے گھر
کے اندر رہو۔ کسی نے دخل دیا تو جیڑا بھی نہیں بخشے گا۔
اس اعلان کے بعد چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں "مدم تو آوازیں۔

"یہ تو چرا ہے۔"

"جیڑا آیا جیڑا۔"

"باہر نہ نکلا جیڑا ہے۔"

پھر آہستہ آہستہ وہ آوازیں مدم پر پڑی گئیں۔

بچے عورتوں کی آوازیں بھی ختم ہو گئیں۔

سارے گھروں پر سنا چھایا۔

میری نگاہیں شلو کے گھر پر گئی ہوئی تھیں۔

محسن دیرین پڑا تھا۔

پھر دوبارہ پر ایک سایہ سامنے لگا "اس کو نے کی جانب جہاں درخت تلے ڈاکو کھڑا تھا۔

آہستہ آہستہ سایہ ابھر نکلیا۔

پکڑو دھکڑو

دلچسپ کسی نے چھلانگ ماری۔ درخت تلے کھڑا ڈاکو چونکا "کون ہے۔" وہ چلا آیا۔ اس نے

آواز میں دھب تھا "دھکی تھی۔ پھر ایک ساعت کے لیے درخت کے نیچے پکڑو دھکڑو سنائی دی۔

"اگر یہ تو عورت ہے۔" اور جھنڈ چلا آیا۔

"اس نے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی ہے۔" رشا بولا۔

میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔

ڈاکو نے بہت کوشش کی کہ بیٹی چھڑا لے۔ وہ دونوں لاکھڑائے ہوئے محسن کے درمیان

آہستہ

دھکڑو دھکڑو پلٹے پلٹے دھکڑو دھکڑو ہو گیا۔ اور میرن سے کٹ کر چھت سے جا گیا۔

ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

تھی۔ ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈاکو کی بیٹی پکڑ رکھی

اس کا ساتھی رک گیا۔ پھر وہ گھڑی کی طرف لپکا۔

"خیردار" شاید چلائی۔ "سردار سے مال زیادہ پیارا ہے تجھے، جب یہ جینی چھڑا لے گا تو میں خود گھڑی اس کے حوالے کر دوں گی۔"

اس کا ساتھی رک گیا۔ پھر وہ گھڑی کی طرف لپکا۔
"خیردار" شاید چلائی۔ "سردار سے مال زیادہ پیارا ہے تجھے، جب یہ جینی چھڑا لے گا تو میں خود گھڑی اس کے حوالے کر دوں گی۔"

زنانی اور جنسٹرا

میں ۲۵ سال پہلے واقعہ سے ملازمین کے ساتھ "از سر نو چٹا رہا تھا۔
 چپے کی طرح انگوٹھی لے کر کھڑی ہو گئی۔ رک چلا وہ کپ والوں کو
 حرکت کی تو میں نے اسے زبان دی ہے۔ مجھے اپنا وعدہ بھانا
 ہمارے چھوڑ کر آتی ہوں، چل وہ مجھ سے بولی، "اور میں میں جبرے
 اس کے پیچھے چل پڑا، جس طرح کنڈلی والیاں میں جبراشد کے پیچھے
 ہمارے گھوڑا سر ہٹ ہمارا تھا۔ اور پیچھے جھنپی ہوئی تھو مجھ سے چٹنی چاری
 "دور ہے" اور دور ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی میری چارپائی کے سرے کھڑا ہے۔

میں نے کہا کہ "آئی پوچھ رہی تھی۔

میں نے کہا کہ "نہ کمر کر کلا۔

میں نے کہا کہ "ہے۔

میں نے کہا کہ "میرے پر چلا۔

میں نے کہا کہ "دور سے اور دور سے۔"

میں نے کہا کہ "نہ لیں گے کما کما۔

میں نے کہا کہ "کری تھی۔

میں نے کہا کہ "رہا اور گا۔

میری رات کنڈلی والیوں میں چہ پارے سے شلو کو دیکھا رہا۔ چاندنی سے بھر
 ویزے میں "درخت کے نیچے" شلو میری بنی پکڑے ہوئے بیٹھی تھی۔ میرا جی ہمارا
 یوخی میری بنی پکڑے بیٹھی رہے، بیٹھی رہے "اور اسی طرح زندگی بیت جائے۔

جاگتے سینے

چہ پارے کی کھڑکی سے میں خودی اس منظر کو دیکھ رہا تھا اور ویزے میں "درخت
 تلے" خودی شلو کے ہاتھوں میں اپنی کلائی تھامے بیٹھا تھا۔ ہر چند منٹ کے بعد میں
 کلائی چھڑانے کی شدید جدوجہد کرتا، ساتھ ہی ڈرتا کہ کہیں وہ کلائی چھوڑ نہ دے،
 کھیل گز نہ جائے، کہیں لمس لوٹ نہ جائے، کہیں شلو اس کھیل سے آگاہ نہ جائے،
 جائے، کہیں اس پر یہ بھید نہ کھل جائے کہ یہ مقابلہ میں کھیل ہے، "ایک ایسا کھیل
 کی ساری پیچیدگیاں قہرمان کی چاکنی ہیں۔

یہ شلو جس نے میری بنی پکڑ رکھی تھی، کنڈلی والیوں کی شلو نہ تھی، بلکہ
 تھی۔ سادہ رشتہ، چھلکے نقش، کھما جانے والی آنکھیں اور ایک عجیب شان، بے نیازی

میں نے کہا کہ "آپ کے خواب، کئی دلوں سے دیکھ رہے ہیں آپ۔ پتہ
 "اور قسم ہونے میں آتا ہے۔ ختم ہو تو کچھ اور نظر آئے۔

میں نے کہا کہ "ایک نیک پاک اور پرہیزگار عورت تھی۔

میں نے کہا کہ "یہ نہ تھی وہ شہر کی محتان تھی، جس طرح عورتیں ہوتی

میں نے کہا کہ "ہاں میں جاگتے کے خواب دیکھا اور ان میں کوئی عورت پیش پیش ہوتی

میں نے کہا کہ "ایک نیک کو پتہ چل جاتا تھا، پتہ چل جاتا تھا۔ کتنی عجیب بات

میں نے کہا کہ "نہ تھی میں آتی۔ خیر نہ آئے تو ڈراؤ نے خواب آتے

میں نے کہا کہ "خواب آتے۔ خیر نہ آئے تو ڈراؤ نے خواب آتے

ہیں۔

یہ تو سارے خواب معلوم دیتے ہیں، وہ بولی۔ پیٹ خراب نہیں کچھ اور خراب ہے۔
 کرو نہیں پڑی۔

دو گھنٹہ ٹھیکو سامنے آنکھیں ہوئی، بولی یہ بے چاری تو معصوم ہے، اسے کیا پتہ خواب اور
 سے بحث کیوں کرتا ہے تو۔

نہیں نہیں جہاد وہم ہے، میں نے اقبال بیگم سے کہا کہ کئی بات نہیں۔
 بات تو آپ کے ہاتھ پر لکھی ہوئی ہے، اس نے جواب دیا۔

کچھ کہتی ہے، ٹھیکو مسکرائی، بات ہاتھ پر لکھی جاتی ہے، چھپانے سے نہیں چھپتی۔ اور
 ماتا تو اتنا بڑا ہے۔

میرے ہاتھ پر کچھ بھی نہیں لکھا ہوا، میں نے اقبال سے کہا۔
 ٹھیکو قہقہہ مار کر کہی۔

آپ سے کون سر کھپائے، اقبال بیگم نے آہ بھری۔ آپ تو یہاں ہیں ہی نہیں۔
 بے وقوف ہوں جو بات کرتی ہوں۔ جب سننے والا ہی موجود نہیں، تو بات کرنے کا فائدہ...

ہوئی جلی جلی۔
 اگلے روز صبح سویرے ہی میں کیمپ کی طرف چل پڑا۔ صبح کے وقت میرا دوپٹا کوئی

تھا۔ اور کام تو میں نے کبھی کیا ہی نہیں تھا۔ کام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے
 میں کیمپ میں باقاعدگی سے جاتا تھا۔

حسب معمول میں کیمپ ٹینٹ سے نکل کر اوپر چل پڑا۔
 اتنی قریب۔ اتنی دور

دو گھنٹہ میں رک گیا۔ دنگر کے چاروں بالکل ایک طرف، وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھی
 رہی تھی۔ ایک دو ٹانگے لگا کر پھر دور نہ چلے کہ درخت کیسے گتے، دیکھتی رہتی، دیکھتی رہتی۔

جیسے کوئی ہوا اور سلامتی کا کپڑا وہ میں پڑا رہتا، پڑتا رہتا، پھر وہ چوتھے، لمبی، کہ بھرتی اور پھر
 اٹھا کر بیٹھے گتے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میرے بندہ بند میں کہیں بیٹھے تھیں؟ میرے لیے میں نے جواب دیا۔
 کیا ملے گا مجھے اس نے پھر ناک کاگے ہوئے کہا۔
 نہ ملے۔ میں کیا مانگا ہوں؟ کچھ تھوہے۔ کچھ کتا ہوں۔
 کیوں میں کتا کچھ؟ دو بولی۔ کیوں میں مانگا۔
 تو ناراض ہو جائے گی اس لیے۔
 وہ قہقہہ مار کر ہنسی میں کیوں ناراض ہونے لگی خواخوہو۔
 پھر مجھ سے گھبرائی کیوں ہے۔
 خواخوہو، دو مسکرائی۔
 شامیاتی جو ہے۔

چھ سے اس نے قتلہ لگایا۔ کوئی کھنکس کا جینزوا تو شرابی بھی دودھ رکھ گئی۔
لوہیہ جو اسنے مارے مرد میں کپ میں یہ جینزے فیس میں کیا میں نے پوچھا۔
یہ تو شرکے ہیں دہریہ۔
شرکے جینزے فیس ہوتے کیل۔
یہ تو ہر ہوتے ہیں پتلوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تو بھی تو ہر ہے۔
انجام

یہ ہار کچھ نہیں کہتے۔ تو بھی تو کچھ نہیں کہتا ہے۔ ————— رو چپ ہو گئی ہے !
آواز میں بول۔ جو کچھ نہیں آگتا کچھ نہیں کہتا اس سے کیا شریعت
میں سمجھتا تھا کہ کچھ نہ آگتا ایک رب بڑی غیبی ہے جو صوفی کے خلاف ساری باتوں کا
دعوہ دیتی ہے۔ اس کی بات سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

وہ بھی مرد ہوتا ہے کیا وہ جھگی جھگی ٹانگوں سے سینے ہوئے ہوئی جو کچھ نہ مانے۔
کے اور یہ پاؤ لوگ انگلیں بھی تو مت کر کے نکلتے ہیں۔ کبھی مرد بھی منت کرتا ہے پہلا۔
میں نے کبھی اس ذوق سے نہ سوچا تھا۔ میرا سارا فلسفہ دھیمی بن کر اڑا گیا۔

UrduPhotos.com غلامش ہر میاں

نہ جانے کب تک ہم دونوں خاموش رہیں

UPPER TROCHODONT

UrduPhoto.com

”دیکھا“ جب میری نگاہوں میں ٹانگ ہی نہ تھی تو کیسے دیکھ سکتا تھا؟ اس کی تو کہہ ہی نہ سکتی، پندرہ کروڑ کا کام کروا کر کہیں ”اس کا کام ہے“ اس کو جانے دو کیا مزہ ہو تا ہے۔

”ہاں ہاں۔ اس کی خوشبو سے گردن پیش بھرا ہوا تھا۔ اس کی مونچھوں پر اُترا دکھاتا“ کھٹک کھٹک۔

— 4 —

ہم نے ان کے پاس سے ہاتھ نہیں دیا۔

14/11/19

— $\frac{1}{2}$ ml.

...میں تو سب مجھے چتری کہتے ہیں۔

میں نے حیرانی سے دہرایا۔

تلازی تھی۔ چڑی اس کے پرلوں پر گالے سفید ٹسکنے تھے۔ کلا
باری تھی۔ یا اے میزٹام بھی چڑی رکھ دیا وہ ہنسنے لگی۔ بس۔
اس طرح مسموم باتیں کر رہی تھی۔ شینے پتہ نہیں کیا ہوئی تھی۔ اس
بھڑک چڑک چڑک سا لہو ابلو، جو کلا نہیں بھرتا ہے، شوخیاں کرتا ہے۔

۱۱۔ میں نے پوچھا۔

— ۱۰۰ —

$$= \frac{x}{y} \cdot \frac{1}{x} \cdot \frac{1}{y} = \frac{1}{y^2}$$

کیوں۔
میں چھان دیکھتی ہوں کیا۔
مجھے کیا پتہ میں سے کیا۔
مجھے تو کچھ نہیں پتہ وہ پھر بننے لگا۔ پھر بولی ہمارے گاؤں کی چھتیاں ایسی ہی
کہ بس دیکھتے رہو میدے سندھو سے گندے ہوئے منہ یہ ذات چوڑے لٹا رہا
دع کہ دیکھا نہ جائے انہیں کوئی نہیں کتا تھا مجھے اچھی گنتی ہے۔ ہر کوئی مجھے ہی
پتہ نہیں کیا ہے میرے میں کہ لوگ کہتے ہیں تو ہمیں اچھی گنتی ہے۔ ہر رات کیرٹ
ہے۔ جو مجھے پتہ چلے کہ وہ کیا چیز ہے تو میں اسے نکل کر باہر پھینک دوں۔ میں بڑی اچھی
بڑی دیکھتی ہوں اس اتھے گنتے کی وجہ سے۔ اس نے ایک لمبی آٹھری پھر تو بھی یہی کہا
تو مجھے اچھی گنتی ہے۔
لور کیا کہوں۔

یہ اچھا لگتا مجھے کہا گیا کھنک کا نیکہ لگا ہے میرے ماتھے پر وہ پھر خاموش ہو گئی۔

جب میں پھوٹی تھی تو زمیندار چھان کا لڑکا مجھ سے کھیلا کرتا تھا ہر وقت میرے پیچھے

لور لور۔ ہزار لور لور ہوتی پر وہ کہتے کی طرح میرے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ میں جو کتنی وہی

میں جو چیز چاہتی کہیں نہ کہیں سے لے آتا۔ پھر پلا کئے لگا چڑی اب تو جوں ہو گئی ہے تو تو

سے نہ کھیلا کہ میں نے اس کے ساتھ کھیلا چھوڑ دیا۔ وہ رک گئی لور اگلیوں میں

موڑنے لگی۔

پھر میں نے پوچھا۔

پھر وہ لڑکا ہمارے گھر کے ارد گرد مڑتا رہا چار ایک دن مڑتا رہا۔ اٹا نے کہا ہاں

کھادے کہ ہمارے گھر کے پکڑ نہ لگائے لوگ کیا کہیں گے۔

پھر تو اس سے ملی کیا میں نے پوچھا۔

ہاں ٹی۔ بیو نے جواب دیا میں نے کہا اب تو نہ آیا کر ادھر۔

جواب میں وہ بٹ بٹ میرے منہ کی طرف دیکھ رہا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

کیوں۔
میں چھان دیکھتی ہوں کیا۔
مجھے کیا پتہ میں سے کیا۔
مجھے تو کچھ نہیں پتہ وہ پھر بننے لگا۔ پھر بولی ہمارے گاؤں کی چھتیاں ایسی ہی
کہ بس دیکھتے رہو میدے سندھو سے گندے ہوئے منہ یہ ذات چوڑے لٹا رہا
دع کہ دیکھا نہ جائے انہیں کوئی نہیں کتا تھا مجھے اچھی گنتی ہے۔ ہر کوئی مجھے ہی
پتہ نہیں کیا ہے میرے میں کہ لوگ کہتے ہیں تو ہمیں اچھی گنتی ہے۔ ہر رات کیرٹ
ہے۔ جو مجھے پتہ چلے کہ وہ کیا چیز ہے تو میں اسے نکل کر باہر پھینک دوں۔ میں بڑی اچھی
بڑی دیکھتی ہوں اس اتھے گنتے کی وجہ سے۔ اس نے ایک لمبی آٹھری پھر تو بھی یہی کہا
تو مجھے اچھی گنتی ہے۔
لور کیا کہوں۔

یہ اچھا لگتا مجھے کہا گیا کھنک کا نیکہ لگا ہے میرے ماتھے پر وہ پھر خاموش ہو گئی۔

جب میں پھوٹی تھی تو زمیندار چھان کا لڑکا مجھ سے کھیلا کرتا تھا ہر وقت میرے پیچھے

لور لور۔ ہزار لور لور ہوتی پر وہ کہتے کی طرح میرے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ میں جو کتنی وہی

میں جو چیز چاہتی کہیں نہ کہیں سے لے آتا۔ پھر پلا کئے لگا چڑی اب تو جوں ہو گئی ہے تو تو

سے نہ کھیلا کہ میں نے اس کے ساتھ کھیلا چھوڑ دیا۔ وہ رک گئی لور اگلیوں میں

موڑنے لگی۔

پھر میں نے پوچھا۔

پھر وہ لڑکا ہمارے گھر کے ارد گرد مڑتا رہا چار ایک دن مڑتا رہا۔ اٹا نے کہا ہاں

کھادے کہ ہمارے گھر کے پکڑ نہ لگائے لوگ کیا کہیں گے۔

پھر تو اس سے ملی کیا میں نے پوچھا۔

ہاں ٹی۔ بیو نے جواب دیا میں نے کہا اب تو نہ آیا کر ادھر۔

جواب میں وہ بٹ بٹ میرے منہ کی طرف دیکھ رہا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

تو ایسے کیوں دیکھا ہے مجھے میں نے پوچھا۔

ہمیں اسیاں

پھر وہ اپنا ہاتھ چڑی سے بات پھرے شروع کی۔ اس نے مجھے دیکھ لیا، پہ نہیں لیا۔ پھر وہ دھڑا کر دھڑکے گھر کے سامنے بیٹھ گیا، لپٹا کھنکھائی، یہ میں کیاں بیٹھ گیا میری سیسیلوں نے کہا چڑی خود یہ تیرے لیے بیٹھا ہے۔ اس پر میں ڈر گئی، 'اب کیا، میرے دل میں کتر پھرنے ہوئے گی۔ یہ بتا میرے لیے بیٹھا ہے، میرے لیے۔ اس وقت کھوں کے سامنے مزہ باز کچیلوں پر گئے ہوئے تھے کھائی کے دن تھے۔ آگے بچا کر باہر نکلی۔ باہر جو نکلی تو وہ بٹ بٹ میری طرف دیکھنے لگا۔ میری طرف کیوں دیکھا ہے تو میں نے جھوٹ موٹ پوچھ لیا۔

پڑی تھی۔

کچھ دیر کے بعد فوج نے ایسی سانس بھری۔ پھر پاکستان میں گیل۔ اس نے کھلوا بھیجا۔
 بھی مان جاو رنہ تجھے پتہ ہے۔ میں جنرل ہوں، تیرے گھوں کا ایک گدی بھی پانے
 بچنے گگ سیدی طرح نہ مانے گی تو پھر میں بھی بیڑا لیاں ہوں۔

پھر میں نے بے تابی سے پوچھا۔

پھر کیا اس نے آہ بھری۔

کیا کہا اس نے۔

جو اس نے کہا تھا کر دکھایا اور کیا۔

کیا لکھوں گا کوئی آدمی نہ پہچا؟ میں نے پوچھا۔

کوئی نہیں، اس نے سر نشی میں ہلایا۔

تو کیسے بچ گئی، میں نے پوچھا۔

نہ بھگتی تو اچھا ہوتا، چڑی نے آہ بھر کر کہا۔

کے؟

اب کیا دھرا ہے، اس کے منہ سے کراہ سی نکلی۔

کیوں، یہ جگہ پسند نہیں آئی تھی۔

یہ ————— یہ جگہ چاہے اچھی ہو پر یہ میری دنیا نہیں ہے۔

یہ بیگانی دنیا ہے۔ وہ بولی۔

چھا۔۔۔۔۔ کیسے کیوں؟

اس سے اس بابو لوگ رہتے ہیں نہ جسمزے ہیں نہ زمانیاں۔

مجھے بات تو سنا کہ ہوا کیا؟ میں نے اس کی بہت منت کی۔

گھراؤ

۱۱۔ کر بیٹھے تھے۔ میرے نے خاتون کو کہلا بھیجا، اگر چہڑی کو

ایک آدمی کو خود پاکستان پیشپا کر آؤں گا، نہیں توجہ خانوں

... نے ایک زہن ہو کر ہا ہم کٹ مریں گے، لیکن لڑکی

اس لیے کہ وہ پرانا جھگڑا اسی طرح سے چلا

میں نے کہا تھاے شک ماروے چھٹانگ۔ میرا بابا

اس وقت میں پڑا خان خود ہمارے گھر میں آگیا۔ امیر نے آیا۔

۱۱/۱۶: تیرا ہمارا لاکھ جھڑا ہو زتیر کی جڑوں کی جڑوں

ان کے لئے ان کے رشتہ داروں کے حوالے نہیں کریں گے۔

۱۷۰۰ء میں لکھی گئی تھی۔

... ..

۱۱۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو بخش دے۔ میں سب کو چاہتا ہوں۔

... ..

یہاں پر ایک اور بات کہیں گے۔ یہاں پر ایک اور بات کہیں گے۔

اور پانی کی ایک جوس رسی پھر کھوس کے پھوٹنے کی

اسم کا وہاں سے باہر رکھ دیا دیوار کے پاس۔

.....

۱۔ اداۃ اندر آئے اور چھوٹے کے سارے مرد کٹ کر ڈھیر ہو

ہیرے نے گڈوں کا کونہ کونہ چھان مارا، لیکن میں اس

اگر گاؤں کی پانچویں اری کے باہر تلاش کرے۔ بس میری بد

نصیبی 'اس نے کہ بھری' میں پھر بچ گئی۔

وہ پھر خاموش ہو گئی۔

ہم دونوں نہ چلے کتنی دیر چپ چاپ بیٹھے رہے، بچوں لگا جیسے صدیاں بیت گئی
آسمان پر گرد کی ایک تہہ سی بدلی کی طرح چھا گئی تھی، سورج اس کی اوتار
فضا میں گرد کا گردوارا بن بھرا ہوا قند سب کچھ بھورا نظر آ رہا تھا۔ ہوا تیزی سے چلا
چاروں طرف گرد آلود دیر لپٹی چھا رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے میرا شانہ پکڑ کر بھجھوڑا۔

میں نے چونک کر پیچھے دیکھا، پیچھے چڑی کا چاچا کھڑا تھا۔

ہوش کر، وہ بولا، کچھ خبر ہے بچے۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ سب تیرے بیری ہو رہے ہیں، یوڑے نے کہا، بڑی باری آکر تجھے دیکھ رہی ہے۔

کے پاس کیوں بیٹھا ہے۔

زنگی

کیوں نہ بیٹھے، شیرنی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ کولوں پر رکھے
سینہ تن گیا، آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔

میں نہیں کہتا یوڑے نے کہا، وہ کہتے ہیں۔

وہ کون ہیں، چڑی نے آگے پیچھے کر چلا کر پوچھا۔

وہ ————— جو سامنے کھڑے ہیں۔ یوڑے نے اشارہ کیا، وہ۔

ہم سے ہیں، جھکیں قدم پرے، چھ سات کیپ کے کھڑے کھڑے ہمیں گھور رہے۔

یہ ہاتھ جو سامنے کھڑے ہیں، چڑی با آواز بلند عقارت سے بولی۔

انہیں دھکا نہیں کھلی یوڑے بچا نے کہا، وہ اسے پکڑ لیں گے۔ وہ اسے

اکیلا ہے۔

کون کہتا ہے، یہ اکیلا ہے، شیرنی زنگی یہ اکیلا تو نہیں، میں جو اس کے ساتھ ہوں۔

آواز بکڑ کر بجے، اٹھا اور پھر بجے، ان ہاتھوں کی طرف کھینچنے لگی۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

وہ اٹھ کر آیا، کسی کسی طرفان کی زد میں آ گیا ہوں۔

میں نے اسی کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر دکھ اور بے بسی کے اظہار گئے ہوئے تھے اور چہرہ ہو گیا ہو اور ابھی بٹنے لگے تھے۔

اب کیا ہو گا بیٹا اس نے اپنی بات کو پھر دہرایا۔

اب اسی کے دل میں کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ اب وہ صرف میرے لیے ڈرتی تھی کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔

پھر میری بیوی اقبال بیگم تھی۔ بنیادی طور پر وہ بھی ایک دھکی عورت تھی۔ اس کی پہلی شادی ہوئی تھی۔ اس کے ہونے والے خاندان نے بارہا اپنے والدین سے میری شادی نہ کر کے میں شادی کے قابل نہیں ہوں۔ لیکن میں باپ جیسے کے لالچ میں رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برکت کی رات دو لاکھ نہ آیا۔

سات سال اقبال بیگم بیٹی دو لاکھ کا انتظار کرتی رہی اس کے دل میں دو لاکھ نہ پیدا ہو گئی۔

اقبال بیگم پر بھی لکھی نہ تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کسی کے ساتھ باتیں کرے۔ رسول کی باتیں، دین لین کی باتیں، شریعت کی باتیں، چھوٹی باتیں۔ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں تو تخیل کا دارا ہوا تھا۔ اقبال بیگم گھر میں آگئی تھی۔ اس نے چھوٹی بیٹی سورا کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔

گھر میں کبھی تھا اس کی عمر چھ سال کی ہو گی۔ وہ عام بچوں کی طرح نہ تھا۔ اسے کنفیوز کر رکھا تھا۔

جب وہ تین سال کا تھا تو باپ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ایک سال کے بعد باپ لوٹ آیا۔ میں چلی گئی۔ ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر چلی گئی اور اب وہ اپنا گھون چھوڑ کر چلا گیا۔ اسے اپنے گروڈیش پر غور نہیں رہا تھا۔ یہ نہیں کوئی کہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ایک دہائی بعد وہاں کے عظیم قریب رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور تھے۔ اس سے کوئی رابطہ نہ تھا۔

ان دنوں ہم اچھرے کے ایک چوہا رہے ہیں۔ یہ چوہا ایک اعلیٰ میں گھر میں ہم تین فرد اور دو بچے تھے۔

اور میں نے اسے ہی گھر کی لوکرانی بنادی گئی۔

اب کیا ہو گا بیٹا اس نے اپنی بات کو پھر دہرایا۔ اب اسی کے دل میں کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ اب وہ صرف میرے لیے ڈرتی تھی کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔

پھر میری بیوی اقبال بیگم تھی۔ بنیادی طور پر وہ بھی ایک دھکی عورت تھی۔ اس کی پہلی شادی ہوئی تھی۔ اس کے ہونے والے خاندان نے بارہا اپنے والدین سے میری شادی نہ کر کے میں شادی کے قابل نہیں ہوں۔ لیکن میں باپ جیسے کے لالچ میں رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برکت کی رات دو لاکھ نہ آیا۔

سات سال اقبال بیگم بیٹی دو لاکھ کا انتظار کرتی رہی اس کے دل میں دو لاکھ نہ پیدا ہو گئی۔

اقبال بیگم پر بھی لکھی نہ تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کسی کے ساتھ باتیں کرے۔ رسول کی باتیں، دین لین کی باتیں، شریعت کی باتیں، چھوٹی باتیں۔ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں تو تخیل کا دارا ہوا تھا۔ اقبال بیگم گھر میں آگئی تھی۔ اس نے چھوٹی بیٹی سورا کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔

گھر میں کبھی تھا اس کی عمر چھ سال کی ہو گی۔ وہ عام بچوں کی طرح نہ تھا۔ اسے کنفیوز کر رکھا تھا۔

جب وہ تین سال کا تھا تو باپ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ایک سال کے بعد باپ لوٹ آیا۔ میں چلی گئی۔ ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر چلی گئی اور اب وہ اپنا گھون چھوڑ کر چلا گیا۔ اسے اپنے گروڈیش پر غور نہیں رہا تھا۔ یہ نہیں کوئی کہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ایک دہائی بعد وہاں کے عظیم قریب رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور تھے۔ اس سے کوئی رابطہ نہ تھا۔

ان دنوں ہم اچھرے کے ایک چوہا رہے ہیں۔ یہ چوہا ایک اعلیٰ میں گھر میں ہم تین فرد اور دو بچے تھے۔

گھر میں ہم تین فرد اور دو بچے تھے۔

چراغ

چار چہرے دل گھر میں ہیں بے بارو مددگار بڑا رہے مجھے یوں پڑے دیکھ کر لیں گے
چور چور ہو گیا اقبال کو شب بڑ گیا کہ میری فکری چھوٹ چکی ہے 'اب کیا ہو گا۔

کسی کچھ اور کھو گیا۔ گھر کی اداسی اور گھری ہو گی۔
شام کے وقت دروازہ بند۔

کھولا تو میرے دروازے پر چراغ کھڑا تھا۔ جسے ہم بہار سے گئی کہا کرتے تھے۔
گئی میرا بچپن کا دوست تھا۔ وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا تھا۔ اور سونے کے سر

چل نہ سکتا تھا۔
گئی اگرچہ لنگڑا تھا، لیکن قہامت دل رہے۔

جہت سے پہلے وہ امرتسر میں دکن کرنا تھا۔
تو گئی 'میں نے حیرت سے پوچھا 'امرتسر سے کیسے آیا تو 'امرتسر میں تو لکھنؤ

کر دیے گئے۔
کوئی بات نہیں 'وہ بولا 'امرتسر کا کوئی مسلمان چار ہندوؤں کو مارے بغیر نہیں رہا۔

مارے تھے۔ اس کے بعد میں مارا بھی جاتا تو کوئی غم نہ ہوتا۔ لیکن میں بچ گیا تھا۔
گیا۔ اب ہم ٹوبے جارہے ہیں۔ چار دن کے لیے یہاں رکے تھے۔ میں نے کہا تجھے

گئی کے آنے سے گھر میں چل پھل ہو گئی۔
رات کو میں نے گئی سے کہا 'میرا ایک کام کرے گا۔ کپ میں جا کر پتہ لگا دوں۔

کیا حال ہے۔ میں نے اسے ہانپو کی ساری کہانی سنائی۔
وہ ہنس بولا چور چوری سے جائے گا میرا بھیری سے نہیں جائے گا۔ تو کسی چیز

پنہائی رہے گا میرے۔
اگلے روز وہ کپ سے لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک کاندھا تھا۔ کہنے لگا 'چوری تو

حوالی میں چلی گئی ہے۔' جائے ہوئے وہ یہ کہ پری اپنے چاہے کو دے گئی تھی۔ کہ اگر
آئے تو اسے دے دیتا۔

انہوں نے یہ پتہ دیا ہے۔ کوڑو والے کھوہ کے پاس میرے کی ماڑی میں اپنی ماڑی
رہتی ہے۔

یہاں اجاڑ میں رہتی ہے کیا؟
پتہ نہیں لگائی بولا یہ جاٹ لوگ ڈرتے نہیں۔
لوہا کو دیکھا۔ نہ ملی تو۔

نڑا ہی بس سے واپس چلے جائیں گے یہ آخری بس ہے۔
ہمارے راتیں ہاتھ ڈنڈی سے پیاس کوڑے کاٹے پر چار ایک کپے کمر بنی ہوئے
لے غور سے اس آبادی کی طرف دیکھا شاید کوئی آدمی نظر آجائے۔ وہاں، ایام،
کسی گھر سے دھواں تک نہ نکل رہا تھا۔ درمحل سے کتنے گندے بچے دوڑ رہے تھے۔
میں بھونکنے کی بجائے سکت نہ تھی۔

یہ گھاؤں دیکھ رہے ہو، میں نے گھٹی سے کہا۔

ہاں۔

لٹا پٹا معلوم دیتا ہے۔

ہاں۔ اب بارڈر پولیس آگئی ہے، گھٹی نے کہا اب لوگ واپس اپنے گھروں میں آ رہے
ہے۔ "آہستہ آہستہ۔"

ہم پھر خاموش ہو گئے۔

کوڑو والا کھوہ دیرین پڑا تھا۔

پھر ہماری توجہ میرے کی ماڑی کی طرف مبذول ہو گئی۔ میرے کی ماڑی کی طرف دیکھا
حوالی تھی۔ جو چاروں طرف سے بند تھی۔ باہر کی چار دیواری کے پیچھے ایک بچہ کھینچ رہا تھا۔
کے ایک طرف اونچی لوہے کی دیواریں کھڑی تھیں۔

پرانی ڈرائی سی حویلی تھی۔ چلی خیل میں ایک بڑا سالوے کا دروازہ تھوڑے پرانی
جگہ جگہ تک کڑکھیں کھینچتیں تھیں، جن پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

باہر کی چار دیواری کا پھاٹک ٹوٹا ہوا تھا۔ ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔
صدر دروازے پر پہنچ کر گھٹی نے کدور سے دروازہ کھلیا۔ مکان میں کچھ

کھڑی ہوئی لمبی کھڑکی کو ایک طرف پیٹک دیا اور پتھر سے مخاطب

ہو کر ہوئی کوئی بات اپنی سمجھ میں نہیں آئی تھی توڑی۔ پھر وہ میری طرف مڑی۔
اب یہ لڑکا گڑا ہے، اس نے مجھے ڈانڈا۔

لوہار تم بے حد حیران ہوئے۔ کسی کمرے میں کوئی سالن نہ تھا۔ سارا گھبراہٹ
ہو تھا۔

مجھے تو چڑی نے کہا مجھے پتہ تھا تو آئے مجھ۔

چڑی بول رہی تھی کہ اسی نے کہا۔ اس بے چارے کی زندگی کیوں حرام کر دو
گیا تھا۔

چڑی بول رہی تھی کہ۔

پہلے اسی بولی، سب کچھ سامنے دھرا ہے۔ تجھے نہیں دکھایا، اندھی ہے۔

وہ ابہٹ میں اسی کا دم تھا، چڑی نے کہا۔ وہ خاموش ہو گئی، پھر بولی۔

لوہار نے مجھے یوں دیکھتے تھے جیسے میں کوئی کمانے کی چیز تھی، ہر کوئی جانتا تھا کہ

لوہار نے کہا۔

لوہار نے کہا۔

لوہار نے کہا۔

لوہار نے کہا۔

لوہار نے کہا۔

لوہار نے کہا۔

لوہار نے کہا۔

لوہار نے کہا۔

لوہار نے کہا۔

تو اب میں رہے گی۔

پتہ نہیں۔ جب تک جی چاہے گا رہوں گی۔

تیرے جی کا بھی بھید نہیں پلایا۔

میں نے خود نہیں پلایا۔ تو کیا پائے گا وہ نہیں۔

کسی نے پلایا بھی ہے، گائی بولا۔

زنگن کے پلے لور ہو تا ہی کیا ہے۔ بس اک جی کا بھید ہی تو ہوتا ہے، جو وہ کل جانتے تھے۔

رہا کیا۔

گائی تیرے مار کر چلا۔

یہاں آنے میں بھی تو بھید ہو گا کوئی، گائی نے کہا۔

ہاں ہے، چڑی نے جواب دیا۔

کھولنا نہیں چاہتی تھی میں نے اسے چیز۔

کیوں نہ کھولوں گی تجھ پر وہ دیکھی انداز میں بولی، اپنا کوئی رہا ہی نہیں ہے۔ بس اک تو

جو اپنا ہی کیا تھا اور کب میں۔ ساری باتیں تو میں نے بتادی تھیں تجھے۔

وہ ہیرا سیں والی بات بنا۔

ہاں تیرے کی بات۔ اچھا ہے جو تو آج آگیا ہے۔ میں موٹے پر آیا ہے تو۔ یہ سگری

میری ماسی جو ہے یہ بھی میری ساتھی ہے جس طرح یہ تیرا ساتھی ہے، اسی طرح ماسی میری

بات مانتی ہے، روک نہیں بنتی۔ پر منہ سے طرف داری نہیں کرتی، منہ سے روکتی

نصیب جھپٹ کر کرتی ہے، پر میں اس کی بات مانوں نہ مانوں، غصے نہیں ہوتی۔ کبھی ہے، ہاں

کر۔

اور ماسٹر میں نے پوچھا۔

وہ نہیں دیتا دخل۔

تیری بات مانتا ہے کیا؟

میں نے بھی دل کی بات بتائی ہی نہیں اسے۔

ماں بتا دیتی ہو گی گائی نے کہا۔

تو اب میں رہے گی۔

پتہ نہیں۔

تیرے جی کا بھی بھید نہیں پلایا۔

میں نے خود نہیں پلایا۔

کسی نے پلایا بھی ہے، گائی بولا۔

زنگن کے پلے لور ہو تا ہی کیا ہے۔

رہا کیا۔

گائی تیرے مار کر چلا۔

یہاں آنے میں بھی تو بھید ہو گا کوئی، گائی نے کہا۔

ہاں ہے، چڑی نے جواب دیا۔

کھولنا نہیں چاہتی تھی میں نے اسے چیز۔

کیوں نہ کھولوں گی تجھ پر وہ دیکھی انداز میں بولی، اپنا کوئی رہا ہی نہیں ہے۔ بس اک تو

جو اپنا ہی کیا تھا اور کب میں۔ ساری باتیں تو میں نے بتادی تھیں تجھے۔

وہ ہیرا سیں والی بات بنا۔

ہاں تیرے کی بات۔ اچھا ہے جو تو آج آگیا ہے۔

میں موٹے پر آیا ہے تو۔ یہ سگری

میری ماسی جو ہے یہ بھی میری ساتھی ہے جس طرح یہ تیرا ساتھی ہے، اسی طرح ماسی میری

بات مانتی ہے، روک نہیں بنتی۔ پر منہ سے طرف داری نہیں کرتی، منہ سے روکتی

نصیب جھپٹ کر کرتی ہے، پر میں اس کی بات مانوں نہ مانوں، غصے نہیں ہوتی۔ کبھی ہے، ہاں

کر۔

اور ماسٹر میں نے پوچھا۔

وہ نہیں دیتا دخل۔

تیری بات مانتا ہے کیا؟

میں نے بھی دل کی بات بتائی ہی نہیں اسے۔

ماں بتا دیتی ہو گی گائی نے کہا۔

انگریز کہتی ہے، 'مائی نے پوچھا۔

نئی کسی کی خاطر اپنا اللہ رسول کیوں چھوڑوں۔

ہو لینا وہاں گھروں چھوڑنے کے لیے تیار ہے، 'مائی نے کہا۔

'پڑی بولی' میں کسی کا حرم کیوں چھوڑاؤں۔

نہ کچھ پتہ بھی ہو، 'مائی بولی' زلفی اور مرد و حرم کے بندھن سے نہیں ہنرتے۔

ہنا میں نے چڑی سے کہا، 'تو بندھن سے بندھی ہے کہ نہیں۔ حرم کو چھوڑ۔

ایک پوچھا ہے تو نے، 'مائی ہنسی' پتہ میں تجھے، زلفی آپ سے بندھن میں نہیں

اب بندھن میں پڑ جائے تو لاچار ہو جاتی ہے۔ مرد و بندھن زلفی کو باندھ لے

گلے میرے کے بندھن سے کوئی واسطہ نہیں، 'چڑی بولی۔

اب نہ زلفی کی باتیں ہیں، 'مائی نے کہا۔

تجھے میرے کی قدر نہ ہوتی تو اسے لئے کے لئے یہاں چلیاں والے کیوں آتی

اگے نہ جو کھلوا بھیجا تھا کہ ایک پارلے، 'چڑی نے کہا۔

نہ تو مجبور ہو گئی۔ اس کی گھن، 'تیری مجبوری' بیشک یہی ہوتا ہے۔ میں بھی زلفی

ہو نہ کہاں واسطے آئی تھی تھی، 'میں باپ بھائی بہنوں کو چھوڑ کر، دس سے دور۔

کہا کرتی ہے تو مائی، 'گلن نے پوچھا۔

نہ وہاں باتیں ہیں، 'وہ بولی، 'جب زلفی مجبور ہو جاتی ہے۔

کہا کرتی مجبور ہو آ رہے، 'زلفی، 'مہر... فرما۔

انگریز کہتی ہے، 'مائی نے پوچھا۔

نئی کسی کی خاطر اپنا اللہ رسول کیوں چھوڑوں۔

ہو لینا وہاں گھروں چھوڑنے کے لیے تیار ہے، 'مائی نے کہا۔

'پڑی بولی' میں کسی کا حرم کیوں چھوڑاؤں۔

نہ کچھ پتہ بھی ہو، 'مائی بولی' زلفی اور مرد و حرم کے بندھن سے نہیں ہنرتے۔

ہنا میں نے چڑی سے کہا، 'تو بندھن سے بندھی ہے کہ نہیں۔ حرم کو چھوڑ۔

ایک پوچھا ہے تو نے، 'مائی ہنسی' پتہ میں تجھے، زلفی آپ سے بندھن میں نہیں

اب بندھن میں پڑ جائے تو لاچار ہو جاتی ہے۔ مرد و بندھن زلفی کو باندھ لے

گلے میرے کے بندھن سے کوئی واسطہ نہیں، 'چڑی بولی۔

اب نہ زلفی کی باتیں ہیں، 'مائی نے کہا۔

تجھے میرے کی قدر نہ ہوتی تو اسے لئے کے لئے یہاں چلیاں والے کیوں آتی

اگے نہ جو کھلوا بھیجا تھا کہ ایک پارلے، 'چڑی نے کہا۔

نہ تو مجبور ہو گئی۔ اس کی گھن، 'تیری مجبوری' بیشک یہی ہوتا ہے۔ میں بھی زلفی

ہو نہ کہاں واسطے آئی تھی تھی، 'میں باپ بھائی بہنوں کو چھوڑ کر، دس سے دور۔

کہا کرتی ہے تو مائی، 'گلن نے پوچھا۔

نہ وہاں باتیں ہیں، 'وہ بولی، 'جب زلفی مجبور ہو جاتی ہے۔

کہا کرتی مجبور ہو آ رہے، 'زلفی، 'مہر... فرما۔

قلم اس وقت نہ وہ رانی تھی نہ شیری۔ شاید اس کے لیے کہ کیپ میں وہ احساس، اس وقت تھی۔ اسے اپنے گرد و پیش پر غصہ آتا تھا یا شاید اس لیے کہ کیپ میں اس پر مرکوز رہتی تھیں۔ اور ان نگاہوں سے وہ ابھرتی اور ابھر کر رانی بن جاتی کی ماڑی کے دیرانے میں وہ سٹ کر بیٹھی ہوتی تھی۔ اس چھائی ہوئی عکائی نے قلم پھر بھرے کا خیال بھی تو قلم اس کی تمام تر توجہ بھرے پر لگی ہوئی تھی۔ اس کے لیے کتنی قبول تھا یا نہیں، لیکن بھرے کی مگن اتنی عظیم تھی، اتنی شدت پر بھرپور لگن نے چڑی کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ اس آغوش میں وہ یوں محسوس ہوتی تھی جیسے ایک بچی ہو۔

سگری نے جگ کہا تھا، عورت صرف دو صورتوں میں مجبور ہوتی ہے، ایک سہارا دے، اعلانیہ سہارا، ساری دنیا کے خلاف اٹھ کر ہانگ دلی سہارا اور دوسرے بے کسی سے چور چور ہو کر اس کا سہارا مانگے۔

ہاں مایہ کی جگہ تھی، میں نے سوچا۔ میں نے چڑی کا سہارا مانگا تھا، اسی لیے وہ متوجہ ہوئی تھی۔ میں نے کبھی کسی عورت کو سہارا نہیں دیا۔ مجھ میں سہارا دینے کی نہیں ہے۔ میں جینزوں میں ہوں۔ میں نے بیشہ اپنے پر سے ہی طاری کر کے سہارے کی بیک مائی ہے۔ وہ شہزادہ تھی، وہ بھی سہارا دینے کی شوقین تھی شاید اس سہارا دینے والا کوئی نہ قلم سہارا صرف وہ دے سکتا ہے جو عظیم تر ہو۔ جس کی آواز رکھ کر نگاہوں سے چمکاتا مل جائے، اپنے نگاہوں کی غمگینی اس کے کندھوں پر رکھ کر نہات مل جائے۔

کیا ہے تجھے چڑی نے مجھ سے پوچھا کس سوچ میں پڑا ہے۔ میں چوٹا، کچھ بھی نہیں، میں نے جواب دیا۔

سگری اٹھ بیٹھی۔ بولی رات ہو گئی ہے۔ آج ہمیں دروازہ کھلا رکھنا ہے۔ دروازے کے پاس بیٹھ کر بہو دینا ہے۔

کیوں کھلا رکھوں رکھنا ہے۔ کھلی نے پوچھا۔

بھرے کو دروازہ کھلانا ہے۔ جو رات کو لوہے کا دروازہ بجا تو پاؤں دار۔

دو بھالے اور دو
گلی گھڑی تھیں۔ ہم لٹاف پر بیٹھ گئے۔
پیشہ رہے۔

اس نے من لی تو مشکل پڑ جائے گی۔ اس لیے
کی نظر دروازے پر تھی۔ دروازے کی کھڑکی کھلی تھی۔ لوہے کی
نظر میں آ رہا تھا کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔

پت کھول کر دروازے کے پت کھول کر دروازے کی کھڑکی کھلی تھی۔
آواز سی آئی۔ سگری نے اٹھ کر کھڑکی کھلی۔ کھلی بیٹھے

نہاؤنی چمائی۔

دروازے کی دروازے سے جھانکنے لگا۔

اس نے زیر لب کہا۔

بالی دی۔

اس نے اس سے کہا۔

نہاؤنی۔

اس نے اس سے کہا۔

نہاؤنی۔

اس نے اس سے کہا۔

نہاؤنی۔

نہاؤنی۔

خشا گیا ہے، لیکن حیرے دل میں نہیں بیٹھا۔ اسی سچ کہتی ہے، حیرے دل میں
نہیں کیوں نہیں بیٹھا۔

تجھے کیسے پتہ چلا کہ نہیں بیٹھا، میں نے پوچھا۔

جو بیٹھا ہوتا تو میں یوں بھری ہوتی جیسے گاہن بھری ہوتی ہے، پر میں تو خالی ہوں
بقین میں آ گیا ہوں۔

آتا ہے، آتا ہے، میں نے جواب دیا، اتنا آتا ہے۔ جتنا کسی اور پر نہیں آ گیا کبھی
مجھے بھی تجھ پر اتنا ہی محروس ہے جتنا کسی اور پر نہیں۔ میں تو دعائیں مانگتی تھی
بائے جلدی آ جائے۔

کیوں؟

تجھ سے پوچھتا تھا۔

کیا۔

کہ حیرے کو کیا جواب دوں۔

تیرا دل کیا کہتا ہے۔

میرا دل نہیں مانتا۔

تو پھر نہ کر دے، پوچھنے کا سہارا کیوں لیتی ہے۔

تجھ سے پوچھ کر دل "ہولا" ہو جائے ہے نہ۔

اب آج بھی چاہتی ہے، مجھے سے اسی کی آواز آئی۔

وہ باری ہے تجھے، میں نے کہا۔

چڑی اٹھ بیٹھی۔

ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔

پوچھ۔

جو تیرے کے ساتھ ہونا چاہے تو یہ اسی سگری تجھے جانے دے گی؟ روکے لی؟

وہ تو نہیں روکتی۔ سہ زبانی چاہے جو مرض ہے کہ پر روکتی نہیں۔ وہ تو تجھے

نہاؤنی، قسم ہے۔

(ب) اگر α و β دو عدد حقیقی باشند که $\alpha + \beta = 0$ باشد، آنگاه $\sin(\alpha + \beta) = 0$ است.

[illegible]

میں نے ان کے افسرے کہا کہ ایک سگھ لودھ آیا ہے۔

ان کے پاس سے 'سگری' نے کہا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے کہا۔

اس کی بہن کی لڑکی چڑی کا پتہ لگنے آئے ہیں وہ یکپ سے ہم ہو گئی

میں نے چلائی لیکن وہی 'پھر وہ باس ہو کر چلے گئے۔

میں نے کہا 'ان سپاہیوں پر نظر رکھنی چاہیے۔

میں نے کہا 'ان سپاہیوں پر نظر رکھنی چاہیے۔

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

میں نے کہا 'اب تو وہ کب سے نکل گئے ہوں گے۔ میں ذرا پیچھے جا کر چور

فہر میں بچھاؤ لے دیکھ لوں 'ہاں بولی۔ شاید پاؤرواؤں نے حویلی کو گھیر رکھا تھا۔

کہا۔

چھڑا ہی 'میں جو ہودے سو ہودے۔ پتہ جیونے وہ چڑوے فیر تینوں پناہ

لے گئے تے ساڑا ہاں دی ہیرا میں 'یہ کہہ کر وہ چل پڑا۔

فہر ہاں بولی 'بچھاؤ لے کی طرف ایک چور دووانہ ہے۔

ساڑا پتہ لے 'ہیرا ہوا اسی اسی پتہ پتہ پتہ آں اہلہ حویلی سا۔

حیرہ ہیرے دی اے۔ اچھا ہاں 'ہیرے لے دوں ہاتھ جوڑ کر ہاتھ سے لگائے 'واہ

ساڑا سبب کوئی ٹٹ میں گیا ہاں 'اہلہ سے ختم ختم رہا ہن اے 'فیر ہاں گے ہے

رہے تے۔

لاج کی بات

فہر جا ہیرے 'چڑی چلائی۔

کی کہنی میں تو 'ہیرا رک گیا۔

میں تینوں اگلے جان میں دواں گی۔

کیوں۔

تو ہیرے لئی آیا ہے 'ہاں میں تجھے خود چھوڑے گاؤں گی۔

اور میں کوئی مار دیتی تے فیر ہیرے لے کہا۔

مار میں 'ہاں میں تینوں چھڑاؤں 'چڑی چل پڑی۔

کتوں تک چلوں گی ساڑے ہاں 'ہیرا سکر گیا۔

چد تو پاؤر پانچ جانے گاتے میں آ جاؤں گی۔

مسل کر چڑی 'سگری لے کہا۔

میں ہاں اہلہ اگیا 'میں ہاں گے 'ہاں ساتھ چلوں گی 'یہ میری لاج کی بات ہے۔

اور دوں چل پڑے آگے آگے چڑی تھی 'چھپے چھپے ہیرا میں تھا۔

جب وہ چلے گئے تو چھپنے والے دوکر مندر دووانہ کھول دیا۔ پولیس والے اندر آ گئے

مانی کی کہانی

کئی سال پہلے ایک گاؤں میں نے پوچھا
 کہ ایک لڑکے کے بارے میں ایک لفظ سنا رہا ہوں۔ یہ لڑکے حسیب نے دیا تھا مجھے کہ
 وہ ایک بہادر لڑکا ہے۔ اگر یہ سنا سکتا ہو تو کل مجھے اطلاع دے دے۔
 میں نے کہا کہ میں اسے دہرایا۔
 وہ لڑکا اب بھی وہاں ہے۔
 میں نے کہا کہ میں اسے پوچھا۔
 وہ لڑکا اب بھی وہاں ہے۔ ایک بہت دور دورہ لڑکا ہے تو کئی ہے
 وہ لڑکا اب بھی وہاں ہے۔
 وہ لڑکا اب بھی وہاں ہے۔

اس روز لڑکی بہت خوش تھی۔ خیر از معمول خوش تھی۔ کہ وہی تھی سب تھا
 کا اکتانہ۔
 کیسے لڑکے ہو جائے گا؟ اقبال جسے میں پوچھتا۔
 ہو جائے گا ہو جائے گا؟ اقبال نے اسے تسلی دی۔
 لیکن کیسے اقبال نے کہا خوش نہیں کریں گے تو تو کئی کیسے لے گی۔
 کہ نہیں گے کد۔
 لی جائے گی تو کئی میں نے کد۔
 دھوڑے بطوری لی جائے گی کیلک سارا دن تو یہ گھر بڑے دھچکے ہیں۔ پتہ نہیں کہ
 میں کون سے دھچکے ہیں مگر دھچکے کا ہوش ہی نہیں۔
 وہ کہتے ہیں 'پھر نہ کہو لی جائے گی' اقبال نے کہا۔
 کون کہتے ہیں 'اقبال جسے میں پوچھتا۔
 وہ لڑکا اب بھی وہاں ہے۔
 میں نے کہا کہ وہ لڑکا تو سنا ہے کہ وہ لڑکا ابھی وہاں ہے۔

میں نے کہا کہ وہ لڑکا تو سنا ہے کہ وہ لڑکا ابھی وہاں ہے۔

میں ایک پناہوا موقوفہ زندگی کی بھینٹ سے گزر چکا تھا اور اب تھک ہار کر بیٹھ گیا تھا۔
خوب 'استیلا' کا دارا ہوا تھا کٹ رہا تھا۔

مٹی ان دنوں ایک گرین پلاٹھ تھا وہ بے حد خوب صورت تھا۔ دیر اس قدر غار
استیلا سے سرے سے واقف ہی نہیں تھا۔ ان جنگ تھا کسی سے دیتا نہ تھا۔ ذاتی طور
کبھی خیال نہ آیا تھا دنیا داری سے قلعی کرا تھا۔

میرے لیے مٹی کا ساتھ ایک بہت بڑی نعمت تھی اس لیے کہ جب بھی میں چاہا
بے پناہ جذبے کا دارا رکھتا۔ جن نمودار ہو جاتا 'بول' کیا چاہتا ہے۔ "میرا جو بھی میں کیا
سوچے مجھے بغیر اس پر عمل شروع کر دیتا۔

لیکن مٹی کے لیے میں ایک مسلسل رکاوٹ تھا اسے ہر وقت 'ہر بات' پر فائدہ
لیے نہ کر دے نہ کر دے 'یوں نہ کر دے' دلوں نہ کر دے۔ دراصل مجھے ٹوکنے کی اور
کرنے میں لذت آنے لگی تھی۔ یوں میں ایک مغربہ بن گیا تھا۔

پھر ہم دونوں اکیسے جا بیٹھے۔ میں نے کہا 'مٹی' بے جا کہ تو ہمیں سے بچ کر کیسے آگیا
کیسے ہوا۔

میں خود حیران ہوں 'مٹی' نے کہا کہ کیسے یہاں پہنچ گیا۔ میں تو سیدھا تجھے آکر
گازی میں میں آیا تھا۔ وہ لاہور نہیں رکی تھی۔ سیدھی گورنر ہاؤس پہنچی تھی۔

گورنر لاج

مٹی چار پائی کے قریب سٹول پر بیٹھ گیا اور اپنی کہانی سناتے لگے۔ یاد تو چلا آیا تو میں نے
طرح سے پٹ گیا۔ نہ جیب میں چہرہ تھا نہ کوئی ساتھی نہ دو گار۔ وہ حالت ہوئی میری کہ
مٹی، مگر کچھ بات ہے کہ بڑی ہی بڑا آیا۔

ہم نے گورنر لاج کے ہال کمرے میں بوسے ڈال لیے۔ اور میرا جی تھا اور ان کا
مراؤ فکڑ اور درمیان میں میں۔ تجھے پتہ ہی ہے کہ وہاں بھانت بھانت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔
تیرے ہوتے ہوئے تو ہم صبح سویرے باہر نکلتے تھے اور سارا دن گھومتے پھرتے تھے۔

تیرے ہوتے ہوئے تو ہم صبح سویرے باہر نکلتے تھے اور سارا دن گھومتے پھرتے تھے۔

میں ایک پناہوا موقوفہ زندگی کی بھینٹ سے گزر چکا تھا اور اب تھک ہار کر بیٹھ گیا تھا۔
خوب 'استیلا' کا دارا ہوا تھا کٹ رہا تھا۔

مٹی ان دنوں ایک گرین پلاٹھ تھا وہ بے حد خوب صورت تھا۔ دیر اس قدر غار
استیلا سے سرے سے واقف ہی نہیں تھا۔ ان جنگ تھا کسی سے دیتا نہ تھا۔ ذاتی طور
کبھی خیال نہ آیا تھا دنیا داری سے قلعی کرا تھا۔

میرے لیے مٹی کا ساتھ ایک بہت بڑی نعمت تھی اس لیے کہ جب بھی میں چاہا
بے پناہ جذبے کا دارا رکھتا۔ جن نمودار ہو جاتا 'بول' کیا چاہتا ہے۔ "میرا جو بھی میں کیا
سوچے مجھے بغیر اس پر عمل شروع کر دیتا۔

لیکن مٹی کے لیے میں ایک مسلسل رکاوٹ تھا اسے ہر وقت 'ہر بات' پر فائدہ
لیے نہ کر دے نہ کر دے 'یوں نہ کر دے' دلوں نہ کر دے۔ دراصل مجھے ٹوکنے کی اور
کرنے میں لذت آنے لگی تھی۔ یوں میں ایک مغربہ بن گیا تھا۔

پھر ہم دونوں اکیسے جا بیٹھے۔ میں نے کہا 'مٹی' بے جا کہ تو ہمیں سے بچ کر کیسے آگیا
کیسے ہوا۔

گورنر لاج

مٹی چار پائی کے قریب سٹول پر بیٹھ گیا اور اپنی کہانی سناتے لگے۔ یاد تو چلا آیا تو میں نے
طرح سے پٹ گیا۔ نہ جیب میں چہرہ تھا نہ کوئی ساتھی نہ دو گار۔ وہ حالت ہوئی میری کہ
مٹی، مگر کچھ بات ہے کہ بڑی ہی بڑا آیا۔

ہم نے گورنر لاج کے ہال کمرے میں بوسے ڈال لیے۔ اور میرا جی تھا اور ان کا
مراؤ فکڑ اور درمیان میں میں۔ تجھے پتہ ہی ہے کہ وہاں بھانت بھانت کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔
تیرے ہوتے ہوئے تو ہم صبح سویرے باہر نکلتے تھے اور سارا دن گھومتے پھرتے تھے۔



منشی محمد حسین (والد) (۱۹۵۳ء)



(۱۹۶۴ء)

پتہ نہیں۔

کب تک یہاں قاتل کرے گا تو اس نے کہا دیکھ میں بہت غریب ہوں۔ اور کوئی امید نہیں رہی۔ کیسے ملے گا یہاں قلم کا کام رک گیا ہے قلم کے کام میں مسلمان ہیں پر اب وہ مسلمانوں سے کام نہیں لیں گے۔ پھر قلم کا کام کیسے چلے گا نہ چلے۔

راج کمار نے جب سے دس کالونٹ نکالا میرے پاس اس وقت صرف یہی ہے تیری روٹی چل جائے گی۔

میں ہنسی کر پیچھے ہٹا تو وہ بولا نہیں نہیں یہ تو اوجھار دے رہا ہوں میں۔ جب وطن پہنچے تو اگر میرے پاس پیسہ ہوتا تو میں تجھے کرلیہ دے دیتا تاکہ تو لوہا لاء اب تو یہاں نہیں رہ سکتا ہے۔ یہاں رہتا اب بہت مشکل ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے نوٹ میری جیب میں ڈال دیے۔

میراجی

پیسے ملنے پر میں نے پھر بار بار جانا شروع کر دیا۔ صبح سویرے اشتا اور منہ دھو کر ہاں ہی مجھے تیار ہوتے دیکھ کر کٹ سے اٹھ بیٹا اور میرے ساتھ چل پڑا۔ وہ بے ہمارا طرح تھا۔ جیب میں پیسہ نہ تھا کام ملتا نہ تھا اس نے کبھی کوشش ہی نہ کی تھی کہ کام کایہ سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ اس کی کیفیت اس کی کشتی کی تھی جو بادیاں بغیر چپہ لپی پڑی تھی نہ کوئی سمت تھی نہ جدوجہد تھی نہ آرزو تھی نہ امید تھی۔ گورو راج جاتے لوگوں کے ساتھ چل پڑتا اور انہیں ڈانٹ ڈنٹ کر گزارہ کر لیتا۔ لوگوں کو تنہا کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔

خیر ملنے لگا تو ہم بے مقصد باہر نکل جاتے، کبھی خواجہ غلام عباس کے گھر یا سیوا پری پارک میں رہتا تھا کبھی دھڑا ستر محل کے ہاں پہنچ جاتے، کبھی ساحر کے۔ سارا گرو دی کرتے۔ شام کو دادور میں سکھوں کے ہوٹل میں غوری روٹی اور دال کھاتے۔

محرم علی سڑیٹ یعنی جہاں جہاں ملتا تھا مسلمانوں کے علاقے میں تھا۔ وہاں چمرا

و شدت اختیار کیے جا رہے تھے۔

لیکن مسلمان نکلے خصوصی طور پر توجہ کا مرکز بن گئے۔ ان کی حالتوں میں ہوتی تھی، کبھی آگ لگ جاتی اور چھرا تو خیر اسطابق چلا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ جانے کے لیے وہیں جانے پر پیشہ تیار رہتا تھا۔ مجھے چھرے کی پر وہ کبھی کبھار ہیرا کی درجہ سے تھی۔ مسلمان علاقے کا نام سن کر اس کے پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ پھر مجھے اس پر ترس آ جاتا اور میں اعلان کرتا: ”چلو“

کرشن کے چند رشتے دار لاہور سے بھی آ



بدین عاطف (کشیوراجہ)

وہ ایک بڑی پاکیزہ عاتون تھی۔ جسم سوئی ساڑھی پہنتی تھی اور چپ چاپ اپنے آپ میں گمن رہتی تھی۔ ہر لحاظ سے وہ ایک مہذب تھی۔ پھر اس کی سیدائش گئی رہتی۔

دو گراہتی تھی۔ دو گراہتی کی گمان تھی۔ نہ اس کا کوئی آکا تھا نہ۔ ”پھوٹا“ ساٹوا رنگ۔ پرست خلکی تھی وہ معموم اور خلکی۔ اس کے بھائی مندر نے اسے گھر ڈال رکھا تھا اور وہ دونوں میاں بیوی



بھ میں بچپتا ہے نالور وہاں تھی، سکہ بند میں، دو گراہتی اور مندر کو تو جانتا ہی ہے۔ وہ کرشن کی خدمت کرشن دیوتا تھا۔

انسان۔ اتنا پیارا آدمی کہ اس پر دم لگتا تھا، مانی پشہ لگا۔ اس نے سلسلہ کلام جاری کیا کرشن کے گھر کچھ رشتے دار آ گئے۔ یہ انہوں نے آ کر وہاں کے حالات بیان کئے تو کوور لاج میں ایک کچاؤ

اُس، شائبہ، قدرت اللہ شہاب، تہہ نہائی

عالم غاری ہو گیا۔ ہن رشتہ داروں میں ایک چدرہ سولہ سالہ لڑکی تھی جس کا نام 'سائلی' تھا۔ اس کا تعلق بھی سفید دھوٹی پہنی تھی اور درگا کے ساتھ باغ میں ٹھہر کر اپنی زندگی بسر کرتی تھی۔ درخت تھے جو کچے ہوئے پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔

چیکوؤں کے یہ بڑا ملک مکان کی ملکیت تھے۔ ہن کی حفاظت کے لیے ہر ایک کا ایک دن میں باغ میں جا کر لگا دیکھا تو درگا اور ساتھی لڑکی لڑکیوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

ہن نے درگا سے کہا چکیدار کو چائے پلانے کے بدلے لے جاؤ۔ لڑکیوں نے چیکو لے لیا تھا۔ اس شرارت پر ہم تینوں کا بچپنا ڈانک سے بھر دیا۔

ہن سرودھری ہو گئیں۔

پھر یہ تھارا معمول بن گیا۔ درگا چکیدار کو کسی بدلے اور نہ ہالی لڑکیوں کی ساتھی کی جھولی بھردو اور وہ بچوں کی طرح ہنے چائی ہنے چائی۔

مجھے وہ ساتھی لڑکی بڑی اچھی لگتی تھی۔ اس میں اتنا بچپنا تھا کہ اس کا ہر ایک پیرا سے یہ خبریں نہیں تھی کہ وہ لڑکی ہے۔ حالانکہ وہ سوسوہی سلی تھی۔

پھر ایک اور بات چل نکلی۔ انہوں نے چیکو کھانے کے لیے مجھے کہہ کر کہا کہ ہم صبح کے ایک گھنٹے میں بیٹھ جاتے اور چوری چوری کچے کچے پھل کھا لیں۔

کرتے اور ہنٹے چلے جاتے اور ساتھی کی ہنسی سے مسرت کی ایک پھول لٹکی لٹکی جاتی۔

ساتھی

مجھے ساتھی کی ہر بات اچھی لگتی تھی۔ اس کا کھڑا ہونا، ہنٹا اور ہالی لڑکیوں کی

تم تو جانتے ہو 'لڑکیوں تو میں نے کئی ایک دیکھی ہیں' ان سے کہہ دیتا ہوں۔

میں کہیں ہیں، کئی ایک مجھے اچھی بھی لگتی تھیں مگر وہ ایسا لگا کر، خاص کر وہ

میں اس سے ملتا تو میرا دل دھبک دھبک کرنے لگتا۔ پہلے ایسا ہی نہیں تھا۔

لڑکی کو دیکھتا تو میرے دل میں جھڑپ اٹھتی لیکن اسے دیکھ کر کبھی دل نہیں

مسلمان کی حالت بہت ہی نازک ہو گئی تھی۔ کچے کے گردو

میں سے ملتا تو میرا دل دھبک دھبک کرنے لگتا۔ پہلے ایسا ہی نہیں تھا۔

لڑکی کو دیکھتا تو میرے دل میں جھڑپ اٹھتی لیکن اسے دیکھ کر کبھی دل نہیں

جب میں نے لاہور کا نام لیا تو اس کی آنکھیں ڈار پڑ گئیں۔

ڈبے میں داخل ہوا تو وہاں خاصی بھیر بھیر تھی مسافروں کے ڈبے میں ہا سوار تھے۔ اندر گیا تو سب گھور گھور کر میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے لاہروائی سے شروع کر دی۔ کوئی نے اپنا سوٹ کس اور لڑکا اور خود باہر نکل کر دروازے پر گیا۔ گاڑی چل پڑی۔

راستے میں اسٹیشن یوں دوران پڑے تھے پورا بھر گیا ہو، جھکوں سنسن تھے، نظر نہ آتی تھی، کوئی کتاب تک نہیں بھونک رہا تھا، باہر بھی دھماکی نہ دے رہا تھا۔ دروازے میں کڑے کڑے شام پڑ گئی، پڑا گیا تو میں اندر چلا گیا۔ پہلی سوٹ کس رکھا ہوا تھا اس کے قریب بیٹھے لڑکوں میں نے گھور کر دیکھا۔ وہ ڈر کر گیا اور میرے لیے جگہ بنا دی۔ بیٹھ کر میں ناموں کا پتہ لیا، سامنے ایک اور مولوی بیٹھا، وہ لب کچھ پڑھ رہا تھا۔ ڈبے میں وہ اعلیٰ مسلمان تھا، مکتے پر کراہی سیٹ تھے پتہ نام رکھا ہوا تھا اس کے ارد گرد انہوں کڑے تھے۔ یہ تو جنوں کا سماجی تھے۔ باقی سب ہندو اور سکھ تھے۔

ڈبے کے دوسرے حصے میں مسلمان کی بڑی تھی۔ مولانا قلعہ جگہ پر بیٹھ میں نے سوچا، پھر دھماکے بھنے خیال آیا کہ ہندو غمی تھی تقسیم تو سامنا مسل سے وہ دو قومی نظریہ، نظریہ تو میں نے تو ایک حقیقت ہے، ہر جگہ اس بات کا۔

میرے ساتھ بیٹھا ہوا اعلیٰ مولوی کا ہندو تھا، ہندو میری طرف دیکھا، چوری چوری دیکھا تو دوسری طرف دیکھنے لگا۔

آخر وہ نہ سکا، زبرد لب پہنچا، کھنکھوے

میں نے بے پرواہی سے چلا کر کہا، لاہور چلو

لاہور ————— سارے مسافر ایک ڈار جیت سے میری طرف یوں دیکھ

جیسے انہیں اپنے کھنکھوں پر چین نہ آ رہا ہو۔ ————— یہ کون شخص ہے جو ان دنوں

جا رہا ہے اور پھر باندھ کواڑ میں لاہور جانے کا اعلان ہے میرے اس اعلان کا

میں نے کھنکھوں میں چہرے دیکھے۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

میں نے شرارتوں سے بچ چکا۔

تھے، لگا ہوں میں دھمکی تھی، سوچیں کچھ زیادہ ہی آکڑی ہوئی تھی، پہاڑ میں لے کر گئے
 لنگ رہی تھیں۔

چھڑا کر خود چڑھ لیا۔ کچھ ایسے انداز سے جیسے وہ چاقو
 چل قتلے، وہ لڑکے کو گھور کر بولا۔ "میں نے

جان نہیں رہی تھی۔

بے زاری

ذہب کے اندر چھوڑنے کے قریب ہی میں دھڑام سے گر گیا اور وہیں اس کا
کچھ دیر کے لیے خاموش رہا اور پھر وہاں
پتہ نہیں لگے کیا وہ گرنے پر ہوش ہو گیا تھا۔ لوگ میرے ارد گرد کھڑے تھے
تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لگے تھے۔ آدمی، آدمی، آدمی، وہ سب چلا رہے تھے۔
تھا جیسے وہ سب آدمی خود تھے۔
میرے دل میں ڈر تھا خوف نہیں تھا، ایک عجیب سی بے زاری تھی۔
میں نے محسوس کیا کہ کوئی چیز کے قتل نہیں رہی، انسانیت کا جتنا توکل کیا
انسانیت، وہ وہی سب ختم ہو گئی۔
زندگی میں پہلی مرتبہ نے خود کو کوچ محسوس کیا۔ بے بسی کے احساس نے مجھے
دیا تھا، پیار ہے سب سے پہلے۔
میں نے کچھ ایسے لڑائی جیسے سب کچھ بے معنی ہو چکا ہو۔ اب جو کچھ گزرا
پر گزر جائے، بے شک گزرا۔ مجھ میں کوئی امید نہ رہی تھی، تڑپ نہ رہی تھی۔
نہ خوف، نہ جینے کی خواہش تھی۔
پتہ نہیں کتنی دیر میرا دل بے جان پڑا رہا۔
پھر پھر کوئی چلا رہا تھا
کوئی کوئی ہے کوئی کوئی
کوئی ہے جس نے میرا دل بے کف قتل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔
کوئی ہے۔

میرا ہی چاہتا تھا کہ جاگن لگا میں نے دیکھا ہے۔ میں نے اس ہندو نوجوان
صاحب کے بیٹ میں چھرا لگے دیکھا ہے۔ میں نے اس نوجوان کو کوئی سے چھرا
بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرا اس نوجوان کو پکڑا تھا۔ میں نے اسے پولیس کے پاس

دل میں لگا رہا تھا۔ پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ پولیس۔ ۱۱۱۱

دل میں لگا رہا تھا۔

دل میں لگا رہا تھا۔ حرکت پڑا رہا میرے اندر کوئی کہ رہا تھا، کیا فائدہ

دل میں لگا رہا تھا۔

دل میں لگا رہا تھا۔ اور دہم۔ اور دہم۔

دل میں لگا رہا تھا۔ کیا فرق پڑتا ہے اور میں ویسے ہی ہے

گیارہواں باب

مان سنگھ

میں نے دیکھا تھا جیسے روٹیاں بچھ گئی ہوں اور گاؤں داراؤنہ اندر میرا چاروں

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

چائے پیتے ہوئے تھے ایک بھر تھری لی اور پھر سر اٹھا کر بولا۔

پتہ نہیں میں کچھ بگڑی ہوئی کڑی پر ہے جان پڑا رہا۔ پھر غصہ گاڑی

اور میں گھبرا کر اٹھ بیٹھ رہا کہ گاڑی دھم دھم رقبہ سے چل رہی ہے۔ باہر جانے

سے سائے حرکت کر رہے ہیں۔

کچھ دیر تو بیٹھ کر بیٹھ گیا کہ میں کہیں ہوں اور میرے رویہ وہ

اس وقت مجھے قہقہہ ہانک رہا تھا کہ میں نہیں ہے آ رہا ہوں اور مجھے لانا پڑا ہے

سینٹین پر ٹون کی پٹیاں دیکھ کر میرا ذہن موقوف ہو گیا تھا۔ معذہ ماش کر کے گاڑی

قادر آنکھوں کے لئے اندر میرا گیا تھا۔

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

میں نے دیکھا تھا کہ میرے ذہن سے اتر گیا تھا مجھے کچھ یاد نہ رہا تھا جیسے کوئی مریض کسی

قید خود غل خواہورت تھے، ہونٹوں کے کاتے۔ جیسے مسکراہٹ دہائے بڑاوار سے خوش مزاجی کی پھوار اڑ رہی تھی۔ اس کا ہاتھ کوئی شخص چادر میں لپیٹا ہوا دھڑلے اپنے منہ پر ٹھٹھا پاندھ ہوا تھا، صرف ہمیں غلی تھیں۔ وہ مجھے یوں کہہ رہا تھا، لنگھوں سے قتل رہا ہو۔ لیکن اس کی نگاہوں میں غزوار سی نہ تھی، نہ ہی مانتے کی گہری دھمکی تھی، ہائی شیشیں غل پڑی تھیں۔

جیسے چار مہاراج پنڈت نے مجھے طالبہ وکر کا ہینڈ چلائی۔

میں نے پنڈت کی طرف دیکھا، وہ مسکراہٹ میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔

چاروں دھنگ۔ مجھ پر نظریں گاڑے بیٹھے۔ ان کی نگاہیں غامضی پر بیان کن تھیں۔

کے باوجود مجھے خطرے کا احساس نہ تھا۔

تم جانتے ہی ہو، ملنی نے مسکرا کر میری لڑکھانہ پنڈت میں مجھے خطرے کا اشارہ کیا۔

میں ہوتا۔ بس نہیں ہوتا۔ البتہ میں دھنگ سکھوں کی کڑی نگاہوں سے مجھے گہرا ہتھیار دے رہی تھی۔

ہو رہی تھی۔ جب بھی میں گھبرا جاتا تو چادر میں لپے ہوئے شخص کی طرف دیکھنے لگا۔

آنکھوں میں عجیب سی طعاس تھی۔

مڑلایا کا کا

کچھ دیر کے بعد دھنگوں کی ہنگامی سے گھبراہٹ میں لپے ہوئے شخص کے دھڑلے دھڑلے کوشش کی۔

سنو سرداری میں اندر فوجی کدھر چلیں گے، ان کا ہاتھ بھی تن کر بیٹھ گئے۔

میں نے مجھے گھورا۔

میں نے ہاتھ پائے کر جھکا دیا، مگر میں پنڈت کی بات نہ سمجھا۔ اور

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

میں نے کہا۔

2. 12. 2014. - 1. 1. 2015. - 1. 1. 2015. - 1. 1. 2015.

اس کا اور کوہ ایک چار پیٹ لی۔

پندرہ سال پہلے۔ اب لگا تو گاڑی اٹالے کے مشین پر رکی ہوئی تھی اور پنڈت
 کے پیچھے چھپے گاڑی سے اتر گیا۔

ابھی میں منہ دھو رہا تھا کہ پیچھے سے دو آدمی آئے۔ ایک ہاتھ سے ہونٹ کھینچے تھے۔ گیت پر نکت لینے کے لیے

نروش، نرمل

جامنہ دھو، لیکن سیاں پنڈت نے کہا۔ میں نے منہ پر ہاتھ پھیر لیا میرا ہاتھ خون سے
 پانی نہ تھا۔ بلکہ تازہ خون تھا۔

میرا دل ہلش کرنے لگا اور میں غسل خانے کی طرف بھاگا۔

ابھی میں منہ دھو رہا تھا کہ پیچھے سے دو آدمی آئے۔ پنڈت کو دیکھ کر میں گرا۔

لیکن ہر شے نے مجھے پہنچایا۔ اس کی

کردہ تیزی سے چل پڑا۔

اپنی اپنی جگہ لیٹ گئے۔

اچھا تو میں ڈیوٹی پر ہوں، میں نے سوچا یہ سب اعجاز کعبہ کے جو گیا سونے
مجھے نہ جاتا تو اب بھی میں چٹانوں پر ہوتا تو لوگ مجھے شک کی نظروں سے دیکھتے

جب میں ڈبے میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو ٹنگ اوپر کے تختوں پر لیٹ گئے
مخفی سیٹ پر لیٹے خراٹے لے رہے ہیں۔

مجلسیٹ پر لیئے خواتین لے رہے ہیں۔

ٹھانٹھے والا جو پہلے گٹھڑی بنا ہوا تھا۔ میری سیٹ پر دراز تھا۔ اس کا سر میری ہاتھ اس کے قریب تھوڑی سی جگہ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی چل پڑی۔ پھر شاید مجھے اوجھ آئی

دفت "گڑی کا زبردست جھکاؤ اور میں غماصے والے پر جاگرا۔ اس کے پاؤں
مکرت میں لے لیا۔ میں نے کچھ کرنا چاہا تو اس نے اپنا ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا۔

اچھے "کسی ہو یا اے" ایک نے پوچھا میں پتہ لانا میں کہہ کر دوسرا گاڑی سے نیچے ا
ابہ دو ٹولوں میں گئے "بڑے عاشق ہوئے۔"

کون سوں لئے لوہے سے ٹنگ نے پوچھا

گڈی دی لین وج کسی نے درخت کٹ کے سٹ دتا سی، ایسی لئی گڈی جیڑا

کئی۔ پیرپہ۔ ہمیں سے لے ڈرائیو رتے گاڑووناں

پچھن بڑے کے پوچھا۔

گنڈی کیس اسے چلے گی ڈرائیور جو نہ ہوا، بیڑھے نے پوچھا۔

چند روزوں کے بعد ایک یورپ کے سفیر نے پرنس کو دعا دی کہ وہ اپنی

بھلا بھلا۔ فیر ٹھیک ہے، پڑھا ہوا۔

lyphoto.co

گنڈی کیوں اگے چلے گی ڈرائیور جو نہ ہو یا بڑھے نے پوچھا۔

کئے بے وقوف نے اے کاکے، باغاجنگ یولہ۔ گارڈے ٹھیک

کندی کون چلاؤ۔

UrduFaq.com ہے ایں کول آدی

بھلا بھلا۔ میر تھیک ہے، بڑھا ہوا۔

Ullrich, D. (1996). *Die Kunst des Schreibens*. München: C.H. Beck.

DrainPhoto.com

میں نے اپنے ہاتھ پر دباؤ محسوس کیا۔ یہ نہیں اس ہاتھ کے دباؤ اور اثر میں آ گیا تھا۔

ہر ہاتھوں نے میری جھک کو بیدار نہ کیا تھا۔ انا میں ڈرتا تھا، کہیں وہ کوئی دوسرے۔ کہیں پھر سے پہلے ہوئے وہ ہونٹ میرا نہ ٹھوٹنا شروع نہ کر دیں۔

سب سے بڑی بات تو ہر ہاتھوں کی محبت تھی۔ زندگی بھر کسی نے اتنی محبت سے میں کو لے نہیں ڈالے تھے۔ میری اپنی ماں نے کبھی اتنی محبت سے نہیں کھلیا تھا اور پھر اس کا بچے، اڑیا، کہنا اس قدر بھرپور نظروں اور ہنسی جھلکی نگاہوں سے دیکھتا۔

صرف یہی نہیں، بلکہ نے مسکراتے ہوئے کہا، تجھے پتہ ہے میں لڑکھڑکھ کا راز دار ہوں۔ ہر ہاتھوں میرے لیے ایک پر اسرار لڑکھڑکھ تھی۔ وہ ایک پر اسرار عورت تھی جو خدا کا مسر کر رہی تھی، اتنی دلہن تھی کہ صورت حال سے ذرا غافل نہ تھی، غصہ پانچہ۔ اس روپ میں مسر کر رہی تھی اور چادر کی کوٹ میں ایک مسلمان لڑکے سے عشق لڑا اور اسے مولیوں والے پرانے کے لولے کھلا رہی تھی۔ اپنی ہنسنے لگا۔

وہ ایک عجیب چولہا تھی، اپنی نے چلا کر کہا، ہر خون ہی خون تھا، لاشیں ہی لاشیں، کچا گوشت تھا اور چادر کے اندر ایک اچھے کی سکنی مسلمان سے عشق لڑا رہی تھی۔

میرا جی چاہتا تھا کہ وہ بلا نہ ہی میرے منہ میں پرانے کے لولے ڈالتی رہے، ڈالتی ساتھ تجھے بے ختم کھاتے دیکھ کر ہنسی رہے۔ میرا مذاق ڈالتی رہے۔ اپنے بڑے سے میرا سر سلاتی رہے، تھی کہ امر ترس آجائے۔ جگہ امر ترس بھی آئے ہی نہیں، یا اس کا گاڑی چلتی رہے۔ امر ترس نکل جائے، لاہور نکل جائے۔ ہندوستان نکل جائے، پاکستان نکل جائے۔

پھر نہ ہندو رہے، نہ مسلمان رہے، کچھ بھی نہ رہے، صرف اس چادر کا آسمان ہو، جو ہم لوہ پر نہ رکھی تھی اور اس آسمان تلے وہ ہو لوہ میں ہوں، اور کبھی کہ وہ لولے نہ ڈالتی رہے، ڈالتی رہے۔

وے۔ اڑیا

اب خواب نہ دیکھو، میں نے اپنی سے کہا، یہ جلاؤ کہ پھر کیا ہوا۔

میں جیسا بولا وہ دن کا مہر کا تھا۔

UrduPhoto.com

ہر ہاتھوں نے میری جھک کو بیدار نہ کیا تھا۔ انا میں ڈرتا تھا، کہیں وہ کوئی دوسرے۔ کہیں پھر سے پہلے ہوئے وہ ہونٹ میرا نہ ٹھوٹنا شروع نہ کر دیں۔

سب سے بڑی بات تو ہر ہاتھوں کی محبت تھی۔ زندگی بھر کسی نے اتنی محبت سے میں کو لے نہیں ڈالے تھے۔ میری اپنی ماں نے کبھی اتنی محبت سے نہیں کھلیا تھا اور پھر اس کا بچے، اڑیا، کہنا اس قدر بھرپور نظروں اور ہنسی جھلکی نگاہوں سے دیکھتا۔

صرف یہی نہیں، بلکہ نے مسکراتے ہوئے کہا، تجھے پتہ ہے میں لڑکھڑکھ کا راز دار ہوں۔ ہر ہاتھوں میرے لیے ایک پر اسرار لڑکھڑکھ تھی۔ وہ ایک پر اسرار عورت تھی جو خدا کا مسر کر رہی تھی، اتنی دلہن تھی کہ صورت حال سے ذرا غافل نہ تھی، غصہ پانچہ۔ اس روپ میں مسر کر رہی تھی اور چادر کی کوٹ میں ایک مسلمان لڑکے سے عشق لڑا اور اسے مولیوں والے پرانے کے لولے کھلا رہی تھی۔ اپنی ہنسنے لگا۔

وہ ایک عجیب چولہا تھی، اپنی نے چلا کر کہا، ہر خون ہی خون تھا، لاشیں ہی لاشیں، کچا گوشت تھا اور چادر کے اندر ایک اچھے کی سکنی مسلمان سے عشق لڑا رہی تھی۔

میرا جی چاہتا تھا کہ وہ بلا نہ ہی میرے منہ میں پرانے کے لولے ڈالتی رہے، ڈالتی ساتھ تجھے بے ختم کھاتے دیکھ کر ہنسی رہے۔ میرا مذاق ڈالتی رہے۔ اپنے بڑے سے میرا سر سلاتی رہے، تھی کہ امر ترس آجائے۔ جگہ امر ترس بھی آئے ہی نہیں، یا اس کا گاڑی چلتی رہے۔ امر ترس نکل جائے، لاہور نکل جائے۔ ہندوستان نکل جائے، پاکستان نکل جائے۔

پھر نہ ہندو رہے، نہ مسلمان رہے، کچھ بھی نہ رہے، صرف اس چادر کا آسمان ہو، جو ہم لوہ پر نہ رکھی تھی اور اس آسمان تلے وہ ہو لوہ میں ہوں، اور کبھی کہ وہ لولے نہ ڈالتی رہے، ڈالتی رہے۔

وے۔ اڑیا

اب خواب نہ دیکھو، میں نے اپنی سے کہا، یہ جلاؤ کہ پھر کیا ہوا۔

میں جیسا بولا وہ دن کا مہر کا تھا۔

UrduPhoto.com

میں نے جواب دیا۔

لڑا، اوشا، ہرناموں

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ جی چاہتا تھا کہ
میرے پاس رہے، کتنی رہے، کتنی رہے، ہرناموں چارہ انار کر اٹھ بیٹھی۔
اس کا منہ تنفس سے لیل ہو گیا۔ تو اُس نے میری طرف
پہرہ چڑی سے مخاطب ہوئی۔ "کیا یہ ہے میرا منہ سکھ؟"
"ہاں کی قطیر تھی۔ میں بڑی امید سے چڑی کی طرف دیکھ رہا
تھی کہ یہ ایک بار" ہیں یہ میرا منہ سکھ ہے۔"

"یہ میرا ہے۔"
"میں نے کہا تھا۔ ایک نئی خواہش ہے۔ مجھے علم نہ تھا کہ عورت یہ چاہتی
تھی کہ۔" تو میری ہے۔"

"جسٹ قلب اپنی بے نیازی
کھاؤں کچھ کچھ قلب اسے بھی صرف ہاں کی گود میں آ سکتی تھی"

ہرناموں کی بات کرتے کرتے "وہ تھا" مٹی اٹھ بیٹھا "دورا قصہ" وہ بولا "ہاں"
سے ہو آؤں۔"

ہرناموں کی بات نے مٹی کے دل میں پہچان برپا کر دیا تھا۔ جیسے ہوئے اور
تازہ ہو گئی تھی مٹی کی ہرناموں نے میرے ذہن میں چنگاری لگا دی تھی۔ لہذا وہ
دھواں نکلتے لگے۔

مٹی نے کہا تھا کہ اسے دیکھ کر دم لگا تھا۔ یہ محض اتفاق کی
تھی، مٹی نے دلچسپی نہ تھی، تھی بھی تو سرسری۔ مٹی کو صرف ایک
لڑکیوں کو تاکنے یا ان سے چمچ چھاؤں کرنے سے اسے

میں سر۔

"ہی کس لٹ ڈیڈ،" بڑی بولی۔
 "ہی اڈو سٹیک" چھوٹی نے کہا۔
 "ہی ڈیجرا کی لیک۔" کرنل نے تیری چڑھائی۔
 "نفل آف ڈیجرا پٹے ڈیڈ۔"
 "تم انٹرٹینر بننا پند کرے گا،" کرنل نے ہانی سے پوچھا۔
 "انٹرٹینر؟" ہانی نے دہرایا۔
 "سولین آفسر" کرنل نے وضاحت کی۔
 "لیس سولین آفسر" ہائٹ انٹرٹینر "ہانی نے کہا۔
 "یہ تو پتہ ہے ڈیڈ،" بڑی بولی۔
 "ہیڈ؟" کرنل نے حیرت سے ہانی کی طرف دیکھا۔
 "نو نو نو۔" لو پوٹ سر۔" ہانی چلایا۔
 "تم شراستہ کیوں ہو" بڑی نے ہانی کو گھورا۔
 "ہی اڈو ہسبل ڈیڈ۔" چھوٹی نے شور مچایا۔

پھر وہ دونوں باپ سے جٹ گئیں۔ ایک کدے سے لگ بھگ "دوسری گردن۔" اور
 کی چیخوں سے ہنگامہ مچ گیا۔

"کل رائٹ آل رائٹ۔" بوڑھے کرنل نے ہتھیار ڈال دیئے وہ ہانی کے دورہ آئے۔
 "تم سولین آفسر ہے، تمہارا کام انٹرنیشنل منٹ پونٹ کا چارج ہے اور تمہارا ڈیوٹی گنڈیشی
 ہے۔" پتہ۔"

میں ہی میں
 ان دونوں میوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی طرف
 رہنے کے لیے ایک بنا سہارا عارضی طور پر مل گیا۔ ٹھکرا بھی بنا نہیں تھا لہذا کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نوجوان لڑکیاں اس کے گلے کا ہار بنی رہتی

میں ہی میں

ان دونوں میوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی طرف
 رہنے کے لیے ایک بنا سہارا عارضی طور پر مل گیا۔ ٹھکرا بھی بنا نہیں تھا لہذا کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نوجوان لڑکیاں اس کے گلے کا ہار بنی رہتی

میں سر۔

"ہی کس لٹ ڈیڈ،" بڑی بولی۔
 "ہی اڈو سٹیک" چھوٹی نے کہا۔
 "ہی ڈیجرا کی لیک۔" کرنل نے تیری چڑھائی۔
 "نفل آف ڈیجرا پٹے ڈیڈ۔"
 "تم انٹرٹینر بننا پند کرے گا،" کرنل نے ہانی سے پوچھا۔
 "انٹرٹینر؟" ہانی نے دہرایا۔
 "سولین آفسر" کرنل نے وضاحت کی۔
 "لیس سولین آفسر" ہائٹ انٹرٹینر "ہانی نے کہا۔
 "یہ تو پتہ ہے ڈیڈ،" بڑی بولی۔
 "ہیڈ؟" کرنل نے حیرت سے ہانی کی طرف دیکھا۔
 "نو نو نو۔" لو پوٹ سر۔" ہانی چلایا۔
 "تم شراستہ کیوں ہو" بڑی نے ہانی کو گھورا۔
 "ہی اڈو ہسبل ڈیڈ۔" چھوٹی نے شور مچایا۔

پھر وہ دونوں باپ سے جٹ گئیں۔ ایک کدے سے لگ بھگ "دوسری گردن۔" اور
 کی چیخوں سے ہنگامہ مچ گیا۔

"کل رائٹ آل رائٹ۔" بوڑھے کرنل نے ہتھیار ڈال دیئے وہ ہانی کے دورہ آئے۔
 "تم سولین آفسر ہے، تمہارا کام انٹرنیشنل منٹ پونٹ کا چارج ہے اور تمہارا ڈیوٹی گنڈیشی
 ہے۔" پتہ۔"

میں ہی میں
 ان دونوں میوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی طرف
 رہنے کے لیے ایک بنا سہارا عارضی طور پر مل گیا۔ ٹھکرا بھی بنا نہیں تھا لہذا کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نوجوان لڑکیاں اس کے گلے کا ہار بنی رہتی

میں ہی میں

ان دونوں میوں کی سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانی کو کرنل صاحب کی کوٹھی کی طرف
 رہنے کے لیے ایک بنا سہارا عارضی طور پر مل گیا۔ ٹھکرا بھی بنا نہیں تھا لہذا کام
 نہیں۔ البتہ ایک مصروفیت ضرور تھی۔ دونوں نوجوان لڑکیاں اس کے گلے کا ہار بنی رہتی

نہانی کی کائنات نہ تھی۔ اشتقاق حسین کی شخصیت اس قدر رگھلی تھی کہ ہم اسے پیار سے کہتے ہیں۔ اس پر آئے جانے والا لوشاکو حلیس لکھوں سے دیکھا کرتا تھا۔ لوشاکو بھی اس کی طرف دیکھتے ہیں اور پھر اس کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔
راستے کی لڑکی رگھلی کی بیشک سے دور لیکن عین متقابل میں کھلی تھی۔ راستے کی ایک ننھی چلی چار دیواری تھی اور بس پھر وسیع میدان تھا جس میں لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔

لڑکی کی لڑکی بیٹھ کھلی رہتی تھی۔ کمرے میں اوجھ سے اوجھ اور اوجھ سے اوجھ کے جھانک کر گزرا کرتی تھی۔ لیکن اس نے کسی رگھلی کی بیشک کی طرف نہ دیکھا تھا۔ دیکھتی بھی تو یوں جیسے رگھلی کی بیشک کا وجود ہی نہ ہو، جیسے وہاں بیٹھے ہوئے کسی کی ایک بیشک دیکھنے کے شہسری نہ ہوں۔ آئی اور کوئی کوچ دکھا کر چلی جاتی اور کھلے کھلے اُسے ہواؤں کے منہ کھلے کے کھلے وہ جاتے۔ اکثر ان میں سے ایسے ہوتے کہ لڑکی کی سیدہ بدھ نہ رہتی چلی جاتی تو بھی سوچنے لگتے کہ اب کی بار آئی تو میں لڑکی کو دیکھوں گا میں سیدہ تمام لوں گا میں۔ وہ دوبارہ آئی تو ماتے پر ہاتھ رکھنے لگی۔ اس کی حالت ہی نہ ملتی۔ وہ یوں آئی اور چلی جاتی جیسے پر چنگ والا دروازہ کھلتے ہی بند ہو جاتا ہے۔

لڑکی نے اپنے ہاں اشتقاق حسین کے گھر آیا تھا تو بیشک کی صورت ملے دیکھ کر اس کی حالت اسے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔
ایک بہت بڑی دیوہ لڑکی۔ وہ لوشاکو کی طرف چپکے کر کے بیٹھ گیا۔
اس نے منہ میں کس دھمکیاں دیں کہ وہ راکوٹ نہ بنے، لیکن مٹی پر کوئی

نہانی کی کائنات نہ تھی۔
کرٹیل نے جب دیکھا کہ لڑکی توجہ انہیں پر مرکوز ہے تو وہ ہونکا ہونکا ہو گیا۔
ایکسی پر مرکوز ہونا اور بات تھی۔ لیکن لڑکی تھی۔
ایک روز وہ لڑکے چپکے چپکے انہیں میں آیا اور پردوں کے چپکے چپکے کر دیکھا۔
لڑکی کا طواف کرتے کرتے پار چلی گئی تو وہ پردے سے باہر نکل آیا۔
مٹی نے کرٹیل کو دیکھا تو اس کا دم خشک ہو گیا۔ کرٹیل بولا "دیکھو یہ تم نے اس انٹرنیشنل کرنا ہے، تم نے فوک کو انٹرنیشنل کرنا ہے، ہماری سیم صاحبہ کو نہیں سمجھا۔"
"آپ سیم صاحبہ کو روک لیں۔" مٹی نے مظلوم بن کر ہمدردی طلب لکھوں کی۔

"ہم سیم صاحبہ کو نہیں روک سکتا کرٹیل بولا، لیکن ہم تم کو روک سکتا ہے۔ یہ کرٹیل نے ہسٹل نکل لیا۔ "ڈکڑ بڑ" تو دیکھتی دیکھتی "نہیں تو" اس نے ہسٹل کی طرف اشارہ کیا۔
ایکسی سے باہر نکل گیا۔
اگلے روز جب سیم مٹی کے ہاتھ کے ساتھ ایکسی میں داخل ہوئیں تو کمرہ خالی تھا۔

لوچ ہی لوچ

مٹی کے اخراج کی وجہ صرف کرٹیل کا ڈر نہیں تھا۔ اگر صورت حالات رسمی انٹرنیشنل تک محدود نہ ہوتی۔ اگر اس کھیل میں ایڈمنسٹریٹر کا مضر شال ہو جاتا تو کمرے کا ڈور جھاگ جاتا۔
بلبلوں کی طرح اڑ جانے والے ایسے جیسے لوشا رانی کے ساتھ ہوا تھا۔
مٹی کو لوشا رانی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے نزدیک وہ ایک راتیں کھیل تھی۔
اس کا مطلب یہ نہیں کہ لوشا خوبصورت نہ تھی۔ خوبصورت تھی یا نہیں "دل آویز" نہ تھی۔ بے انداز دل تھی۔ وہ بیج کر باہر نکلتی تو ایسے گنا جیسے ریشمیں "میں" "میں" "میں"

”مکن مین آج اس کے ساتھ میں تھا“ مہلی نے جواب دیا۔

”اب اس کے ساتھ میں تھا“ مہلی نے جواب دیا۔

"پھر" رنجی نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"کافی دیر تک وہ ڈری ڈری رہی کم سم بیٹی رہی۔"

میں نے کہا ڈرتی کیوں ہے رہی، میں تجھے کھا میں جاؤں گا۔ اور دیکھ میں

کی۔ یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا ہوں۔ وہ اب بھی کھڑی

ارد کوئی بیٹری ہو تو دینا میں اسے ہلا کر ٹاکر لوں۔"

میں نے کہا، "خدا کا نام لے۔ ہر سال، اس کے لئے ایک ایک تہہ، عہد۔"

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔
کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

الاط منٹ

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔
کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔
کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

ان دنوں کرشن عمر ویران پڑا تھا۔

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

کرشن عمر ہندوؤں کا محلہ تھا، متول ہندوؤں کا محلے کے تمام مکانات، بار

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

—

مسلمان دیکھیں لٹاریاں کھول کر تلاشی لیں اور پھر دھنسا ہمیں وہ طاقتور مل جائے۔ اور
والے ڈیور چھپا کر رکھ گئے تھے۔

اور —————

چندھوں دیوار پر مانی پھر پڑ چلتا۔ مجھے پھر غصہ آ جاتا کہ پوچھ کیوں رہا ہے 'مکن' یا
نہیں کر گزرتا۔

اپنے منہ سے یہ کہتا کہ ہاں مجھے ساز و سامان کی ہوس ہے سیم و زر کی خواہش
لیے مکن نہ قتل یہ میری مجبوری تھی اور اپنی مجبوری کو چھپانے کے لیے میں

شرافت کا لہار لوڑھ رکھا تھا۔ اپنی شرافت کا رعب بٹانے کے لیے میں سیخ پا ہو کر ملا
تم چاہتے ہو کہ ہم چوروں کی طرح مکان میں گھس جائیں ساز و سامان کی حرص میں اور

جائیں 'لا حول ولا قوتہ'۔
مائی شرم سے گردن اٹکالیتا جیسے اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہو۔

میں سمجھا شاید ————— وہ رک جاتا چلو جیسے ہمیں تم چاہو 'لو رو آگے ہل
مجھے از سر نو غصہ آ جاتا کہ وہ آگے کیوں چل پڑا ہے۔ ایسے موقعوں پر میری

—

—

—

—

—

—

—

اس کے برعکس مانی یہ سمجھتا تھا کہ میرے لیے اس کی تجویز ناقابلِ قبول
 ہوگا۔ گزرتی ہے اور وہ نہادیت سے سرِ لٹاکر آگے چل چکا۔ چلو نہ سہی، چپے نہ
 اس روز محکم ہو کر ہم نے چار پانچ مکان پسند کیے، ان کے قبرستان کے او

دلتھا میں نے دیکھا کہ سامنے ایک کھڑی ہے جس میں شیش لگ ہوا ہے۔ یہ
چنٹ لاری شیش چور چور ہو گیا بازو اندر ڈالا۔ چٹنی کھائی اور اندر داخل ہو گیا۔
ارے میں حیران رہ گیا۔ سامنے پتنگ کے ایک کونے پر درشمنیں چلا رہی تھیں۔

بہارِ مجسمات کا قافلہ روانہ ہوا۔ اور ہم قافلے کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔

بجسٹریٹ لوجیز عمر کا آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب قسم کی بے تعلقی اور بے ہوشی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں اس کے روزیہ کھڑے ہو کر اپنی بد قسمتی کا رونا روٹے، تو وہ انہیں دیکھ کر ہنس دیتا۔

اگر جمع ہو گئے۔ چاہے بولے۔ ضروری کارروائی مکمل ہو سکتی ہے۔ اب وہ نام بیان الٹ کیا گیا ہے۔ اس پر ایک موٹا تازہ مٹول ٹھنک آگے

اول تو اسے سنائی نہیں تھا۔ مجبوراً سناتا تو وہ آنکھیں موندھ کر بیٹھ رہتا۔
یوں لگتا جیسے گہرا دھماکا میں مصروف ہو۔ ہر حال سائیکس کی منتوں، سادقوں کے
صرف ایک لفظ کا آقا تھا، یعنی ہو جائے گا۔ اور نہیں۔

اس کا طریق کار ایک سرسبز راز تھا۔ جس کی کبھی کتاب کے ہاتھ میں تھی۔

تپ ایک چٹا پرہو شیار آدمی تھا۔ وہ مسلسل مصروف رہتا تھا۔ جب کوئی کام
وقت بھی اس کے انداز سے لیا لگتا جیسے شدت سے مصروف ہو۔

سوتا مجسٹریٹ جاگتا تپ

تپ کے ہاتھوں میں ہر وقت کلڈوں کا ایک پلندہ پکڑا رہتا۔ ہر چند ایک منٹوں
اس پلندے کو کھولنا، دیکھنا، اس راز تو تپ دہا اور پھر سے لپیٹ کر ہاتھ میں پکڑ لیا
مجسٹریٹ سویا سویا تھا، اتنی ہی تپ جاگا جاگا رہتا۔ بلکہ بعض اوقات ٹک پڑنے لگتا
سے کچھ زیادہ ہی جاگ رہا ہے۔

وہ مجسٹریٹ کا تپ نظر نہیں آتا تھا، بلکہ مجسٹریٹ کو یوں چلاتا تھا جیسے اس کے ہاتھ
ہو۔ اب یہ کہتا ہے جب اب لوہر جانا ہے۔ جب اب بی ۳۳ کی لٹ منٹ منٹ ہے
اس کا لہجہ تھمکا رہتا تھا، لگتا تھا جیسے ہر بار تپ جب کہ کہہ کر وہ اسکات کو شوگر کوٹ
مجسٹریٹ بغیر چوں و چرا کے تپ کے کہنے پر عمل کرتا تھا۔ یوں جیسے سڑکیں کو
انجن مسٹری ڈرائیور کے طالع ٹریفک ہو۔

سائیکس کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ مجسٹریٹ کے پیچھے پیچھے پھرتے رہا
’میں بد بلی بڑھتی جا رہی تھی۔ جو کہ لٹ منٹ آڈر ایسے لوگوں کو مل رہے تھے
نے بھی دیکھا نہ تھا۔

ہر روز وہ ایک نئے لوگ بھرم میں شامل ہو جاتے اور لٹ منٹ آڈر لے کر چلے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیچھے پیچھے پھرتے والے لوگ اور ہیں اور لٹ منٹ حاصل
اور۔ اس کے علاوہ بھرم کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ ہر اسرار مال خانہ جس میں ہر مکان کی
منتقل کی جاتی ہیں۔ ہمارے کمال خانہ نہیں، بلکہ مجسٹریٹ، تپ، پولیس اور کارندہ

یوں لگتا جیسے گہرا دھماکا میں مصروف ہو۔ ہر حال سائیکس کی منتوں، سادقوں کے
صرف ایک لفظ کا آقا تھا، یعنی ہو جائے گا۔ اور نہیں۔

اس کا طریق کار ایک سرسبز راز تھا۔ جس کی کبھی کتاب کے ہاتھ میں تھی۔

تپ ایک چٹا پرہو شیار آدمی تھا۔ وہ مسلسل مصروف رہتا تھا۔ جب کوئی کام
وقت بھی اس کے انداز سے لیا لگتا جیسے شدت سے مصروف ہو۔

سوتا مجسٹریٹ جاگتا تپ

تپ کے ہاتھوں میں ہر وقت کلڈوں کا ایک پلندہ پکڑا رہتا۔ ہر چند ایک منٹوں
اس پلندے کو کھولنا، دیکھنا، اس راز تو تپ دہا اور پھر سے لپیٹ کر ہاتھ میں پکڑ لیا
مجسٹریٹ سویا سویا تھا، اتنی ہی تپ جاگا جاگا رہتا۔ بلکہ بعض اوقات ٹک پڑنے لگتا
سے کچھ زیادہ ہی جاگ رہا ہے۔

وہ مجسٹریٹ کا تپ نظر نہیں آتا تھا، بلکہ مجسٹریٹ کو یوں چلاتا تھا جیسے اس کے ہاتھ
ہو۔ اب یہ کہتا ہے جب اب لوہر جانا ہے۔ جب اب بی ۳۳ کی لٹ منٹ منٹ ہے
اس کا لہجہ تھمکا رہتا تھا، لگتا تھا جیسے ہر بار تپ جب کہ کہہ کر وہ اسکات کو شوگر کوٹ
مجسٹریٹ بغیر چوں و چرا کے تپ کے کہنے پر عمل کرتا تھا۔ یوں جیسے سڑکیں کو
انجن مسٹری ڈرائیور کے طالع ٹریفک ہو۔

سائیکس کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ مجسٹریٹ کے پیچھے پیچھے پھرتے رہا
’میں بد بلی بڑھتی جا رہی تھی۔ جو کہ لٹ منٹ آڈر ایسے لوگوں کو مل رہے تھے
نے بھی دیکھا نہ تھا۔

ہر روز وہ ایک نئے لوگ بھرم میں شامل ہو جاتے اور لٹ منٹ آڈر لے کر چلے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیچھے پیچھے پھرتے والے لوگ اور ہیں اور لٹ منٹ حاصل
اور۔ اس کے علاوہ بھرم کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ ہر اسرار مال خانہ جس میں ہر مکان کی
منتقل کی جاتی ہیں۔ ہمارے کمال خانہ نہیں، بلکہ مجسٹریٹ، تپ، پولیس اور کارندہ

ہم دونوں مجسٹریٹ کے گھر چلے جاتے اور وہاں انتظار کرتے۔ جب مجسٹریٹ

کرشن نگر

IV



اشفاق احمد



جسٹس

ان لوگیاں

باہر لٹا تو ہائی دوڑ کر اس کے روہد کھڑا ہو جاگ۔ روہد سے پاؤں زمین پر مارا۔ ہر
 قوی انداز سے سلوٹ مار کر کتا، صاحب ہم بھٹوں سے آپ کی توجہ کے منتظر ہیں۔
 پھر ہم سیدھے کرشن نگر چلے جاتے۔

جب بھی مجسٹریٹ لائٹ منٹ کرنے کے لیے مکان سے باہر لٹا تو ہائی دنگے دنگے
 چر کر اس کے روہد ہا کھڑا ہو گا۔ زمین پر پاؤں مار کر اینٹیں ہو جانا اور پھر قوی
 حضور ہماری طرف بھی توجہ فرمائیے۔

اس طرح دن میں ساڑھے آٹھ مرتبہ مجسٹریٹ کو سلوٹ کیا جاگ حتیٰ کہ جب روہد
 کے کام سے فارغ ہو کر گھر پہنچتا تو دوڑاڑے پر ہم دونوں استہدہ ہوتے اور حسب
 اینٹیں ہو کر سلام مارا۔

پہلے روز ہی 'چھپے سلام پر' مجسٹریٹ نے چونک کر پہلی بار غور سے ہائی کی طرا
 پہلی مرتبہ تھی۔ جب اس نے پوری طرح جاگ کر کسی سائل کا جائزہ لیا تھا۔
 تیسرے روز مجسٹریٹ کی قوت برداشت نے جواب دے دیا۔ اس کی بے

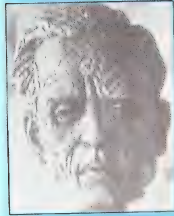
اس وقت وہ مکان سے جیتی اشیاء کے اخلاء کے بعد لائٹ منٹ آرڈر دیتا ہے
 لٹا تھا۔ اس روز بھیڑ بست زیادہ تھی۔ ہائی نے اللہ اکبر کا ایک نمونہ لکھا۔ مجمع سیم کا
 دنگے دنگا ہوا غنڈوں کی طرح آگے بڑھ کر مجمع کو پیچھے ہٹ گیا۔

مجسٹریٹ کے روہد پہنچ کر اس نے خود پر ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کی۔
 حضور

میں نے کہا کہ میں نے اسے لور میرا دل ڈوب گیا۔ لیکن میں کبھی کیا سکتا تھا۔ مانی نے وی
 کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "میرے مانی سے کہہ چکا تھا۔"

میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔

میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔



فدوی کا بنایا ہوا بسٹ (۱۹۳۹ء)

میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔

میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔

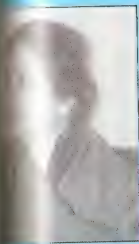
میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔

میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔

میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔

میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔

میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔
 میں نے کہا کہ میں نے کہا اور کئی کی کھڑکی طرف چل پڑا۔



ادو اجعری، ادبی تنظیم

منشی یاد، ادبی تنظیم رابطہ

جو ہر سائل کے دل میں بہتوں سے اچھل رہی تھی۔ وہ بات جو دلوں میں رستا رہا ہے۔
تھی۔

مائی کی باتیں سن سن کر سائیکوں کے دلوں میں ہمت پیدا ہو رہی تھی۔ وہ دلی دلی

اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے تھے۔ اتفاق سے نائب ڈا ہر نکلا۔

مائی چلا کر بولا 'نائب صاحب دیکھئے کوئی چیز انہر نہ رہ جائے' ساری نگاہیں

لے چائیں 'لے چائیں میرے گھر کو پاک کر دیجئے۔'

نائب کو یہ سن کر پیش ٹالیا۔ اس نے جواب میں کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر

کرنا ہمارا فرض ہے، رہ بولا اور۔

ضروری کارروائی، کوئی قہر۔ مار کر رہا۔

ضروری کارروائی، ایک گروہ چلایا۔

ضرور کیجئے ضروری کارروائی، اوسر سے آواز آئی۔

ضروری کارروائی ہمت ضروری ہے، کوئی بولا۔

نائب صاحب ہمت سیانے ہیں، غیر ضروری کارروائی نہیں کرتے۔

کچھ زیادہ ہی سیانے ہیں۔

اللہ بچائے اس سیانے سے۔

بے زبان زبانیں

چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

نائب نے 'گروہ' کا رخ دیکھ کر تفرق کرنے کا خیال چھوڑ دیا اور چیپ چاپ اندر ہار دیا۔

ہار ایکسے عجیب تبدیلی عمل میں آئی۔ لوگوں کو گویا زبان مل گئی۔

میں چندہ دونوں سے مجسٹریٹ کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہوں، ایک نے کہل

بارہ دن ہو گئے ہیں، وہ میری بات ہی نہیں سنتا۔

یہ مکان آخر کے الٹ ہو رہے ہیں۔

پتہ نہیں، بس ایک بار آتے ہیں اور مکان لے کر چلے جاتے ہیں۔

لولی لالچ

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔

لولی لالچ کی ریلوے کے پایہ کار گھر تھا جو بالکل نیا تھا ہوا تھا اور وہی تک علی گڑھ کے پہلے ایک قریہ خانہ تھا جو عمارتی مسلمان سے بھرا ہوا تھا، لولچہ کے گھر اور لالچ کے چپ لڑکیوں کا گھر، کیل، پنچ، چالیاں، کھلی کی تاریں، سوچ ہو لڈر، پینٹ، لالچ اور لالچ کی گلی تھیں۔

لوٹ کال

بارہ بجے کے شانوں میں پتھر کے چار قطار میں گئے ہوئے تھے۔ کی میں لالچ کی مرئی کی دلیس، چالوں، گڑ، گھنٹیاں، کھنٹیاں، چینی اور چائے کیا گیا، ہلو دینے کی ہڈی روٹی کا مسلمان تو ہو گیا لالچ نے چکیاں بھرتے ہوئے کار۔

زندہ داخل لالچ میں تو یہ سب چھینکوا دوں گی۔

کیاں لالچ پوچھا۔

زندہ نہیں گئے ہندوؤں کی چھڑیں۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔ لالچ تو کوئی دھرم

نہ تھا۔ اس کے پرانے پکاوا کر گئے، روز جمع شہ۔

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔ پرتوں کی لٹاری میں لوہے قہاریاں ہی قہاریاں

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔ ہر کسی کے سامنے بڑی قہلی میں چھ کنوئیاں جاتی ہیں۔

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔ لالچ میں بھڑی لور ایک میں بھڑک۔ پھر پتلی، مرہ، اچار، گھر

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔ اسیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ جاری تھی۔

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔ جین فرنیچر کی نوحیت بینک کی

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔ ظاہر تھا کہ لالچ ہی ڈرائیونگ روٹے میں بلکہ بینک کے

کی ایک روز ہم نے گھر کا جائزہ لینے میں کھوئے رہے۔ وہ مسلمان بہت عمدہ تھا، نہ تو نازک تھا نہ خوب صورت، ہماری تھا

بھرا تھا، مضبوط تھا۔ اس میں انگریز کے دور کے سیکڑ کلاس وینٹگ روم کی دھڑکیاں

نو دلیے

سلان دیکھ کر مجھے اندر ہی اندر دکھ ہوا میرا ڈرائیونگ روم کا خوب ہمارا
لے، لیکن پھر بھی میں بہت خوش تھا، چلو ڈرائیونگ روم نہ سہی۔ جینٹل ڈرائیونگ
اگرچہ غائب نہ تھا، لیکن فریجیئر تھا۔
بڑے روز میں بہت ہماری ڈرائیونگ تھے، بڑے بڑے آئی۔
ہوئے موٹے ڈگ قسم کے میز۔

مندوق کپڑوں سے بھرے ہوئے تھے، لیکن ان کپڑوں کی نوعیت ان
لڑے بازار کے فٹ پاتھ پر کپڑوں کے ڈھیر گے ہوتے ہیں اور پرچوں فروش
دروپے کا آواز لگتے ہیں۔

بہر صورت ہم محسوس کر رہے تھے جیسے دفعتاً غمت سے لہارت میں آنا
ایک صاف ستھرا مکان ایک الگ جینٹل، اتنے سارے برتن اور طرح طرح کے
ہر سائز کے کپڑے، سٹے ہوئے، اٹھ سٹے، ان سٹے۔

اس لہارت میں صرف ایک کرسی وہ یہ کہ گھر میں بچلی نہیں تھی ہوئی تھی
کلی کے بغیر گزارہ تو ہو سکتا تھا لیکن اتنے خوبصورت گھر کو لائے۔

میرے لیے قابل قبول نہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ کچلی کے پول کی تدریس مکان کی
سے گزر رہی ہیں۔ میں نے تہ خانے سے تین رطلے گلوب لپ ٹکا، "ان ہاں
کے تدریس لکھیں۔" مٹھن میں گئے ہوئے پیڑ پپ سے نیکیو کرٹ حاصل کی۔
پیڑ گیا جب شام کا دھندلا ہوا تو میں نے ایک لیے ہاس سے تار نکلیا جس کے
تھا۔ ہاس کی مدد سے کپ پول کی تدریس لکھنا۔ تینوں بلب روشن ہو گئے۔

پھر جارا معلول ہو گیا رات کو ہم میں لاش پر کب کب دیتے اور صبح سویرے
کر دیتے مشکل یہ تھی کہ اپنے اپنی طرف کی وجہ سے میں تینوں کو کھانا ڈال رہا
لے گھر میں مدیم روشنی رہتی۔ ملتی اس پر سخت نہیں سمجھیں ہو کہ کتنا تھا، کتنا
UrduPhoto.com

لاحول ولا قوۃ

مادران میرے دل میں ہم چمتی کی حقیر تلواری طرح تھی راتی راتی۔

پھر جب رات کو سو رہا لیٹ کر پڑنے کی کوشش کرتا تو کتاب پر چپے ہوتے اور

تھے پچھتے اور بیچ کر ہانک کر ہٹل اختیار کر لیتے جیسے ہم چمتی کی کتاب

کتاب سے نکل کر نکلیں بیٹھتا۔ پھر دوش آتا تو سامنے وہی نیم چمتی کی کتاب

سی آواز آتی۔ تھک ٹوٹ جاتا۔ کمر کی کے پٹ چلوں کر کے لے

بن جاتی اور اس درز سے درز رات کے اڑے جھاگتے۔

چار چہ دن تو یہ کھٹش تھی رہی۔ آخر ایک رات کتاب پیچیک کر میں اللہ

میں کیا صبح ہے۔ یہ تو حق کیراشی ہے، لالچ تو میں۔ کیراشی تو ایک صبح

دیکھتا تو صرف یہ ہے کہ اس نیم چمتی میں ہے کیا۔

جین سرسبز تھک۔ اگر تالے کی مروت بھی تو کیا ہو گا۔

میں نہیں فضل ہے۔ خلوہ بخلوہ خود کو ذلیل کرنا میں

پھر دھن۔ خیال آتا، دیکھوں تو سنی نیم چمتی کتنی ہی بی بی۔ اگر

کوئی درز تو ہوگی۔ میں اٹھ بیٹھ۔

نیم چمتی کی کوئی کمرے کے دروازے کے عین اوپر تھی۔ اس میں داخل ہو

کوئی زینہ نہ تھا۔

اُسے وہ اونچا سٹول جو ہے۔ ہاں یقیناً وہ سٹول اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اُس

کے۔

پہلی مرتبہ جب میں نے وہ سٹول دیکھا تھا تو حیران ہوا تھا کہ اونچا سٹول

میں آسکتا۔ پھر اُنک اونچا بنانے کا مقصد پھر جب انہوں نے باورچی خانے کی

سے ٹلفوں کی تلاش کی تھی تو اقبل بیٹھک سے وہی سٹول اٹھا کر لے آئی تھی

نے غور سے دیکھا تھا کہ سٹول کی ایک طرف اوپر تک ڈنڈے لگے ہوئے تھے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہاں تو خوش خرابے بند ہوں گے۔ میں بچے اچھڑاؤں چھ۔ یہ سوچ کر

کھڑا ہوتا تھا، اوقات پڑے پر تین مہرں تھی ہوئی تھیں۔

ہماری کی کوشش کی۔ کچھ دکھائی نہ دیا۔ دھن۔ خیال آیا کہ نیم

میں پھر اندر سے کچھ دکھائی کیسے دے گا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا

میں نے چھانک دکھائی۔

ابھی دو کمر لگی ہوئی تھی۔

اور یہ سٹول یہاں کیسے آئی۔

کی ایک ہانے بنائے جین اقبل مطمئن نہ ہوئی۔ اقبل کے شکوک

میں سٹول حائل ہو گئی۔

میں نے وہی عنت سے تالے کے اوپر لپٹا ہوا کپڑا اٹھا لیا، یوں کہ مہرں جن

میں وہی عنت سے تالے کے اوپر لپٹا ہوا کپڑا اٹھا لیا، یوں کہ مہرں جن

میں وہی عنت سے تالے کے اوپر لپٹا ہوا کپڑا اٹھا لیا، یوں کہ مہرں جن

میں وہی عنت سے تالے کے اوپر لپٹا ہوا کپڑا اٹھا لیا، یوں کہ مہرں جن

میں وہی عنت سے تالے کے اوپر لپٹا ہوا کپڑا اٹھا لیا، یوں کہ مہرں جن

میں وہی عنت سے تالے کے اوپر لپٹا ہوا کپڑا اٹھا لیا، یوں کہ مہرں جن

میں وہی عنت سے تالے کے اوپر لپٹا ہوا کپڑا اٹھا لیا، یوں کہ مہرں جن

برتنوں کے اس ڈھیر کے پاس ہی کپڑوں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ چہرہ لڑکھٹے، قیض، انگوٹ، رومل، زیب کن، ڈسریہ

ایک لڑکھٹے کا اتار کر اقبال کو اشارہ کیا۔ وہ ڈبے

کھائیں گے۔ کیڑوں سے یہ بہتر نہیں کہ ہم انہیں استہول میں لے آئیں۔ اگر گاہک پوچھا تو میں سمجھ لوں گا ان سے۔

شاید اسی لیے میں نے مانی سے نیم بچتی کی بات نہ کی تھی یا شاید اس کی وجہ خوف کے دل میں خوف ہوتا ہے وہ کہہ دینے سے ڈرتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں کو کر سکتے ہیں۔ خوف ایک ایسا کڑا ہے جو دل کے کونوں میں چالنے تن دیتا ہے۔ نہ تو گناہ کی کھیاں لگتی رہتی ہیں۔ ان دنوں مانی خود اپنے فضل میں کھویا ہوا تھا۔ مانی کیا؟ لولی لالچ کے سارے دھن میں گئے ہوئے تھے۔

اپنی اپنی دھن

لوں ان دنوں چیزیں پانٹنے میں بری طرح سے مصروف تھی۔ سارا دن وہ دوسری چیزیں آنکھی کرتی رہتی۔ برتن، کپڑے، کھلوے سب کچھ۔ پھر وہ انہیں پانٹتی۔ پانٹنے کے بعد انہیں بیچ دیتا تھا۔

اور ان کو کھروالیاں بن سنور کر بیٹھ جاتیں تاکہ میاں کی توجہ کاروبار سے الگ ہو جائے۔

لیکن اس کی خواہش تھی کہ وہ توجہ مدہم دہم دیا نہ ہو کہ شعلہ بھوک اٹھے اور ملاپ کی مصیبت پڑ جائے وہ ملاپ کے لیے ایک تکلیف دہ امر تھا۔ اس پر گزرا تھا۔ اس نے ملاپ کی خواہش کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ ہمیشہ کے قریب کا خوف طاری کر دیا تھا۔

لیکن اس کی خواہش تھی کہ وہ توجہ مدہم دہم دیا نہ ہو کہ شعلہ بھوک اٹھے اور ملاپ کی مصیبت پڑ جائے وہ ملاپ کے لیے ایک تکلیف دہ امر تھا۔ اس پر گزرا تھا۔ اس نے ملاپ کی خواہش کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ ہمیشہ کے قریب کا خوف طاری کر دیا تھا۔

اور میں ایک تھا ہمارا مسافر تھا۔ میں نے کئی ایک محبتیں کی تھیں اور بہن تھی۔

یہ وہاں کر دیا تھا مجھے ہاتھ کرنے کا شوق تھا لیکن بلند بخت کو سامنے بیٹھ دیکھ کر

بھول جاتی تھیں۔ وہ ذاتی صورت نہ تھی۔ اس کے خیالات دسی اور مجھ تھے۔ اس

خیال ممکن نہ تھا۔ اپنی آکھٹ کو دور کرنے کے لیے ذاتی شدت سے نجات پا

میرے پاس دو گھڑی کے جسی ملاپ کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہ تھا لیکن بلند بخت کا

نظام ملاپ سے مخالف تھا۔ اس کا سارا جسم اس کے خلاف احتجاج کرتا تھا۔

اسی وجہ سے آقبل نیگم کی تمام تر توجہ گھر پر مرکوز تھی۔ سارا سارا دن وہ گری

کرتے میں بسر کر دیتی۔ فرمت کے اوقات اس غم میں آئیں بھرے میں کٹ پاتا۔

کوئی اس سے ہاتھ کرنے والا نہ تھا۔

لولی لانج میں آکر وہ بالکل ہی گھر میں کسوٹی تھی جو کچھ پہلی مرتبہ اسے چھو

ایا تھا۔ چھوڑوں کو بنا سجا کر رکھنا اور پھر پڑھنے کے بعد ترتیب کو بدل دینا اس کا

تھا۔

ڈرا، سما

لولی لانج میں کئی بہت خوش تھا۔ پہلی بار اسے کھینچنے کے لیے ایک لہا چوڑا

تھا۔ وہ سارا دن چھوٹی چھوٹی چیزیں اکٹھی کر کے مچھ میں کھینچ رہا تھا تاہم

کر سامنے چوگان میں کھینچے ہوئے بچوں کو دیکھتا رہتا۔ اس میں اتنی جرات پیدا نہ

دروازے کو پار کر کے چوگان میں اتر جائے۔

انہی طور پر کئی ایک ڈرا ہوا، سما ہوا۔ اس کی عمر صرف چھ سات سال کی

اس نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا تھا۔

بالہنہ میں گھر میں بیٹھ تھی، ہنسی تھی، ہنسی تھی، ابھی تھی، ابھی تھی۔ اور وہ

سے محبت کرتے تھے اور لاؤ لڑاتے تھے۔ پھر یہ نہیں کیا ہوا، اب چلا گیا۔ پچھلے

بھی کہتے تھے کہ وہ اب دلیس نہیں آگے ہے۔

پھر اب دلیس آگیا اور چھپ چھپ کر اسے مل رہا وہ اسے چھپ چھپ کر

پہنچی ہیں۔ دنگل دنگل کھڑی سے منڈیر پر، منڈیر سے کوٹھے پر، کوٹھے پر، ہاتھوں پر کھڑی ہیں۔ کبھی دوپٹہ سنبھالتیں، کبھی ہنس ہنس کر دھری ہوتی جاتیں، کبھی کبھی اشارے کرتیں، مسکاتیں۔

ہائی کو لڑکیوں سے دلچسپی نہ تھی، صرف چھیڑ چھاؤ کا متوالہ تھا۔ ہائیوں کی کھیلوں کے چھپنے کو چھیڑ کر خوش ہوتے ہیں۔

ہائی کسی ایک لڑکی کو چھیڑتا تو وہ اس حد تک چھیڑ جاتی کہ آپاں میں ہائی، "اڑنی"، آکھیں گھمائی، طرح طرح کے پوز بناتی اور خود کو ہر دوسرے سے دکھائی دلائی ہو جاتی۔ پھر وہ دن بھر چھڑی رہتی اور ایسی مسی دھمائی کہ ہائی کی جگہ لڑکی ہار اداں سچڑ جاتی۔ پتہ نہیں ہائی کس مٹی سے بنا ہوا تھا۔ وہ لڑکی کو چھیڑ کر آرام دیکھا کرتا تھا۔

اگلے روز وہ کسی دوسری لڑکی کو چھیڑتا۔ اور پھر وہ بچھاری اس خوش مٹی کی آواز کا مرکز بن گئی تھی۔ پھر وہ پروانہ صفت پر پھر پھر زانی، تڑپتی، خود کو ہانکے لڑکیوں کی اس تلاش میں چھیڑ چھاؤ سے محل کی تمام لڑکیوں میں چھڑ مٹی جسم ہاتھ ہوں۔ ان چھڑی ہوئی بہن بہن کرتی ہوئی کھیلوں کے سامنے ہائیوں پر پتیرا سائیلوں میں بیٹھا بین بجا رہا ہو۔

شخص، ذہنی

ہائیوں کی زندگی میں لازم تھا تو وہیں پہلی بار میں نے اشتقاق احمد کو ملے۔ ایک دیران کوٹے میں سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، ایک چٹائی پر لیٹا ہوا تھا، "اڑنی" کے الفاظ سے بھری ہوئی "قدردانی" طور پر بنی تھی، "تعمیران میرے دوبرو" کے الفاظ سے میرا نام کیسے جاتی ہے۔ جی، میں نے جواب دیا۔ میں ممتاز مفتی

ممتاز مفتی سے ہے، اس نے کہا۔

ممتاز مفتی سے ہے۔

ممتاز مفتی سے ہے۔ لیکن آپ نے مجھے کیسے پہچانے۔

ممتاز مفتی سے ہے، اس نے کہا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں وہ پلاٹم مکتدر میں رہتے تھے، فیروز پور ضلع میں میر کرنے کے کرتے تھے۔ دن قمر میل میں چڑھ جاتے تھے اور قصور اتر جاتے۔

میں نے حیرت سے سیندھوری میدان سے بنی ہوئی خانوں کی طرف دیکھا۔
ملنے آئے ہیں آپ۔ میں ساتھ والے کپ میں کھرک ہوں اس نے جواب دیا۔
اور۔

داستان گو

پہلی مرتبہ میں اشفاق احمد سے ملا تو ایسے لگا جیسے گلابی ٹھل پر سرے آگے۔
کڑھے ہوں۔ اس کی بھرپور بولنی، جھل جھل کر رہی تھی اور اس پر انبساط کی
ٹانگی ہوئی تھی۔

پھر ہم کہیں ملنے گئے۔

پہلے اتفاقاً "برسرے" رہا۔ پھر "تزلزل" ملے شدہ جگہوں پر فن دونوں ایک
احمد نہیں بنا تھا۔ ابھی بننے کا عمل شروع نہیں ہوا تھا۔ غالباً صلاحیتیں ابھی خواب
ایک خصوصیت اپنے جوہن پر تھی۔ وہ پورے طور پر داستان کو تھا۔

نگاہ غالب ہے کہ آپ "داستان گو" کا مفہوم پورے طور پر نہیں سمجھتے۔ شاید
کبھی روایتی لوگ داستان گو نہیں دیکھے، نہیں سنے۔

روایتی داستان گوئی میں "غندہ ہوتا ہے" ساز ہوتا ہے "ڈرامہ ہوتا ہے" ساز
ہوتے ہیں۔ داستان گو داستان سناتا ہی نہیں "داستان پر قائم کرتا ہے۔ اشفاق احمد
طور پر پر قائم رہا۔ اسے بہت سے لطیفہ کہتے ہیں "داستانوں کے کلورے" ڈراموں کے
ایسی ہیسیوڈن چیزیں یاد تھیں۔ پہلے وہ محفل لگا تھا، لگ جاتی تو خود سٹیج میں جاتا اور
پڑاؤں دینا کہ محفل باغ ہو جاتی۔

اشفاق کی ہاؤس میں تصنیفات کی چاشنی تھی۔ بات میں تصنیفات کی پھول پاتا،
اس کی شخصیت سے انبساط کی پھوار اُٹتی، یوں ابھی جیسے فوارہ چل رہا ہو۔ اور وہ

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں نے اس کے ہاں لے گیا۔

میں نے اس کے ہاں لے گیا۔ اس کے ٹکار خانے میں طرح طرح کے نقش تھے۔
گلزاری سے بنے ہوئے گورکھ دھندے تھے۔ جنہیں دیکھ کر
اورا تھا۔ کیا ہوتا تھا مجھے سمجھ میں نہ آیا۔ کیوں ہوتا تھا؟ یہ تو خیر
"عام شعور تھا کہ کچھ ہوتا ہے" ایسے ہوتا ہے جیسے میری نیلی

کی قطار لگی ہوئی تھی۔

اسی صباغ سے رنگ افروز کر کے کالکات کو رنگوں سے ترتیب دے
پہلی کالکات کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔ پاس ہی خانہ اسے ترتیب
کے بند بندے سے خواہش کی پھوار پھوٹ رہی تھی۔

اسی صباغ سے رنگ افروز کر کے کالکات کو رنگوں سے ترتیب دے
پہلی کالکات کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔ پاس ہی خانہ اسے ترتیب
کے بند بندے سے خواہش کی پھوار پھوٹ رہی تھی۔

اسی صباغ سے رنگ افروز کر کے کالکات کو رنگوں سے ترتیب دے
پہلی کالکات کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔ پاس ہی خانہ اسے ترتیب
کے بند بندے سے خواہش کی پھوار پھوٹ رہی تھی۔

اسی صباغ سے رنگ افروز کر کے کالکات کو رنگوں سے ترتیب دے
پہلی کالکات کو احاطہ کئے ہوئے تھی۔ پاس ہی خانہ اسے ترتیب
کے بند بندے سے خواہش کی پھوار پھوٹ رہی تھی۔

تو ایک خوبصورت سرسبز گلستان میں جا پہنچا۔

یہ سرسبز گھٹن لارنس باغ کی ایک پر فضا پہاڑی پر ایک پھنی کی سی
 اینٹر ٹیکٹر کے نام سے موسوم تھی۔
 اوپن اینٹر ٹیکٹر، ڈبلی نے قبضہ بنا رکھا تھا جس دو چھوٹے پتھر
 ورنگ سٹوڈیو بنایا تھا۔

انوکھا کاروباری

ڈبلی سارا دن اپنے گھر کے مخصوص کمرے میں جس کی حیثیت ڈھانچہ کی
 کرتا تھا کتاب کا سردار، بوقلمانی لکھنے، اشتہار کی تصویر لے جانے کا ایسا
 پتہ نہیں اسے گھر بیٹھے بٹائے کام کیے مل جاتا تھا۔ جرت کی بات
 سمجھتا تھا کہ کام وہ تو ہے جو چل کر گھر آئے وہ نہیں جے حاصل کرتے کہ
 جانا پڑے۔

ڈبلی نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ کنواں ہے، پراسا نہیں۔ ملائکہ اس
 چنگ تھا نہ بیٹش تھا۔ اس کے باوجود اسے کل کا گھر نہ تھا۔ روزانہ ڈھانچہ
 ایک کمرشل کام مل جاتا تھا جو وہ بڑی آسانی سے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں
 عوض وہ ساٹھ بیٹھ روپے کماتا تھا۔ ملائکہ مارکیٹ میں وہ کام بھیجیں تیں
 ڈبلی کا دوسرا اصول یہ تھا کہ منگاتے خریدار کو خاطر میں نہ لاؤ۔ کوئی
 نیاز ہو جاتو۔ ڈبلی کو پیسے کی جس قدر شدت سے ضرورت ہوتی اسی قدر وہ کام
 سے پیش آتا۔ معاوضہ بازار سے دگنا یا گنا اور کسی صورت میں گانگ کو
 بھولنے یا پھینکنے کا ذمہ نہ لیتا۔

بھولنے یا پھینکنے کا ذمہ نہ لیتا۔

مجھے ڈبلی کی باتیں عجیب لگتی تھیں۔ اقتصادیات کے اصول جو میں نے اے۔

تھے ڈبلی کے کاروباری اصولوں کو دیکھ کر ایک ایک کر کے میں جھجھکتے۔

UrduPhoto.com

ہاں تو دن بھر ڈبلی گھر کی بیٹھک میں کمرشل کرتا۔ شام کے وقت وہ

UrduPhoto.com

یہ سب سب گھٹن لارنس باغ کی ایک پر فضا پہاڑی پر ایک پھنی کی سی
 اینٹر ٹیکٹر کے نام سے موسوم تھی۔
 اوپن اینٹر ٹیکٹر، ڈبلی نے قبضہ بنا رکھا تھا جس دو چھوٹے پتھر
 ورنگ سٹوڈیو بنایا تھا۔

انوکھا کاروباری

ڈبلی سارا دن اپنے گھر کے مخصوص کمرے میں جس کی حیثیت ڈھانچہ کی
 کرتا تھا کتاب کا سردار، بوقلمانی لکھنے، اشتہار کی تصویر لے جانے کا ایسا
 پتہ نہیں اسے گھر بیٹھے بٹائے کام کیے مل جاتا تھا۔ جرت کی بات
 سمجھتا تھا کہ کام وہ تو ہے جو چل کر گھر آئے وہ نہیں جے حاصل کرتے کہ
 جانا پڑے۔

ڈبلی نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ کنواں ہے، پراسا نہیں۔ ملائکہ اس
 چنگ تھا نہ بیٹش تھا۔ اس کے باوجود اسے کل کا گھر نہ تھا۔ روزانہ ڈھانچہ
 ایک کمرشل کام مل جاتا تھا جو وہ بڑی آسانی سے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں
 عوض وہ ساٹھ بیٹھ روپے کماتا تھا۔ ملائکہ مارکیٹ میں وہ کام بھیجیں تیں
 ڈبلی کا دوسرا اصول یہ تھا کہ منگاتے خریدار کو خاطر میں نہ لاؤ۔ کوئی
 نیاز ہو جاتو۔ ڈبلی کو پیسے کی جس قدر شدت سے ضرورت ہوتی اسی قدر وہ کام
 سے پیش آتا۔ معاوضہ بازار سے دگنا یا گنا اور کسی صورت میں گانگ کو
 بھولنے یا پھینکنے کا ذمہ نہ لیتا۔

بھولنے یا پھینکنے کا ذمہ نہ لیتا۔

مجھے ڈبلی کی باتیں عجیب لگتی تھیں۔ اقتصادیات کے اصول جو میں نے اے۔

تھے ڈبلی کے کاروباری اصولوں کو دیکھ کر ایک ایک کر کے میں جھجھکتے۔

UrduPhoto.com

ہاں تو دن بھر ڈبلی گھر کی بیٹھک میں کمرشل کرتا۔ شام کے وقت وہ

UrduPhoto.com

یہ سب سب گھٹن لارنس باغ کی ایک پر فضا پہاڑی پر ایک پھنی کی سی
 اینٹر ٹیکٹر کے نام سے موسوم تھی۔
 اوپن اینٹر ٹیکٹر، ڈبلی نے قبضہ بنا رکھا تھا جس دو چھوٹے پتھر
 ورنگ سٹوڈیو بنایا تھا۔

انوکھا کاروباری

ڈبلی سارا دن اپنے گھر کے مخصوص کمرے میں جس کی حیثیت ڈھانچہ کی
 کرتا تھا کتاب کا سردار، بوقلمانی لکھنے، اشتہار کی تصویر لے جانے کا ایسا
 پتہ نہیں اسے گھر بیٹھے بٹائے کام کیے مل جاتا تھا۔ جرت کی بات
 سمجھتا تھا کہ کام وہ تو ہے جو چل کر گھر آئے وہ نہیں جے حاصل کرتے کہ
 جانا پڑے۔

ڈبلی نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ کنواں ہے، پراسا نہیں۔ ملائکہ اس
 چنگ تھا نہ بیٹش تھا۔ اس کے باوجود اسے کل کا گھر نہ تھا۔ روزانہ ڈھانچہ
 ایک کمرشل کام مل جاتا تھا جو وہ بڑی آسانی سے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں
 عوض وہ ساٹھ بیٹھ روپے کماتا تھا۔ ملائکہ مارکیٹ میں وہ کام بھیجیں تیں
 ڈبلی کا دوسرا اصول یہ تھا کہ منگاتے خریدار کو خاطر میں نہ لاؤ۔ کوئی
 نیاز ہو جاتو۔ ڈبلی کو پیسے کی جس قدر شدت سے ضرورت ہوتی اسی قدر وہ کام
 سے پیش آتا۔ معاوضہ بازار سے دگنا یا گنا اور کسی صورت میں گانگ کو
 بھولنے یا پھینکنے کا ذمہ نہ لیتا۔

بھولنے یا پھینکنے کا ذمہ نہ لیتا۔

مجھے ڈبلی کی باتیں عجیب لگتی تھیں۔ اقتصادیات کے اصول جو میں نے اے۔

تھے ڈبلی کے کاروباری اصولوں کو دیکھ کر ایک ایک کر کے میں جھجھکتے۔

UrduPhoto.com

ہاں تو دن بھر ڈبلی گھر کی بیٹھک میں کمرشل کرتا۔ شام کے وقت وہ

UrduPhoto.com

پچھ ہو کر رہ گیا۔ اندھیرے اجالے پھر سے گڈو ہو گئے اور ایک ایسا دھندلا پن پھیل گیا
راستہ کوئی ڈنڈی سمجھائی نہ دیتی تھی۔

میں سوچتا یا لکھتا یہ کیا بھید ہے۔ اس پتھر کے بت میں وہ کون سی بات ہے۔
پکاروں میں تبدیل کر دیتی ہے 'روح کی پکار میں' 'ذہن کی' 'جسم کی'۔
دائیاں بلیاں۔

اس شخص میں وہ کیا بات ہے جسے دیکھ کر نسلی پھول چٹاں جھڑ جاتی ہیں۔
اُبھرتا ہے اور پھر مسلط و محیط ہو جاتا ہے۔
اس شخص کی پاندھی نہ تھی۔ جسم کی پاندھی نہ تھی۔
ایک لمبا نچہ لگتا، چنلخ دو سرا۔

جاذبہ۔

یہ تو غیر معمولی اور عام سی باتیں تھیں۔ مروجہ گمراہیوں میں گمراہیوں کے استادوں پر پڑتے رہے ہیں۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اگر گمراہیوں کوئی کوئی جوان لڑکی یا لڑکھنڈہ آہاں ہوتی یا دور کی 'چاہے دو ایک گھنٹے کے لیے یا دو ایک دن کے لیے آئی، اس کے ہر فرد کو جانا تیار ہی نہ تھا۔ اس کی ہر بات کے چرخوں میں بیٹ نہ پائے۔ اس وقت ہر فرد کھڑی میں بدل جاتا اور اپنی اپنی جگہ جالے تختے میں لودھ سے نکل بھاگنے کا راستہ ہے، یہاں چلا تو دو۔ لودھ ایک سوراخ ہے، اس میں اڑن کی سکت ہے، جلدی سے اس کے پوئل کو چھینا دے کر بھگو دو۔ اس قتل منڈی میں کر سیکھنے پر مجبور ہو جائے، دو تا کڑا دور بیٹھا آگ شل ہے، اس اہتمام کو دیکھا رہتا۔ پورے ہی اس کے ارد گرد بچائے پرستے میں مصروف رہتے ہیں۔

ان باتوں کی وجہ سے میرا ذہن حیرت کردہ بنا ہوا تھا۔ دل میں ذہنی سے لڑنے والی لکھن میں اسے حسین بھری نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور تھا۔ ذہنی کی کیفیت کی بندہ میں لہریں لہتی تھی، مجھے ذہنی سے عشق ہو گیا تھا۔

دروازہ - بند

ایک روز میں مختصر بیٹھا رہا کہ کب ذہنی کے ٹیوٹر کا دروازہ کھلے۔

اس روز ایک مختصر قسم کی غلطیوں ذہنی سے ملے آئی تھی۔ اندازے معلوم ہو مرچہ آئی ہے۔ اس وقت وہ لڑل لگائے ایک پٹل سکے بیٹے میں مصروف تھا۔ غلطیوں منہ پر بیٹھ گئی۔ ذہنی کچھ بیٹے میں مصروف رہا۔

آپ آکر ذہنی ہیں غلطیوں کے پچھا

ہی، اس نے کچھ سے سرائے بغیر کہ

آپ کو کچھ سے دلچسپی ہے، گمراہی یا ڈھنگ سے۔ وہ بڑی بے نیازی۔

UrduPhoto.com

جاذبہ۔

یہ تو غیر معمولی اور عام سی باتیں تھیں۔

مروجہ گمراہیوں میں گمراہیوں کے استادوں پر پڑتے رہے ہیں۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اگر گمراہیوں کوئی کوئی جوان لڑکی یا لڑکھنڈہ آہاں ہوتی یا دور کی 'چاہے دو ایک گھنٹے کے لیے یا دو ایک دن کے لیے آئی، اس کے ہر فرد کو جانا تیار ہی نہ تھا۔ اس کی ہر بات کے چرخوں میں بیٹ نہ پائے۔ اس وقت ہر فرد کھڑی میں بدل جاتا اور اپنی اپنی جگہ جالے تختے میں لودھ سے نکل بھاگنے کا راستہ ہے، یہاں چلا تو دو۔ لودھ ایک سوراخ ہے، اس میں اڑن کی سکت ہے، جلدی سے اس کے پوئل کو چھینا دے کر بھگو دو۔ اس قتل منڈی میں کر سیکھنے پر مجبور ہو جائے، دو تا کڑا دور بیٹھا آگ شل ہے، اس اہتمام کو دیکھا رہتا۔ پورے ہی اس کے ارد گرد بچائے پرستے میں مصروف رہتے ہیں۔

ان باتوں کی وجہ سے میرا ذہن حیرت کردہ بنا ہوا تھا۔

دل میں ذہنی سے لڑنے والی لکھن میں اسے حسین بھری نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور تھا۔

ذہنی کی کیفیت کی بندہ میں لہریں لہتی تھی، مجھے ذہنی سے عشق ہو گیا تھا۔

دروازہ - بند

ایک روز میں مختصر بیٹھا رہا کہ کب ذہنی کے ٹیوٹر کا دروازہ کھلے۔

اس روز ایک مختصر قسم کی غلطیوں ذہنی سے ملے آئی تھی۔ اندازے معلوم ہو مرچہ آئی ہے۔ اس وقت وہ لڑل لگائے ایک پٹل سکے بیٹے میں مصروف تھا۔

غلطیوں منہ پر بیٹھ گئی۔ ذہنی کچھ بیٹے میں مصروف رہا۔

آپ آکر ذہنی ہیں غلطیوں کے پچھا

ہی، اس نے کچھ سے سرائے بغیر کہ

آپ کو کچھ سے دلچسپی ہے، گمراہی یا ڈھنگ سے۔ وہ بڑی بے نیازی۔

UrduPhoto.com

ریڑ کی گڑیا چوں چوں کرتی ہوئی پل پر چڑھ جاتی۔

آخر میں 'ہی ہی ہی ہی کی آواز آتی۔

پھر ایک معنی خیز خاموشی چھا جاتی۔

اور پھر 'چراں ٹھٹھ سے دروازہ بند ہو جاتا۔

پھر گھر کے سارے در و دیوار سرگوشیاں کرتے 'دروازہ بند ہو گیا' دروازہ بند ہو گیا

سرگوشیاں میرے کانوں کے ارد گرد منڈلاتیں 'میرا منہ چڑا دیتی' 'خسرو اڑا دیتی' 'دروازہ بند ہو گیا' مجھے غصہ آئے لنگ میرے نزدیک دروازہ بند ہو چلا آگوشی کاٹنے

کا نشان قتلہ میں بند دروازے والے کمرے کی طرف دیکھا اور محسوس کرتا ہوں وہ کمرہ

ہو جس سے پیپ رس رہی ہو۔ یہ جب کی بات تھی۔

اب بند کمرہ میری نگاہ میں پھوڑا نہ رہا تھا۔ اس میں سے پیپ میں رستی تھی

بلند ہو جھکے بند کمرے پر غصہ ضرور آتا تھا 'اس لیے نہیں کہ میرا احساس پاکیزگی

لب میں خود آگوشی سے اس قدرت پت ہو رہا تھا کہ کس منہ سے پاکیزگی کا تصور

اب بند کمرے کو دیکھ کر مجھے اس لیے غصہ آتا تھا کہ میرے علم کے منہ پر پانا

پڑا۔ میرا احساس ہر دلی چور چور ہو جاتا۔ مجھ میں نہ آتا کہ دروازہ کس اصول

ہوا ہے۔

ذہنی کی شخصیت اور جسم میں کوئی جاذبیت نہ تھی۔ اس کی باتوں میں کوئی

اس کا ہر ٹکڑے 'نیازی' ہے پر دہائی اور آکاسٹ سے بھرا ہوا قتلہ پھر دروازہ کیسے بند ہوا

معصوم فنکار

اس روز میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ذہنی سے بات کروں گا۔ اسی لیے میں دروازہ

بٹھا تھا۔

دروازہ کھل گیا۔

محترمہ باہر اٹھیں۔ میں نے غصہ بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ یوں دھوئی دھلائی

دیکھنے لگی جیسی کوئی بات ہی نہ ہو۔ جیسے وہ پار سے کو کا کولہ پانی کر آئی ہوں۔ اربے

ہو نہایت کی لاج کیا جاتی۔

اور اس داخل ہو گیا۔

یوں بھرا ہوا تھا جیسے ابھی ابھی اگر جی بھی ہو۔

کوا کتبی میں مصروف تھا 'بے نیاز' 'بے لاگ' 'بے لگاؤ۔

میں نے فیسے میں کہا۔

بھرا ہوا تھا۔

بھرا ہوا تھا۔

وہاں سے کمرے ہوا کو سونگھنے لگا تھا ہے۔

بھرا ہوا تھا۔

بھرا ہوا تھا۔

بھرا ہوا تھا۔

بھرا ہوا تھا۔

وہاں پہل عارفانہ سے کہنے لگا 'میں نے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔

بھرا ہوا تھا۔

بھرا ہوا تھا۔

بھرا ہوا تھا۔

اس کا کیا ہے۔

بھرا ہوا تھا۔

میری طرف دیکھا لیکن اس نے ترخو شہو لگائی ہوئی تھی۔

محترمہ نے لگائی ہوئی ہے 'ایک وہ خوشبو ہوتی ہے جو لگائی نہیں

لگائی ہوئی ہیں۔

وہاں ہیں کیا۔ مجھے نہیں تھا پتہ 'میں تو صرف ایک سے واقف ہوں' جو

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زہب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر معصومیت کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

جھوٹے، نیکینے، خالی، میں نے گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

ذہلی نے انگلی ہانپی شروع کر دی، نہ نہ نہ نہ، وہ بولا، پری بات۔
تم جی بات کیوں نہیں کرتے۔

نہ نہ نہ نہ، فکار لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، بڑے معصوم ہوتے ہیں۔
میں نے معصوم آدمی ہوں۔

دیکھ ذہلی میں نے بیٹرا بدلا، میں تیری فن حرکتوں کو برا نہیں مانتا، میں تو برا
ہوں۔ تجھ سے باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ جو تیرے پاس آتی ہیں۔

کون آتی ہیں۔

یہ لڑکیاں، محترماں، یہ کیوں آتی ہیں۔

پتہ نہیں، وہ بولا۔ میں نے ان سے کبھی پوچھا نہیں کہ کیوں آتی ہو۔ کو تو ہم
دول گا جہیں۔

یہ جھاکہ تم میں کوئی مفت ہے، جس کی وجہ سے عورتیں تمہاری طرف
آتیں۔

جگہ وہ بولا۔ عورتیں میری طرف کھینچی آتی ہیں، اس کے ہونٹ ڈھنگ کے
پنپنے لگی۔

میں نے ہر صفے میں گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

اس نے میرے غصے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ معصومیت سے کہنے لگا۔ دیکھی
ہی آرزو رہی ہے کہ عورتیں میری طرف کھینچی چلی آئیں، مگر کبھی کسی نے لٹ نہیں

میں حیرت سے کہرا اس کی طرف دیکھا، رہا پھر بولا، کیا تمہارے ساتھ کبھی نہیں
پہنچا۔

لگائی جاتی ہے۔ تم دوسری سے واقف ہو کیا؟ ذہلی زہب مسکرایا۔
میں نے غصے سے ذہلی کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر معصومیت کے ڈھیر لگے ہوتے تھے۔

جھوٹے، نیکینے، خالی، میں نے گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

ذہلی نے انگلی ہانپی شروع کر دی، نہ نہ نہ نہ، وہ بولا، پری بات۔
تم جی بات کیوں نہیں کرتے۔

نہ نہ نہ نہ، فکار لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، بڑے معصوم ہوتے ہیں۔
میں نے معصوم آدمی ہوں۔

دیکھ ذہلی میں نے بیٹرا بدلا، میں تیری فن حرکتوں کو برا نہیں مانتا، میں تو برا
ہوں۔ تجھ سے باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ جو تیرے پاس آتی ہیں۔

کون آتی ہیں۔

یہ لڑکیاں، محترماں، یہ کیوں آتی ہیں۔

پتہ نہیں، وہ بولا۔ میں نے ان سے کبھی پوچھا نہیں کہ کیوں آتی ہو۔ کو تو ہم
دول گا جہیں۔

یہ جھاکہ تم میں کوئی مفت ہے، جس کی وجہ سے عورتیں تمہاری طرف
آتیں۔

جگہ وہ بولا۔ عورتیں میری طرف کھینچی آتی ہیں، اس کے ہونٹ ڈھنگ کے
پنپنے لگی۔

میں نے ہر صفے میں گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

اس نے میرے غصے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ معصومیت سے کہنے لگا۔ دیکھی
ہی آرزو رہی ہے کہ عورتیں میری طرف کھینچی چلی آئیں، مگر کبھی کسی نے لٹ نہیں

میں حیرت سے کہرا اس کی طرف دیکھا، رہا پھر بولا، کیا تمہارے ساتھ کبھی نہیں
پہنچا۔

ذہلی نے انگلی ہانپی شروع کر دی، نہ نہ نہ نہ، وہ بولا، پری بات۔
تم جی بات کیوں نہیں کرتے۔

نہ نہ نہ نہ، فکار لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، بڑے معصوم ہوتے ہیں۔
میں نے معصوم آدمی ہوں۔

دیکھ ذہلی میں نے بیٹرا بدلا، میں تیری فن حرکتوں کو برا نہیں مانتا، میں تو برا
ہوں۔ تجھ سے باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

یہ جو تیرے پاس آتی ہیں۔

کون آتی ہیں۔

یہ لڑکیاں، محترماں، یہ کیوں آتی ہیں۔

پتہ نہیں، وہ بولا۔ میں نے ان سے کبھی پوچھا نہیں کہ کیوں آتی ہو۔ کو تو ہم
دول گا جہیں۔

یہ جھاکہ تم میں کوئی مفت ہے، جس کی وجہ سے عورتیں تمہاری طرف
آتیں۔

جگہ وہ بولا۔ عورتیں میری طرف کھینچی آتی ہیں، اس کے ہونٹ ڈھنگ کے
پنپنے لگی۔

میں نے ہر صفے میں گالیاں بکھی شروع کر دیں۔

اس نے میرے غصے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ معصومیت سے کہنے لگا۔ دیکھی
ہی آرزو رہی ہے کہ عورتیں میری طرف کھینچی چلی آئیں، مگر کبھی کسی نے لٹ نہیں

میں حیرت سے کہرا اس کی طرف دیکھا، رہا پھر بولا، کیا تمہارے ساتھ کبھی نہیں
پہنچا۔

میں حیرت سے کہرا اس کی طرف دیکھا، رہا پھر بولا، کیا تمہارے ساتھ کبھی نہیں
پہنچا۔

پھر بڑی محنت سے اس نے حلیت اللہ کا نام گنہ گار قبول کر رکھا۔

تخصیص ہے شروع ہونے کے بعد، اگر قبولی نے ذکر شل کام شروع کر دیا،
انہی دنوں قبولی نے لکھنؤ شہر میں ہمارے بت بنانے شروع کر دیے۔

پیش گو

جب زمانے عبارت عطا تو میں نے سخت احتجاج کیا۔ میں نے کہا مذہبی

شر ہے۔ لیکن انکار میں مبتلا اس سے متاثر ہوتا ہے۔

اچھا دیکھا، اگر خدا ہو گیا ہے۔

تجھے نظر آئی، آئی میں نے پوچھا۔

میں تو بھلا۔

کیا نظر آئے، تجھے میں نے پوچھا۔

کتنے کھانڈے، کھانڈے میں نے وہی بنا دیا ہے۔

آج اس کو ان کا پیش مل ہو چکے ہیں۔ جوں جوں لاوسل گزرتے جاتے ہیں

ہو ہو قبولی کے لئے ہر بات سے میں متعلق ہو جا رہا ہے۔ دیکھا ہوں، جوں جوں

یاد اللہ یہ شخص نے زلف کے علاوہ پیش کو بھی ہے کیا۔

غم خور۔ دیک

قبولی نے لکھنؤ عبارت عطا تو میں سچے بھروسہ کو اس کے پیچھے پڑ گیا۔

اگرے یہ انکار آئے۔

کیا بنا دیا، کھانڈے ہوئے۔

یوں بنا دیا، کھانڈے ہوئے، کھانڈے ہوئے۔

اچھا، وہ بھروسہ کیا ہے، کھانڈے ہوئے۔

میں باقی ہیں، کھانڈے ہوئے۔

میں کھانڈے ہوئے، کھانڈے ہوئے۔

میں کھانڈے ہوئے، کھانڈے ہوئے۔

میں کھانڈے ہوئے، کھانڈے ہوئے۔

پھر بڑی محنت سے اس نے حلیت اللہ کا نام گنہ گار قبول کر رکھا۔

تخصیص ہے شروع ہونے کے بعد، اگر قبولی نے ذکر شل کام شروع کر دیا،

انہی دنوں قبولی نے لکھنؤ شہر میں ہمارے بت بنانے شروع کر دیے۔

پیش گو

جب زمانے عبارت عطا تو میں نے سخت احتجاج کیا۔ میں نے کہا مذہبی

شر ہے۔ لیکن انکار میں مبتلا اس سے متاثر ہوتا ہے۔

اچھا دیکھا، اگر خدا ہو گیا ہے۔

تجھے نظر آئی، آئی میں نے پوچھا۔

میں تو بھلا۔

کیا نظر آئے، تجھے میں نے پوچھا۔

کتنے کھانڈے، کھانڈے میں نے وہی بنا دیا ہے۔

آج اس کو ان کا پیش مل ہو چکے ہیں۔ جوں جوں لاوسل گزرتے جاتے ہیں

ہو ہو قبولی کے لئے ہر بات سے میں متعلق ہو جا رہا ہے۔ دیکھا ہوں، جوں جوں

یاد اللہ یہ شخص نے زلف کے علاوہ پیش کو بھی ہے کیا۔

غم خور۔ دیک

قبولی نے لکھنؤ عبارت عطا تو میں سچے بھروسہ کو اس کے پیچھے پڑ گیا۔

اگرے یہ انکار آئے۔

کیا بنا دیا، کھانڈے ہوئے۔

یوں بنا دیا، کھانڈے ہوئے، کھانڈے ہوئے۔

اچھا، وہ بھروسہ کیا ہے، کھانڈے ہوئے۔

میں باقی ہیں، کھانڈے ہوئے۔

میں کھانڈے ہوئے، کھانڈے ہوئے۔

میں کھانڈے ہوئے، کھانڈے ہوئے۔

میں کھانڈے ہوئے، کھانڈے ہوئے۔

میں کھانڈے ہوئے، کھانڈے ہوئے۔

نیم چھتی کا رابنس کروڑو

ابن دؤن اشفاق احمد مزنگ روڈ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔

ابن کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ابن اشفاق احمد گھر میں پتا نہیں تھا تھا۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جانور تھا۔

ابن اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقین کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔ اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ کی شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑاوی ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لینا شروع کر کے لے گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیگم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن دؤن اشفاق احمد مزنگ روڈ کے ایک وسیع و عریض مکان میں رہتا تھا۔ ابن کا تہ بہت بڑا تھا۔ والدین، ساتھ آٹھ بھائی بہن، چند ایک بھائی اچھے اور بدھے۔ والد صاحب وینزوی ڈاکٹر تھے، وہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ ابن اشفاق احمد گھر میں پتا نہیں تھا تھا۔ سردار طبیعت کے مالک ہونے کی وجہ سے گھر میں جانور تھا۔

ابن اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقین کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔ اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ کی شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑاوی ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لینا شروع کر کے لے گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیگم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقین کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔ اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ کی شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑاوی ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لینا شروع کر کے لے گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیگم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقین کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔ اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ کی شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑاوی ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لینا شروع کر کے لے گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیگم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

ابن اشفاق احمد کے بھائی تمام کے تمام ملاحقین کے مالک تھے، شیلینڈ تھے۔ اشفاق احمد کی والدہ اگرچہ رسمی طور پر تعلیم یافتہ نہ تھی، لیکن بڑی سوجھ بوجھ کی شخصیت کے لحاظ سے وہ بھی سردار طبیعت کی مالک تھی۔ سارے کنبے کو کڑاوی ملاحت رکھتی تھی۔ لیکن چارہ خانہ کی وجہ سے، وہ حکمت عملی سے کام لینا شروع کر کے لے گھر میں بڑے خان کا حکم چٹا خاور بڑی نیگم کی حکمت عملی چلتی تھی۔

UrduPhoto.com

لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم نے بھڑا کر لایا۔ پھر میں پرگڑ کی گرم پت چڑھائی۔
 کہیں کہیں لگاڑے کر کے انہیں پائے عا ستو بنوائے۔ لہا نے چپیاں بنائیں۔ ہم سب
 (اور ان کے ساتھ) روئے۔
 کہیں کہیں لگاڑے کر کے انہیں پائے عا ستو بنوائے۔ لہا نے چپیاں بنائیں۔ ہم سب
 (اور ان کے ساتھ) روئے۔

لوگوں۔
 کہیں۔
 بس شیاں ہی میں کیا۔
 ترانہ کو، کہ میں، بکھڑا۔

چمک کرتی ہوئی سامنے آئی تو پہنچے نہیں کیا ہوا مجھے 'میری آنکھوں سے آنسو پڑنے لگا'۔ میں نے کہا 'جب سے وہ گئی ہے۔ اور میرا پیچھا کرنا چاہا کہ چنچ کر رو دوں۔' لیکن میں نے پورا ضبط کیا۔

کیوں؟ میں نے پوچھا۔

اسی اب گھر پر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جب بھی میں برساتی پر چڑھ کر گاڑی، وہاں کھڑے ہو کر تائیں بٹاتا ہوں، قہقہے لگاتا ہوں، چلا چلا کر گھر والوں کو بلاتا ہوں۔

موسیقی کی چال چل رہی ہے آؤ دیکھ لو۔

ہوں۔۔۔۔۔ میں نے کہہ بھری۔

میں خوف زدہ ہو گیا؟ شتو نے کہا 'اگر لہجے دیکھ لیا تو وہ کیا کہے گی' اس نے

کر رونا رہا۔

پھر 'میں نے پوچھا۔

پھر اشتیاق بولا 'میں رونا رہا، رونا رہا، رونا رہا۔ دیوار سے لگ کر رونا رہا۔' شیشوں پر چھوڑنے لگے تھے، وہ گھر واپس آگئے۔ گاڑی پہنچے نہیں کتے شیشوں پر، دیوار سے لگ کر رونا رہا۔

دیوار سے لگ کر رونا رہا۔

لور تجھے پتہ چل گیا کہ تجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، میں نے پوچھا۔

نہیں، مجھے بالکل پتہ نہیں چلا۔ میں تو حیران تھا کہ میں رو کیوں رہا ہوں، مجھے

پھر کرنل کے جانے کے بعد مہینوں اور بلاتھ جب بھی وہ وقت آتا تو میں کیوں

پچکے سے چڑی چڑی کرکٹوں پر چلا جاتا اور جب گاڑی سامنے آتی تو میرے آواز

مہینوں میں برسیں گاڑی کو دیکھ کر رونا رہا۔

پھر تجھے پتہ کیسے چلا؟ میں نے پوچھا۔

مجھے میرے دوست نے بتایا 'شتو نے کہہ بھر کر کہا اس کا بیٹا وحید تھا اس نے

گاڑی کے وقت کھیل کود چھوڑ کر کھٹے پر چڑھ جاتا تو اس نے میرا پیچھا کیا

ہوئے پکڑ لیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا تو رونا نہیں ہے۔

میں نے کہا 'پتہ نہیں۔'

سب سے رونا ہے تو اس نے پوچھا۔

میں نے کہا 'جب سے وہ گئی ہے۔

اور اب وہی چلا کہ چنچ کر رو دوں۔' لیکن میں نے پورا ضبط کیا ہے۔

کیوں؟ میں نے پوچھا۔

اسی اب گھر پر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جب بھی میں برساتی پر چڑھ کر گاڑی، وہاں کھڑے ہو کر تائیں بٹاتا ہوں، قہقہے لگاتا ہوں، چلا چلا کر گھر والوں کو بلاتا ہوں۔

موسیقی کی چال چل رہی ہے آؤ دیکھ لو۔

ہوں۔۔۔۔۔ میں نے کہہ بھری۔

میں خوف زدہ ہو گیا؟ شتو نے کہا 'اگر لہجے دیکھ لیا تو وہ کیا کہے گی' اس نے

کر رونا رہا۔

پھر 'میں نے پوچھا۔

پھر اشتیاق بولا 'میں رونا رہا، رونا رہا، رونا رہا۔ دیوار سے لگ کر رونا رہا۔' شیشوں پر چھوڑنے لگے تھے، وہ گھر واپس آگئے۔ گاڑی پہنچے نہیں کتے شیشوں پر، دیوار سے لگ کر رونا رہا۔

دیوار سے لگ کر رونا رہا۔

لور تجھے پتہ چل گیا کہ تجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، میں نے پوچھا۔

نہیں، مجھے بالکل پتہ نہیں چلا۔ میں تو حیران تھا کہ میں رو کیوں رہا ہوں، مجھے

پھر کرنل کے جانے کے بعد مہینوں اور بلاتھ جب بھی وہ وقت آتا تو میں کیوں

پچکے سے چڑی چڑی کرکٹوں پر چلا جاتا اور جب گاڑی سامنے آتی تو میرے آواز

مہینوں میں برسیں گاڑی کو دیکھ کر رونا رہا۔

پھر تجھے پتہ کیسے چلا؟ میں نے پوچھا۔

مجھے میرے دوست نے بتایا 'شتو نے کہہ بھر کر کہا اس کا بیٹا وحید تھا اس نے

گاڑی کے وقت کھیل کود چھوڑ کر کھٹے پر چڑھ جاتا تو اس نے میرا پیچھا کیا

ہوئے پکڑ لیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا تو رونا نہیں ہے۔

میں نے کہا 'پتہ نہیں۔'

سب سے رونا ہے تو اس نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

اور وہ ————— اس کا کیا حال ہوا۔

کس کا شتو نے چمک کر پھیل۔

کزن کا۔

پتہ نہیں وہ بولا۔

اسے پتہ چلا گیا۔

کس بات کا۔

کہ تم گاڑی کو دیکھ کر رو رہے۔

پتہ نہیں وہ بولا پتہ چل بھی جاتا تو وہ قہر مار کر منس دیتی۔

ہوں اب وہ کہیں ہے میں نے پوچھا۔

نہیں ہے شتو نے جواب دیا۔ پانچ بجے ہیں۔ تین بجے تو کھولی بھر رہی۔

انگور

تمہاری اور کوئی کزن نہیں ہے کیا۔

ہیں بہت سی ہیں۔

تو جان ہیں۔

ہاں تو جان بھی۔

تمہارے گھر آتی ہیں کیا۔

آتی ہیں۔

تمہاری طرف توجہ دیتی ہیں کیا۔

ہاں اتنی توجہ کہ میرا ہی گھبرانے لگتا ہے۔

کیوں گھبرانے لگتا ہے میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں کہیں۔ اس توجہ سے مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ ایسے لگا

بولا۔ جیسے وہ یا خود کو پیش کرتی ہیں۔ کبھی ہیں۔ میں پکا ہوا

لو۔ اور یا پھر جیسے مجھے پکا ہوا انگور سمجھ کر اپنا ہاتھ بڑھاتی ہیں۔

اور وہ ————— اس کا کیا حال ہوا۔

کس کا شتو نے چمک کر پھیل۔

کزن کا۔

پتہ نہیں وہ بولا۔

اسے پتہ چلا گیا۔

کس بات کا۔

کہ تم گاڑی کو دیکھ کر رو رہے۔

پتہ نہیں وہ بولا پتہ چل بھی جاتا تو وہ قہر مار کر منس دیتی۔

ہوں اب وہ کہیں ہے میں نے پوچھا۔

نہیں ہے شتو نے جواب دیا۔ پانچ بجے ہیں۔ تین بجے تو کھولی بھر رہی۔

انگور

تمہاری اور کوئی کزن نہیں ہے کیا۔

ہیں بہت سی ہیں۔

تو جان ہیں۔

ہاں تو جان بھی۔

تمہارے گھر آتی ہیں کیا۔

آتی ہیں۔

تمہاری طرف توجہ دیتی ہیں کیا۔

ہاں اتنی توجہ کہ میرا ہی گھبرانے لگتا ہے۔

کیوں گھبرانے لگتا ہے میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں کہیں۔ اس توجہ سے مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ ایسے لگا

بولا۔ جیسے وہ یا خود کو پیش کرتی ہیں۔ کبھی ہیں۔ میں پکا ہوا

لو۔ اور یا پھر جیسے مجھے پکا ہوا انگور سمجھ کر اپنا ہاتھ بڑھاتی ہیں۔

دیکھے۔

اس وقت وہ جسم کی جنت بنا کر بیٹھا ہوا ہے مگر کسی وقت روح ہلک جائے گا اور
فلت ہو جائے گی۔ تلاوت کا احساس جائے گا اور یہ جنت جہنم میں بدل جائے گا۔

نے خواب دیکھا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک فلیک شیٹیں لائو اور آگیا، نہیں نہیں یہ ممکن نہیں۔

پھر میرے دودھ دلی کے ملاتی صاحب آکرے ہوتے جو، کے اے اے

نے خواب دیکھا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک فلیک شیٹیں لائو اور آگیا، نہیں نہیں یہ ممکن نہیں۔

پھر میرے دودھ دلی کے ملاتی صاحب آکرے ہوتے جو، کے اے اے

میں آگیا ہوں، وہ بولا۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔

بس آگیا، مانی نے قہقہہ لگایا، نوکری سے استغناء دے کر آگیا۔

لیکن کیوں کسی سے جھگڑا ہو گیا کیا۔

میں نے مجھ سے جھگڑا کرنے کی کسی ہمت ہی نہیں تھی وہیں۔

نوکیلا کنڈیشہ آف سروس مناسب نہ تھیں۔

نہیں نہیں، بڑی عمدہ کنڈیشہ تھیں۔ الاؤنسز تھے۔ مرلہات تھیں۔

پھر چھوڑ دیوں تو کری۔

بس چھوڑ دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ہر کام کر سکتا ہوں، بچنے کا کام نہیں کرنا۔

مجھے دکاندار سے نفرت ہے۔ جیسے میں پتہ مجھے اپنے گھوٹا لینا آگیا ہے۔

نفرت ہے کہ وہیں بھی لوگ دکاندار نوک ہیں۔ وہ دو اور دو چار گنتے ہیں۔ وہ ہر جگہ نوک

انہیں گنتے کی پٹاری ہے۔ جیسے مجھے اپنے رشتہ داروں سے نفرت ہے۔ ان کے لیے

دو دو چار ہے۔ پھر کچھ بھی نہیں شاہد ہے، پہنچ کر میں نے محسوس کیا جیسے میں انہیں

ہوں۔ وہاں بکڑے کی بل میں دو اور دو چار ہے۔ وہیں لوگ جذبات کو نہیں سمجھتے۔

گنتے، صرف دو اور دو چار گنتے ہیں۔ اس لیے میں نے استغناء دے دیا۔

تم نے اچھا نہیں کیا میں نے کیا۔

کیوں؟

پہلے کوئی دوسری نوکری تلاش کر لیتے پھر اسے چھوڑتے۔

لنگ لنگ

ہاتھ باندھ دیا، وہ بولا، تم بھی دو اور دو چار گنتے ہو۔ مجھے بس ایک انوس ہے کہ تم شاہد

آئے۔

UrduPhoto.com

یوں؟ میں نے پوچھا۔

جس محلے میں میں نے مکان لیا تھا۔ وہاں بہت جوان لڑکیاں تھیں۔ بہت ساری

UrduPhoto.com

میں آگیا ہوں، وہ بولا۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔

بس آگیا، مانی نے قہقہہ لگایا، نوکری سے استغناء دے کر آگیا۔

لیکن کیوں کسی سے جھگڑا ہو گیا کیا۔

میں نے مجھ سے جھگڑا کرنے کی کسی ہمت ہی نہیں تھی وہیں۔

نوکیلا کنڈیشہ آف سروس مناسب نہ تھیں۔

نہیں نہیں، بڑی عمدہ کنڈیشہ تھیں۔ الاؤنسز تھے۔ مرلہات تھیں۔

پھر چھوڑ دیوں تو کری۔

بس چھوڑ دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ہر کام کر سکتا ہوں، بچنے کا کام نہیں کرنا۔

مجھے دکاندار سے نفرت ہے۔ جیسے میں پتہ مجھے اپنے گھوٹا لینا آگیا ہے۔

نفرت ہے کہ وہیں بھی لوگ دکاندار نوک ہیں۔ وہ دو اور دو چار گنتے ہیں۔ وہ ہر جگہ نوک

انہیں گنتے کی پٹاری ہے۔ جیسے مجھے اپنے رشتہ داروں سے نفرت ہے۔ ان کے لیے

دو دو چار ہے۔ پھر کچھ بھی نہیں شاہد ہے، پہنچ کر میں نے محسوس کیا جیسے میں انہیں

ہوں۔ وہاں بکڑے کی بل میں دو اور دو چار ہے۔ وہیں لوگ جذبات کو نہیں سمجھتے۔

گنتے، صرف دو اور دو چار گنتے ہیں۔ اس لیے میں نے استغناء دے دیا۔

تم نے اچھا نہیں کیا میں نے کیا۔

کیوں؟

پہلے کوئی دوسری نوکری تلاش کر لیتے پھر اسے چھوڑتے۔

لنگ لنگ

ہاتھ باندھ دیا، وہ بولا، تم بھی دو اور دو چار گنتے ہو۔ مجھے بس ایک انوس ہے کہ تم شاہد

آئے۔

یوں؟ میں نے پوچھا۔

جس محلے میں میں نے مکان لیا تھا۔ وہاں بہت جوان لڑکیاں تھیں۔ بہت ساری

UrduPhoto.com

لاحول ولا قوۃ

بس میں اسے بیوی نہیں مانتا، کبھی نہیں ملے۔ صرف تم اس بات پر یقین رکھو کہ میں تم سے کبھی نہیں بچتا، رشتے دار نہیں بچتے، کوئی نہیں بچتا۔ تم بات تو کرو۔

میں اور بیلہ ایک ہی گھر میں رہتی ہیں۔ وہ میری کزن ہے۔ اس کے والد نے اسے ہمارے گھر بھجوا دیا تھا۔ والدہ کو اس سے بڑا پیار تھا۔ اس نے کہا کہ اسے بچھڑے، لڑتے بھڑکتے۔

والدہ نے اسے لے کر پیار دیا کہ بیلہ کے لیے میری ماں ایک بہن تھی۔ میری ماں اس قدر اثر انداز ہوئی کہ جب بیلہ جوان ہوئی تو ہو ہو میری ماں کی کاپی۔ اس کی طرح اٹھتی۔ اس کی طرح بیٹھتی، اس کی طرح چلتی، اس کی طرح

پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں بھی گھر جاتا ہوں، بیلہ سے بے تکلفی کا برتاؤ کرتا ہوں، ہم ایک ہی گھر میں رہتے ہیں، چڑی کھیتے ہیں، گانے سنتے ہیں، ستارے دیکھتے ہیں، لیکن رات کو میں بیچڑوں کی طرح منہ موز کر سوجاتا ہوں۔

پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں بھی گھر جاتا ہوں، بیلہ سے بے تکلفی کا برتاؤ کرتا ہوں، ہم ایک ہی گھر میں رہتے ہیں، چڑی کھیتے ہیں، گانے سنتے ہیں، ستارے دیکھتے ہیں، لیکن رات کو میں بیچڑوں کی طرح منہ موز کر سوجاتا ہوں۔

پوچھا۔

میں نے کہا کہ میں بھی گھر جاتا ہوں، بیلہ سے بے تکلفی کا برتاؤ کرتا ہوں، ہم ایک ہی گھر میں رہتے ہیں، چڑی کھیتے ہیں، گانے سنتے ہیں، ستارے دیکھتے ہیں، لیکن رات کو میں بیچڑوں کی طرح منہ موز کر سوجاتا ہوں۔

پوچھا۔

اس کی ایک ایک حرکت بولتی ہے۔ وہ تم سے اس قدر متاثر ہے کہ اس
 نکس لگا رکھا ہے۔ دوسرے میری چھوٹی ہنس ہے۔ وہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔
 ہے 'بڑی منگو ہے' وہ بھی تم سے متاثر ہے۔
 اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

پھر میری ماں ہے، وہ دو دلی ہے۔
 دو دلی کیا مطلب؟ میں نے پوچھا۔

ملفوظ خاتون

وہ بظاہر رسی ہے، لیکن اس کے اندر ایک باورن لڑکی چھپی ہوئی ہے۔
 رسالے پڑھتی ہے، روایں پڑھتی ہے۔ اکیلے میں قہقہے مگنا کرتی ہے۔
 رہنے کی وجہ سے اس نے اپنا وہ حصہ دبا دیا ہے۔ اندر کا حصہ جو نکلتا ہے۔
 پردہ تمہاری باتوں میں دلچسپی لیتی ہے۔

حیرت ہے، میں نے کہا۔
 ہاں وہ بولا، حیرت ہے۔
 پھر بات کیا بنی، میں نے پوچھا۔

کہنے لگا، دیکھو تاہم دونوں دیکھائی انگڑے ہیں۔ یہ انگڑے کہلاتے ہیں کہ
 برف ہے یہ انگڑے لازماً ہمیں ماں نے دیئے ہیں۔ اس میں جو ڈھکی چھپی ہے
 اکیلے کردہ بات بن جائے گی۔ نہ بنی تو کوئی بات نہیں۔ اپنا کیا جاتا ہے۔ ا
 دیکھیں۔

انہی دونوں اتفاق سے ملنے کی والدہ لاہور آ گئیں۔

بغیر اطلاع کے میں نے ان کے ہاں چلا گیا۔ دروازہ بجایا، میں ملنے کی ماں
 بڑے تہذیب کے بعد وہ مان گئیں۔ پھر کہہ کے بیٹھ گئیں۔

میں نے پچھنے ہی پوچھا کہ 'میں نے کہا تو اپنے بیٹے ملنے کی با'۔
 جیلہ بھی تو تھری بیٹی ہے، تو نے اسے بڑے پیار سے پالا ہے، اسے بچا ہے، وہ ا
 کی وجہ سے خائف تھا۔

چرخِ حسنِ حشر

مولانا چرخِ حسنِ حشر عالمِ آدمی قلبِ اس کا مطالعہ وسیع قلبِ دہلیا کا
تہن اس کی لہریں میں رہتے ہوئے تھے۔ رکھ رکھاؤ کا شیدائی تھا۔ نہ کہ
کرنے کا سلیقہ چاہتا تھا۔ وہ انسانیت کا دارلارہ تھا اور پرانے نوابوں کی طرح ادا
شدہ راگ سننے کا شوقین تھا۔

مولانا نے بیسے قتل سے احمد نیر کی بات سنی، 'بول' صاحب تمام جگہیں پر
روڈ پہلے آتے تو شاید کچھ ہو سکتا مولانا کا انداز اس قدر سنجیدہ اور فیصلہ کن تھا
میں اس وقت چڑا اسی چائے لے آیا۔ اگر چڑا اسی کچھ دیر کے بعد آتا تو مٹی اور
اور مست رہتا، وہ صحافی نہ بنتا۔ احمد نیر نہ بنتا۔

چائے پینے کا مولانا نے اتفاقاً کہا۔
مٹی بیٹھ گیا اور وہ دونوں چائے پینے لگے۔
کھر کی کریں گے آپ، مولانا نے کچھ کہنے کی غرض سے کہا۔

میں، مٹی نے جواب دیا۔
کھینے پڑنے سے دلچسپی ہوگی۔
کچھ ایسی بھی نہیں۔
ترجمہ کر سکتے ہیں آپ۔

ہاں۔
کبھی کیا۔
جروم کے جروم کی کتاب "دوے ایڈ آئی" کا کیا تھا، مسودہ بھیجی رہ گیا۔
کیسا تھا۔

خاصا لکھنا تھا۔
مولانا چونکے۔ آجکل کیا کر رہے ہیں۔
کچھ بھی نہیں۔

کپڑے اس کی بیوی دھوا دیتی ہے۔ سگریٹ اور دھوا
بیس کا انتظار نہیں کر سکتا، لہذا پیدل چتا ہوں کوئی خاص
پھیلین اور پھر سٹ گئیں۔ دیر تک وہ سگریٹ کے لیے
کھڑے رہے۔

مولانا نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔

مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔
مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔

مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔
مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔

مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔
مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔

مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔
مٹی نے کہا کہ لاپائے تو کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی۔
مٹی نے جواب دیا۔

مولانا نے فریڈ کا ذکر چھیڑا۔
احمد بشیر نے بیوی لاک کی کیس ہسٹیاں سنائیں۔

مولانا نے کلم سوتا کی بات کی۔

احمد بشیر نے آسن گنوا کے۔

مولانا نے ملایا کی ریتوں کے پڑتائے۔

احمد بشیر نے دیو دایوں کی حواگی کی بات بتائی۔

دلفن مولانا ترکب میں بولے 'بات وہ جو بروقت ہو' بر مقام ہو۔

طرف چل پڑے۔ اور احمد بشیر صفائی بن گیا۔

ملی کے صفائی بنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آدمی رات کو کمر آئے۔

والے اور بھی چڑھے اور مجھے یہ فکر دامن گیر ہو گیا کہ کیس گمراہ۔

رنگ میں گمراہ ہے۔

گھر آکر وہ قصہ چھیڑ لیتا آج یہ بولیں ہوا 'ایسے ہول اس کی باتیں ہیں۔

کہ ہم دونوں رات کے دو تین بجے تک بیٹھے رہے۔ مجھے یہ بھی ڈر لگا رہا۔

باتیں نہ سن لیں۔

دو تماشا بین

مولانا حسرت اور احمد بشیر کا حلق اپنی نوعیت میں انوکھا حلق تھا۔

اور کشش کے دونوں جذبے کا فرما تھے۔ لغزت ملی کی ناچنگلی کیڑی اور اور۔

کو ہائیند تھی۔ کشش اس کی بے بیجا جرأت پر جو مولانا کو نصیب نہ تھی۔

دفتر میں مولانا سو فی صد ایٹھ غرہوتے اور ملی ایک خام صفائی۔ مولانا کی فار۔

کٹ ہوئی۔ وہ ملی سے کہتے، مولانا یہ کیا لکھا ہے آپ نے۔

ترکب لکھا تو ملی ہے۔

معلوم ہوا ہے، آپ صحافت کو کتنے ذرا بے پختہ بننے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

خوں کو نام ختم ہوتا مولانا کے لیے کی جتنی کم ہوتی جاتی۔ آخر وہ۔

مولانا فوت ہوا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

اور اس شخص کا طبع دیکھو، مرتنگا ہے، پاؤں میں جوتا نہیں ہے اور اس نے کما سنتری جی آپ کو ظم ہونا چاہیے کہ یہ صاحب بڑا دلدار ہے میں کام کرتے ہیں۔

یہ سن کر سپاہیوں کا رنگ اڑ گیا اور وہ سلام کر کے بھاگے۔

انہرے پیرے قہر لگایا، چلا کر یولا، لومیاں سپاہی آؤنا، جنھو جنھو سپاہیوں میں نے کہا، تم نے انہیں بتایا کیوں نہ تھا کہ تم انھار میں کام کرتے ہو مسکرایا یولا، میں نے کہا زارا اٹھا رہے گا۔

لیکن تمہارے پاؤں کیوں نیچے ہیں، میں نے پوچھا۔

کتنے لگا، رٹی کے چوہارے پر پوت اٹارے تھے، کوئی اٹھا کر آئے۔

پولیس شادی

پولیس اسٹیشن پر ایک آدمی کو پانی کی عالتیں پھیندتے تھے۔ اس پھیندے گی کا اٹھارہ بات بات پر اسے پھینک دیتا تھا کہ وہ پھیندے ہوئے، لیکن اس نے یہ بات مجھے بھی نہ بتائی تھی۔ اسی طرح رہتا تھا۔

پولیس اسٹیشن پر ایک آدمی کو پانی کی عالتیں پھیندتے تھے۔ کرسن گھر کی اس گلی میں، جہاں پولیس اسٹیشن کی دیوار تھی۔

پولیس اسٹیشن کی قہم لوجوان لوکیں کڑکیں میں آکھڑی ہوئیں۔ جب وہ گلی میں آئے، تو ان کی ایک ہانگونیوں سے اس پر سنگریاں پھینکی جاتیں۔ دلی دلی ہنسی کی آوازیں اٹھیں، انہوں نے آوازے کے چلتے، بچ مولوں۔

پولیس اسٹیشن پر ایک آدمی کو پانی کی عالتیں پھیندتے تھے، اس قدر خوبصورت تھا، اس قدر خوبصورت کہ سارا نہیں جاتا تھا۔ ہائی کو اس نے دیکھا، چاہتا تھا، لیکن وہ خود دیکھتا نہیں تھا۔ ایک لڑکی نما خاتون، سارہ، اس قدر متاثر ہوئی کہ سچے سچے کپڑے پہن کر ہمارے گھر آگئی۔ کتنے گلی، آپ اس کی ضرورت ہے کیا۔ اس نے اپنی بے چارگی کی ایسی کہانی سنائی کہ گھروالوں کو ترس آ گیا۔ وہ رو رہا تھا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں سر ہلا دیا۔

— کہوں۔

میرا صاحب راجم گھر میں رہتے تھے۔ وہاں انہیں ایک مکان لاث ہو چکا تھا۔

— صاحب سے جاننا۔

مراڈوں میں بڑا فرق تھا۔ میں غریب تھا وہ متمتع مزاج تھے۔ میں بات اگل دیا

— کہتے تھے۔

میں نے قید کے کہا، آپ ہمیشہ کی شادی کیوں نہیں کرتے۔

— کہتے تھے، لڑکھانے ہیں، وہ بولے۔

— کہتے تھے۔

— کہتے تھے، رشتہ بھی ملے۔

— کہتے تھے۔

— کہتے تھے، رشتہ پند بھی ہے یا نہیں، وہ بولے۔

— کہتے تھے، پند ہو، بلکہ اس کا اپنا چٹو ہو تو۔

— کہتے تھے، اس سزا ہو سکتا ہے، وہ بولے، لیکن میں بوڑھا ہو گیا ہوں، اگر تم میرا ہانڈو نہ

— کہتے تھے، اصل بی بی تھی۔ میں نے کسی لپا کا ساتھ نہ دیا تھا۔ کسی بیٹے کا حق لوانہ کیا تھا۔

— کہتے تھے، لپا کا شکر تھا۔

— کہتے تھے، کہ میں بات چیت کروں، میں نے کہا۔

— کہتے تھے، وہ بولے۔

— کہتے تھے، وہ کر گھر آگیا۔

— کہتے تھے، ہمیشہ پھر آگئی اور میرے دوہرہ بیٹہ کر دوئے گی۔

— کہتے تھے، اب کیوں روئی ہو، اب تو بات ملے ہو گئی ہے۔

— کہتے تھے، انہوں نے مجھے بہت ڈانٹا ہے، جھڑکیں دی ہیں۔ کہتے ہیں، تو نے بھائی سے

سارہ نے گھر کا کام اتنے شوق، چستی اور سلیقے سے کیا کہ گھر والے اس کے گھر

وہ ساری تھی، مگر بڑی جالب نظر تھی۔ سارہ ہمارے ہاں تین مہینے بغیر جھگڑا کے کام آ

پھر گھر والوں کو شک پڑ گیا۔ پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے، لیکن ایسے نہ ہو

گن چھپانے سے نہیں چھپتی۔ گھر والوں نے محسوس کیا کہ سارہ کچھ زیادہ ہی گھر

ہے، سلیقے سے کام کرتی ہے۔ سارہ سب سے کمال مل گئی تھی۔ لیکن بانی کی طرف سے

ہوئی تھی۔

یوں گھر والوں کے لیے بانی ناقابل برداشت ہو آگیا اور میری پوزیشن بہت ہی برا

گئی۔ بانی میرا واحد سارا تھا۔ اس نے ہر بات میں میرا ساتھ دیا تھا۔ اگرچہ میں بڑا بے

ساتھ چڑچڑ کرتا رہتا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں میں اس کا بے حد شکر گزار تھا۔

پھر وہ واقعہ رونما ہوا جس کی وجہ سے ہمارا اکٹھے رہنا ناممکن ہو گیا۔

ایک روز میری سوتیلی ہمیشہ میرے پاس آئی۔ وہ تعلیم یافتہ تھی، سکول میں پڑھا

بڑی ہنسی لڑکی تھی۔ بڑی سوڈی، اس میں قیام نہیں تھا، بات بات پر اوتھتی بدلتی رہتی تھی

بڑی شہنی طور تھی۔

ہمیشہ

وہ میرے سامنے بیٹھ گئی اور ٹپ ٹپ دوئے گی۔ اس بات پر میں گھبرا گیا۔ میں نے

بات کیا ہے، دو کیوں دی، اس نے میری بات کا جواب نہ دیا اور دو بار چاری رکھ دی۔

چپ چاپ آنسو بہاتی رہی۔ آخر میں کسے گئی۔

اب میری بات، میں سمجھتا۔

کوئی بات، میں نے پوچھا۔

شادی کی بات، اس نے جواب دیا۔

تم شادی کرنا چاہتی ہو کیا۔

اس نے لپٹت میں سر ہلایا۔

کوئی چیز ٹھکر ہے کیا۔

بات کیوں کی۔ خوار ہو کر پھر اسی سے بات کی تو۔

اس پر مجھے غصہ آئیل۔ میں نے کہا تو فکر نہ کر، ہم کوئی تاریخ مقرر کر لیں۔ تمہارا نکاح ہو جائے گا پھر وہ انگل مناسب موقع پر ہو جائے گی، لیکن اس بات کو رو رو کر سے کہنا نہیں۔

گھیراؤ

ہم نے ایک تاریخ مقرر کر لی۔ بشیر نے چند ایک صباؤں کو مدعو کر لیا۔

مقررہ تاریخ کو حسب توفیق ہم نے انکسالت کر لیے۔ مہمان خواتین آگئیں۔

اودا ہونے والی ہی تھی کہ باہر گھر میں ہنگامہ ہو گیا۔ مجھے یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ وہ گھیراؤ کیا گیا ہے۔ باہر کسی نے پاؤں نہ لگا کر توڑی کو کچ رہا ہے۔ اس پر ہم نے آئیں 'باہر لنگو اور گھر کے دروازے بند ہو گئے۔ پھر مجھے سمجھ میں آیا کہ یہ ہنگامہ 'شیر' کے روکنے کے لیے تھا۔

لولی لان میں کھینچ لی گئی۔ لہی مقرر کرنا پڑے گی۔ میری بیوی سخت گھبرا گئی۔ ہم خواتین کو بچھلے دروازے سے نکال دیا۔ ہائی میرے پاس آیا۔ وہ خوشی کے جذبے میں تھا۔ 'یار' اس نے کہا 'مجھے باہر جانے کی اجازت دے دے۔'

کیوں 'میں نے شے میں کہا 'باہر لنگو دھت رہے ہیں کیل۔ ہاں اس کی آنکھوں سے مسرت کی پھوار اڑ رہی تھی۔

میرا دل خوف سے بیٹھا جا رہا تھا۔

باہر جانے کا تو پتہ چلے گا ان کے ہاتھوں میں لٹھیاں ہیں 'میں نے کہا۔ پھر کیا ہوا 'وہ بولا۔

دیکھ 'یہ سارا غلام میری وجہ سے ہے۔ مجھے باہر جانا چاہیے 'میں نے کہا۔ تو باہر جا کر کیا کرے گا اس نے پوچھا۔

میں 'انہیں سمجھوں گا۔

باہر گاؤں ہے۔ کروڑوں نہشتہ ہے۔ نہ کہتا ہے۔ وہ تھکے ہوئے جا رہے ہیں۔

آپنی۔ انہیں دیکھ کر میرا دل ڈوب گیا میں سمجھا کہ وہ مجھے گرفتار کرنے کے لئے
دراصل ہمارے مہمانوں میں آئی جی پولیس کی یکم بھی تھی۔ جب وہ
شور مچا دیا کہ کرشن عمر میں قتل ہو گیا ہے، فوراً کچھ کیچے۔ آئی جی نے قاتل
فورا جانے وارادت پر پہنچے۔

پولیس نے آتے ہی ڈانٹ ڈھٹ کر کے لوگوں کو بھگا دیا۔ قاتل وار
گھیراؤ کر لیا۔ اور خود مجھے گھر کے اندر لے گیا اور تحقیق شروع کر دی۔
لڑکی کو حاضر کر ڈھونڈ لیا۔

ہشیرہ اندر آ گئی۔

آپ کا نام وہ بولا۔

ہشیرہ نے اپنا نام بتایا۔

آپ درگت دو کمن میں کیا۔

ہاں وہ بولی، میں سکول میں منچہ ہوں۔

آپ کی عمر۔

ہشیرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

مائی کہنے لگا قاتلے دار صاحب لڑکیوں سے عمر میں پوچھا کرتے خود اندازہ لگا لیا
ہے، استہنی ہے۔

تم کون ہو، اس نے مائی کو گھورا۔

جنتب میں جرنٹ ہوں، امروز میں کلم کرنا ہوں۔

قاتلے دار غصہ اڑ گیا۔

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا، آپ کیا کرتے ہیں۔

یہ رائیٹر ہیں، مائی نے جواب دیا۔

کیا نام ہے۔

ممتاز مفتی۔

قاتلے دار سوچ میں پڑ گیا، ممتاز مفتی، اس نے یہ اب دھرایا۔

ممتاز مفتی نے اپنی مات کیجئے ورنہ کس آپ کے خلاف جانے گا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ میں جانے کا پتہ آپ کو آفرکوں کا مائی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ میں اس مکان میں رہتے ہیں۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ آپ رائیٹر نہیں ہیں۔ ہمارے رجسٹر میں کسی ممتاز مفتی

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ میں نے لگا لیا بی تھایے کہ کیا نکاح آپ کی مرضی سے ہو رہا تھا یا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ لڑکی پانچ نہیں کر سکتا، وہ غصے میں ہوئی۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ کیا آپ اب اندر جائیں۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ نہ جھگڑا، نہ کہا، آپ اس لڑکی کے سوتیلے بھائی ہیں کیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ کی دشمنی حاصل کیے بغیر، آپ نے یہ قدم کیوں اٹھایا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ یہ دیکر خاموش رہا پھر کہنے لگا، معاف کیجئے گا۔ آپ بڑے

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ آکر لڑکی بیان دیتے وقت کہہ دیتی کہ اس کا نکاح زبردستی کیا جا رہا تھا، تو

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ میں نے جواب دیا کہ وہ مجھ پر جمونا الزام دھرے آپ کیسے رائیٹر ہیں

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ و فرار سے قلعی عداوت ہیں۔ اب خیال رکھئے، لڑکی کو والدین سے لئے نہ

ممتاز مفتی نے جواب دیا۔ اب یہ پولیس کا دستہ آپ کی حفاظت کے لیے آچکے گا۔ اور جب تک

کلج کی رسم ادا نہ ہو جائے گی۔ مکان کے ارد گرد زمینیں رہے جگ
چند روز بعد میرے ایک عزیز کا چاند ہو گیا اور وہ مکان چلے گئے۔ چلتے ہوئے وہ
مجھے دے گئے۔ ہم نے مکان میں منتقل ہو گئے اور ملٹی لولی لاج میں اکیلا رہ گیا۔
جب ہم نے مکان میں منتقل ہو رہے تھے تو ملٹی نے کہا سارہ کو بھی اپنے ساتھ لے
بریں یہ اکیلا کیسے رہے گی۔ سارہ بولی میں تو اپنے بچوں جیوں جا رہی ہوں۔ اس پر گرو دیا
گئیں۔ سارہ نے اپنی گھڑی اٹھائی اور باری باری سب سے مل کر دوڑا ہو گئی۔
چار ایک دن کے بعد ملٹی مجھ سے ملے۔ وہ سخت گھبرایا ہوا تھا، ہوائیں اڑی ہوئی تھیں
میں نے پوچھا، خیریت تو ہے۔
بالکل نہیں، وہ بولا، خیریت کی تو ایسی تھی ہو گئی۔
کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔
وہ کہ بھر کر بولا، یار ہم بڑے احمق ہیں۔
ہاں، مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔

سارہ

وہ جو سارہ تھی، ہم اسے کیا سمجھتے رہے اور وہ کیا فعلی، اپنی نے کہا۔
بڑی ٹھیکسی تھی، رینجیل تھی، چلاک تھی، میں نے کہا۔
وہ تو کرانی نہیں تھی، اپنی نے کہا۔
تو پھر کیا تھی، میں نے پوچھا۔
اس نے تو کرانی کا سواگ، بھرا ہوا قافہ، وہ عیال تھی، تعلیم یافتہ تھی۔ انگریزی بول
تھی۔ آواز بڑی اچھی تھی، سرلی، فنی، کھلے خوب کاتی تھی۔ جب اس نے تو کرانی کا سواگ
تو مجھ سے لہجے کی فنی فنی شکل آئی کہ میں ہکا بکا رہ گیا۔
چلو چلو، سو اس بات کو وہ تو گاؤں چلی گئی ہے، میں نے کہا۔
لو، میں وہ نہیں گئی۔ وہ میرے ساتھ ملٹی لاج میں رہتی ہے۔ ملٹی نے جواب دیا۔
نہیں، میں چلیا، وہ تو ہمارے سامنے ہمارا معاملہ کہہ کر دوڑا ہو گئی تھی۔

رنگیلی ساتھی

اس وقت ملنی اور میں گول باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بانی ۔۔۔

چند دن میاشتی کر لے۔

میں اس نے جواب دیا 'میاں نہیں' میں تو آگ نکلتی میں پڑا ہوں،
کہ اسے بازوؤں پر اٹھا کر کسی ڈسٹ بن میں پیٹیک آؤں۔ لیکن پھر سہا اور ا
رنگیلی ساتھی ہے تو رک جاتا ہوں۔ وہ خاموش ہو گیا۔

چند ساتیں خاموش رہا پھر بولا،

ممتازو! لا جواب کمپینین ہے۔ کیا ساتھی ہے۔ اتنی رنگ
شید رنگ، گاٹی ہے، بچتی ہے، لپیٹے سناٹی ہے، چکیں بجاتی ہے۔ اس نے
اکھاڑا ہوا رکھا ہے۔

ایک بچنے کے بعد ملنی پھر مجھ سے آگے۔

میں نے اس کی طرف دیکھا کیا ہوا میں نے پوچھا تو غصے ہو گیا۔
ہاں وہ بولا، سارہ چلی گئی ہے۔

کیسے گزریں نے پوچھا۔

پرسوں ایک بیٹپر سا آدمی آیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، کہنے لگا میں

یہی سارہ یہاں رہتی ہے۔

تم کون ہو میں نے پوچھا۔

بولتا میں اس کا مسینٹر ہوں۔

میں نے کہا پہلے یہاں رہتی تھی اب جا چکی ہے۔

اگلے روز ایک اور آدمی آگیا میں نے کہا تو کون ہے، کہنے لگا میں

ہوں۔

میں حیران رہ گیا۔ یہ کہتے مسینٹر ہیں۔ میں نے کہا

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں نے شدید سر درد کا بہانہ بنایا، اسے کہا کہ جا جا کر بازار سے چبن کھر
اس نے صدر دروازے پر تالہ لگا دیا۔ اور خود بخفی دروازے سے اندر آ

نہیں لکھنایا، میں چپ چاپ پڑا رہا۔

بھائی رسی، بھاتی رسی۔ رات کے بارہ بج گئے، لیکن میں نے دروازہ نہ

بھائی، میں منہ ڈال کر بآواز بلند کہلا اچھا بھائی بائی، تھیک یو فار آل ویز

کہا۔

اب لولی نہیں رہا۔ میں تو اس قدر آگیا کسی میں ہوا تھا۔

میں رہنے کی خاطر اس کا کھانا آڑ سکول میں پڑھتا تھا۔ فیاض کو کرینٹ ہاؤس میں رہنے کی
 سہولت مل گئی۔ اس پر مطالعہ کا جنون طاری تھا اور اس کے مطالعہ میں بڑی وسعت
 تھی۔ وہ اس کا اور کوئی شغل نہ تھا۔ اس کے ذرائع بہت محدود تھے، لیکن جو چیز اس
 کی دلچسپی کا باعث بنی اس کے ذرائع خرید لیتا تھا۔ اس کے کرنے میں فرش پر میٹا دیلی کتبوں
 کی مدد سے اس کی رہتی تھیں، انگریزی ادب، پینٹنگ، لٹریچر، فلم سازی، پاسپری

ادب بیٹی

فیاض کا بھائی شیا دونوں کرینٹ میں مقیم تھے۔ وہ بیلار کے ایک معروف خاندان
 فیاض نے مجھے بھی پڑھنے کی ترغیب نہ دی تھی۔ اٹھابیس کے ہاتھ میں
 تھا کہ اس کا چھوٹا آپ کتاب دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں تو کوئی تصویر
 نہیں ہے، لیکن چاہیں گے۔ یہ کہتے ہوئے اس کی بات میں بڑی ہمت ہوئی اور انداز

کی وجہ سے میں چوری چوری فیاض کی کتبوں کی دقت گردانی کرتا رہتا۔
 اس کا احساس مجھے فیاض نے دلایا۔

اب جبکہ بات مکمل ہو چکی ہے کہ علی پور کا ایل میڈری سوانح حیات ہے اور
 وہ مراجعہ لکھ رہا ہوں تو مناسب ہے کہ میں ادب کے متعلقہ کوائف کو تحریر
 میرے دل میں بھی آ کر نو پید نہ ہوئی تھی کہ ادب ہوں میرے دل میں
 نہیں ہوا تھا کہ میں اردو میں لکھنے کا شغل اپنوں گا۔
 ہوئی میں میں ایک باغی لڑکا تھا۔ میری توجہ کتاب کی جانب نہیں
 میں بیڑا سڑکا بیٹا تھا اس لیے اساتذہ پاس کر دیا کرتے تھے۔
 کالج میں شدید احساس کمتری کی وجہ سے میرے لیے جماعت میں بیٹا
 ۲۹-۱۹۸۸ء میں جب میں بی۔ اے میں تھا اور اسلامیہ کالج لاہور میں
 رہتا تھا تو اتفاق سے جو کہ مجھے ملا۔ وہ فیاض محمود کے کمرے سے ملتی تھا

میں اپنی بات دو رہی تھی کہ جریدے کے لیے کون کیا لکھے گا؟ وہ بولا ممتاز
 کے لیے کوئی مزاحیہ چیز لکھیں گے۔

علی پور کے ایل میڈری میں میں نے جان بوجھ کر ادب کا ذکر نہیں کیا تھا۔
 مکمل جائے قاری کو پتہ نہ چلے کہ یہ ناول میں بلکہ خود نوشت ہے۔

علی پور کا ایل میڈری میں میں نے اپنے غلط پوچھے چوک میں بیٹھ کر دوسرے
 اتنی جرات نہ تھی کہ اپنی حالتوں، غلطیوں، کیوں، کیوں کو اپناؤں۔

اب جبکہ بات مکمل ہو چکی ہے کہ علی پور کا ایل میڈری سوانح حیات ہے اور
 وہ مراجعہ لکھ رہا ہوں تو مناسب ہے کہ میں ادب کے متعلقہ کوائف کو تحریر
 میرے دل میں بھی آ کر نو پید نہ ہوئی تھی کہ ادب ہوں میرے دل میں
 نہیں ہوا تھا کہ میں اردو میں لکھنے کا شغل اپنوں گا۔

ہوئی میں میں ایک باغی لڑکا تھا۔ میری توجہ کتاب کی جانب نہیں
 میں بیڑا سڑکا بیٹا تھا اس لیے اساتذہ پاس کر دیا کرتے تھے۔

کالج میں شدید احساس کمتری کی وجہ سے میرے لیے جماعت میں بیٹا
 ۲۹-۱۹۸۸ء میں جب میں بی۔ اے میں تھا اور اسلامیہ کالج لاہور میں

رہتا تھا تو اتفاق سے جو کہ مجھے ملا۔ وہ فیاض محمود کے کمرے سے ملتی تھا

میں نے عرض کی 'عالی جاہ میں انگلیش ٹیچر ہوں۔ اپنی کلاسز کو انگریزی 'اساتذہ' ٹاؤنٹ ہوں۔ انگریزی پڑھتا ہوں، پنجابی بولتا ہوں۔
 بیڈ ماسٹر بولے 'سینئر سسٹر میں اپنی بات دہراتا ہوں۔ ممتاز صاحب آپ ا
 مضمون لکھیں گے۔

میں نے کہا 'جناب دلا میں اپنی بات دہراتا ہوں۔
 میرے یہ الفاظ دیکھ کر رگڑ ثابت ہوئے۔ جنی باہر نکل گیا۔ مجھ پر
 نے ایک نفسیاتی مضمون لکھ دیا۔ جو گھر کے موضوع پر تھا۔

ن م راشد

اس کے بعد چھٹیوں میں میں ملتان گیا۔ میرے والد ان دونوں وہاں پر
 انکریکیشن تھے۔

ہمارے پردس میں راشد رہتا تھا۔ ابھی وہ ن م راشد میں بنا تھا۔ ہم
 ہوسٹیلنگ کے مریض تھے۔ اس کا باپ بھی نکلہ تعلیم میں تھا۔ میرا اور اس
 پروفیشنل رقابت کے شکار تھے۔ جس قدر وہ ایک دوسرے سے اچھے تھے 'اتنی ہی
 قریب ہو جاتے تھے۔
 راشد کا ایک دوست ملتان سے ایک اردو جریو نکلتا تھا 'فخستان۔
 دفعتاً 'راشد کے دوست کو گاؤں چانا پڑا 'جاتے ہوئے وہ رسالے کی اشاعت
 راشد کو سوپ گیا۔ راشد کہنے لگا 'یار رسالے کے لیے مضامین کہیں 'کچھ بھائی
 کہنی پڑیں گی۔ تاکہ ضخمت پوری ہو جائے۔
 راشد کے خاندان کے لوگ اردو فارسی دان تھے۔ میں نے کہا 'کیا مشکل ہے۔ تو
 پیش ہیں۔
 نہیں یار 'وہ بولا 'تم از کم مضمون تو لکھ دو۔
 انہی دونوں ملکان میں ایک رقم چلا تھا 'پٹیلی دلس'۔ میں نے پٹیلی دلس کے
 مضمون لکھ دیے۔

مجھے واپس لی گیا اس پر جا بجا سرخ چٹل کی ٹیکرس اور موالیہ نشانات تھے،
طبع دوا چڑھ گئی۔

عاشق بناوٹی بھی کیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا ہوا قہقہہ ایک ڈرا ڈرا سا، سا
لڑکا جس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ سامنے کڑا ہو کر بات کر سکے، اس میں آگ
کتنی تھی کہ ایسے دھکے چپے لٹنیاتی موضوع پر قلم اٹھا سکے۔

عاشق نے سمجھا کہ وہ انسان سرتہ ہے، کسی مغربی انسانے کا چہرہ ہے۔

پھر اردو زبان کی بات تھی۔ عاشق اردو وطن قہقہہ وہ زبان کی پارکیوں کی
برعکس میں اردو زبان سے بالکل کورا تھا۔

میں نے اردو زبان صرف آٹھویں جماعت تک پڑھی تھی۔ اس زمانے میں
تھی۔ نویں جماعت میں طالب علم دوسرے مضامین لے سکتا تھا اس لیے میں
میں اردو چھوڑ کر سائنس اور ذرا اینک لے لیے تھے۔

زبان کے لحاظ سے میری دوسری کہانی "ڈاکٹر کا استعمال" خالص سے بھری ہوئی
عاشق حسین نے میری کہانی واپس کر دی تو میں گویا اندر سے کنکریں میں گر
کروں۔ کئی ایک دن وقت اٹکنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارا رہا۔

پھر یہ نہیں کیسے "شاہد" نے مجھے ہاتھ ملانے سلائی دلی میں شائع کرنا گوارہ کر لیا۔
خوش قسمتی سے عاشق حسین بناوٹی، کہانی دیا میں زیادہ دیر نہ رہے۔ اس کی
صلاح الدین اور میراجی آگئے۔

صلاح الدین نے آتے ہی مجھے اہل دنیا کے لیے لکھنے کی دعوت دی اور
سے اہل دنیا میں شائع ہونے لگیں۔

ایس ایم شریف

پھر سکول میں ہمارے دوست ایشیز ایس ایم شریف آئے۔ انہوں نے مجھ
کے "سڑمنازہ" میں انہیں لکھنے کا مشغل ٹھیک نہیں، اگر بچوں کے والدین کو یہ
بچوں کو پڑھانے والے جنسی تحریریں لکھنے میں کوئی مشکل پڑ جائے گی۔ میں نے ا

کوئی اور صاحب ہیں۔ شریف مسکرایا، کہنے لگا "ہمارے ہاتھ بے کار ہیں۔"

اس نے دانا ہے۔ شریف میرے والد کے دوست تھے۔ میں لٹریچر پر کمال
پولے، اگر آپ لکھنا چاہتے ہیں تو انگریزی میں لکھیے۔ انگریزی میں
کمالی اصرار نہیں کرے گا۔

کمالی اصرار نہیں کرے گا۔

اس نے اپنی ان کی کی اشاعت کہ کہانی سن لیجے اگر چہ دوسری برکت ملی نہ ہو تو

کمالی اصرار نہیں کرے گا۔

علی

علی ہاشم قہقہہ سکولوں میں پبلشر آیا ہی کرتے ہیں، وہ بھی کیا کرتا تھا۔
دوسری برکت ملی کی شخصیت نکلی ہے جس میں سے چند اقتباسات پیش کرتا

میں نے اسے سکول میں دیکھا تو خاص توجہ نہ کی۔ لویجر عمر کے پلہتو، وہ ایک
بھول میں پبلشر آتے ہی رہتے تھے۔ بڑے سوہنے "منہب" جی جناب،
اس کا انداز مفاد تھا "جی، نہ میں سر" نہ جناب والا۔ آتے ہی وہ بے
تکلیف کر کے اپنا گویا ٹیکسٹ لکھا لیتا پھر اس کے قہقہہ کو بیٹے۔

پہلاں دلچسپی نہ تھی۔ اگرچہ میرے ہاں محلات بہت خراب تھے۔ چٹخا
کے انفراد زیادہ تھے، قرض پر کر رہے ہوتی تھی، لیکن یہ بات کبھی نہ سوچتی تھی کہ
وہ سائل کیا جاسکتا ہے۔

وہ دوسرے میں آیا تو قرض کا وقت تھا۔ استاد شاف دوم میں بیٹھے تھے۔ اس
دستور سارے شاف کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر میں شاف دوم

دستور سارے شاف کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر میں شاف دوم

دستور سارے شاف کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر میں شاف دوم

دستور سارے شاف کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر میں شاف دوم

تمہارا نام کیا ہے۔ اس نے مجھ سے یوں پوچھا جیسے میں سینئر انگلش ٹیچر نہیں تھا۔
 قلم

مجھے اس کی بے تکلفی اچھی نہ لگی۔ لیکن اس زمانے میں میں بری طرح کا
 کاغذ تھا۔ میرا نام ممتاز حسین ہے۔ میں نے جواب دیا۔

ممتاز حسین، ممتاز مفتی

ان دنوں سکول میں میرا نام ممتاز حسین تھا۔ کسی کو علم نہ تھا کہ میں ممتاز مفتی
 اولیٰ جریڈوں میں لکھتا ہوں۔ یہ بات میں نے انکار کیا۔ چھاپے رکھی تھی۔ میرا
 رکی اختلاقی کے دوائے تھے۔ میری تحریریں نفسیات اور جنسیات کا زلویہ لیے ہو
 زلویہ نظریوں دنوں ممنوع تھا۔ دراصل سکول کی ملازمت کے ابتدائی دور میں ہی مجھ
 ہو چکا تھا کہ میرے خیالات میرے ساتھی استاد کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتے۔
 انہی دنوں ازراہ اتفاق میری ایک تحریر ہمارے سٹاف کے ایک ممبر کے ہاتھ آئی
 جریڈے کو سٹاف روم میں لے آیا اور سب کو مخاطب کر کے اس مسئلے پر گفتگو

ان دنوں سکول میں میرا نام ممتاز حسین تھا۔ کسی کو علم نہ تھا کہ میں ممتاز مفتی
 اولیٰ جریڈوں میں لکھتا ہوں۔ یہ بات میں نے انکار کیا۔ چھاپے رکھی تھی۔ میرا

رکی اختلاقی کے دوائے تھے۔ میری تحریریں نفسیات اور جنسیات کا زلویہ لیے ہو
 زلویہ نظریوں دنوں ممنوع تھا۔ دراصل سکول کی ملازمت کے ابتدائی دور میں ہی مجھ
 ہو چکا تھا کہ میرے خیالات میرے ساتھی استاد کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتے۔
 انہی دنوں ازراہ اتفاق میری ایک تحریر ہمارے سٹاف کے ایک ممبر کے ہاتھ آئی
 جریڈے کو سٹاف روم میں لے آیا اور سب کو مخاطب کر کے اس مسئلے پر گفتگو

ان دنوں سکول میں میرا نام ممتاز حسین تھا۔ کسی کو علم نہ تھا کہ میں ممتاز مفتی
 اولیٰ جریڈوں میں لکھتا ہوں۔ یہ بات میں نے انکار کیا۔ چھاپے رکھی تھی۔ میرا
 رکی اختلاقی کے دوائے تھے۔ میری تحریریں نفسیات اور جنسیات کا زلویہ لیے ہو
 زلویہ نظریوں دنوں ممنوع تھا۔ دراصل سکول کی ملازمت کے ابتدائی دور میں ہی مجھ
 ہو چکا تھا کہ میرے خیالات میرے ساتھی استاد کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتے۔
 انہی دنوں ازراہ اتفاق میری ایک تحریر ہمارے سٹاف کے ایک ممبر کے ہاتھ آئی
 جریڈے کو سٹاف روم میں لے آیا اور سب کو مخاطب کر کے اس مسئلے پر گفتگو

ان دنوں سکول میں میرا نام ممتاز حسین تھا۔ کسی کو علم نہ تھا کہ میں ممتاز مفتی
 اولیٰ جریڈوں میں لکھتا ہوں۔ یہ بات میں نے انکار کیا۔ چھاپے رکھی تھی۔ میرا

ساتھ چلو۔

ساتھ چلو۔ اس پر مجھے بہت غصہ آیا۔ لیکن اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ میں اس کے پیچھے جیسے چل پڑا۔ سوچ رہا تھا یہ کیا بائبل ہے جو منہ میں آئے کہ "تم مجھے گناہگار سمجھتا ہو۔" لیکن ساتھ ہی بات سے میری خاطر خوش کی ہوتی ہے۔ ایک دوسرے پر جا کر دو رک گیا، بولا مجھے بھوک لگی ہے، پہلے طعام چھر گاؤں

میں چودھری برکت علی کو کھاتے دے دیا۔ یہاں وہ بڑی بے تکلفی اور اشتیاق سے کھا رہا تھا۔ اسے یہ احساس نہ تھا کہ کوئی اس کے بھیل میز پر بے نیاز کوئی بیٹکا ہے، تو پراپر کیچے اچھا جائے، برائے نہ ہو۔ خود کھانے کے ساتھ ساتھ وہ مجھے بھی کھا رہا تھا۔ یہ کھانا میرے لیے اچھا نہیں کیسے انسان ہو۔ نہ جس بات کہنی آتی ہے، نہ کھانا آتا ہے، نہ پیر کھانا آتا ہے۔ فارغ ہو کر اس نے بڑے سرسری انداز میں کہا اچھا تو ممتاز ملتی آج تک تم نے کھائے ہیں۔

اس کے اچانک سوال پر میں گھبرا گیا۔

لب آئیں ہائیں شامیں نہ کرنا، اس نے مجھے ڈانٹا۔ میں نے شاہد احمد ایڈیٹر مرقا کر لی ہے تمہارے گیارہ افسانے میں نے حاصل کر لیے ہیں۔ سات افسانے تمہارے مجموعہ چھاپائیں گے۔

اس کی بات سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

کہنے لگا ہم نے ایک ذیلی اوارہ بنایا ہوا ہے، جو اپنی کتابیں چھپاتا ہے، کتب خانہ اور
 میں نہ رہتا، اپنی کتاب سے ہمیں صرف ذوالحائشین مورخہ کے بیس گے، اس سے زیادہ

”تہاج کیا“ میں نے کہا، دیکھ چودھری میں تیرا قرض کیسے لو اکروں گا۔

[illegible]

پیرلڈاکس

اس کے بعد ہم دوست بن گئے۔ لیکن ہمیں یہ تعلق دوستی کا نہیں تھا۔
 ساقی تھوڑے ہی عرصے میں کوئی غم نہیں دیا جاسکتا۔

جان ہی جان

اس کا برتاؤ صرف مجھ سے ہی اس نوعیت کا نہ تھا۔ اس کے تعلقات بہت

عمل کے حوالے عام طور پر سوچتے نہیں۔

وہ ہنسا اچھا تو مجھے مشورہ دے، میں چاہتا ہوں کہ باری کو کچھ دیں۔

اس میں کیا مشکل ہے، دینا چاہتے ہو تو دے دو، میں نے کہا۔

تم بھی نہ لے لیں، اس نے کہا، پڑھا کر کہا، ممتاز مفتی دینے لگا،

انداز ہوتا ہے، یہ نہیں کہ دوسرے سے کہا، ہاتھ پھیلا اور دے دیا، یہ کہ

اور چلا گیا۔

باری ایک اور بے تھا، دانشور تھا، اس نے چودھری کے کہنے پر ایک کتاب

کی حکومت" جسے کتبہ اردو نے شائع کیا تھا۔ باری ملی مشکلات میں گرفتار تھا

دار چودھری نے کئی بار اسے کہا تھا۔ باری تو مت کما ہے۔ کچھ لکھ، اپنے لکھ

بیٹھا رہتا ہے۔ غلط دانشورانہ باتیں کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، میں باری

غلطی دانشورانہ باتیں کر کے گزر لو گات کر رہا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

اردو میں حکم کرتا تھا۔

ہوئی تھی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں۔ حیرت کی بات تھی کہ کہیں تو ہزاروں روپوں کی رقم بہہ رہی ہوگی۔
معدول رقم کی ادائیگی میں باقی بچر کسی کی کل لگا دی جاتی تھی۔

منٹو

پھر یہ بھی ہوتا تھا کہ مینے میں ایک یا دو بار منٹو مکتبہ اردو میں آکر
مکتبہ وہ تقاضا کرتا۔ چودھری گھبرا جاتا تو منٹو چلاتا، اسے چھپکا تا کہ اس کے پاس
کر دے کر چلاؤں گا۔ یہاں تیرے پاس بیٹھ کر لکھوں گا، لیکن دیکھ جاتی
اور اوسار نہ ہو۔ چودھری نڈر گھبراتے گھبراتے چھپکاتے پھر بڑے اور
پڑتے۔ لیبیوں کی مانگیں طرح طرح کی ہوتی تھیں۔ منٹو وحوش سے مانگا تو
کبھی ہو منٹو تک نہ آئی تھی۔ صرف نگاہوں میں جھلکتی۔ اس میں بھی
کبھی چلتی کبھی چھ جاتی، یہ نہی جلتی بجتی رہتی۔

فکر تونسوی

فکر تونسوی کا ہی تھا، کوٹا تھا، لوب کا رواج تھا یہ میں کہیں آکر
چودھری کے پاس آ پٹپٹا تھا۔ چودھری بظاہر فکر کو گھاس نہیں ڈالتا تھا۔
کرتا تھا، اس لیے کہ چودھری کے اوارے میں فکر واعد کا ہی تھا۔ باقی
چودھری کا ہی کی بڑی قدر کرتا تھا چونکہ سرمایہ دار ہونے کے بل بوتہ پر
سے کا ہی تھا۔

تقسیم کے بعد پنجاب اور ہندوستان سے آنے والے لیبیوں کا تانا بانا
بست بوجہ بڑھ گیا مابہر لیبیوں کی مانگوں کا رنگ بدل گیا اور چودھری کی تلخ
حالات نے اسے ڈی سلف کر دیا۔

اس کے فوجیوں عزیزوں نے چار پڑے نکال لیے اور وہ علیحدگی پر خند کر
کا اپنا بیٹا چودھری جیسی سلاطنت کا مالک نہیں تھا۔ وہ چودھری کے کاروبار کے

نہ لایا پروا نہ ہم اور ٹیٹا کوئی تھا۔ بولا تو کمری بدلو گئے۔

میں نے خوشی بھری حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

اب وہاں کی نسبت زیادہ ملے گی اور کام اس قدر دلچسپ ہے کہ

چھ حسین لڑکیاں - میٹونی

کوئی ایٹہ پیسا ہے کیا۔

چپ چاپ چٹا ہو جائے گا۔ نوکری سرکاری نہیں ہے۔ لیکن بعد

کا میں نے پوچھا۔

میں نے فیاض محمود چٹا کرے۔

مجھ میں گویا سیون اپ کی بوتل کھل گئی۔ جیلے ہی جیلے، خوشی بھری

اور اٹھائی سال ایک لڑکے میں آگئے رہے تھے۔ ان دنوں کہاں آئر سکول میں

کالج لاہور میں۔

میں نے فیاض کا نام چاہے اور نیا کایا۔ بھانور چاہے۔

میں نے کتاب کی طرف بھی متوجہ نہ ہوا۔ فیاض کی زندگی

میں نے مطالعہ اور سی کتابوں پر محدود نہ تھا۔ اس میں بلا کی وسعت تھی۔

میں نے شوق کا یہ عالم تھا کہ کوئی رقم اس کے ہاتھ لگتی تو وہ فوراً

اس کے کمرے میں یہاں کتابوں کی ڈیمیریاں لگتی تھیں۔

میں نے مطالعہ کی طرف راقب نہ کیا تھا۔ لایا میرے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر

کتاب دیکھ رہے ہیں، خلیا تصویریں دیکھ رہے ہوں گے۔ کوئی لیم سوری، اس

میں ہیں۔ اسے دیکھ دیکھ پلینے۔

وہ ایک حقیقی کہنی تھی۔ جو ٹیٹے پر حقیق کلام کرتی تھی۔ ٹیٹے

ایک انوکھی حقیق پر لگا دیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ حکومت کے ایکسپٹ الیکٹرک

لے ساتھ ستر ہزار امیدواروں سے انٹرویو کرتے تھے۔ انہیں ذہانت اور

(Aptitude) کے ٹسٹ دیتے تھے۔ ساتھ ستر ہزار میں سے دو سو نوواں

جسمانی کوائف ذہانت اور روحان طبع کے لحاظ سے موزوں ترین ہوتے۔ ان

سال تربیت دی جاتی، لیکن بعد میں پتہ چلتا۔ کہ صرف دو یا تین

کی ملاجیت رکھتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یا تو انٹرویو میں مناسب لوگ نہیں پتے

طرح سے تربیت نہیں دی جاتی تھی اور یا امریکہ کے بنے ہوئے ٹسٹ

نہیں تھے۔

حقیقی کہنی کو ان سب باتوں کا کھوج لگا کر نشان دہی کرنی تھی۔

اس زمانے میں میں حکومت پنجاب کے ایک ہفت روزہ پرچہ لکھنے

شامل تھا۔ اگرچہ میری دو کتابیں چھپ چکی تھیں۔ لوگ مجھے جاننے بھی

اس کی آواز میں ہلکی سی کھٹک ہوئی۔ حقیر کی جھک ہوئی۔ اس کے ہاتھوں
 قانونِ فیاض کی کتابیں چرچر کر، چمپ چمپ کر پڑھا کرتا تھا۔
 میں نے خیال کیا کہ ابا (اسے) سبھی دوست بھاکر آتے تھے) میں فیاض
 ملازمت کے متعلق تعلیمات پوچھ لوں گی۔
 بے شک پوچھ لوں۔ لیکن اسے یہ نہ بتانا کہ یہ اطلاع جنس میں نے دی
 فیاض کا دفتر ایک بارگ لٹا عمارت میں تھا۔ ملحقہ کمرے میں اس کی کالی
 "نے" کا آپ اپنا کارڈ اندر بھجوا دیں۔ میں نے کہا میرے پاس تو کوئی کارڈ
 اپنا غم ہے اس سلف پر نگہ دیں۔

سلب اندر گئی تو میں سوچنے لگا، ابھی انکی میں اندر جاؤں گا وہ میری
حیرت سے دیکھے گا چلاؤنگ کہ میری چاہ بڑے کا جھٹکے گئے۔ لگا کہ
فسادت میں ملے سے کیسے لکھے کیا قافے میں آئے تھے۔ کون کون چلاؤں
آجکل کہیں ہو گیا کہ وہ ہے۔ پتہ نہیں میں کب تک سوچوں میں چلاؤں۔
بی اے نے مجھے جھٹھوڑا دیا، "اپ کو بلایا ہے۔" اندر داخل، اے اے
مطالعہ کر رہا تھا میری طرف دیکھے بغیر، "اے کس میں؟" اے اے سیٹ۔ میرے
زمن نکل گئی۔ پھر پتہ نہیں دیا کہ وہ رہا تھا میں سٹاف میں چلاؤں
پچان پہ مجرور نہ پہنچے گا۔ ————— ہر حال اپنی کر دیتے۔ ہم صاف
گئے۔ جو کم از کم ایم۔ اے ہوں۔ البتہ ہم کو کونسلر کر لیں گے
کا مطالعہ کر لیں پاس کرنا ضروری ہے۔ ————— کرونگ ہوا چار تھا۔

آٹھ دن کی کیفیت طاری رہی۔ سناٹا نکلیا تھا کھیریں چلتی رہیں، چائے
چائے کے سناٹے کی بہت کھیریں زیادہ دہری ہو گئی ہیں، چنگل میں بکڑی ہیں،
دس پندرہ دنوں کے بعد استروپی کی کل آگئی۔ میں نے فیملے کے ساتھ
اپنی توہم پرانی کھوپڑی کاٹ کر ختم ہوا تھا، گاؤں کی گلیوں سے غائب تھا۔

۱۱۔ ان پہلے بھا آگیا۔

”میں بھاگ رہی تھی، میں نہیں جاؤں گی۔“

$$-\frac{1}{2} \frac{d^2}{dt^2} \left(\frac{1}{t} \right)$$

۶۷ فیاض کو انٹرویو نہیں دوں گا۔

لوگ انٹرویو لیں، وہ بولا، فیاض تو سرکاری ملازم ہے۔

باب ویکھو

یہاں حرج ہے، وہ بولا۔ بن گیا تو ٹھیک ہے نہ بنا تو نہ سہی۔ ننھنگی کو لوڑ۔

طاس کی ایک پھوار نکلتی ہے، جوت بہت لڑکتی ہے۔

اور کتنی کامیاب ہوا تھا۔

الحاکم کہ جس کو دنیا اور کس ضرورتی ہے چاہے وہ کتنا ہی حریص نہ ہو۔ میں

کھانا ہے کہ جی کہہ دیا جائے۔ اخروی کے دوران میں سر جھکائے، چارہ نہیں

یہ دیکھا کہ ہمیں یامیں نمودار ہوا ہے۔

تو کہ ایک شخص نے ۱۳۱۲ھ میں حج پر نکل کر مکہ پہنچا تو وہاں سے واپس

نہ تھا بلکہ ایچٹسو علاقہ ہر فی جاں پر کے پر کے ہوں کے

۱۱۔ میں کنفیور ہو گیا اور اسے اس

ایں جو میں چاہے وہ اس جاسے ہے۔

3

انوارے میں ہیں پچیس افراد تھے۔ سب کے سب "بلو بلڈ" جو تجربے سے آلود

”سب اپنے اپنے مضامین میں باشرحتے۔ نفسیات، حساب، اکاؤنٹس، قانون۔“

اور رسیدہ تھے۔ وہ نفسیات کے ڈاکٹر اور دو اویس یوسف ظفر اور میں تحقیق کا

قائمیت تھا۔ ادارے کو فوج کے تینوں شعبوں کا تعاون حاصل تھا اس لیے اسے

پھر اس سے منسلک کر دیا گیا تھا۔

مجھے نفسیات کے نیکشن میں قیادت کیا گیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں اعلیٰ درجہ اور اس
شٹ دول۔

اشعار کر دیا۔ واہ! اس خاتون پر کیا سرشاری کا عالم ہے اور یہ دیکھو یہاں
کاٹیل ہو رہا ہے۔

لاورک شاگ شٹ سیای کے وجوں سے بنا ہوا شٹ قلب آپ کاٹنے پر
گرائیں پھر اسے فونڈ کر لیں تو سیای پھیل جائے گی۔ اس پھیلاؤ میں مختلف
اور ان میں سیای کی مختلف کیفیتیں ہوں گی۔ کہیں وجہ بہت گاڑھا ہو گا
کہیں پیچیدہ کہیں کہیں کاٹنے کی سفیدی پھوٹ جائے گی۔ دور شاگ شٹ ایسی ہی ہے۔
چھپے ہوئے سیای کے وجوں پر مشتمل تھا۔

پہلا امیدوار جو شٹ دینے میرے پاس آیا۔ ایک اونچا لمبا جوان تھا۔ اس کی
پاکیزگی کی مرہلی ہوئی تھی۔ دیکھنے میں سراسر سستی نظر آتا تھا۔ ویسے لگتا تھا
ایک سرورث ہے مگر غیور نہیں 'حرکت کامل وارہ ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غافل
میں نے اسے پہلا کارڈ دکھا کر کہا 'دیکھیے تو آپ کو کیا نظر آتا ہے۔ ایک نار
اس نے کارڈ کی طرف دیکھا اور لاجول پڑھ کر اسے میز پر پھینک دیا۔ اس نے
کارڈ دیکھے اور نفرت سے انہیں میز پر الٹا کر کے رکھ دیا۔
میرے اصرار پر 'وہ بولا 'جنتاب یہ تو قفس ہیں۔

میں اس کے رد عمل پر بڑا حیران ہوا کہ معصوم سے سیای کے وجوں میں اس کی
نظر آئی 'انتا پاکیزہ شخص اور اس قدر جس آنسو لگا۔

ان سیای کے وجوں پر امیدواروں کے رد عمل نے میرے ذہن میں ایک لہلہ
کسی کو ان وجوں میں یکہ نہ کچھ نظر آتا تھا کسی کو جنگل نظر آتے کسی کو صحرا
دکھائی دیتیں۔ کسی کو ہنگامے نظر آتے جن میں مار جیت ہو رہی ہو تو کبھی اس کے

سے بات کرتے تھے۔ یوں نہیں کہ میرا اندازہ ہے کہ 'یا لگتا ہے کہ 'بلکہ یوں اس کی
میں آ رہا گیا۔ یہ دیکھنے سے سکندر اعظم کی فوج ہے۔ سروں پر پلاٹن فیمیاں ہیں اور
فوجیں ہیں 'دو میدان میں دو بارہ رہا ہے یہ دیکھنے دریا کی لہریں صاف دکھائی دے رہی ہیں
ایک رنگیلا امیدوار آیا۔ کارڈ دیکھتے ہی بولا 'بھئی واہ! اس کی آنکھوں میں آنسو
رہی تھی۔ بھئی 'وہ چاہتا ہے تو پڈت کو کاٹے آسنوں کی تصویریں ہیں۔ اس کی

نے میرے ذہن میں جھلک چا دیا۔ میں سمجھتا تھا کہ ہم سب ایک سادہ سمجھتے
تھے جسے چنے پڑے گا۔ اگر ہم عام سے سیای کے وجوں کو ایک سادہ سمجھتے
تھے تو ایک سادہ سمجھتے دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارا نظر کارڈ ایک دوسرے سے اس قدر
ساری شخصیت کے رخ کا آئینہ دار ہے یا شخصیت کے کارڈ پر ایک دوسرے
نہیں طرح سفید برکی پر کالے دے ہوئے ہیں۔

بھول بھلیاں میں یہ میری پہلی صفا تھی۔ اس سے پہلے میں انسانی
مقام کے حروف سمجھتا تھا۔ انسانی شخصیت کو سمجھنے میں میں خود کو بنا پائے خان
شٹ نے میرا سارا کلف اتار دیا۔ میری مونچھ کر گئی۔ گردن ڈھلک گئی۔

اب میں ایک امیدوار کا دور شاگ شٹ لینے کی تیاری کر رہا تھا تو ڈاکٹر لطف آ
ہمارے نیکشن کے انچارج تھے۔

میں سر میں سر کہہ کر ٹرغا دیا کرتے تھے۔ جس طرح سیکرٹ میں بیورو
میں سر میں سر کہہ کر ٹرغا دیتے کے عادی ہوتے ہیں۔

کی شخصیت ہی اتنی تھی۔ وہ چال ڈھال یا بول چال سے ڈاکٹر تھے ہی نہ تھے۔
ڈی کے آؤمچی ہوں۔

ڈاکٹر احمد تھے 'جو سہولت حسن متلو کے چاہتا تھے۔ ان کی شخصیت سارے
جانتے رہتی 'جیسے خیرہ لگا ہوا ہو۔ ڈاکٹر لطف کی طرح ان کے برتاؤ میں میں نہیں
تھے 'پینڈو لہر تھا 'انداز ہے عطف اپنے باحت لڑکوں کے ساتھ مکمل مل کر
انہماز سے معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ ڈبل ڈاکٹر ہیں 'فرانس کے ڈی ایس سی اور
ایچ ڈی۔ ان کا نیکشن ابگ تھا۔ ہم دو ڈاکٹر لطف کے نیکشن میں تھے 'حریت
ان کی جانب دیکھا کرتے تھے۔

ہاں تو ایک روز جب میں ایک جوان امیدوار کا دروازہ شک لینے کی تیاری کر رہا تھا، ایک لطف آگئے۔

نوجوان امیدوار کچھ زیادہ ہی صحت مند تھا۔ چہرہ سرخی سے لہلہا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ہنس کر کہنے لگا: "اباس غلام بن گئے، انداز میں خود اچھڑی۔"

ڈاکٹر لطف آئے تو نوجوان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے لوپ کے لیے ٹوپی اتاری، آئیے آئیے آپ میرے ساتھ بیٹھیں، ڈاکٹر لطف نے کہا، پھر مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے: "کیا یہاں ضرورت نہیں۔"

لیکن ڈاکٹر نے اسے کہا: "ابھی تو میں نے انہیں ٹٹ کیا ہی نہیں۔"

ٹٹیک ہے ٹٹیک ہے، وہ بولے۔ تھوڑا سا دیر کے بعد وہ نوجوان کو ساتھ لے کر کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر لطف واپس آئے بولے: "مشرقی جو کس کا داغ ہے؟"

رہا ہو، آپ کو اس پر اس وقت شائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

لیکن مجھے خاندان پر ہی بھی تو کتنی ہے، میں نے کہا۔

ہیلتھ کنسرن

لکھنے، دہانے، دہانے، اے کیس آف ہیلتھ کنسرن۔

میں نے کہا: یہ نوجوان تو بہت صحت مند تھا۔

صحت مند دکھتا ہے، وہ بولے، ہے نہیں۔ جو لوگ ہیلتھ کنسرن کے بارے میں نہیں ہر وقت اپنی صحت کا خیال دامن گیر رہتا ہے، یہ چیز صحت کے لیے اچھی عمل صحت پر برا اثر رکھتا ہے۔ آج میری صحت گری کی سی ہے، ایسے لوگ زیادہ بیمار ہوتے ہیں۔ اور ہیلتھ کنسرن جملہ بیماریوں سے زیادہ خوفناک ہے۔ ڈاکٹر لطف نے قسم کے امیدواروں کو آؤٹ رائٹ ریجیکٹ کر دیا کہ "ہیلتھ کنسرن، ٹروس، اینڈ گزائڈ فنکارانہ صلاحیت۔ ایسے لوگ فوج کے کھل میں ہوتے۔"

فکرانہ صلاحیت، ایسے لوگ فوج کے کھل میں ہوتے۔

صحت کا خیال رکھنے والے لوگ میرے نزدیک صحت مند لوگ تھے۔ یہی وہ...

مشکلات اور مسائل کو جان سکیں۔ کتنی والوں کا خیال تھا کہ شاید اس بات کی وجہ سے
چونکہ یہ سیوری کا معاملہ تھا۔

غیر از توقع ایذازت ملی تو سفر میں خوشی بھرا شور مچ گیا۔ پھر رسالہ درجہ اولیٰ کی
ہو گئیں۔

یوسف ظفر

اے یوسف ظفر! میں نے اے اطمینان سے کہیوں کی فرست بتاتے ہیں
تجھے پتہ نہیں کہ ہم پائلٹ کی تربیت حاصل کرنے رسالہ درجہ چارہ ہیں۔

پتہ ہے، بھائی بھئی پتہ ہے، وہ بولا۔

تو تم تیاری نہیں کر رہے۔

تیاری تو میری بیوی کرے گی۔ میں تو مٹی کروں گا، چڑیں ہی بیک کرتی ہیں۔

کتنی باتیں

بہترین پائیلٹ کون ہے۔

پہلے

ہو گیا ہے، وہ بولا۔

یوسف ظفر! اشارہ تھا۔ اپنی حلقوں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ وہ حلقہ ارباب ذوق
تھا۔ حلقہ کے بنیادی ممبروں، ضیا چاندھری، مختار صدیقی، قیوم نذر کا ساتھی

تھا۔ بھوٹا تھا، لیکن چھوٹے قد میں اتنی جان تھی کہ سنبھالے نہیں سنبھالیں
تھا۔ شاعر ہونے کے باوجود گھر بیٹھو نہیں تھا، ایکسٹروورٹ تھا، بے چین
تھا، لڑائی لڑنے کا پسند نہ تھا، محو پر گھومتی تھی، جو پسند تھا وہ اچھا تھا، جو نا پسند تھا

دوسرے کی وجہ سے پاکستان ابھی اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکا تھا۔
پاکستان انٹر فورس کے پاس کتنی کے چند ایک پائیلٹ تھے۔ اور وہ کسی پول تھے۔ چند ایک ٹوٹے پھوٹے جہاز تھے۔

رسمل طور میں چند ایک باریکیں تھیں۔ چند ایک سرکس، چند ایک ہتھیار، ایک ویرانہ علاقہ وہاں صرف دو باتیں چاہتے تھے۔ ایک تو تہیہ کی طرح چاہا دوسرے آسمان کی طرح چھایا ہوا اور خان۔

نور خان رسالہ پر کا کلمہ پڑھتا تھا۔
لوگ نور خان سے ڈرتے تھے، لیکن ساتھ ہی نور خان کے لیے ایک نام کرتے تھے۔

نور خان نے اسٹیبل دوم میں ہم سے خطاب کیا۔ یوں، لڑکوں ہم یہاں کی نہیں دیتے آپ کو ہم نے صرف اس لیے اجازت دی ہے کہ آپ پاکستان کی ہم

اہم مسئلے پر تحقیق کر رہے ہیں۔ یہاں آپ کو دو باتوں کا خیال رکھنا لازم اور ہمارے ڈسپلن میں ظن اندازی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ملک کی سیوری پر آج نہ آ رہا ہو اور ہمارا قیام مختصر تھا۔ جس کے دوران پہلے ہمیں ملائکہ پر چاہا گئے۔ پھر ہوائی جہازوں میں بٹھا کر کل پرزوں کے متعلق معلومات فراہم کی گئیں۔ پائیلٹ کے تحت کو پائیلٹ کی حیثیت سے اڑنے کے چند مواقع فراہم کیے گئے۔

بائیلٹوں کو ہدایات دی گئیں۔ کہ ہمیں انگریزوں کے قلائد کی بنیاد پر کیا جائے۔

پہلی مرتبہ جب میں کو پائیلٹ کی حیثیت سے جہاز میں بیٹھ کر اڑاؤ دیا گیا۔

میں نے کہا کہ میں نے پہلی بار اڑنا ہے۔

چھ حسین لڑکیاں

رسل پور سے واپسی پر ایک ایسا لوٹ روٹا ہوا کہ حقیقی سنٹر جتنا تھا، اس لڑکی پر اس روز انپکشن ڈس تھا۔ ہر مینے دو مینے کے بعد ایک انپکشن ڈس کیا اور اسے بڑے افسر آکر سینٹر کا معائنہ کیا کرتے تھے کہ آیا سنٹر ٹیکس طور پر چل رہا ہے۔ ان تو نہیں پڑی، سیکرٹری لو کے ہے یا نہیں۔ انپکشن ڈس پر ہم سب ہانک اٹھتے۔ اسے سترے کپڑے پہنے ہوتے، عمارت سپک اینڈ پین ہوتی، ہانپنے کی لٹنوں پر ہوتی۔

اے یہ کیل سارے ریسرچ اسسٹنٹس کی آنکھیں غلاؤں سے باہر اٹھنے کے چچے چچے قہار میں چھ لڑکیاں خرابی خرابی آ رہی تھیں۔

ان کے آتے ہی اعلان ہوا، "حقیقی سنٹر کے تمام افراد اسمبلی ہال میں آؤ" ایک اہم خطاب کیا جائے گا۔

ہال میں لڑکیاں بیچ پر بیٹھی تھیں۔ درمیان میں ایک افسر بڑے طور پر خطاب کرتے ہوئے شروع کیا۔ بولایک مین۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑا تھا کہ حقیقی یونٹ کو تکمیل دینے وقت ایک اہم بات کو نظر انداز کر دیا۔

اس حقیقی یونٹ میں ہر مضمون کا ایک ماسٹر موجود ہے۔ جو اس مضمون کی ہے۔ اس یونٹ میں عمر رسیدہ لوگ بھی ہیں، فنکار بھی ہیں، لادب بھی ہیں اور اور آرٹ کی لمانڈگی کرتے ہیں۔ لیکن اس یونٹ میں کوئی غاقون نہیں ہے اور لمانڈگی کرتی ہو۔

آب کو، جان کر خوش ہو گا کہ اس کو اور کر دیا گیا ہے۔

اس قدر حسین تھیں کہ ان کی طرف دیکھنا مشکل تھا۔ یہ احساس ظاہری ہو رہا تھا۔ وہ میلی ہو جائیں گی اور اگر دیکھتے تو سانس لینا مشکل ہو جاتا تھا۔ صرف یہی تھیں، سونے پر ساگر اس وجہ سے تھا کہ انہیں علم تھا کہ وہ حسین ہیں۔ انہیں ان لڑکیوں کے دیکھنے کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن ان میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہوتا، "بچہ پاتے جاتے ہیں۔ وہ سب جانتی تھیں کہ ان کا حوصلہ کیسے بندھایا جاتا ہے۔ چوتھی نہیں تھیں۔ انہیں دیکھنے کا فن آتا تھا۔ ہندو بھگتوں کے دروازے پر راتی جیسے پیسے پڑے تھے کہ وہ دیکھا جا رہا ہے۔

انہیں مختلف تھا۔ چھ مختلف تھیں۔ ایک کتابی چرو تھی۔ ایک سیکرٹری تھی، ایک مسکراتی تھی۔ لیکن اس کی مسکراہٹ گویا ایک ذاتی پرائیویٹ فعل تھا، وہ اس بات نہ پہنچتی تھی۔ ایک نیلی آنکھوں والی تھی، وہ آنکھیں نہیں تھیں، ان میں وہ دوڑتی تھی بلکہ خود ڈوب جاتی تھی۔ ایک سار مرادی تھی، جسم پہلوں سے نکل کر لڑکیوں کے گرد ہیٹھن کر دیتی تھیں، لیکن زیادہ تھے، اس لیے وہ تین لڑکیوں میں ایک لڑکی تھیں۔

ان میں ایک لڑکی تھیں کہ وہ تین لڑکیوں کے گرد ہیٹھن کر دیتی تھیں، لیکن زیادہ تھے، اس لیے وہ تین لڑکیوں میں ایک لڑکی تھیں۔ ان میں ایک لڑکی تھیں کہ وہ تین لڑکیوں کے گرد ہیٹھن کر دیتی تھیں، لیکن زیادہ تھے، اس لیے وہ تین لڑکیوں میں ایک لڑکی تھیں۔

ان میں ایک لڑکی تھیں کہ وہ تین لڑکیوں کے گرد ہیٹھن کر دیتی تھیں، لیکن زیادہ تھے، اس لیے وہ تین لڑکیوں میں ایک لڑکی تھیں۔ ان میں ایک لڑکی تھیں کہ وہ تین لڑکیوں کے گرد ہیٹھن کر دیتی تھیں، لیکن زیادہ تھے، اس لیے وہ تین لڑکیوں میں ایک لڑکی تھیں۔

بنیاد کا شیرازہ

یائے کتب ہیں بنیاد کے شیرازہ بھی نہیں جاتے چاہے وہ فخر کو کتنی لڑی
ہیں۔

طبی طور پر میری شخصیت کے بنیادی خواص چار ہیں۔ احساس کسری ہیں۔
کے پردے میں چھپائے پھرتا ہوں۔

قدار ہو مثیلی، جواب اتھارنی ہو شیطانی میں بدل چکا ہے۔
جیسی دنوں، جواب آنکھوں میں تو دم ہے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
اور آخر میں شدت تھے میں بیش ایک خوبی سمجھتا رہا اور غلوں کا کیا۔
۱۹۸۵ء میں مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ شدت ایک عجب ہے،
کی ایک عقیم رکاوٹ ہے۔ اللہ کے راستے کی رکاوٹ نہیں، انسانیت کے راستے کی۔
۱۹۵۰ء میں جب میں اس حقیقی سفر میں کام کر رہا تھا تو میری عمر ۲۵
نے مجھ پر ایک پرانا لڑے سے خریدوا ہوا اور کوٹ لگا رکھا تھا ساری زندگی
میں لپٹ رہنے کے بعد میں کنارے پر لگا سوکھ رہا تھا۔

اس کے بعد دوسری چھ بھائی بہنیں ختم نہ ہوئی تھیں، بلکہ وہ بھی تھیں۔
سے بھی سناڑ ہوا تھا لیکن ان نوجوان بنے تھے لوگوں کے مقابلہ میں،
تھی۔ میرا کوئی چانس نہ تھا، ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنی جانب متوجہ
اسی وجہ سے صورت حال پر مجھے فسر آتا تھا۔

ایک دن بحری محفل میں میں نے کہہ دیا کہ یاد یہ مشراب ریسرچ سٹر
ہے جیسے یہ بازار حسن ہو۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اس لیے کہ ہم میں
میں رہا۔ ہم اپنی تدبیر پر خوش ہو رہے ہیں، پھولے نہیں جاتے۔
پاکل درست کہتے ہو، یوسف ظفر بولا۔

لیکن اس کا عمل کیا ہے، کسی نے با آواز بلند پوچھا۔
میں اسٹینڈے دے کر جا رہا ہوں، میں نے کہا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں صورت حال کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے شے میں کہا، میں تو جا رہا ہوں۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

یوسف ظفر بولا، ہمیں نے سوچ کر نہیں کی تھی۔ اتفاقاً تم سے نکل گئی تھی۔ پھر یہ نہیں کیوں
یوسف ظفر بولا۔

کم ان اور پھر ایک ناکل کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ لک میں وہ بولا: "ملازمت میں لے گی۔ سوچ لیجئے۔"

نیو رابنڈر سر میں نے آخری وار کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

دفتر کا صدر دروازہ بند تھا، وہاں سیکیورٹی کا ایک آدمی کھڑا تھا۔ مجھے باہر جانا پڑا۔

آپ ویٹنگ ہال میں بیٹھیں سر میں اجازت لے لوں۔

ویٹنگ ہال ایک لمبی پارک تھی جس میں دس پندرہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

ابھی میں بیٹھنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ یوسف ظفر داخل ہوا۔

اُسے تم "یوسف ظفر" میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

ہاں میں وہ بولا۔

تم تو اسٹیفن دینے کے جن میں نہ تھے۔

میں نے اپنا ارل وہ بدل لیا، بھائی جی۔

کیسے میں نے پوچھا، وجہ۔

فیصلہ وجہوں کے محتاج نہیں ہوتے، بھائی جی۔

تیرا لڑکا داخل ہوا یا وہ قفسے میں بموت بنا ہوا ہے۔ جب دسواں لڑکا ویٹنگ ہال میں

مجاہد ریڈیو

در اصل کہانی کے افسانوں کے رویے کے خلاف ایک احتجاج تھی۔ خطرناک

میں۔ افسانے نے اپنی حسن پسندی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنی رپورٹوں میں اسے

حقیقی کہانی ٹوٹ گئی۔ جن اراکین نے اسے نہیں بھی دیکھا

راول دیس

فیاض کے پاس جا کر اس کی منت کرنا مجھے گوارہ نہ تھا۔ پھر یہ بھی قرار ہی تھا۔ فیاض بہت پڑھا لکھا عالم آدمی تھا اور وہ علم کے تکبر کا شکار تھا۔ ایک بڑا چراغ ہونے کے باوجود اس نے بڑی تنگ دستی اور محسوس میں زندگی گزار دی تھی۔ اس سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اور اب جب وہ ایک باعزت مقام پر پہنچ چکا تھا تو اس نے رات بھر

مجھے جھین تھا کہ فیاض میری بات نہیں مانے گا، کسی کی بات نہیں مانے گا۔ پھر یہ تھا کہ اس زمانے میں مجھ میں اتنا حوصلہ نہ تھا، ایسا نہ تھا کہ «سروا» کی اپنی توبہ کیل گوارا کر لیتا۔

لوگوں کا مطالبہ تھا کہ ساری بات پریس میں لائی جائے تاکہ لوگوں کو بہتر انداز میں حقیقی کام جو قوم کے منافع میں تھا، صرف چند حسین لڑکیوں اور چند بھوسا افسروں کا کیا۔

میں اس بات پر مصر تھا کہ بات پریس میں نہیں آئے گی۔ آگئی تو بات، انکار اور جھوٹ جائے گی۔ میں نے بار بار انہیں سمجھایا تھا کہ پریس میں آئے گا وہاں کا تھوڑا سا ورہیلک لوہینین ہو، جو حکومت پر اثر انداز ہو سکے۔ انہاں مارے ہاں حکومت اس کو ہے کہ وہ ورہیلک لوہینین کو اپنے کام میں لاسکتی ہے۔

میرا اندازہ تھا کہ افسران خود مخالف تھے کہ پریس میں نہ آجائے اور اس لیے انہوں نے سخت اقدامات پر تم قیام لے گئے تھے۔

ہم روز آہیں میں ملا کرتے تھے۔

پہلے تھوڑے خبریں سن لیا جاتیں۔

پھر ان پر تبصرہ ہوتا، پھر ساری تجویزیں کا جائزہ لیا جاتا۔

اور آخر میں یہ سب نظر اور مجھ پر الزامات کی برچھاڑ ہوتی، ہمیں مورد الزام نہ

مجھ پر سب سے پہلی جارہی تھی، لکھا جاتا تھا۔

ایک دن ایک ایسی ہی روشنی منگب میں شمولیت کے لیے جب یہ سب غور و خوض کے رستوران میں پہنچے۔ تو دیکھا کہ چند روزوں میں جانے کے لیے سامنے رہے

ابا ریڈیو
ہندی
دیں کالی بی



محمود نقشبندی



محمد عسر



سجاد حمید



ابو الدین



ابو الدین

یہ ایک تکلیف دہ منظر تھا۔
 چپ چاپ بیٹھے تھے۔ یہ ایک تکلیف دہ منظر تھا۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

انہی کے نام پر ووٹرز کی لسٹ سے خارج کر دیا گیا ہے، اقبال نے کہا۔

اس کی اسٹیٹیوٹ کر دی گئی ہے، سعید بولا۔ اور ایک سرکولر گورنمنٹ کو لکھ دیا
 کہ ان کے نام والوں پر بین لگادی جائے۔

یوسف ظفر نے پوچھا۔

کسی کو سرکاری نوکری میں نہ لیا جائے۔

نہیں ہو سکتا۔ نہیں ہو سکتا، یوسف ظفر بولا، ہم سب کہنی کے ملازم تھے، سرکار کے
 ملازم نہ سکتا ہے۔

اب اس میں وہ سکتا، اقبال فیسے میں پٹائی۔

یہ بات کہنے کی کوشش کی، یہ بات قانون کے خلاف ہے۔

اقبال نے پوچھا۔

یہ قانون، سعید بولا۔

اب اس کا کیا کرایا ہے، معین نے فیسے میں کہا۔

اسے ٹھیک کر کے، اقبال بولا۔

اب اس میں کیوں نہیں لیتے، سعید مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔



حمید اعظمی



اے آپ نکالی صاحب، یوسف ظفر اے دیکھ کر چلایا، آپ یہاں کیسے
دیکھ لو بھائی، نکالی نے جو انوں کو مخاطب کر کے کہا، چاروںوں میں اس
ہوں، لڑھو کا کونہ کونہ چھان لرا ہے اور یہ کسی مصیبت سے پوچھ رہے ہیں،

میں آپ سے معذرت خواہ ہوں کہ نقل ہوا ہوں لیکن مجبوری کی بنا پر
اجازت دیں تو میں ان سے بات کر لوں۔

نکالی کا انداز بڑا بے تکلف تھا۔ لیوان مسکرو ہو گئے۔ بولے، بے نکالی،
ان سے بات کر لیں۔ ہم اپنی بات چیت کل پر ملتوی کر دیے ہیں۔ دوستو، کل
لوہن انٹرستورن کے باہر نکالی کی جیب کھلی تھی۔ یہ جیب کہاں سے
نے پوچھا۔

یہ جیب تمہیں لینے آئی ہے، وہ ہنسا۔
لیکن ہم تو یہاں بری طرح سے بچنے ہوئے ہیں۔ یوسف ظفر نے ہنسا۔
خوبصورت لڑکیوں کی کھلی نکالی۔

نکالی کی آنکھوں سے مسرت کی ایک چھوڑ اڑی۔ بولا، چھ خوبصورت لڑکیاں
تھیں بھیجی گئی تھیں۔ تاکہ آپ یہاں سے فارغ کر دیے جائیں۔

نکالی صاحب، یوسف ظفر نے کہا، چند روزوں کے کیریز کا سوال ہے۔ ان
سروس سے بین کر دیا گیا ہے۔ ہم انہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں۔

افراد کا سوال اہم نہیں، نکالی نے کہا، اس وقت قوم کی خدمت کا سوال ہے۔
ضرورت ہے، آپ کو میرے ساتھ چھانا ہوگا۔

کہاں میں نے پوچھا۔
مجاہدوں کے محل پر، وہ بولا۔

لیکن ہم پر تو بین لگی ہوئی ہے، یوسف ظفر نے کہا۔
دیکھو بھائی، نکالی نے کہا، یہ بین دین کی باتیں وہاں جا کر ملے کر لیں گے۔

کے لیے صرف پچیس منٹ کے سکا ہوا۔ کل اس وقت ہم سڑک پر
اور مجاہد کے لشکروں کے مفہوم سے پورے طور پر واقف نہ تھا۔ یوسف ظفر کے

دل میں اسلامی جذبہ یوں بھرا ہوا تھا جیسے مائتار سے بھرا ہوتا ہے۔ نکلی کی بات یہ کہ اس کے لئے جو 'انہوں نے کہا۔

دن میں تین یا چار بار بلاوا آ جاتا۔ آ جاتے ہو چلا۔ بلاوا آ جاتے
جائے، میٹنگ بھی اونٹنی میٹنگ ہوتی، کبھی درختوں کے جھنڈے، کبھی کسی
اوت میں اور کبھی کچھ میدان میں۔ سنو سنو نکلا دلی آواز میں کہنا: تازہ خبر
نہ دنوں ہمارے لیے سب سے اہم بات خبر تھی۔ چونکہ کواڑن کی کواڑ
ترین خبر کو جانا اہم تھا۔ زاریہ پر، چکیدار اور قاصد بھی خبر کو غور سے سنتے تھے۔
بولنا پڑے تو تازہ ترین حالات سے باخبر ہوں، یہ خبریں بھی عجیب نوعیت کی تھیں
کسی عجیب کی جرات کی حیران کن داستان، کسی جانناؤ کی جان کی قربانی کی قصہ
چکیدار دہری۔

میٹنگ ختم ہوتی تو سب اپنی اپنی جگہ سوچنے لگتے کہ خبر کو پروگراموں میں کیا
پروگرام کا کاروبار کیا ہو۔ نام کیا ہو۔

استاد معلم

دیے تو سب اہم خبریں میں ایک پر بولا کرتے تھے، لیکن ہمارے پاس
فکر موجود تھے۔ محمد حسین، تاج اور امیر خان۔

محمد حسین چوٹی کا فطرت تھا۔ نہ دنوں مجھے علم نہ تھا کہ یہ شخص صرف اس
کہ ریڈیائی اور لٹری خبروں میں میری راہ نمائی کرے۔ میں بتائے، سمجھائے کہ
کیا ہے۔ کردار کیسے بنے ہیں اور ڈرامے کس طرح لکھے جاتے ہیں۔ آج تاج اس
کہ محمد حسین میرا استاد تھا۔ اور ریڈیو آزاد کشمیر میرا معلم تھا۔ جس نے مجھے بات
تاج اور امیر خان دو سمجھنے آوازیں تھیں، جن کے پاس دل دلا دینے والی
نور ایک امیر آہوا فطرت تھا جو بعد میں شہرت سے بھگتا ہوا۔

آزاد کشمیر ریڈیو میں پروگرام عجیب انداز سے مرتب ہوتے تھے۔ ایک
ساتنے کے بعد کہا جاتا۔ یہ کہیاد وطن ہے، مجھے جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔
آگیا۔ بولنا میں کھولیں گاؤں کے جھوٹ کا پل۔ مسعود چلایا۔ دھول کا پل
کواڑن میں اور امیر خان۔

نہ لیا ہوں دو آوازیں، ایک شفا، دوسری دھلا۔

اچھی چلایا، نلے پر دھلا، عمر بڑا چلاخ چلاخ یوں جیسے چلائی ہو رہی ہو۔ نکلائی نے
لو اس کے گھر پہنچا کر آنا ہو گا۔

پول

اصل کا پول کاپول نشرو رہا تھا۔ تاج اور امیر خان شکر کرے تھے۔ ساتھ ساتھ
پول پر لائیں لکھ لکھ کر دیے جا رہا تھا۔ وہاں اتنی وقت میسر نہ تھا کہ سرکٹ پورا
پول پر پھر نشرو ہاں لیے۔ سرکٹ ساتھ ساتھ لکھا جاتا تھا اور شکر کرنے والوں کو یوں
پول پر لائیں لکھ لکھ کر دیے جا رہا تھا۔

اصل کا پول نشرو رہا تھا، نلے پر دھلا، چلاخ چلاخ چلائی ہو رہی تھی۔
اتحاد یار یہ ہاتھ ذرا کمزور رہا۔ لگا ہاتھ شنیے، یوسف ظفر کہ رہا تھا ہم نے کر
اس چلاخ چلاخ کی کواڑن کی ایک سال دہری میں کوئی نہ رہی۔

محمد حسین میرے پاس آیا، بولا، مفتی بی، ایک پروگرام ذرا ہٹ کے ہو جائے۔
میں چلائی تو ہوتی ہی رتھ ہے، ایک پروگرام دہری کواڑن میں ہو جائے۔ میں نے
لکھ لکھ بھارت کے دل کی باتیں باہر لائی جائیں۔ میں نے کہا شفا، لٹری جی
بولو بولو بولو سے بول۔ ایسا بولو بولو جو پورے شیشا ہو، اندر نہیں نکلی ہو۔ اوپر
اندروں کو دھو ہو غصہ ہو۔ کچھ پر نہیں ہو، بھل میں چھری۔ کچھ ایسا ہو۔ محمد

آزاد کشمیر سے ایک پروگرام نشرو رہا تھا۔ بھارت کی نئی پینک۔ مندر کی
محمد حسین پینک کی آواز میں پاگوں کو کر سکا رہا تھا۔ پاگوں بولنے سے
بھارت کا کام ہے کہ جو ملے ایسے تھیالے۔ دہری کے پیچ پر اپنا حق جتانے۔
کاؤنٹ ایک ہے۔

محمد حسین آج تو رنگ لگا دیا۔

میں نکلائی بولا۔ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ چلاؤں کی آواز سن کر بھارتیوں کے

اور انہوں نے کہا: کیا کیا کہہ رہے ہیں؟

انہوں نے کہا: "وہ کچھ دیر رک کر لو۔"

انہوں نے کہا: "آئی کہ پڑھا کیا کہہ رہا ہے۔"

انہوں نے کہا: "ہو لا جا احسن دے۔"

انہوں نے کہا: "اے کیسے پتہ چلا کہ مجھے انٹرویو دینا ہے کہ میں امتحان کے

تھے۔" انہوں نے کہا: "یاد آئی۔ وہ بھی یہی کہتا تھا۔" اور چلا جا جس پہاڑی ہیں، تجھے

انٹرویو دینی کے لئے سامنے مری کی پہاڑیوں کی قطار تھی۔

انہوں نے کہا: "میں میں یہاں نہیں رہوں گا، نہیں میں یہاں نہیں

رہوں گا۔" انہوں نے کہا: "اے لے اب شاپ بولے رہتے ہیں۔ ان کی باتوں

کا۔"

انہوں نے کہا: "کشن نے انٹرویو کے فوراً بعد میرے ہاتھ ایک حکم بنا دیا۔"

انہوں نے کہا: "کشن نے انٹرویو کے ذیلی دفتر آزاد کشمیر پبلی وائیکوٹ میں اسٹنٹ

کا۔"

انہوں نے کہا: "انہوں نے یہ حکم پبلک سروس کشن کے دستور سے ہٹ کر تھا۔"

انہوں نے کہا: "میں میں جابیں بھرجو گی کی سڑک پر سولر ہوم میں واقع تھا۔"

انہوں نے کہا: "میں میں صرف میں نہیں آئی کام کرتے تھے۔"

انہوں نے کہا: "ایک بنا فضا مسجد آئی تھا ایسے لگتا تھا جیسے ابھی ابھی ڈرائی

انہوں نے کہا: "میں میں بدھ ہو کر آیا ہے۔" خلیا اسلام پناہ تھی آئی تھا۔ درج شام دفتر

انہوں نے کہا: "میں میں لگتا تھا جیسے اسے کسی اور بات سے دلچسپی نہ ہو۔ اس کی بیوی

انہوں نے کہا: "میں میں لگتا تھا جیسے اسے لگا کر دیا تھا۔ اسے یہاں ہوش کے ایک

انہوں نے کہا: "اگر شہر ورت تھا ترقی کی خواہش اس کے بندہ میں رہتی ہوئی

راولپنڈی

میرا خیال تھا کہ چھ مہینے کے بعد میں واپس لاہور چلا جاؤں گا اور وہاں رہوں گا۔

گا۔

میرا جج مجاہد ریڈیو سے فارغ ہوا تو تم سب پڑی آگئے۔ پڑی آگئے۔

پر گرام تھا۔

ان دنوں پڑی ایک چھوٹا سا شہر تھا، چلی چلی سڑکیں، کنگ لکھی تھیں۔

مکانات پر لٹی وضع کی دکائیں۔ ہوٹلوں کے سامنے بازار میں دو کاسٹ چل رہے تھے۔

جن پر بیٹھ کر لوگ چائے پیتے اور حقے کے کٹ لگاتے۔

شہر سے ذرا فاصلے پر صدر کا علاقہ تھا جو مقابلہ صاف ستھرا تھا۔

لیکن وہاں کوئی چھلے راتی تھی۔

پڑی کو دیکھ کر میں بت لایس ہوں۔ بس کی بات ہوتی تو میں پڑی میں رہوں۔

وہاں پہلے پوسٹ ٹھکانہ میں نے پبلک سروس کشن کو ملازمت کی تھی۔

انٹرویو پڑی میں ہوا تھا لہذا میں پڑی میں رہنا چاہتا تھا۔

میں نے ایک بڑے فکرتے مجھے اشارہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ بیک باک گا۔

اور معتمدی کا بوجھ جملہ بوجھوں سے زیادہ بوجھل ہے۔ اس لیے اس کا دل
 دن کے لیے قلم بوجھوں اور بندھنوں پر چھڑا کر باہر نکل چکا ہے۔
 قوانین بظاہر بڑے آسان ہیں، پر ہیں بے حد مشکل۔

شاعر کا زاد یہ نگار سائنسی ہے۔ نثر نگار کی طرح
 ، شاعر کا نگار ہے۔ شاعر کا نگار ہے۔ شاعر کا نگار ہے۔

پلو میں ایمان بندھا ہے، دوسرے میں سائنس۔ ایک جیب میں فنون کا شوق، دوسرے کی دکان۔
 ایک سست ہے۔ ایک حذر ہے۔ ایک سست ہے۔

لوگ رسیا سیاحت کا پروانہ ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہزار ہوں لوگوں نے اصل چیز تو لوگ ہیں۔ لوگوں کو دیکھو ان سے باتیں کرو انہیں سمجھو ان سے کہ اس نے پاکستان کے دور دراز علاقوں کو دیکھا ہے۔ وہ سب خبردار ہے۔ کچھ میں بول افسانہ ہے اور حیرانہ کے قویہ ہو گا اور حیرانہ کے قویہ ہو گا۔ لیڈر کو اس بات پر فہم آتا ہے کہ انجینئری کیوں جانتا ہے۔ اس کی حق صرف لیڈر کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر وہ نہیں جانتا تو بھی جانتا ہوتا ہے۔ اس کی یوں راولپنڈی میں اہلی گما سہی اور پار یادی میں وقت گزارا۔ پھر محمد حسین اور ریڈیو کی مصروفیات تھیں۔

محمد حسین

راولپنڈی آ کر جوں جوں مجھے محمد حسین کے قریب جانے کا ارادہ تھا۔ حسین کے جوہر سکے۔

محمد حسین بنیادی طور پر گونا گونا آدمی تھا۔ محفل میں بات کرنا اس کے لیے دیکھنے میں وہ نہایت مشغول اور شبیدہ آدمی نظر آتا تھا۔ ریڈیو کے لیے سے بالکل مختلف تھے۔ مثلاً تاج تھا اور قمار میرخان تھا۔

یہ تینوں صدائیکہ بڑے پائے کے فنکار تھے۔ تاج کو اپنی کتاب ہے اور ریڈیو پر فخر تھا اور نور کو اپنی جو دہائی پر بھروسہ تھا۔ یہ لوگ فنکار طبع تھے۔ حسین جیسا کہ ان سے بہت کر تھا۔ نہ اس میں ظاہر تھا نہ جوش نہ ہنر۔ محمد حسین معمولی نوعیت کی تھی اور شاید اسی لیے وہ چھوٹی کواڑ کے ذریعہ ہم میں جا کر تھا۔ سسرل میں محمد حسین کا اداسیہ ہوا مگر عام سا مگر سنائی دینا تھا اور ذریعے لائڈ سٹیکر سے لوا ہوتا تو میں اسے سن کر حیران ہو جاتا تھا۔

محمد حسین قیصر میں کام کر چکا تھا۔ وہ چنگیز کے لب و لہجہ سے اور ان دنوں راولپنڈی کا ریڈیو مشین پشاور روڈ پر واقع تھا۔ ان دنوں سڑک تھی۔ سرشام ہی حسین ریڈیو مشین سے آگے چھوڑ رہا تھا۔

لوگوں کے درمیان ویرانے میں غلطے ہیں کو روک کر لوٹ مار کیا

رات گیارہ بجے اپنے سائیکل کھلتے اور راولپنڈی شہر کی طرف

لوہی رات کے وقت ریڈیو مشین سے چل کر کئی چوک پہنچتے اور

اپنا ہاؤس روانہ ہو جاتے۔

ان کا لائق ہی کچھ کریں۔

پوچھا۔

لوہی ریڈیو پر نہیں کی جاتی۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

پوچھا۔

تھے۔ شر کے پڑے اہل کاروں سے ان کا رابطہ تھا۔ وہ اکثر دوست اہلکاروں
دیکھا کرتے تھے۔ مجھے بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ اتفاق سے اس چوٹی میں
لوہاڑے اور وہ آٹھ شر کے کیل پیش کیا کرتے تھے۔ اس لیے میں آٹھ
بڑی اچھی طرح واقف تھا۔ انہوں نے چار ایک بار اندر سما بھی پیش کیا تھا۔
ترنگا لے گیتوں کی نقل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ چونکہ اندر سما ایک نیا
جب محمد حسین نے اندر سما کا نام لیا تو میں حیرت زدہ ہو گیا۔
عقل کی بات کہ محمد حسین میں نے کہا اندر سما کی پیشکشیں کون کیا کرتے
اس کا آپ فکر نہ کریں وہ یوں۔

تم گناہ جانتے ہو میں نے پوچھا۔
میں وہ یوں نہیں سکتا، لیکن میں اندر سما کے گناہوں کی نہ
آپ سکرپٹ کو ریڈیو کے مطابق ڈھال لیں، بس باقی میں سب سنہیل لوں
میں نے سکرپٹ لکھ کر محمد حسین کے حوالے کر دیا۔
سکرپٹ لے کر محمد حسین سازندوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ دس چودہ دنوں
ریسرچ کروانا ایک دن کہنے لگا آج آپ فارغ ہیں تو ذرا ہماری ریسرچ میں
ریسرچ میں کریں جیڑن ہو گیا۔ اندر سما کے گیتوں کی تمام دفعیں وہ
محمد حسین نے ایسی عمدہ کاسٹنگ کی تھی اور میڈیک پائل ٹیپ کے رنگ میں ترجمہ
جس روز پیشکش سے اندر سما شرم ہوا تو چاروں طرف سے لوگ بیٹھے۔ ہار کا
تھے۔ بھی لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اندر سما میں نے پروڈیوس کیا ہے۔
محمد حسین کو کریڈٹ لینے کا شوق نہ تھا۔ وہ صحیح معنوں میں ایک عظیم فن کار
محمد حسین کو میں نے سچے دل سے اپنا استاد بنا لیا۔

آج محمد حسین اس دنیا میں نہیں ہے لیکن جب بھی میں کسی انٹرویو میں
مکالمے لکھتا ہوں تو محمد حسین میرے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے اور اپنی مدد ہم
ہے، نہیں مفتی جی یوں نہیں اگر وہاں ہو جائے تو کیا رہے۔ اس وقت
چاہتا ہے کہ محمد حسین نے مجھے کیا کچھ دیا ہے اور اس کی دین کا سلسلہ ختم نہیں ہوا

میں نے کہا مفتی جی مجھے ایک شیخ ڈرامہ لکھ دیں۔

میں نے پوچھا۔

میں نے کہا ہاں ہے کہ راولپنڈی میں ایک ڈرامہ شیخ کروں۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

میں نے پوچھا۔

گزارہ ہو جائے گا۔

میں نے اختیار ڈال دیے۔ اچھا، مہ کن سی بولی بولے گا۔

وہ میں کروٹا، آپ سیدگی زبان کھ دیں۔

نہیں یہ نہیں ہوتا، میں نے کہا۔

تو پھر۔

نومے کے طور پر تو سننے کی زبان بولتا جا میں لکھتا جاتا ہوں۔

وہ بولتا کیا، میں لکھتا گیا۔ چار ایک دن میں وہ بولی یاد کرتا رہا۔

پھر ایک مہینے میں سکرٹ تیار ہو گیا۔

میں نے کہا محمد حسین اب تو اسے روایت کر دے۔

کہنے لگا میں نہیں مانتی جی۔ جتنے لکھتے تھے میں جتنے بولتے تھے۔

یہ ایک عظیم حقیقت تھی، جو میں نے محمد حسین سے سیکھی۔

کہنے لگا جب میں سرسل میں بولوں گا تو فقرے آپ بیٹھ جائیں گے۔

سرسلوں میں فقرے بیٹھ گئے۔

پھر وہ کاسٹ کا انتظام کرنے کے لیے لاہور چلا گیا۔

دس دن کے بعد وہ چھ ایک ڈنچی عورتوں کو لے کر آیا۔

میں نے ان خواتین کو دیکھ کر کہا محمد حسین یہ کیا چیزیں لے آیا ہے۔

کہنے لگا مفتی جی، یہ دیکھنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ تو سٹیج پر سننے کی چیزیں ہیں۔

آٹھ دس دن وہ کاسٹ کو سرسل کو دانا رہا۔ پھر کہنے لگا مفتی جی اب کچھ

آ رہا ہے، آ رہا ہے

پیشی کا سر، ایک نیا انداز سوجا تھا۔

سب سے پہلے میں نے ایک وال پوسٹر لکھا۔ جس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھی تھی۔

اس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھی تھی۔ جس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھی تھی۔

دوسرے دن پھر کھانا پڑی شہر میں آ رہا ہے۔ نیچے جلی عہدہ میں آ رہا ہے۔

UrduPhoto.com

میں نے اختیار ڈال دیے۔ اچھا، مہ کن سی بولی بولے گا۔

وہ میں کروٹا، آپ سیدگی زبان کھ دیں۔

نہیں یہ نہیں ہوتا، میں نے کہا۔

تو پھر۔

نومے کے طور پر تو سننے کی زبان بولتا جا میں لکھتا جاتا ہوں۔

وہ بولتا کیا، میں لکھتا گیا۔ چار ایک دن میں وہ بولی یاد کرتا رہا۔

پھر ایک مہینے میں سکرٹ تیار ہو گیا۔

میں نے کہا محمد حسین اب تو اسے روایت کر دے۔

کہنے لگا میں نہیں مانتی جی۔ جتنے لکھتے تھے میں جتنے بولتے تھے۔

یہ ایک عظیم حقیقت تھی، جو میں نے محمد حسین سے سیکھی۔

کہنے لگا جب میں سرسل میں بولوں گا تو فقرے آپ بیٹھ جائیں گے۔

سرسلوں میں فقرے بیٹھ گئے۔

پھر وہ کاسٹ کا انتظام کرنے کے لیے لاہور چلا گیا۔

دس دن کے بعد وہ چھ ایک ڈنچی عورتوں کو لے کر آیا۔

میں نے ان خواتین کو دیکھ کر کہا محمد حسین یہ کیا چیزیں لے آیا ہے۔

کہنے لگا مفتی جی، یہ دیکھنے کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ تو سٹیج پر سننے کی چیزیں ہیں۔

آٹھ دس دن وہ کاسٹ کو سرسل کو دانا رہا۔ پھر کہنے لگا مفتی جی اب کچھ

آ رہا ہے، آ رہا ہے

پیشی کا سر، ایک نیا انداز سوجا تھا۔

سب سے پہلے میں نے ایک وال پوسٹر لکھا۔ جس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھی تھی۔

اس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھی تھی۔ جس پر ایک بڑا سا سلاخ لکھی تھی۔

دوسرے دن پھر کھانا پڑی شہر میں آ رہا ہے۔ نیچے جلی عہدہ میں آ رہا ہے۔

UrduPhoto.com

پی آر ڈی

دفتر میں پہلے دو ایک سال تو ڈائریکٹر صاحب مجھ پر بہت خوش رہے۔

پھر دو ممتاز بلیئر کسی وجہ کے فیاء الا سلام نے بات بات پر مجھ سے الہ آباد

ہر بات پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے۔ بدلتے بدلتے بات اس قدر بڑھ گئی کہ

ان کے سلسلے میں مجھ سے جرح کرتے رہتے۔

ان کا علم نامہ موصول ہوا کہ ممتاز مفتی فوراً سیکرٹری وزارت امور کشمیر کی خدمت میں

گئے کہ شاید سیکرٹری نے مجھے سچے پیمانہ کرنے کے لیے بلایا ہے یا شاید وارننگ دینے

والے الفاظ صاحب نامہ رسکروم، تھو۔

کیوں۔

جو شخص بغیر وجہ مخالف ہو جائے، اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے وہ دیکھے جنہاں، اگر وہ مجھے ناراضگی کی وجہ بتاتے تو میں اپنی پوزیشن مبالغہ آفرین کر دیتا۔

اظفر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھایا، کہنے لگے۔

آپ اوتھ ہیں۔

جی۔

آپ قدرت اللہ شباب کو جانتے ہیں۔

صرف نام سنا ہے۔

ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے کبھی۔

جی نہیں۔

آپ ان سے کبھی نہیں ملے۔

جی نہیں، کبھی نہیں۔

اظفر پھر خاموش ہو گئے۔ انہوں نے دروازہ کھولا اس میں سے ایک لاکڑہارا

اللہ شباب نے مجھے یہ خط لکھا ہے۔

لکھتے ہیں، ممتاز مفتی میرے عزیز دوست ہیں۔ وہ آپ کے ایک ذیلی وزیر ہیں۔

جس کو بڑی مشکلات میں گرفتار ہیں، ہو سکے تو ان کی مدد کریں۔

وہ خاموش ہو گئے، پھر میری جانب دیکھا کہنے لگے قدرت اللہ شباب کا

کے عزیز دوست ہیں، لیکن آپ کا کہنا ہے کہ آپ انہیں نہیں جانتے۔

جی۔ میں انہیں نہیں جانتا۔ میں نے جواب دیا۔

پھر وہ کیوں کہتے ہیں کہ آپ ان کے عزیز دوست ہیں۔ اظفر نے پوچھا۔

جناب یہ بات آپ ان سے پوچھئے کہ وہ مجھے کیوں دوست سمجھ رہے ہیں۔

سفارش کر رہے ہیں۔

ان سے بات تو میں کروں گا، اظفر نے کہا۔

UrduPhoto.com

دل میں شوق پیدا ہوا تھا کہ وہ نیچے جا کر گھر والوں کی دھما چوڑی میں حصہ

۱۔ وہ اس لاکھتاے کریم جنتی میں آتی تھی۔ وہ اشفاق کی خیمیں کرتی کہ
۲۔ جو انتظار کر رہے ہیں، لیکن اشفاق اسے مل رہا تھا۔
۳۔ آفاک کہ اشفاق خیم جنتی میں رہیں کہو سوئی زندگی گزارنے پر کیوں مصر

نیم چھتی میں کالی بلی

۱۱. خاصیت دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔

وہ سارا دن نیم چستی میں پڑا آہیں بھرتا رہتا، یا اس کمرے میں، بے مقصد
کھڑا رہتا، جیسے وہ کمرہ نہیں بلکہ دشت کا ایک حصہ ہو۔

ہے بے تپ رہتا، ڈرے کہیں، ڈنڈی بجاتا اور لوگوں کو مسکور کرتا۔
 لگا تھا کہ کون سا اصل ہے اور کون سا نقلی۔

میں چپ چاپ گزارنے کے بعد وہ اپنی پہنچ پھانسیوں پر تھم

۱۔ یہ غیر چستی کی فضا مزید کم کر دیتی چلی گئی، خاموشی اور گہری ہوتی گئی، آہوں
 والی آہیں گئیں، کتابیں گرد تالود ہوتی گئیں، اشتقاق احمد کی یاد پر بیانی بڑھتی گئی۔
 ۲۔ ایک روز مجھے انگ لے جا کر کہا: مفتی جی یہ اشتقاق کو کیا ہوا جا رہا ہے۔

ہمارا ہے' میں نے پوچھا۔

جیسا کہ پہلے سے واضح ہے

عظیم فنکار قتل سے مکالمے لڑا کرتے ہیں مکمل حاصل تھا۔ دو آواز کے ایسے
 (۱) تھاکہ مکالمے میں جان بڑھ جاتی تھی، اشتیاق اور میں ہم دونوں نغمہ حسین کے فن
 (۲) لیکن محمد حسین کی یہ صلاحیت صرف بیچے اور نایک تک محدود تھی۔ عام زندگی

راولپنڈی آجائے کے بعد بھی اشفاق سے میرے تعلقات تھوں کے ۱۷، ۱۸
جب بھی میں لاہور جاتا تو اشفاق کے ہاں ٹھہرتا تھا۔

۱۹۳۹ء میں اشفاق نے گورنمنٹ کالج میں ایم۔ اے کے لیے داخلہ لیا۔

لوہن انٹر ٹیٹرو واپس سرکاری تحویل میں جا چکا تھا۔ اس لیے اشفاق کی زندگی تک محدود ہو چکی تھی۔ سارے لاہور میں اشفاق کا کوئی دوست نہ تھا۔

اشفاق سارا دن نیم جھتی میں یوں پڑا رہتا ہے، بیہوش جوڑ کے کچھ نہ!

فرق صرف یہ تھا کہ ہمیں لت پت کے عالم میں خوش رعبی ہے، اطلاق نام

نائب بڑے خان گمر نہ ہوتے تو نیچے خان شہل میں ہڑوٹک جج جاتا۔ ۱۱۰

اشفاق کے گل کھڑے ہو جاتے، لیکن وہ حتیٰ الوسع نیچے خوں منزل میں قدم

میں وہ ایک گونا گونا فرد تھا۔ اسے بات کرنی نہیں آتی تھی۔ بات کا مضمون سیدھا سادہ تھا۔

کیا ہوتا جا رہا ہے، میں نے پوچھا۔

آپ تو ایک دن رہ کر پنڈی چلے جاتے ہیں، میں تو اشتقاق کو اکثر ملتا ہوں۔

پھر تم نے کیا دیکھا۔

پتہ نہیں کیا ہے، پر کچھ ہے، اشتقاق وہ اشتقاق نہیں رہا۔

تم نے اس سے پوچھا نہیں کیا، میں نے کہا۔

بے کار ہے، وہ بولا۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

مجھ سے

وہ اس بات نے کی اہلیت نہیں رکھتا، اکیلا تھا۔

اور

میں نے کہا، حسین بولا، کوئی محبت و جنت کا جینجھٹ تو نہیں پال چیتا۔

میں نے جواب دیا، یہ بات نہیں۔

وہ بولا۔

میں نے جواب دیا، اشتقاق کو لڑکیوں کا شوق نہیں ہے۔ وہ عاشق مزاج نہیں

ہے، وہ خوب طبیعت کا مالک ہے۔ اچھا یہ بتا محمد حسین۔

وہ بولا۔

میں نے خیال کیا کہ محبت کا جینجھٹ ہے۔

میں اس سوال کو سن کر گھبرا گیا۔ کہنے لگا جی وہ جو کالی ملی ہے اسے دیکھ کر میں نے

اور، کون سی کالی ملی۔

میں نے کہا، میں کس کی ہے۔ کہاں سے آئی ہے۔ وہ بلی شہم چستی میں آتی

تھی اس کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ اس کے لیے دودھ منگوا کر رکھتا ہے۔ جب وہ آتی ہے تو

میں وہ ایک گونا گونا فرد تھا۔ اسے بات کرنی نہیں آتی تھی۔ بات کا مضمون سیدھا سادہ تھا۔

کیا ہوتا جا رہا ہے، میں نے پوچھا۔

آپ تو ایک دن رہ کر پنڈی چلے جاتے ہیں، میں تو اشتقاق کو اکثر ملتا ہوں۔

پھر تم نے کیا دیکھا۔

پتہ نہیں کیا ہے، پر کچھ ہے، اشتقاق وہ اشتقاق نہیں رہا۔

تم نے اس سے پوچھا نہیں کیا، میں نے کہا۔

بے کار ہے، وہ بولا۔

کیوں، میں نے پوچھا۔

مجھ سے

آپ تو جانتے ہی ہیں، اشتقاق دل کی بات کسی سے نہیں کہتا۔ پہلے میں نے اسے

پورے طور پر نہیں جانا تھا کہ اشتقاق دل کی بات کسی سے نہیں کہتا۔

میں بھی اشتقاق کی باتوں اور محفل آرائی سے اس قدر متاثر تھا کہ میں نے اسے

دوسرے پہلو کو قطعی اہمیت نہ دی تھی۔

زہلی نے جب لوہن اثر تھیں اشتقاق کا مجھے بتایا تھا، تو میں اسے دیکھ کر

زہلی کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

میں نے کہا، زہلی یہ کیا بتایا ہے تو نے۔

مجھے ہے، وہ بولا۔

کس کا مجھے ہے یہ۔

اشتقاق احمد کا ہے۔

میں نہیں بلکہ، میں نے فٹے سے کہا۔

نہ مانو، وہ بولا، میں کب کہتا ہوں کہ جڑ۔

یہ اشتقاق کا مجھے نہیں ہو سکتا۔

اس نے میری بات کا جواب نہ دیا۔

اس کو بڑے شوق سے دودھ پلاتا ہے، پھر اسے گود میں لے کر اس پر ہاتھ پھیرتا رہتا ہے۔
میری ہنسی لکل گئی، اس سے کیا پتہ چلتا ہے۔

میں، محمد حسین یونان، جب وہ بلی پر ہاتھ پھیر رہا تھا تو چٹالوں میں گھویا ہوا تھا۔
جیسے اس کے ہاتھ تلے بلی میں کوئی کچھ اور ہو۔

محمد حسین بچا کہتا تھا۔ میں نے بھی محسوس کیا تھا جیسے بلی محض ایک علامت ہو۔

چوکی بھری، چٹی سفید

مجھے پتہ تھا کہ اگر میں نے مکمل کربات کی تو وہ گھبرا کر خود کو سیٹ لے گا۔
خطرے کے وقت اپنا سر ڈھل میں پھپھاتا ہے، اس لیے میں نے بلی دی وی سے پوچھا۔
میں نے کہا، یار تیرے گھر والے تیری شادی کا سوچ رہے ہیں۔

وہ چونکا، 'جی'، تجھے کیسے معلوم ہوا۔

میں نے کہا، نیچے ہاتھیں کر رہے تھے۔ میں نے جھوٹ بولا۔

کیا واقعی؟ وہ گھبرا گیا، پھر آگے بھر کر بولا، وہ اپنا چوک پورا کر کے رہیں گے۔

وہ تجھ سے منظور نہیں کریں گے کیا میں نے پوچھا۔

کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ بولا۔

کیوں تمہاری رضامندی سے ہو جائے تو کیا حرج ہے۔

تو نہیں سمجھتا، وہ آگے بھر کر بولا۔

تو سمجھنا مجھے۔

خاندان میں سے کوئی لڑکی جن لیں گے۔

تمہارے خاندان میں کوئی خوبصورت لڑکی نہیں ہے۔

ساری ہی خوبصورت ہیں، ہنسنا شروع کر دیں، چوکی بھر جاتی ہے۔

کیوں چنے سفید رنگ کو کیا ہے۔ میری تو جان تھی ہے، ہر چنے سفید رنگ پر۔

مجھے ذہن لگتا ہے، اس نے ہنر بھری لے کر کہا۔

تو خاندان سے باہر کی لڑکی نہ کر لیتا۔

اس نے کہا، انہیں ہوتی۔

میں نے پوچھا۔

ہاں، ہر لڑکی وہ بھی قبول نہیں کریں گے، اس نے بلی سے بھرے انداز میں کہا۔

میں نے کہا، تم چٹان ہیں چٹان، غیرت کے مارے ہوئے، ہانوس کے دیوالے، خدی۔

میں نے اشتقاق اپنے خاندان سے باہر شادی کرنے کا حتمی قائل اور کوئی خصوصی خاتون دیر

میں نے اشتقاق کی شخصیت میں مختصر سا تذکرہ کیا تھا۔ اقتباس۔

میں نے لڑکا سے مراد کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جو جذبات کے

تحتیابہ طور پر میں نے چل دی کرتے کے شوقین ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ کہ

جس کے برآمدے میں چل دی نہ کریں، جس کی کوٹھڑی میں داخل نہیں ہوتے

وہ کہ جذبات کے پھول بھی جاکیں تو بھی جس کے کانٹوں میں الجھنے سے گھبراتے

میں نے تیری قسم سے تعلق رکھتا تھا۔

میں نے اشتقاق احمد کی آرزو تھی کہ شوق اور طرح دار لڑکیوں کو اپنی باتوں کے رشتہ میں

اپنی طرف متوجہ کرے۔ انہیں متاثر کرے۔ اشتقاق کو علم نہ تھا کہ لڑکی چھڑ جائے تو کیا

میں نے اس کے لیے صرف سگنا چلاتا ہے، بھڑک کر جانا نہیں۔ اس کے برعکس لڑکی

میں نے اس کے لیے اشتقاق قرب سے غافل تھا، وہ قائلہ برقرار رکھنے کا

میں نے اس کے لیے اشتقاق قرب سے غافل تھا، وہ قائلہ برقرار رکھنے کا

میں نے اس کے لیے اشتقاق قرب سے غافل تھا، وہ قائلہ برقرار رکھنے کا

میں نے اس کے لیے اشتقاق قرب سے غافل تھا، وہ قائلہ برقرار رکھنے کا

چھا گیا۔

تقسیم سے پہلے میری ماں نے بتائے میں اپنے گھر کی چلی منزل میں لڑائی اور
کھول رکھا تھا۔ مقصد صرف مصروفیت تھی۔ میری ماں اپنی طور پر ایک کافی تھی۔
یہ سکول جیسے کیسے سات آٹھ سال چلا رہا پھر پینہ نہیں کیسے ادا کی لڑائی
سکول کو باقاعدہ لے لے گئی۔ اس کے بعد محکمہ تعلیم کے افسر سکول کا معائنہ کر لے گئے۔
ایک بار مسز جنہ بھی آئیں۔

اس روز سے لہاں مسز جنہ کی مداح بن گئی۔ لہاں کی زبانی مسز جنہ کی شہرت
ہمارے کان پک گئے۔
لہاں مسز جنہ کے ذکر پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرتے نکلتیں۔ کتنی بار
پانچ وقت کی نماز ان ہے۔ ساری تجوید غریبوں کو خیرات دینے میں خرچ کر دیتی ہے۔

لہاں مسز جنہ کے ذکر پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرتے نکلتیں۔ کتنی بار
پانچ وقت کی نماز ان ہے۔ ساری تجوید غریبوں کو خیرات دینے میں خرچ کر دیتی ہے۔

کما کر اس معاملے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ خاتون مسز جنہ
اشفاق کو کبھی قبول نہیں کرے گی۔ اشفاق کے ماں باپ کی رضامندی
اور اس کے وہ تو جوتے مار کر ہمیں گھر سے نکال دے گی۔

ام کا کیا۔

وہاں آیا تو ہمارا خیال تھا کہ روم کی گماہمی میں دھیمان کسی اور طرف لگ
گئی ہو گی۔ لیکن اشفاق نے آتے ہی کالی بلی کی تلاش شروع کر دی۔
اسکے بھائی بھائی ہو تا تو دو سال میں بجز بھڑکے راکھ ہو جاتا لیکن وہ تو سنگن تھا۔
وہ تو گئی رہتی ہے۔ اور ہوا تو قد سید بھی خاتون تھی، مشرقی رنگ
کلیں تھے۔

ان اذ سر تو سگنے لگا، مفتی جی کچھ کرو، مفتی جی کچھ کرو، مفتی جی کچھ کرو،

تو پھر کچھ کرالیں۔

بولی میں کیا کر سکتی ہوں، میری کون سنا ہے، اس گھر میں۔

میں نے کہا، اہل تو اس گھر میں اسنے سارے جنوں کو سنبھاتی ہے، اہل!

بات بن جائے۔

وہ بولی، میں بڑے خان نہیں بنائیں گے۔

میں نے کہا، کوئی مانے نہ مانے اگر تو مان جائے تو ہم کر دیں گے۔

وہ بولی، مجھے تو کسی اعتراض نہیں۔

میں نے کہا، دیکھ اہل تو ایک بار بچے دل سے کہہ رہی ہیں تو!

تیک کلام کر دو۔

بولی اندر سے تو تمہارے ساتھ ہوں لوہے سے نہیں، مجبور ہوں۔

میں نے کہا، ٹھیک ہے ہمیں لوہے کی پرولہ نہیں۔ دل سے ہمارا ساتھ دے۔

کھکھو

اشفاق احمد کے بہت سے بھائی ہیں۔ سارے ہی ٹیلنٹڈ ہیں، فنی ہیں۔

فیلنٹ کا رخ اور ہے۔ اس لیے وہ سارے خاندان سے وکرا ہے، یوں

براہمن ہو۔

اشفاق کا ایک بھائی جسے ہم کھکھو کہتے تھے منڈو کردوار کا مالک تھا۔

منہ پر بات کہہ دینے والا، کڑوی سے کڑوی بات کہہ دینے والا۔ ڈانٹ کر

داری سے بے پرواہ بات کا لپکا، خیر! سچ کا ساتھ دینے والا۔ کھکھو ایک

مالک تھا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے کھکھو سے بات کی۔

میں نے وہ چلا کر بولہ۔ میں شتو کی زندگی چاہے ہوں میں کلک کر

نہیں۔

میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کوئی تمہاری بات بکری آنکھ سے نہیں

دھاک کی اگر کھکھو نہ ہوتا تو اشفاق کے گھر میں آج گلابی اور پٹے سفید

بولی اور

کھکھو کی دھار کو پاؤ قد سید نے کند کر دیا تھا۔

اگر کے ایک کوارٹر میں ایک رات مولوی صاحب بیٹھے، اشفاق اور

تھے، محمد حسین اور میں تھر تھر کا پ رہے تھے کہ بڑے خان پولیس لے

اور کھکھو کھڑا ہمیں حوصلہ دے رہا تھا۔ مریدو وہ کہہ رہا تھا، حوصلہ رکھو۔

میں نے کہا، تمہاری طرف کوئی بکری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔

خواجہ جان محمد بیٹ

چلیہ کک

چلیہ کی کوٹھڑی سے صرف دو آوازیں گونجتی تھیں ایک 'فخو' دوسرا 'فخو'۔
 فنا میں تسخیر نہ تھا، سیرت نہ تھی، مسرت نہ تھی۔ اسے اسے عروہ۔ اس
 ہی نے نیازی تھی۔ جب بھی کوئی چلیہ سے کسی کی شکایت کرتا یا بدھستی کا رونا
 وہ ایک بھر پر قہقہہ لگاتی، یوں جیسے وہ شکوہ کرنے والے یا بدھستی کا رونا نہ
 چھوٹی عروہوں اور رنجشوں سے بے نیاز ہونے کی دعوت دے رہی ہو
 چھوڑو 'بھانو' یہ رام لیا، ایسی ہی ہے۔ یہ نکلتی ہی تو اس پچھت کی رنگ ہمار
 والا ہوئی کھیل رہا ہے۔ کھیلنے دو، اسے کھیلنے دو۔ جس رنگ میں چاہے کھیلے۔ اس
 جیون ہے اس کے کھیل کی وجہ سے ہی دھرتی ہری بھری ہے۔

یہ واقعہ ۱۹۶۱ء کا ہے جب میں چلیہ کے گھر میں پناہ گزین کی حیثیت سے گیا
 ۱۹۶۱ء میں میٹرکولیشن کر کے میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہو گیا تھا۔ ا
 ہاسٹل میں ایک میٹ دلوا دی تھی۔ لیکن ہاسٹل میں رہتا میرے لیے نعمان نہ تھا
 گھیر ہی گھیر تھے۔ جن کے درمیان ڈرا ہوا 'سما ہوا' ایک بالشتیہ
 اس زمانے میں اسلامیہ کالج میں لڑکے نہیں بلکہ چودھری اور دامہ
 لوچنے لپے، بڑی بڑی 'ٹوپی' جسے کلف دار طرے، جب وہ گھول سے لاہور آئے
 پائین ان پر ایک کالی حق پکڑے بیٹھا ہوتا۔ ہوسٹل میں ایک کالی مٹی چالی
 پاجامے کی جگہ چادر باندھی ہوئی، بے کلف کچھاڑ، قہقہے لگاتے، دوپٹے مڑا
 لگاؤں سے گھورتے 'ایسی گھوڑی کہ دم رک جائے' جان نکل جاتی۔

ایک ڈرا ہوا 'سما ہوا' اکلیا، 'فوکرائی' کا بیٹا، بھٹان ان گھوڑوں کے ساتھ
 لیے میں ہوسٹل سے بھاگ آیا تھا۔ اور چلیہ کے گھر چلا لینے پر مجبور ہو گیا تھا
 دروازے میں تھا اور بھائی دروازہ، 'بیرا' منڈی کی شاہراہ تھا۔ ان دنوں
 معیوب نہ تھا، ٹائٹیشن میں تھا۔

ایک دن میں نے چلیہ کی بیوی سے پوچھا، یہ رانا کافو کیوں لگاتی ہے۔

دو پوئل

UrduPhoto.com

پہلے پہ چلے

دراگ ہے اس نے کھل ہر جمعرات یہ اس کے مزار پر جاتی ہے۔ رانا کا مزار
 میں تھا۔ ایک روز میں مزار کی طرف چل پڑا۔ چھوٹے بازار میں رانا پر ایک
 نے اسے گھر لایا، رات بھر بچتا رہا۔ پتہ چلا کہ رانا ایک سخی آدمی تھا۔
 جس روز میں مزار پر گیا وہ بھرت کا اون تھا۔ ان دنوں بیرا منڈی کی مٹی
 اس کو جلوس کی صورت میں رانا کے دربار چلیا کرتی تھیں۔ راستے میں یہ
 کی انھیں چھٹی کی پستی ہو گئیں۔ میں جلوس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ مزار پر
 اس نے پچھلے۔

میں ہر جمعرات کو مزار پر پہنچتا، لیکن دربار میں حاضری نہ ہوتی۔ شاید رانا نے
 والے کے لیے اس جانب نظر جلوس کو کام پر لگا رکھا ہو۔

دراگ کا تذکرہ لیں کرتی رہتی تھی۔ ان کا ہم عالمی رفیع الدین قہقہہ دلی میں
 رہتے تھے۔ سلسلہ پشتیہ تھا۔ انھیں سبھی عالمی صاحب کہہ کر بلایا کرتے تھے۔
 عالمی صاحب کیسے اور کب بٹالے آئے اور منیبلے میں طے پہنچے، جہاں ہم رہتے
 کی بیت کر لیں۔ ان دنوں مجھے یہ تو بزرگ کا پتہ تھا کہ کیا ہوتا ہے، کیسے ہوتا
 کاظم تھا۔

عالمی صاحب نے مجھے بری طرح رنج کر رکھا تھا۔ یہ کہنا بزرگ ہے، میں سوچتا ہو
 حالات میں خوار خوار مداخلت کرتا ہے۔ بھلے آدمی تو لعلہ اللہ کر جو بزرگ کا کام ہے
 قہقہہ کو پرانی کیا پڑی اپنی بیڑ تو۔

تھے کہ ان دنوں میں ایک خاتون کے عشق میں سرشار تھا۔ خاتون کے عشق
 انرا ایک عام سے بات ہوئی ہے۔ میری شکل یہ تھی کہ وہ خاتون شادی شدہ تھی
 اس کے علاوہ ایک اور بدھستی کے میرا عشق وصال سے بے نیاز تھا۔ وصال کے
 ارب طاری ہو جاتا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو دس بارہ وصالوں کے بعد ہی بھر جاتا اور

میں والہیں گھر آجائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سولہ سال میں محترمہ کی لڑکی میں لہجہ
پہنچاؤ تھی۔ وہ ملاپ نہیں چاہتی تھی۔ صرف یہ آردو تھی کہ کوئی نگار پہ
آئے تھے، جب محترمہ کا شوہر اکیلا اپنی ملازمت پر چلا جاتا اور مجھے والدہ لڑکی
میں کوٹھے پہلاٹک کر وہاں جا پہنچتا اور پھر محترمہ کے پاؤں سے کیلا، روٹا، دال
اور بیروں سے کھینے کا بڑا شوق تھا۔

ان وقتوں کے دوران میں انتظار کرتا کہ کب لہجہ سوجائے تو میں
سے کھیلوں، جب لہجہ خراٹے لینے لگتی تو میں دے پاؤں چل پڑتا، لیکن وہ گھر
قریب پہنچتا تو لہجہ بڑھ کر ٹھیکہ کو بیٹھ جاتی اور بڑی منت اور لجاجت سے
میں اپنی چارپائی پر لوٹ جاتا اور از سر نو انتظار کرتا کہ کب لہجہ کوئی چیز
پہنچ جائوں۔

یہ واقعہ روز ہوتا تھا، کبھی رات میں دو دو، تین تین مرتبہ۔

ایک دن میں نے لہجہ سے کہا، لہجہ یہ تاکہ تو اس وقت کیے۔
تیری چارپائی کے قریب سے گزر آؤں۔

لہجہ نے کہا، مجھے حلقی صاحب دیکھ دیتے ہیں۔

یہ سن کر مجھے بے حد غصہ آیا۔ یہ کیسے بزرگ ہیں، جو عین موقع پر لہجہ
خوا خواہ میری زندگی میں دخل دیتے ہیں۔

پھر مجھے خیال آتا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لہجہ کے بیٹاؤں کو بچے میں ایسا
بڑھاکہ بٹالے میں سوئی ہوئی لہجہ کو چنگا سے اور وہ بھی اسی رات کے وقت۔

بہر صورت حلقی صاحب کے خلاف میرا دل قم و غصہ سے بھرا ہوا تھا۔

ایک رات جب لہجہ خراٹے لے رہی تھی اور میں دے پاؤں اس کی چارپائی
تو لہجہ کو حسب معمول حلقی صاحب نے چگا دیا۔ لہجہ بڑھ کر اسی اور میرا لہجہ
مستاز نہ، اس کا اہتمام اچھا نہیں ہو گا۔

میں نے کہا، لہجہ ڈال سے لڑتا ہوا ابھی کسی جڑا ہے تو کیوں اپنے کپڑے
رہی ہے۔ بات بھی صحیح تھی۔ قصور میرا تھا، لیکن لہجہ میرے قصور پر غور نہ کیا۔

میں نے ایک کمرے میں لے گئی اور ہاتھ پدھ کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔
میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ تو میرے ایک بات مان لے پھر جو مرضی ہے کرنا میں نہیں تو کوں

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ لہجہ لے پھر جو مرضی ہے کرنا۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ تیرے ساتھ بھیج دیتی ہوں، وہاں جا کر حلقی صاحب کی بیعت کر لے۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ تو اس سے تو جا کر بیعت کر آ۔

میں نے کہا، لہجہ نے منت سے پوچھا۔

میں نے کہا، لہجہ وہاں اچھا کر آؤں گا بیعت۔

میں نے کہا، لہجہ میں مجھ سے کہی گئی تو میں نے جانتی کہ میں دلی جا رہا ہوں۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ جا کر حلقی صاحب کی بیعت کر آ۔

میں نے کہا، لہجہ وہ بولی پر یاد رکھ جو ہمارا پاٹکا ہے، وہ کسی اور کا ہو ہی نہیں سکتا۔

میں نے کہا، لہجہ ہے کون، میں نے پوچھا۔

میں نے کہا، لہجہ بت سے عذر والوں نے ان کی بیعت کر لی تھی، مجھے بھی کتنے تھے۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ تو میں حلقی صاحب کی بیعت کر لے۔

میں نے کہا، لہجہ۔

میں نے کہا، لہجہ میں نے تو پہلے ہی سے بیعت کر رکھی ہے۔

کیا واقعی 'میں نے حیرت سے پوچھا۔

بولی 'ہاں' اور میرا مرشد بڑا حلقہ دور ہے۔

جی کون ہے وہ۔

بولی 'تو جو ہے۔

'اس پر میں نے غموں سے کہا جیسے مجھے تخت پر بٹھا کر تاج پہنا دیا گیا ہو۔

دو ایک دن میں اہل نے مجھے دلی بیچنے کے تمام انتظامات مکمل کر لیے۔

دلی

دلی میں حیدر میں ایک عزم کے گھر ٹھہرے۔

اگلے دن ہم بلی مارا گئے، ٹنگ اور گھومتی ہوئی گھیاں ہی گھیاں۔ حلقہ صاحب

ایک بند گلی میں واقع تھا۔ ہم نے دروازہ کھٹکایا۔ ایک فوجیوں لڑکا باہر نکلا۔ حیدر

بغائب سے آئے ہیں۔

حلقہ صاحب سے ملنا ہے۔ لڑکا ہمیں مشک میں بٹھا کر اندر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد ایک پتھر دار پست قد آدمی داخل ہوا۔

اوسے 'میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

میرے سامنے ایک نحیف و زرار آدمی کھڑا تھا۔ اس کی ناکھیں مشکل سے جسم کو اٹھا

ہوئے تھیں اور سر پہل دبا تھا۔ انداز میں بے بسی بھری ہوئی تھی۔ وہ ہمیں بڑے تپانے

اور جھڑ سے ملے۔ پھر حیدر سے ہملہ لوگوں کی خبر پر پوچھنے لگے۔

میں نے سوچا یہ نحیف و زرار بڑھا جس کی ناکھیں لڑکھارہی اور سر جھول رہا ہے۔

باتھ کیسے پکڑے گا۔ چلو جو بھی ہے 'مفتقد دلی کو خوش کرنا ہے۔

دراصل میں سمجھتا تھا کہ حلقہ صاحب تو بد پھیلائے، کچھ کچھ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اور

میرداد کی بیٹھ ہوگی۔ جیسے ہمارے ہاں بھڑوں کا دھڑو ہے۔ سر دھن کر کے دلی ٹنگ دار

سے بات کریں گے 'میرداد انداز سے سر ہاتھ پھیریں گے۔ لیکن یہاں تو بات بالکل بالکل

خیر خیریت پر پوچھنے کے بعد حلقہ صاحب بولے 'فرمائیے کیا حکم ہے۔

کہا 'جناب ان کی والدہ نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ فرمائی ہیں کہ

اس وقت میں نے میں تو کرم نوازی ہوگی۔

حلقہ صاحب بولے۔

کہا اور ہے کہ اپنے مریدوں کی بات کو اپنے لیے حکم سمجھتا ہے 'میں نے سوچا۔

وہ وقت حلقہ صاحب سے مل کر میں بہت دلی ہوا ساتھ خوش بھی۔ دلی اس لیے

کہا کہ وہ نہیں سنبل سکا تو مجھے کیا سنبھالے گا 'خوش اس لیے کہ یہ میرا کیا کڑے گا۔

اس وقت حلقہ صاحب نے میری طرف دیکھا۔ دو کھلی سیاد سرے کی دھار والی 'پاکی

دلی بولی 'آکھیں مجھ پر مرکوز کر گئیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے پتہ نہیں کتنی بڑی دلی

ہو۔

آکھ

وہ اعلان تھا جب میں نے چشیرہ آکھ کو دیکھا تھا۔

وہ اعلان نہ میں چشیرہ سے واقف تھا نہ چشیرہ آکھ سے۔ نہ اللہ کا مہموم سمجھتا تھا نہ اسلام

کا۔ میرے نزدیک فرسودہ رسوں کا ایک گھٹا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگ وہ ہوتا ہے جو

ہم سے 'کھل ہوئے دلی بات آج تا کئے 'پھونک مارے تو بیماری دور ہو جائے لائق

تھا تو اس کا حامل ہو۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگ ایک طرح کا ہداری ہوتا ہے۔

لیے یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔ ارے یہ حلقہ صاحب تو ایک انسان ہے۔ نحیف

میں 'اس سے بات کی جا سکتی ہے۔ اس کی بات کٹنی جا سکتی ہے۔ اس پر میرے دل میں

آکھ اور گھبراہٹ

اسی شام ہم تینوں حلقہ صاحب 'حیدر بخاری اور میں دلی کی جامع مسجد میں جا پہنچے۔

اس وقت کر لیں 'حلقہ صاحب نے کہا۔

اس گھر پر آج بڑے وضو کے کوٹھ میں بھول چکا تھا۔

میں نے مجھے ٹوکا نہ نہ دے ایسے نہیں۔

حلقہ صاحب نے حیدر سے کہا 'میں ٹوکے نہیں 'جیسے چاہیں وضو کریں۔

وضو کے بعد انہوں نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔

اپنے ہاتھ میرے ہاتھوں میں دے دیجئے، وہ بولے۔

ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔

جی فرمائیے۔ حاجی صاحب بولے۔

یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

آپ کی والدہ محترمہ کا حکم بجا رہا ہوں۔ آپ کو بیعت کر رہا ہوں۔

بیعت کیا ہوتی ہے، میں نے پوچھا۔

ہاں، قلعہ مار کر خوسوں۔ یہ صحیفہ و نثار پڑھا جس کی فائلیں لڑکھڑاتی ہیں اور سر

سے چائے پلانک کے پلوے کا آکا ڈھیلا ہو گیا ہو۔ یہ بھلا مجھے دلی کی سیر کیا کرائے گا۔

اگر

اگر ہاڑی ہاڑی بازار دلی کی واعدہ سیر گاہ تھی جہاں دلی کے بچے گھوما پھرا کرتے تھے۔

میں نے کہا کیا آپ نے ہاڑی کی سیر کی ہے کبھی۔

اب وہ بولے، ہم تو وہیں رہا کرتے تھے۔

آپ نے اسے آزمایا۔

ہاں صرف ایک بار وہ بولے۔

کیا واقعی عورت مطیع ہو جاتی تھی۔

ہاں وہ بولے۔

دوسری بار کیوں نہ لگایا۔

اس لیے کہ عورت کا ذہن شل ہو جاتا تھا، باقی ایک بے جان بت رہا تھا۔

کیا کہ بے جان بت کو کیا کرنا ہے، ابھی ہوئی لائسنس کو دفعتاً پھرنے لگا۔

وہ سربراہی میں پھینک دیا۔

پھینک دیں وہاں میں نے سوچا، کسی کو دے دیجئے۔

ممتاز صاحب، وہ بولے، ساری لذت طلب میں ہے۔

حصول تو اک بے جان کیفیت ہے۔

ایمان اور شکوک

وہاں سے واپس سفر میں مسلسل سوچ میں کودا ہوا۔ حلقی صاحب کی کنفیوز کر کے رکھ دیا تھا۔ حلقی صاحب میں بزرگوں والی کوئی بات نہ تھی۔ وہ بزرگوں کی روایتی اور وسعت خیال۔ وہ ایک انٹلی انسان تھے، بزرگ نہیں۔

میرے دوروں ایک طرف حلقی صاحب کھڑے تھے دوسری طرف میرے اپنا بڑا بڑا رسل، ایڈیٹر، فریڈ، نیشنلسٹ، کاکا، واسٹو، سکی، وہ کہہ رہے تھے۔

کہ ہر بات کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھو۔ اسے جانچو، پھر کو، ٹھوکر، ہمارا ہر لڑکے، بند آکھوں سے جو ایمان لایا جاتا ہے اس میں اختتام نہیں ہوتا۔

حلقی صاحب کہہ رہے تھے۔ ایمان آکھیں کھول کر حاصل نہیں ہوتا۔ اسے دوسرے جانتے ہیں جو راہ کوئی کر دیتے ہیں۔ بند آکھوں کا ایمان سچا ایمان ہے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

الفاظ کا شرف حاصل ہوا، انہیں پاک والا پلا کتے تھے۔ لہذا زبردستی

کی تھی۔ یہ واقعہ ۱۹۳۵ء کا ہے۔

بارہ میل دور بڑی سڑک پر ایک گھاٹ ہے، جینٹلی پور۔ ایک پلاسٹک

کڑی لیٹ رکھی تھی، اپنی گھڑی اٹھائے جینٹلی پور کی مسجد میں آکر

لوگ کھتے رہے کہ مسافر بے چارے جانے گا، لیکن جوتے روز جینٹلی پور

نہروا کے پاس گئے، کتنے گئے مسجد میں ایک ایک آ بیٹھا ہے اور اس کا

غیر افسانہ آتے مسجد تو اٹھ کا گھر ہوتی ہے۔ وہاں مستقل رہائش کر لیتا تھیک ہات

نہروا کو غصہ آگیا وہ سیدھا مسجد میں گیا۔ پلا کو ڈانٹا ڈپٹا اور اس کا سامان نکل

کر دیا۔

انہوں نے ایک گھنٹے درخت کی چھائوں سے جا بیٹھا۔

ایک ایک بیٹھیں بلاوجہ مرگئی۔ اگلے دن دوسری بیٹھیں بیکار پڑ گئی۔ نہروا

نے کہا، یہ پلا کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ اس پر گھاٹ والے پلا کی خدمت میں حاضر

ہوئے، کس پلا ہم سے نفرت ہوئی نہیں معاف کر دے۔ یہ شک تو مسجد میں ڈیرہ

ہو گیا، ایک مکان خالی کر دیتے ہیں۔

انہوں نے انہوں پر کان نہ دھرا، وہ خود سے باتیں کرنے میں لگا رہا، اکھڑی اکھڑی باتیں

کرتے، وہاں آئے تو پتہ چلا کہ نہروا کی دوسری بیٹھیں بھی مر چکی ہے۔

اس میں پاک والے پلا کی دہشت پھیل گئی۔ پلا سارا دن درخت تلے ٹھل لگائے

باتیں کر رہا تھا۔ جب نماز کا وقت آتا تو قرآن کھیت میں جا کر نماز ادا کرنا اور پھر

نماز شروع کر دیتا۔ کسی نے بھی پلا کو لینے ہوئے پاسوے ہوئے نہ دیکھا تھا۔

اس کی بات ہے جب میری زندگی کا وہ طوفان چل چکا تھا جس نے لہاں خائف

میں حلقی صاحب نے کہا تھا کہ یہ ہو کے رہے گا۔

اور لکی رتھین محفل کہ رنگ رس میں ڈوبے بیٹھے رہو گے۔
 اے مجرمے میں لے گیا۔

ایک کلی میں وہ ایک لپا سا کرا قلہ قرش نور دیو اریں مٹی سے لپے پتے
 چٹائیاں پھینچی ہوئی تھیں۔ دونوں دیواروں کے ساتھ ساتھ بہت سے لوگ
 کھڑیاں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے درمیان میں ایک پہلو ان نما کوئی بیٹھا
 تھا۔

ابراہیم باقاعدہ انوار ہدی کرم جوشی سے مجھے ملک بات بات پر مجھ سے
ہے تاہم بات۔ بابا میری بات کو بہت اہمیت دیتا تھا۔

میں نے قوم سے پوچھا 'یار یہ کیا چیز ہے۔'
 'کنے کا' تجھے کیا لگا ہے۔

۱۰ کئے '۱۰' تھے کیا لگے۔

میں نے کہا: یار مجھ کو تو یہ جن لگتا ہے، جن۔

اس پر ہمارے شور مچا دیا۔ کہنے لگا: دیکھو بھائی، یہ پہلا آدمی ہے، اور آج
ہے اور اس نے ہمیں پہچان لیا ہے۔ کہتا ہے: ہمارے جن ہے۔

سب کی نگاہیں ہماری طرف اٹھ گئیں۔

میں نے زیر لب کہا 'یار اس نے تو سن لیا۔'

قیوم بولا۔ اس کے کان کھڑے رہے ہیں، بہت سنتا ہے۔

تجھے پتہ ہے، ہمارے منہ موڑ کر ہمیں مخاطب کر کے کہہ۔

بولنا لذت ہے 'سنا دیکھ ہے۔

ارے یہ جن تو بڑا حاضر جواب ہے، میں نے سوچا چلو اسے تجیڑو۔ میں نے اسے

پیشگیریاں چلائی شروع کر دی۔

وہاں محفل میں لوب اور احترام کی وجہ لوگ چپ چاپ بیٹھے

بات چھیڑنی پڑتی تھی۔ میں نے باتیں

روز کی حاضری

اس کے بعد بابا اور میں دوست بن گئے۔ بابا لٹھ لے کر میرے پاس آئے۔

ڈیرے پر آیا کر۔ بس ہم نے تیری حاشی چکی کر دی ہے۔ میری حاضری کو دے

تعلق تھا نہ پیری مریدی سے نہ روحانیت سے۔ وہ حاضری تو لذت کا نام لیلا۔

بے تکلف باتیں کیا کرتے۔ محفل میں رونق پیدا ہو جاتی۔ بابا القیاس بھری نظروں سے دیکھتے۔



لائے گئے تھے تو عید محمد کا تقرر شاہی مجلس میں بطور پورہی ہو گیا تھا۔

مسجد میں آپ نے قرآن کریم کی تعلیم پائی۔ مدرسے میں پانچویں اور تعلیم سے دل اٹھات ہو گیا۔ بچپن سے ہی ششٹی سے رغبت تھی، بہت ہی خدمت میں حاضری دینے کا اشتیاق تھا۔

لال کزئی میں فضل الدین تھکنڈی رہتے تھے، ان کی خدمت میں ما عقیدت ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی بیعت کر لی۔ توجہ پہلوانی سے وٹ کر مبدول ہو گئی۔ ذکر الہی میں ایسا ہی لگا کہ باقی سب کچھ دھندلا گیا۔

وگدے مرنے سے پہلے اپنا فرض پورا کرنے کی غرض سے آپ کی غلب پر استغراق عالم طاری تھا۔ شادی کے بعد دوبند کے پابند رہتا تھا۔ قضا کے بعد المیہ سے علیحدگی اختیار کر لی اور اُسے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد ۲۵ مزاری۔

اس کے بعد استغراق اس حد تک پہنچ گیا کہ خود پر اختیار نہ رہا۔ مسج میں کرتے، لیکن سچے میں جاتے تو سر اٹھانے کا ہوش نہ رہتا۔ نماز ختم ہو پائی، گھر پہنچ جاتے لیکن آب و ہوا، کدے سے، درے، سحر۔

پہلا احمد خان کی رفاقت کا بہت اثر ہوا۔

نامی مقام رکھتے تھے، آپ کو بہنو خان کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ بندو

ایمان مائل ہوا۔

اور کہ آپ کی طبعی اور موروثی خصوصیت 'شدت' کو تاویا نہ لگا جس کے کی کیفیت پائی تھی۔

ان نے ایک نو مسلم نیسائی خانوں سے عقد کر لیا۔ خانوں کی سچھ لگ بیٹی کے زیر اختیار رہتی تھی۔ ماں نے چاہا کہ بیٹی کو اپنے پاس بلا لے۔ مشن کے خاتمے کے وقت اس نے انکار کر دیا۔ پلوا صاحب نے عدالت میں چارہ جوئی اس پر چڑی کے مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوا لیکن لڑکی چرکے 'اس لیے پلوا صاحب کا دعویٰ خارج ہو گیا۔ مسلمان مقدمہ ہار گئے'۔

پہلی

پہلی بخش، ایسا تو ہمارے ساتھ کبھی نہ ہوا تھا۔

۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

سورہ الحمد کا بیان ہے۔

اللہ کی لہجہ ہے۔

اللہ کی لہجہ ہے۔ اور پڑھیں گے اس دہائی لہجہ والا تمہارا منتظر ہے۔

۳۵ سال تجرہ کی زندگی گزارنے کے بعد سائیں اللہ بخش نے غرضی سے نہیں کیا تھا، ظاہر تھا کہ سر تسلیم خم کر رہے ہیں۔

حرم خانی ہستی تکیوں کا باعث بنا اور آپ نے فن تکیہ، برداشت کیا۔

۱۹۵۳ء میں مئی کے آخری پختے میں غرضی بیماری کے بعد ۱۱ بجے گئے۔

تذکرہ

عزیز ملک نے سائیں اللہ بخش کا تذکرہ ”مرد قلندر“ پر لکھا ہے۔ ملک جانے پہچانے صاحب طرز ادیب ہیں۔ اس تذکرے کی غلطی یہ ہے کہ اس میں رمی انداز میں لکھا گیا، ”عالمی مقام“ حضرت جیسے رمی احترام کے انقلاب سے سہل میں کیا۔ اس سے بوجھل نہیں بنایا گیا۔

عزیز ملک نے یہ تذکرہ دہلی میں بلکہ اپنی انداز میں تحریر کیا۔ میں اپنا سلاک میں نے تو مصلحت پیش کرنے کے خیال سے سادہ اور سائیں اللہ بخش کی زندگی کے مونے مونے واقعات پیش کر دیے ہیں۔

مرد قلندر کے مطالعہ کا مجھے کوئی فائدہ نہ ہوا اس سے پہلے میں نے تھا۔ کتب پڑھ کر میں نے سوچا ”لیکھ ہے یہ ایک بزرگ کے مالا۔ بزرگ نے میری زندگی میں کس مدافعت کی ہے۔ کیوں ایسے مالا۔ مزار پر غاضبی دہوں اور پھر رقت ظاہر کر کے میرا تشاؤ بنادیا۔“

میں دونوں میں اس واقعہ کو کرم نوازی میں بلکہ مدافعت ہے یا پھر مجھے یاد آئے کہ دلی میں عالمی رنج الدین نے فرمایا تھا ”انہیں“

میں انہیں میرے دوہرہ ایک بڑے ایگزیکٹو کڑا ہے جو چاک و رقت کی اہمیت کا احساس رکھتا ہے، ڈاکٹر بات منہ سے نکالتے سے خوش الحانیاں کو بات سے جانتے نہیں رہتا۔

اللہ ہی کنفیوز ہو گیا۔ تذکرہ پڑھ کر مرد قلندر کی جو شخصیت

میرے ذہن میں مرتب ہوئی تھی، بھائی جان کی شخصیت اس سے لمبی اور
 تھی۔
 سائیں اشد بخش میں شدت تھی، جذبہ تھا، دوا دوا غم و غصہ تھا،
 جان میں ہوش مندی تھی اور سب سے بڑی بات کہ توازن تھا۔
 اس زمانے میں میں بزرگ اور انسان کو دو مختلف کیفیتیں سمجھتا تھا
 انسان سے عقیدت پیدا ہو جاتی تھی۔

بھائی جان کی شخصیت کا بنیادی جزو انسانیت تھا۔ اس لیے اسی انسانیت
 سے کوئی بات نہ کر سکا۔ میں ان سے دو باتیں پوچھتا جانتا تھا یہ کہ آپ
 رقت کیوں ظاری کی اور کیا سائیں اشد بخش یا آپ اپنے حالات اور
 مضبوط ارادے کے غرض پر بھیس بھیس کر کے رونے کا طریقہ کتنے ہیں
 اس لیے نہ کر سکا کہ وہاں یوسف ظفر اور عزیز ملک موجود تھے۔ رنج کا
 خاموش قہاجر یوسف ظفر حسب عادت محفل کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ ہر قسم کی
 کے فن سے واقف تھا اور طبعی طور پر سردار شخصیت ہونے کی وجہ سے
 اختیار کر لیا کرتا تھا۔

راجہ شفیق
 میں اس وقت نیچے سے آواز آئی۔ یوسف ظفر، یوسف ظفر، یوسف ظفر۔
 چندرا اہیت نہ دی اور بھائی جان سے باتیں کرنے میں مصروف رہا۔
 تیسری چوٹی کو آواز پر بھائی جان رک گئے تھے، کوئی صاحب آپ کو
 ٹھیک ہے، جب ٹھیک ہے یوسف ظفر نے جواب دیا۔ "اکیس بار"

میں یہ صاحب ہیں کون بھائی جان نے پوچھا
 میرے ایک دوست ہیں، محمد شفیق عکرمہ ری، سبیلیشن میں
 کہ وہ اس محفل میں شریک ہوں۔ یہ ماحول ان کے لیے سازگار ہے۔

میں نے جواب دیا کہ میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔

میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔

میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔

میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔

میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔
 میں نے ان کو پہچان لیا ہے۔

چھبیسویں باب

یہ اللہ، وہ اللہ

ایک دن مجھ پر حاوی ہو گیا اور لیکٹر ایس کی دیکھ جائے گی۔
 وہ چپکے سے دے
 تھی ایک تلی سی ہو گئی کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔
 روز باندھ ساتھ والی کرسی پر بیٹھ کر وہ ہر چند ساعت کے بعد دم

سہاگہ کی چارپائی کے سرے بیٹھتا۔ سب ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔
 کیا مجھے جیلوس نہیں آنے لگے ہیں۔ کیا میں میٹل ہو گیا

کا دروازہ چاکھٹایا، ملک صاحب یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کون ہے جو دفتر
 میری چارپائی کے سرے کھڑا رہتا ہے۔ جو ہر چند
 سب ٹھیک ہے، سب ٹھیک کہہ کر مجھے تلیاں دتا رہتا ہے۔
 تو یکدم اچھا ہے کہ آپ کا حوصلہ بندھ گیا جا رہا ہے۔

مجھے جھوٹی تلیاں نہیں چاہئیں میں جانتا کہ میرا حوصلہ بندھ گیا
 ہاٹنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ملک نے کہا۔ آپ کی قوت ارادی سے
 آپ کو مسئلہ ہو گئی ہے۔

میں اپنی زندگی خود جیتا جاتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں میٹل
 میری زندگی میں اللہ کیسے داخل ہو گیا ہے۔
 مگر میں نہ کر سکیں۔

(۲۱)

میں ایک متوسط مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔
 اور مری اسلام رائج تھا۔ بڑی بڑیوں کا راج تھا، جن کی زبانیں چھٹی کی
 لوگوں کو اور لوگوں پر کڑی نگاہ رکھتی تھی، سب کے سب مسلمان

رقت کی بات ختم ہوئی تو مجھے اللہ کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ مجھے جب کہ اللہ

آسمان کی طرف دیکھتا تو ایک سمجیر آواز آتی تھی میں بولتا ہر ایسے عموں

آسمان پر من کا تخت بچھا ہوا ہو۔
 درخت کی طرف دیکھتا تو یوں لگتا جیسے ہر پتے کے چھپے اللہ چھپا بیٹا۔

بنائے جھول رہا ہو۔
 ان دونوں دفتر میں میری کوئی حیثیت نہ تھی نہ ہی میرے پاس کوئی کام تھا
 میرے قریب نہیں آتا تھا وہ سب فیاد الاسلام سے خائف تھے۔ میں اللہ

اجنبی ساتھی

جب فیاد الاسلام نے مجھے رازدار قرار دیا تھا تو میں نے سوچا تھا چلو لایا ہوا
 میں اپنا کام کیا کروں گا۔ فیاد کے کلموں کا یا سہلہ کروں گا۔ وہ ایک دن تو میں

میں جانا تھا۔

مولوی صاحب کی تفتیش کے مطابق 'انجے' کلم صرف تین تھے، 'نار'، 'ہ' اور 'ا'۔ مولوی صاحب کے افکار کے عمل کرنا درحقیقت یہ کلم بھی انجے کلم ہے۔ فرائض میں داخل تھے اور فرض وہ ہوتا ہے جسے عمل میں لانا آپ پر لازم ہو۔ فرض تو ہر صورت میں ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ اس لیے اسے اپنا کلم نہیں جوں جوں میں اللہ میاں کی اس تصویر سے باخبر ہو گیا کہ 'توں' توں میاں کی دہشت بڑھتی گئی اور ساتھ ہی یہ احساس پیدا ہوتا گیا کہ میں گنہگار ہوں اور اب بھی میں جانا ہے جو اللہ نے چلا رکھا ہے۔

یوں میرے لیے اللہ میاں کا خیال تکلیف دہ ہو گیا۔ اس تکلیف نے طریقہ تھا کہ حتی الوسع اللہ میاں کے خیال سے بچوں۔ اللہ میاں کو بھلائے دلہا دقت یہ تھی کہ اللہ کے خیال سے بچ کر رہنا بہت مشکل تھا۔ خبر سے میں 'داری' گھر میں داری اور اسی تھے اور کلمے میں بڑے بڑے تھے جو بات بات پر اللہ سے دیتے تھے۔ کتب کے بعد مجھے اسلامیہ سکول میں داخل کرا دیا گیا۔

گریز

میں نے اپنے لیے کسی ایک ویش میکیسزم اختیار کیا۔ سوچا کہ میں اسے لے کر کرم کی گئی ہے کہ کسمہ گاؤں کو ڈرایا دھکیلا جا گا۔ لیکن اس روپ اس لیے دیا گیا ہے کہ اتفاقاً ٹھنڈے دپے وہیں اور جنت کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ بچے کھیلے وہیں ساری بات ہی بننے بوجھوں کا دار۔ اس دن کی روشنی میں تو چتر کی دیوار کی طرح کھڑا رہتا جین رات کے کالے کی طرح پھوس پھوس ہو جاتا۔ کسی درد، ستون یا اللہ میاں جھانکتے۔ کن کا خوف؟ چہو مطلب ہو جاتا۔ توہری چہا کرکتے 'مہ' 'ہزار' یا کئی کسی کسی لکڑے لولے کو دیکھا تو اللہ میاں اس کی کوٹ سے اس کی آواز میں کہنے، دیکھ تیری حالت میں ایسی ہی ہو جائے گی۔ کوئی عزیز و اقارب کی کوٹ سے جھانک کر کہتے ہیں حشر ہو گا تیرا بھی۔ اس پر مجھے ہیند

میں دنوں اسلامیہ سکول کچھ زیادہ ہی اسلامیہ تھے۔ درحقیقت کی کتابیں 'پہ' 'ا' 'آ' کے شعلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اساتذہ کرام کے لیے کچھ زیادہ ہی کراہت معاشرے میں اپنی سموت کے لیے اللہ میاں کے خوف کو استعمال کرنا کچھ زیادہ ہی اپنی آسائش کے لیے بچوں کو ڈراتی تھی۔ بڑے بڑے اور اساتذہ انار برباد ہونے کا نام استعمال کرتے تھے۔

کسی نے بھی یہ نہ سوچا تھا کہ اپنی آسائش حاصل کرنے کے لیے وہ لوگوں کو اللہ کا خوف بڑے ہیں 'ایسا خوف جو زندگی بھر کے شس لاشور کا کھنڈار ہے' سے نجات نہیں پاسکیں گے۔ بڑے ہو کر ان بچوں کو کبھی یقین نہیں آئے گا کہ اللہ سے بے حد محبت کرتے ہیں کہ وہ سراسر رحمت ہیں۔

آہانک قسم تحفظات روئی کے گلاں کی طرح اڑ چلتے اور میں محسوس کرتا تھا کہ
کرنے کی کوشش عظیم گنہ ہے اور میں اس گنہ کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ میں اس
سوز و گم کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اپنے خدشات پر مبنی آئی اور اس
خوف کو روکنے کے لیے میں لاول پڑھتا ہوں دونوں مجھے لاول کے مفہوم کا
احساس نہ تھا کہ لاول پڑھ کر میں اللہ کے خوف کو رو نہیں کر رہا بلکہ اس کی
ہوں۔

اگر میں پیدا ہونے کے طور پر اللہ کے وجود سے منکر ہوتا تو اور بات ہوتی اور اللہ
برسر پیکار نہ ہوتے۔ اپنی گفتگو کا آراء نہ چلے اس کے برعکس اگر اللہ پر مبنی آئی
میں انہیں سچے دل سے ملتا تو مجھے دل اور دل میں ایک ہم آہنگی ہوتی لب میرے دل
ایسی جی جیسے سمندر کی سطح پر برف کا ایک تختہ جاتا ہوا ہو۔ یہ تختہ ہر جگہ
قادر میں ایمان کے پتھروں میں ڈبکیں کھاتے لگتا۔ پھر رنگت کھلتا کرتا پڑتا ہوتا
تختے پر چڑھ جاتا۔

میرے دل میں پتھروں کا ایمان موجزن تھا۔ وہاں اللہ کی ایک جگہ تھی وہ ایمان
پتھروں میں ڈول رہی تھی۔

مغربی مشاہیر

کالج میں جب میں مغربی مشاہیر کے افکار سے واقف ہوا تو میرے زانوئے فکر میں
تبدیلیاں عمل میں آئیں۔

ہیمنز جین کے کائنات کے بیان کو پڑھ کر میں درمختصر حیرت میں ڈوب گیا۔
سات آسمانوں کا کیا مطلب ہے۔ جناب والا آسمان تو وجود ہی نہیں رکھتا۔ یہ لایا ہوا
دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو غلط ہے۔ ہوائے روشنی کی نیل لہریں جذب کر لی ہیں۔ یہ آسمان
کے پتھر کی جیسے پڑ گئے۔ یہاں تو کہہ دوں سوزن ہیں ابروں زمینیں ہیں لاولوں
جائے اس کائنات کی وسعت کیا ہے۔ اور یہ وسعت لفظ پر لفظ چلتی جا رہی ہے۔
پہلا جاتا ہے یہ بھی تو پتہ نہیں کہ کتنی کائناتیں ہیں یہ تو ایک عظیم حیرت انگیز

ہو گیا۔

اصل کی بات کرو۔ کیا سات دن میں یہ وسیع عریض کائنات تعمیر کی جا
سکتا ہے۔ ہاں کائناتیں نہیں۔ ہاتھ کی مفلکی میں شیعہ بازی نہیں۔ تخلیق
کائنات کا یہ حیرت انگیز ہے یہ تو ارتقاء کا مسئلہ ہے۔ صدیوں کا ارتقاء
دنوں کی ایک بے معنی ساقط ہے۔ جو زمین پر رہنے والوں نے اپنی

اپنی ذہنی فوجی قلمی دی، کینیوز ہونے کی کوئی بات نہیں۔ دیکھو ہر
اللہ کو رو سوچ۔ میں دیکھے ایمان نے آنا تو ضعیف لافلتوی ہوتی ہے۔
اللہ ہر چیز کو بنا ہوا ہوتی ہر بات پر شک کرو اسے دیکھو نمونہ ہمارا
اللہ ہر بات بہت اچھی عادت ہے۔ اس طرح انسان دھوکہ نہیں کھاتا۔ شک
نہیں کر سکتا۔

ایک بولا ہے جو جو کچھ تمہیں دکھتا ہے کیا ایسا ہی ہے جیسا دکھتا ہے
ہاں اللہ انہوں ہم تو اس قسم کے قیدی ہیں۔ ہمیں کیا پتہ کہ ظاہر

لی بات کرتے ہو۔ اللہ میاں کو کس نے چاہا ہے۔ ہاں میں کے بارے
میں وہ وجود رکھتے ہیں یا نہیں دیکھ کر میں بہت کراؤں اگر وہ نہ
ہو تو اس کے لیے ہم انہیں حقیقی کر لیتے۔ یوں سمجھو کہ اللہ میاں جیسے
ہو گیا ہے جس پر سر رکھ کر آپ سکون حاصل کر سکتے ہیں۔ چہ چاہنے لگا
کی کوئی نیکی نیکی میں ہوتی تو آگ بخود ہی ہوتی ہے۔ نیکی وہ ہے
صلوات ہے بے نیاز، اجر کی امید سے آزاد، بے متعصب، بے لاگ، بے
پاؤں ہوا، انہوں سوچ میں سمجھ تو ایک اتمام سمندر ہے اس میں
کی ناز تو صرف ڈولنا باقی ہے۔ ہمارے انہیں بند کر لو۔ تو پائلن کی

آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ باطن ایک کائنات ہے۔ باہر کی کائنات سے وسیع (Vast) ہے۔ چٹنا چٹایا، لورنوں، مذہب تو ایک مفروضہ ہے۔ سیدھے سادے لوگوں کے لیے ایک گڈ بڈی ہے۔ مذہب تو سمعت خیال کے راستے کی ایک راہ ہے۔ چھوڑو اپنے خیالات کو سب کھل جائے۔

دن مشائیر کی باتیں ہی تھیں۔ چاہت تھیں، معقول تھیں، وقت تھیں، ہر کوئی اپنی ذہنی بہت رہا تھا۔ دونوں ذہن میں بہت سی باتیں، ذہنی گفتگو، خیر الفتا ہے، بھابھا پیدا ہوتی ہے، پیلے پیلے اتنی ساری باتیں تو میں چھو چھو رہ گیا، کسٹیفور، وہ گیا۔ جوں جوں زیادہ کسٹیفور، وہ کہتا کرتا۔ جوں جوں زیادہ مطالعہ کرتا توں جوں زیادہ کسٹیفور ہو گیا۔

آوارگی

راست تلاش کرو، یہ دور مسلسل آوارہ گردی میں صرف ہوتا رہا۔ آوارگی پر مبنی اور کوآرگی میں لذت آنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوآرگی میری خطرات میں اس دور میں یہ عقیم حقیقت میری آنکھوں سے ابھل رہی کہ مانتے نہیں ہے۔ اس کے برعکس میں بھتا رہا کہ مانتے کیجئے جانا اشد ضروری ہے۔ مجھ میں جاننے کی طلب تو تھی مگر اس طلب کی کوئی سمت نہ تھی۔ یہ ہمارے کے حروف تھا۔

برٹنڈرسل نے مجھے سائنسی ذالیہ نظر اٹانے کا درس دیا۔ میں نے اس کی تو اپنی کوئی خطل نہیں۔ وہ تو خود کوآرگی کی دلدرا ہے۔ اس کی تک ہے۔

سائنسی ذالیہ نے مجھے غلط بنا دیا۔ کیوں، کیسے، کس لیے، یہ ہیں ان ذہن میں مکوں کی طرح ریچنے لگے۔

پرانے خیالات، رسم و رواج بزرگوں کے اقوال روایت سب بھول گئے، پتھر کے پت، جنہیں لوگ عاراً اور رسماً پڑھتے تھے۔ ہنسی کی باتیں،

اس خطرناک صورت حال سے بچنے کا صرف ایک طریقہ قائم رہا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے بھی اللہ میاں حضور ﷺ اور اسلام کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔

ہم جو ہیں

اللہ میں کی موجودگی کا یہ نیا احساس جو مجھ میں جاگا یا مجھ پر مل گیا تھا
مختلف تھا، متغیر تھا، ڈیر یا خوف کے احساس سے مبرا تھا۔
اللہ کے چہرے پر ایک سکراہٹ تھی۔ انفرادی میں ایک بے غم اکا، غلام،
پاٹ تھا۔ گہرا نہیں، سب ٹھیک ہے۔ تم اکیلے نہیں، ہم جو ہیں۔
میرے لیے یہ احساس بالکل نیا تھا، پاٹ جیونی میں ہیں، محروم، ر / ر /
بچہ میں کی گود میں ڈال دیا گیا ہے۔

ان دنوں میں عالم حیرت میں تھا۔
پہلے میں رقت کے عالم میں بے ساختہ میں۔ میں نے محسوس کر کے وہ دنیا
کیا ہو رہا ہے۔

اب میں ڈال ڈال پات پات میں اللہ میاں کو جھانکتے ہوئے، یہ کیا ہو رہا ہے۔

مجھے علم نہ تھا کہ یہ سب کچھ مرد قلندر کے مزار پر حاضری دینے یا برائی

عزیز ملک نے ہمارا مجھے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ اللہ کے ہاں ہر شے ممکن ہے، لیکن مجھے ملک صاحب کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔

بھائی جان

۱۔ انظر ما تسمیہ ہو جسے یوسف ظفر کے ہاں یا عزیز ملک کے گھر لیں
۲۔ مکمل کر بات نہ کر سکا۔ اس کے باوجود ان کی شخصیت سے میں بہت
۳۔ نہ ہی پیر فقیر، سامیں یا دودلیں۔
۴۔ کہہ رہے تھے۔

حالات حاصل کرنے کا صرف ایک ذریعہ تھا "عزیز ملک" عزیز ملک اپنی
 طور پر ایک شہر ہوا تو قیلاوت دور روٹے کے پانچواہہ خانات
 اور اس کے چارے پڑی حد تک غارتی یا الجھکتی ہوئے تھے۔
 اس میں کہا ہوا تھا۔ اس لیے میں نے بھائی جان کے متعلق عزیز ملک

قائد کے تذکرے میں عزیز ملک نے دو عہدوں وطن کے تحت خواجہ
دین کا سرسری ذکر کیا تھا۔ میں نے وہ باب از سر نو توجہ سے مطالعہ

”مجھے ۱۸۳۶ء سے وہ ایام اب بھی یاد ہیں، جب میں نے جان محمد کو پہلا دیکھا تھا، دراز قامت، سرخ و سپید چہرہ، آنکھوں پر دیدہ و زیب لٹائی پٹہ، سرمہ ملل کی دستار، ایک پادشہ حشیت کا خوش پوشاک، پادشاہ انسان، وہ دوسرا خزانہ اور اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔

بچپن میں والدہ کی وفات کے بعد آپ نے بہت جگہ دستی کے دن اور بچوں کی تک حالات بناسا جا رہے تھے۔ پھر مسلسل محنت و مشقت کا دور آیا۔ شروع کے کام کیے، کشتیں چلائی، اونچے درجے کے ہوشوں کے میزبان رہے۔ آپ مری میں مقیم تھے اور ان دنوں مری میں انگریز گورنر اور برطانوی حاکم تھے اس لیے ہماری جان نے مناسب آداب اور اصولوں کے مطابق اپنے ذہن لیا تھا۔ عمر کے آخری دور میں آپ نے فنی تعمیر کا کام اپنایا۔ مری اور آباد میں آپ کی پہلی کوئی بہت سی عمارتیں آج بھی ان کی یاد دلاتی ہیں۔

جوانی میں حسن کا یہ عالم تھا کہ عیسائی اور خواتین دیکھ کر بس میں نہ رہتی تھیں، انہیں بخش کے دامن حقیقت میں آنے کے بعد بھی یہ کیفیت قائم کسی طبیعت پسند نے سرکار قبلہ تک یہ خبر پہنچادی۔ کہنے لگا: اپنے بچوں کی توجہ دیکھیے حال چاہ۔ آپ کا ایک مرتا مریضوں کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔ سائیں اللہ بخش کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ طبیعت میں جلال تو قہاسی لگتا آجائے تھے تو سببنا مشکل ہو جاتا تھا۔

سائیں کرم دین

خوش قسمتی سے عین اس وقت سائیں کرم دین آگئے۔ سائیں کرم دین ساری عمر بزرگوں کی حاضری میں گزرتی تھی، وہ ایسی صورت حالات میں آ کر کو دوسری جانب منصف کرنا چاہتے تھے۔ سائیں اللہ بخش غصے میں نہ رہتے۔ دیندار مریتا جو مریضوں کے پیچھے پھرتا ہے تو کیوں نہ اسے حلال کر لیں۔ جولوہ میں کرم دین ہوئے۔ سرکار قبلہ کو ان جانے صورت حال کیا ہے۔

جس سال پڑی میں اس امید پر گھومتے پھرتے کہ مرشد نے جس قسم کی فنی انا سے ملاقات ہو جائے گی۔ طبیعت کے بہت صابر اور بے غصہ، وہ ملک کی مرضی۔

اس قسم کے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک درویش صورت آدمی چلا آتا ہے۔ اس کا کرم دین کو روک لیا، خیریت پوچھی۔

پھر وہ انہیں اس کنٹین میں لے گئے تھے خواجہ جان محمد بیٹ کے ہمال جان کی ملاقات سائیں اللہ بخش سے ہوئی اور وہ حقیقت کے لیے بندہ گئے۔

یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ سائیں اللہ بخش سے مل لوں۔ ایک مرتبہ دلہا ہوئے عزیز ملک نے مجھے سائیں اللہ بخش سے ملنے کی اجازت دی۔

مرد ہزار کے آخری سرے کے قریب وہ ایک عام سی دو کھن تھی۔
شکل و صورت دھن کی سی تھی، لیکن ہچکچاہٹوں کی نگاہ سے وہ ایک بہتر
ایک جانب ایک پینڈو فٹس ہاتھ میں ایک بہتر ہزارے افشارے بھی لگے۔
اس کے چہرے پر عجیب سی کرکٹ تھی۔ نہ نور نہ ملا نہ ت۔ نہ تو اس کے
میں نے جب تک کہ سلام کیا۔

وہ عظیم السلام انہوں نے میری جانب دیکھے بغیر جواب دیا۔ ذرا غصے پر
یہ کہہ کر انہوں نے بسکٹوں سے ہمارے بھتی میں ڈال کر بھٹی کا دروازہ
طرف متوجہ ہوئے 'آئیے آئیے' بیٹھے
ہم دونوں مچن میں تجھی ہوئی چار پائی پر بیٹھ گئے۔
میں نے اپنا مختصر سا تھاراف کر لیا۔

کتنے گے سرکار قبلہ میں چاہتے ہیں بلا لیتے ہیں۔ وہ بڑے دلا سے ہیں۔
ہیں۔ کسی کی بات نہیں سنتے۔ کسی کو مزار پر بیٹھے نہیں دیتے۔ ایک دو
کو شش کی تھی۔ بس وہ ایک دن بیٹھے تھے، میرے دن انہوں نے انکار کر
کسی کی جرات نہ ہوئی۔

میں نے کہا سائیں بی میں ہانگل، ان جان ہوں۔ اس راستے پر چلے
اسلام سے کورا ہوں، ہانگل ہی ہے خبر ہوں۔

وہ مسکراتے ہوئے 'ہم سب ہی بے خبر ہیں جی۔ پہلے میں سالکوت لے کر
کھانا رہا۔ پھر انہوں نے یہاں بھیج دیا اب پھر یہاں ٹھہرے کھانا رہا۔ ان
ہے، چٹل کوئی نہیں ہے۔ شاید ہو، ہر میں پتہ نہیں ہمارا کیم تو بس چلے رہا
آپ راستے سے تو باخبر ہیں، انہوں تو ہیں۔ میں تو ہانگل لٹا رہی ہوں
ظاری کر دی اور اب۔

سائیں جی قہقہہ مار کر کہنے لگے 'ہوئے' سرکار قبلہ ملک ہیں۔ ایسے قہقہہ
ہیں۔ وہ دہکتے کی مت لارہ دیتے ہیں۔ پھر جی آپ ان باتوں سے نہ گھبرا سائیں۔
سائیں جی گھبرا تو ایک قدرتی بات ہے، جو بے خبر ہوتے ہیں وہ تو گھبرا

کہاں بولے، بد آپ بڑے کے پاس آگئے اور بڑے نے آپ کو اپنا لیا تو
کہاں بولے، ہمارے پاس وہ ایک پتہ آتے ہیں۔ اچھے چل رہے ہیں۔ ہمارے
کہاں بولے، کوئی دیکھتا ہے۔ یہ پھر کاؤرا نہیں فقیر کا ڈیرا ہے۔
کہاں بولے، لاہور میں رکھیں، رکھوں کی پرواہ نہ کریں۔ پڑھا ہر بات میں رکاوٹ ڈال
ال کر وہ تڑا تڑا دیکھتا ہے، پتہ کتا ہے، بچوں کی طرح خوش ہوتا ہے۔ یہ رکاوٹیں
کہاں بولے، کتنے کی ہوتی ہیں کہ اس بندے میں کتنا حوصلہ ہے۔
کہاں بولے، اوکر دینے رہو۔ پھر رکاوٹیں خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔

کہاں بولے، میں پڑے ہیں نا پڑے جی، تن سے گل آئیں۔ یہ بھی تو رکاوٹیں ہیں۔
کہاں بولے، دل میں کہیں لے بڑے تو بد چلے جانا چاہے ہے لے چلے۔ جو کشتی ڈنگا
کہاں بولے، ادب نہیں سکتی، کیسے ڈوبے گی، فقیر ڈوبیں نہیں دیتا۔ صرف ڈنگا ہے
کہاں بولے، اپنی پڑھا چھلیں کر لے چھلیں۔ جتنی مرضی ہے کر لے اپنا کیا جانا
کہاں بولے، تو انہوں نے ہار ہی ہے نا ڈوبیں ہار تو نہیں ہے۔

کہاں بولے، مار کر توں پڑے، یہ چلے ہم پر نہیں چلتے۔
کہاں بولے، دل کر بھی بھید نہ کھلا۔ جیسے کیا تھا وہاں سہاں والیں آئیں۔
کہاں بولے، نہ سوچ، کیسے نہ چلے، جو ساری عمر سوچوں پر چلا وہ بھلا سوچیں کیسے

کہاں بولے، خیال آیا کہ چلو ایک بار میرا بے کے مزار کو دیکھوں۔ میرے دل میں سائیں
کہاں بولے، نہیں تھی میں تو یہ جانا چاہتا تھا کہ یہ کیا بھید ہے۔ یہ کسی طاقت ہے۔ یہ
کہاں بولے، آزمائی گئی۔ مجھے کیوں پتا گیا۔ مجھ پر کیوں رقت ظاری کی گئی۔

کہاں بولے، کیا کہہ سکتا ہوں جان بیٹھے ہیں۔ انہیں اکیلا دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔
کہاں بولے، اہل جان بولے، بہت اچھا ہوا آپ آگئے۔ کیا کہتے
کہاں بولے، انہیں کیا کہتے۔ اسے اپنی مشکلات بتانا سیکھتے ہم نے جو آپ کو بڑھا دے را

اور اپنی بات

ہے۔ اب آپ اسے اپنا لیتے۔

میں نے کہا بھائی جان مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔

کیا وہ بولے۔

مجھ پر رقت کیوں طاری کی گئی۔

وہ مسکراتے ہوئے 'وہ مالک ہیں جسے چاہتے ہیں بلا لیتے ہیں۔

آپ ہی نے تو سمجھا تھا مجھے مزار پر۔

ہاں وہ بولے 'مطلقاً صاحب ہم تو حکم ماننے والے ہیں۔ ماننے والے کا نام

نہیں 'مطلق' جی ماننے میں کبھی نہ ہے۔ پوچھنے میں چٹائی چٹا ہے۔ اور

انت نہیں۔ آپ کو تو معلوم ہے اقبال بھی یہی کہتے ہیں کہ مقام بندگی

خداوندی 'بنا ہی بندگی ہے۔

میں نے کہا آپ کو علم تو ہو گا کہ۔

انہوں نے میری بات کئی بولے 'میں عالم نہیں ہوں۔ مجھے مسائل کا علم

نہیں وہ حرف بتاتے تھے۔ صرف دو حرف۔ آج تک انہیں طوطے کی طرح

دہرائے چکے 'دہرائے چکے۔

میں نے کہا 'جناب میرے جیسے لوگ جنہیں سوچنے کی عادت ہے وہ کیا

بولے 'کچھ نہیں کرتے' کچھ بھی نہیں۔ بس اپنا آپ حوالے کر دو۔ 'کوئی' یا

میں ہوں 'اس سے جو چاہے کہ۔

مطلقاً جی وہ بولے 'جب حضور پہلی بار مجھ سے ملے تھے تو میں بھی سوچتا تھا

کہ آپ نے تو بات کہہ دی ہے۔ مجھ میں جرات نہیں تھی کہ کہوں۔ سرکار

صاحب سوچ تو ایک روک ہے۔ روک لیتی ہے۔ آگے چلنے میں دیتی۔

چیز کیسے پہچانتی ہیں اس کا سہارا کیا لیتے۔

بھائی جان کی باتیں اتنی معصوم تھیں 'اتنی سادہ تھیں کہ جواب میں ہر

وہ باتیں ضعیف الاعتقادی کی باتیں تھیں 'وہ جذباتی باتیں نہ تھیں۔

کچھ باتیں لگتی ہوئی ہیں جو جواب دینے پر کھاتی ہیں۔ 'بولو' بولو۔ 'کچھ' لہی

حریصوں نے پیٹنے کی کوشش کی تھی۔ پھر وہ بری طرح سے اٹھنے لگے۔
 نہیں دیتے۔ گنبد بنانے نہیں دیتے، بس یہ ایک چھوٹی سی چار دیواری
 کرنا چاہتے ہیں، نہیں مانے۔

مزار کے قریب ہی وہ ایک گھر بنے ہوئے تھے۔ وہاں ایک گھر میں میرا
 مشکل کر دیتا تھا۔

بھائی جان سے ملنے والے ہم چند لوگ تھے۔

عزیز ملک تھا، آغا حنیف تھا، یہ دو اشخاص ایسے تھے جنہیں میں بھائی
 بخش کی خدمت میں پیٹنے کا شرف حاصل تھا۔ انہیں سرکار قبلہ سے بہت
 جان کا بھی احترام کرتے تھے چونکہ بھائی جان سینئر تھے لیکن بھائی جان کے
 چونکہ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا سائیں اللہ بخش سے براہ راست تعلق ہے۔

حنیف آغا

آغا حنیف ایک خوش شکل، خوش لباس اور خوش گفتار جوان تھا۔
 وہ ایک نہایت اچھے اور چالنے پچالنے شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔
 دیکھنے میں وہ ایک ملازم اور کچھ فضا نظر آتا تھا۔
 بچی بات یہ ہے کہ اسے ایک غلط فہمی پٹھے ہوئے دیکھ کر مجھے بڑی ہمت
 لے سوچا کہ یہ ایک پڑھا لکھا لیکن شیو اور مذہب آدمی پیری فیری کے چال میں
 حیرت کی بات یہ تھی کہ آغا حنیف کو سرکار قبلہ سے بڑی عقیدت تھی۔
 اور غلو سے روزانہ سرکار قبلہ کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ سرکار قبلہ کی
 ہی میں لگ جی تھی۔ اور وہ گزشتہ جیسے جیسے سال سے سرکار قبلہ کی عقیدت میں
 صرف حنیف آغا ہی نہیں اس کے بھائی بھی سرکار قبلہ کی عقیدت میں سرکار
 حنیف آغا ٹٹری لکھتے ہیں اس کے بھائی بھی سرکار قبلہ کی عقیدت میں سرکار
 اسٹنٹ کا تھا۔ اگرچہ اس نے انہی کا احترام پاس کر رکھا تھا لیکن ابھی تک اس
 اس کی تقرری نہیں ہوئی تھی۔ نام دینے لست پر تھا آغا کی خواہش تھی کہ اس

لڑا سے ایک بٹکا آدمی تھا۔ اچھا کھانا تھا۔ اچھا پیتا تھا، اچھا بیٹا تھا۔
 راہب، شیعہ لادور کا بیٹا تھا۔ بندہ تھے چمکتا ہوا۔ خدمت کا ریسہ،
 تھا تو نگہ دی بیبلیشن میں ایک کلرک لیکن پنڈی کے پیشتر لوگ
 وہ قلی اوس برجات مند کا کام کر دیتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک مجلس
 راہب، رکھتا تھا۔

دوست غلام دین دلی بھی مزار پر آتے جاتے لگا تھا۔ غلام دین واسطیہ
 سیاست سے بڑی دلچسپی تھی، ساتھ ہی دیانت کا جوتن تھا۔ دونوں باتیں
 میں اس لیے دلی کی سیاست زیادہ تر متذہبی تھی۔

اس کی ایک عجیب دور تھا۔

انہی کا تھا۔ نقطہ نظریہ پکا تھا۔ نگاہ کے سامنے کا منتظر بدل چکا تھا۔ سمجھ میں

نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا لیا لگتا تھا جیسے کسی من جانے والے ہاتھ
 کر سر کو دوسری جانب موڑ دیا ہو، پہلے میرا رخ مغرب کی جانب تھا۔ اب
 دیکھا تھا۔

پہلے میری نگاہ میں ہتھیلیاں تھیں، ہمارے تھیں، کارخانے تھے، پھر
 تھی، سڑکی تھی۔ اب پھیلاؤ ہی پھیلاؤ تھا، پہاڑ تھے، وادیاں تھیں، آسمان
 میں قند بلکہ آبدی سے زیادہ اقل تھا۔ ہر جہاں زندگی سے بھرا ہوا تھا، ہر جہاں
 لے رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر جہاں ایک ہی مرکز کی طرف اشارہ کر رہی ہو۔ اس
 یہ سب کیا ہے۔

پھر ایک مسکراہٹ چاروں طرف پھیل جاتی۔ اوپر کو بجتی، میں سر اٹھا
 ایک ذریعہ سنائی دیتی۔ ہاں میں ہوں۔

یہ ایک عجیب کیفیت تھی۔ لیا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ جب میں روکتا
 میرے دل سے ایک احتجاج اٹھتا ہے کیا ہو رہا ہے، کیوں پھر میں سوچ میں ہوں،
 کیا یہ سب کچھ اس وقت کا نتیجہ ہے جو مجھ پر طاری کی گئی تھی۔ کیا اس
 وجہ سے اب اس قدر رتیل ہو چکا ہے کہ اس میں سے چھینٹے اڑتے ہیں اور
 ہول دہ تو لگتی ہی اٹھ بیٹھ ہو گیا ہے۔ ایک معمولی سا زبردیا دیکھ کر اس میں
 گرت ڈیرا مڑتا، جھانکتا ہے، ہر ذرے میں ایک کائنات نظر آتی ہے۔

میں نہیں، میرے اندر کوئی چیز میں اپنی دنیا میں داخل چنا چاہتا ہوں۔ میں
 میں رہتا میں چاہتا، اس وقت دشمنی میں ایک چاروں طرف کی گھومتی ہوئی آواز
 بھائی جان مسکراتے، پھر کوئی کہتہ تم جو چاہو کرو، ہم جو چاہیں گے کریں گے۔
 وقت ہے تھی کہ میرا اپنا نظام آرزو میرے بس میں نہیں رہا تھا۔ جس کو
 ہر سوار رہا تھا اس کی لگم میرے ہاتھ سے چھین لی گئی تھی۔

ڈاکٹر کبیر ضیاء الاسلام

ڈاکٹر ایک طرف میرے قریب آنے سے خاکہ خاکہ ڈاکٹر کو پتہ چل گیا تو اس
 ڈاکٹر او جا نہیں گے۔ صرف ایک غلط فہمی تھی جس نے اعلائیہ مجھ سے

ڈاکٹر

ڈاکٹر ڈاکٹر ایک ڈاکٹر آرڈر لیا اس کو کرتے تھے، جس میں میری تبدیلی کی
 ڈاکٹر میرے خلاف رہا نہیں بھیجی جاتی تھی۔

ڈاکٹر جس روز میں مزار پر گیا تھا اس کے بعد دوسری پریشانی میرے ذہن
 میں آئی، اس میں کٹ منٹ رہی تھی۔ جیسے پین کلر (Pain Killer) کھانے کے
 ڈاکٹر، راتی، وہ لکھا تھکن میں بدل جاتا ہے۔

ڈاکٹر، اس سے پہلے میرے شانوں پر بیٹھے رہتے تھے۔ اب دور جا بیٹھے تھے اور
 ڈاکٹر کے بالوں میں بدل گیا تھا۔

ڈاکٹر، ابھی مجھ سے ملے کئے، آپ خلعت کا ٹکڑہ کریں، اس میں ڈبک لٹل دیا گیا
 ڈاکٹر، میں ہوں، میں رہا ہے۔ کرتے دیں اسے بیوں بیوں۔ بھائی جان ڈاکٹر ضیاء

ڈاکٹر کا کرتے تھے۔

ڈاکٹر، میرا واحد ساتھی راہبہ شفیع تھا۔ راہبہ شفیع ذہنی آدمی نہیں تھا۔ دانش ور نہیں
 ڈاکٹر، پھر جین تھا، اس لئے سبھی رہتا تھا اس کی زندگی میں ایک روحانی تھی۔ اس
 ڈاکٹر، ایک پھوار ڈاکٹر رہتی تھی۔ جو گرد و پیش کو بھگو دیتی تھی۔ اگرچہ وہ دیر فقیر کو
 ڈاکٹر، ان کا بھائی جان لے اس کے دل میں عقیدت کا ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا جو
 ڈاکٹر، اس کا تھا۔

ڈاکٹر، دینی خیالات اور عبادت اور جذبات میں بری طرح گنبد ہوا تھا اس نے سچے
 ڈاکٹر، ہر دن ساتیں اللہ بخش کو اپنا تیرا لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دینی انداز سے اپنی
 ڈاکٹر، جب اس کے اظہار کا راستہ روک لیا جاتا تو وہ دیکھ ہو جاتا اور دکھ دور
 ڈاکٹر، طرف دوڑا تھا۔ مجھ سے مل کر وہ شکایت کا اظہار کرتا، کتنی سختی میں کیا

ڈاکٹر، میں اسے پرہیز کرتا۔

بڑی مشکل ہے یا 'بڑی مشکل ہے۔ دیکھ ناہم زمیندار لوگ ہیں' زمیندار ہے۔
 ہے 'دائیں آتی ہیں، مگر آتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جو چیز آئے وہ بھائی جان! وہ
 کیوں میں اس سے پوچھتا ہوں تم رکھی مریوں کی کسی حرکتیں کیوں کرتے ہو۔
 بھی کیوں نہ کروں۔ عقیدت اور محبت کا اظہار ایسے ہی تو ہوتا ہے۔ والہ
 تو وہ کہتے ہیں نہیں نہیں لیکن دین کا معاملہ چھوڑو۔ ہمارا تعلق لیکن دین کا تعلق نہیں ہے
 کیسے چھوڑوں۔ لیکن دین ہی تو تعلق ہوتا ہے اس کے بغیر کیسے تعلق ہو سکتا ہے۔
 میں اسے سمجھانا راجہ بھائی جان رکھی ہو نہیں ہیں۔ پھر تو کیوں رکھی ہو گیا
 زبردستی انہیں رکھی جی رہتا رہا ہے۔
 میں کیا کروں 'وہ چلا آ' دیے بغیر میری تلس نہیں ہوتی۔
 راجہ کو یہ بات سمجھانا بہت مشکل تھا۔

انکوائری

پھر ایک روز دفتر میں ایک زیریں اٹھی اور سارے دفتر میں پھیل گئی۔ لوگ
 کے کالوں میں باتیں کرتے اور پھر میری طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے۔
 وہ تو محض اتفاق کی بات تھی کہ مجھے ایک چار دیواری نے گھیرے میں لے لیا تھا
 دونوں دفتر میرے لیے بھڑوں کا ایک بڑا تھا جو مسلسل بھین بھین کرتا رہتا۔ لیکن غریب
 دیواری کے اندر میں آسکتی تھیں یا کیا لگتا تھا جیسے ان کے ڈنک نکال دیئے گئے ہوں۔
 بھین بھین رہ گئی ہو۔
 چاروں طرف سے مجھے ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں 'انکوائری ہو گی۔ انکوائری تو آ
 ہوتی رہتی تھی۔ ہر آٹھویں دسویں دن کے بعد وزارت امور کشمیر سے دو افسر آجاتے۔
 وہ ڈائریکٹر کے کمرے میں جا داخل ہوتے۔ پھر کمرے سے شے بھری آوازیں بلند ہوتی۔
 کے چالے چھٹکتے ہوئے پھر دونوں افسر میرے کمرے میں داخل ہو جاتے۔ ہم انکوائری
 مشنری سے آتے ہیں۔ آپ ہمارے سوالات کا جواب دیں۔
 جی میں گذشتہ تین مہینے سے یہی کام کر رہا ہوں۔
 انکوائری کی زیریں میں ایک ٹاپا پنا تھا۔

ہر ایک دفتری آڈیو آگیا۔ لکھا تھا کہ یہ دفتری وزارت اعلیٰ
 دیا گیا ہے اس لیے کراچی سے وزارت اطلاعات کے ڈپٹی سیکرٹری انکوائری
 مجھ پر لازم ہے کہ میں دفتر میں حاضر ہوں۔
 اتفاق سے ان دنوں بھائی جان پٹری میں ہی تھے۔
 شام کو میں نے ان سے بات کی کہ کراچی سے انکوائری افسر آ رہے ہیں
 میرا خیال تھا کہ بھائی جان یہ خبر سن کر غرور مند ہو جائیں گے لیکن وہ تو میرا
 خوشخبری ہو۔

بولے مت اچھا ہے، بہت اچھا! انہیں آئے دو۔ آپ بھی کراچی آئے۔
 نہیں۔
 نہیں بھائی جان میں کراچی نہیں جا رہا، انکوائری افسر کراچی سے آ رہا ہے۔
 وہ سرکارے۔ آپ کا حکم اب وزارت اطلاعات کے تحت ہو گیا ہے۔
 سب کچھ سرکار قبلہ کے پروگرام کے مطابق ہو گا۔ انشاء اللہ۔ پاکستان کی طرف
 رہے گا۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان قابل فساد ہو گا۔ سارے مسلم ممالک
 کے نشاۃ ثانیہ کا منہ ہو گا۔

بھائی جان کی بات سن کر مجھے بہت غصہ آیا۔ میں اپنی انکوائری کی بات کر رہا تھا
 مجھے نشاۃ ثانیہ کا قصہ سنا رہے ہیں۔ میں بتا رہا ہوں کہ انکوائری افسر کراچی
 رہے ہیں کہ آپ بھی کراچی سے ہو آئیں تو بہتر ہے۔
 رات کو سوئے وقت دغتاً مجھے خیال آیا کہ بھائی جان سرکار قبلہ کے
 کیوں کر رہے تھے کیا میں بھی اس پروگرام میں شامل تھا۔ لا حول ولا قوہ یہ
 میری کیا حیثیت ہے کہ بیوں کے پروگرام میں میرا بھی کوئی حصہ ہو۔ میری حیثیت
 جیسی ہے جو خانہ پر کی کے کام آتا ہے۔
 پھر مجھے خیال آتا کیا بزرگوں کے بھی کوئی پروگرام ہوتے ہیں۔ نہیں۔
 پروگرام کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تو ذات کی لٹی کر چکے ہوتے ہیں۔ پھر ذاتی پروگرام
 پروگرام تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہو سکتا ہے۔ وہ جو قادر مطلق ہے، وہی گنہگار

ہے۔ آگاہی جو مرحوم و مقبر ہو چکے ہوں، کیا وہ دنیاوی معاملات میں دلچسپی لے سکتے
 ہیں۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد پھر اس دلائل میں لٹ ہوتا۔ نہیں نہیں
 میں جانتی ہوں کہ بھائی جان کی حقیقت کچھ چیزیں چاہ رہی ہے۔ سرکار قبلہ کے
 حوالہ سے خوش نہیں رہ جائے بیٹھے ہیں۔

میں نے انکوائری افسر کی سیکرٹری ہونے کے بعد خود اسلامی رنگ لیاں قہد السلام عظیم کہہ کر
 چلے گیا۔ میں اس وقت ڈائریکٹر کے دو افسر کلنڈر ٹیلیفون اور فائیلیں اٹھائے
 ہوئے۔ ہمیں ڈائریکٹر صاحب نے بھیجا ہے تاکہ بیانات کو ریکارڈ کرتے

ہو۔ انہوں نے ایل ایل اس کی ضرورت نہیں۔ میں ان سے تنخیلے میں بات کروں گا۔
 انکوائری کا مرحلہ آئے گا تو میں آپ کو بلاؤں گا، پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوگا۔ بولا۔
 میں نے ساری فائل کا مطالعہ کیا ہے۔ جو جو آپ پر الزامات ہیں اور جو جو جوابات
 ہیں۔ اب میں آپ سے چند نئی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ یہ باتیں آف دی ریکارڈ
 ہیں۔ آپ کہیں گے اتنے آپ کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے بلا
 کے خلاف والے سے بات کریں۔

میں نے ڈائریکٹر صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔
 انکوائری افسر کے متعلق رائے ہے۔ معنی سی بات ہے۔
 معنی بات ہے، وہ بولا، لیکن میں یہ جانتا چاہوں گا۔
 میں نے جواب دیا، آپ ان کے کسی پہلو کے متعلق میری رائے جانتا چاہیں گے۔
 انکوائری افسر کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، اس نے پوچھا۔
 میں نے جواب دیا ہے، ہم میں بہت ابلی شٹ ہے، خوش پوش ہے، خوش خور ہے۔
 ہمیں زندگی سے محروم ہے۔ ہر وقت ذہن پر دفتری زندگی مسلط رہتی ہے۔
 وہی گزار رہا ہے، اس لیے مشکوک ہے، مگر دلی ہے اچھے تعلقات نظر میں آتے۔
 ہر وقت ہوا دشت نہیں کر سکتا۔ فیصل ہے، غمخوار آجائے تو خدا بن کر بیٹھ جاتا ہے۔
 انکوائری افسر کو وہ دیر تک سر جھکا کر بیٹھا رہا۔

پھر بھلا۔ پہلے آپ سے کیسے تعلقات تھے۔

بہت عمدہ، میں نے جواب دیا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میں بیورٹ ہوں۔ والی

تقد

پھر وہ کس بات پر گڑ گیا۔

مجھے علم نہیں۔

کوئی بات تو ہوئی ہوگی۔

قلبی نہیں۔

ہوں، وہ بولا، آپ پر دو الزام ہیں ایک یہ کہ آپ نے کراچی کا دورہ کیا۔

چارج کیا لیکن سبزی فروش میں کیا۔

جی، میں نے جواب دیا، یہ سچ ہے۔

دو سرا الزام ہے کہ آپ نے ایک سیکورٹی کا کھنڈہ کم کرا دیا۔ جی، میں نے، وہ اب

اسے جلا دیا لیکن وہ خفیہ کھنڈہ نہیں تھا۔ ریڈیو کی مانیٹرنگ رپورٹ تھی۔ اب

رکھا تھا۔

کچھ دیر وہ خاموش بیٹھا رہا۔ پھر بولا۔ مفتی صاحب، اگرچہ یہ بات مجھے بتائی نہیں

لیکن میں جتنا چاہتا ہوں کہ آپ کی فائیکل ڈائریکٹم کے پاس بھیجی گئی تھی۔ انہوں

سے کہ اس افسر پر مسلسل حقی پرورشیں دی جا رہی ہیں اور رپورٹ لکھنے والے

ہیں۔ مناسب ہو گا اگر اسے کسی اور افسر کے ماتحت کام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے

دیکھ سکیں کہ نئے افسر کی اس کے کام اور برتنوں کے متعلق کیا رائے ہے۔

سمجھ گئے آپ اس نے پہلے شاید آپ کا چہرہ کراچی ہو جائے۔

جی، سمجھ گیا لیکن میں کراچی پرانی تھا نہیں چاہوں گا۔

کیوں، کراچی بہت بڑا شہر ہے۔

وہ تو ہے مگر میں چنڈی سے جانا نہیں چاہتا۔

کیوں یہاں کیا دھرا ہے۔

بڑی دیر کے بعد یہاں سے ایک مرکز ملا ہے۔ میرا کھانا کھرا ہوا تھا، مرکز نے

کہاں کہ یہاں سے چلا گیا تو پھر کچھ نہ جاتوں۔

میں نے کہا کہ مرکز کے متعلق پوچھ سکتا ہوں۔

وہ اب کا ایک بندہ ہے، میں نے جواب دیا، 'مفتی و نزار بندہ'۔

وہ اگر ارادہ نہیں

کراچی، انکواری، میں نے پوچھا۔

اس کی آپ ضرورت نہیں رہی۔

میں نے کہا کہ پتہ چلا تو وہ دفتر سے باہر نکل آیا اور فیس میں بولا، یہ کیسی انکواری ہے، آپ

میں وزارت کو لکھوں گا۔

میں نے کہا، 'وہ بولا اور گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

میں نے کہا کہ بعد میرے چلنے کا حکم موصول ہو گیا، مجھے ڈی ایف بی کراچی میں قسم

تعلیمات سے تعلق نہ کر دیا گیا۔

میں اور پھر کن

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

میں نے کہا کہ پہلے پھر ایک بار مزار پر ہماری محفل لگی۔

آج آپ

ہمارے صفت ظاہر تھا کہ وہ بچ بول رہا ہے 'اگرچہ بات حق ہوئی تھی۔ میرا افسر
ہوا تھا وہ مجھے کی صلاحیت سے محروم تھا کہ وہ خود بلا کے پاس صلی کی درخواست
ہوا کہ اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔ بہر صورت میں نے بلا سے کہا 'بلا میں اس
چاہتا۔

بلا میں آگیا کیوں نہیں چاہتا۔ وہ بولا۔

بلا میرا جی نہیں چاہتا۔

وہ بولا 'وہ چاہتا۔

بلا میں نے کہا 'مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔

مجھے طاقت 'بلا' چاہی میں آگیا۔

بلا میں نے کہا 'جب آپ کی دی ہوئی طاقت مجھ تک پہنچے گی تو میں آجوں گا۔

بلا انکاری ہے 'وہ بولا۔

بلا میں انوں گا۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔ بلا ہم تیری ایسی تھی کریں گے۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔

بلا میں آکر بیٹھ گیا۔

یہ اقدام مجھے ڈانکسٹر کے غم دھن سے بچانے کے لیے نہیں تھا۔ کیونکہ اس
ڈانکسٹر تو چور چور ہو چکا تھا۔

بلا میں نے خود کا تھا بھارہ غلت۔ اس کی رپورٹیں سب نے کر
الزبتھ رد کر دیں گے۔ بھارے کے ہاتھ پٹے کچھ بھی نہیں رہا ہے۔

یہ ایک مفروضہ نہیں تھا۔

جابلے کا حکم منہ موصول ہونے کے ایک دن بعد مجھے ایک فون آیا۔ 'وہ بولا
تھا 'آواز بڑی ناخوش تھی۔ مفتی۔ مفتی۔ وہ کہہ رہا تھا 'تو ابھی ہمارے ذمے ہے
ذمے پر آج ابھی 'وہ نہ کر۔

دھن مجھے احساس ہوا کہ بازار سنرولا بلا بول رہا تھا۔ بازار سنرولے ہاں
بھول چکا تھا۔ عرصہ دراز سے میں نے اس کے ذمے پر حاضری دینی چھوڑ دی تھی۔

بازار سنرولے ہاں کے دو ایک بیانات آئے تھے کہ تم آتے کیوں نہیں۔ نام تو
کرتے ہیں۔ اگرچہ میرے دل میں بلا کی بڑی عزت تھی۔ عزت نہیں بلکہ ایک انگ

لکھ میں روحانیت کا رنگ نہ تھا۔ میں اس کے لیے دوستی کا جذبہ محسوس کیا کہ آقا
کے بعد میں کبھی وہاں نہ گیا تھا۔

بلا کی کل آئی تو میں سمجھا کہ وہ مجھے بلا رہا ہے۔

میں نے کہا 'میری بلا میں کیا حکم ہے۔

بلا بولا 'تو فوراً آج آج ہمارے پاس۔

میں نے کہا 'میں ضرور حاضری دوں گا لیکن اس وقت تو میں اپنا کام
ہوں۔ میرا چالو ہو گیا ہے 'میرا افسر مجھ سے ناراض ہے 'وہ ٹھوکر بھجوا چارنگ

آج 'آج 'بلا بولا 'میرا ڈانکسٹر نہیں بیٹھا ہے 'ہمارے ذمے پر۔

مجھے بلا کی بات پر یقین نہ آیا۔ یہ کہے ہو سکتا ہے کہ میرا ڈانکسٹر جو سولہ
سولہ میٹس کاشد سے ٹاکس ہے۔ جو ایک عقیدہ انسان ہے وہ بھلا بلا کے

سکتا ہے۔

بلا کہنے لگا 'ہم نے جیسے ڈانکسٹر کو بلا ہے 'وہ آگیا ہے اور تجھ سے ملے گا

لہذا وہی ضرورت پڑتی ہے کہ گورامن کی
ڈاکٹر کی آنکھیں خانوں سے باہر نکل آئیں۔ وہ بت بنا کر اٹھا۔

بازار میں نہیں آ رہی میں نے ڈاکٹر سے کہا تھا کہ دو چار شیشیاں سنبھال کر میرے پاس لے آؤ۔
ڈاکٹر نے میری آنکھ کو پونے غور سے دیکھا کئے لگا اس پر کوئی پتہ نہ چلا۔ میں
میں، پائلٹ ٹھیک ہے۔

میں نے کہا ڈاکٹر صاحب یہ تو صبح شام یوں شدت سے پھرکتی ہے، جیسے آئے گی
ہے اور آپ کہتے ہیں کوئی بات نہیں۔

وہ ہنسا کہنے لگا یہ ڈاکٹر کے بس کی بات نہیں۔ کسی اور ڈاکٹر سے پوچھ لے دو۔
مسکولہ کزوری ہے۔ یہ محض تالے کی بات ہوگی۔ میں آپ کو بل نہیں رہا۔

آنکھ کی بات ختم ہوئی تو گورامن کی بات شروع ہو گئی۔
راجہ کہنے لگا، جناب کو گورامن چاہیئے۔

ڈاکٹر بولا کہ ابھی دس دن ہوئے ہیں میں نے آپ کو دو شیشیاں دی تھیں۔
ہاں، 'راجہ نے جواب دیا، وہ ختم ہو گئیں۔

ختم ہو گئیں، ڈاکٹر نے سر ہٹ لیا۔ دس دن میں گورامن کی دو شیشیاں ختم
دو قوف بنا رہے ہیں کیلہ صاف کہہ دیجیے کہ بلیک کر رہا ہوں۔

نہیں نہیں بلیک نہیں کر رہا۔ 'راجہ نے کہا۔ انہوں نے پی لی ہیں۔
وہ کون محض ہے جو دس دن میں گورامن کی دو شیشیاں پی جاتا ہے۔ بھئی یہ وہ ان
تکڑوں کے حساب سے پی جاتی ہے۔

نہیں نہیں، 'راجہ بولا، ہمارے بھائی جان پیتے ہیں۔
ہمارے بھائی جان چادو گر ہیں یا فرلو ہیں۔ ڈاکٹر ہنسا۔

خیر دارے اولیٰ سے بات مت کر، 'راجہ بولا۔
پھر جو اتفاقاً دیکھا تو راجہ شعلے کے پیچھے بھائی جان خود کھڑے تھے۔

آپ کب آئے، میں بھائی جان کو دیکھ کر چلا گیا۔
ابھی آئے ہیں ہم۔ 'راجہ کے گھر گئے تھے۔ پی لی نے کہا ڈاکٹر صاحب کی طرف گئے ہیں۔

ہم یہیں آ گئے۔
پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئے کہنے لگے، ہاں دونوں شیشیاں ختم ہو گئی ہیں۔ ہمیں



قدرت اللہ شہاب

۲۸۔ کراچی

۲۹۔ عطیت

۳۰۔ ستارہ

۳۱۔ ولیج ایڈ

۳۲۔ دربار

۱۔ اہل قلم، ریڈیو اے بخاری، احمد بشیر سے واقف تھا۔

۲۔ میں جب ہم دونوں بمبئی میں تھے تو بخاری وہاں کے ریڈیو شیش کا ڈائریکٹر تھا۔ اس وقت وہاں کا بیرونی بٹا ہوا تھا۔ بیرونی کی بڑی دھوم تھی۔ محفل میں نورتن کی بجائے بیرونی میں ٹھکانے تھے۔

۳۔ اہل قلم کا کرتا اور برقع سافید پامپا۔ زیب تن ہو کر ہاتھوں میں سکرٹ کا ڈھانچہ رکھتے تھے وہ منجیسے مصائب ہوتے۔ حالانکہ ان دنوں بمبئی میں چمرا پیل رہا کرتے تھے، بیرونی ہاں پر ایک بے نیازی کا عالم جاری ہو گیا۔

۴۔ اہل قلم کا لباس تھا، کچھ بڑا فن کار تھا، اہل قلم کے ڈانٹور تھا، بات پیدا کرنے کا سلیبہ رکھتا تھا، بڑے لاکر چلتا تھا، ہاتھوں میں کوئی اس سے بہت نہیں لے جاسکتا تھا۔ اس کا سبب انحصار گواڑی کھینچ تھی۔

۵۔ میں ایک روز میں نے احمد بشیر سے کہا تو بخاری سے نہیں ملا۔

۶۔ اہل قلم لیتے ہیں وہ بولا۔

۷۔ اس سے پہلے پرچہ قلم کے لیے مضمون لکھوا۔

۸۔ لکھوا لیتے ہیں۔ احمد بشیر نے بے نیازی سے جواب دیا۔

۹۔ وہ ایک آدمی ہے۔

۱۰۔ پا کر آیا وہ بولا۔

۱۱۔ تم سے بڑا ستارہ ہو گا میں نے کہا۔

۱۲۔ بات پر۔

۱۳۔ خوش فہم لوگوں سے بہت متاثر ہوا ہے، میں نے وضاحت کی۔

۱۴۔ احمد بشیر بیرونی کے پاس جا پہنچا۔ چھوٹے ہی بولا۔ ہمارے لیے ایک مضمون لکھیے۔

۱۵۔ چونکہ کون کون تم کہاں سے آئے ہو۔

۱۶۔ احمد بشیر ہوں۔ لاہور سے آیا ہوں۔

۱۷۔ کسی نے بات کرنے کی چیز نہیں سکائی کیل۔

۱۸۔ نہیں۔



محترمہ عطیت



قیصر شہابی



مفتی (۱۹۵۵ء)

سعود

مر

ہوں، پھر مغل نے قلعہ لگایا، بات کسہ دینی جانتے ہو۔
اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔

بات کرنا سیکھ لو تو۔
کیا فرق پڑتا ہے، احمد شیر نے اس کی بات کٹ دی۔

بے باک، صاف گو، جہاز نظر، القاطون تم ایسے پسند کرتا تھا، پھر مغل نے اس
لگاؤں سے احمد شیر کی طرف دیکھا۔ امروہہ پستی کے قلعے کو جانتے ہو۔

جانتا ہوں، مہنا نہیں، احمد شیر نے جواب دیا۔
تسکھی مانتے ہیں صوفی، فقیر، لوب، شاعر، ایکٹر، موسیقار۔ تم کیا چیز ہو۔

میں نسائی نہیں ہوں۔ نہایت سے ستار ضرور ہوتا ہوں۔
اس کی گھنٹی، متحرک، تاثر سے بھر پور، ہمیں اچھریں، مستعین، یولا، عورت کی

صرف پیدلوارانہ محبت ہے، عام لوگوں کا مشغلہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں زندگی بسر کرنے والا
وقت کٹی۔ امروہہ پستی فن کاروں کا اقداری نشان ہے۔

میں فن سے ستار ہوتا ہوں۔ فن کاروں سے نہیں، احمد شیر نے کہا۔
پھر مغل نے تھکے ہوئے سوچ میں پڑ گیا، پھر اس نے آنکھیں پٹائیں۔ بھونچے پر دنگی ملا۔

یولا آؤ تم دوست بن جائیں۔
احمد شیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے پاس سستی میاش کے لیے وقت نہیں ہے۔

پھر مغل کا بہت ادھم دے مگر گر پاش پاش ہو گیا۔
احمد شیر کو بہت دلی ملاقات تھا، یاد ہی نہ تھی یا اس نے اسے چنداں اہمیت نہ دی تھی۔

اس لیے اس نے بخاری کی آفر کو منظور کر لیا اور وہ کراچی آ گیا۔ احمد شیر کے ساتھ موانا
بھی تھے لیکن بخاری میں اتنی وسعت قلب نہ تھی کہ وہ مولانا کی طلحہ شہیت کے مخاطب بن کر

برہنہ ہو کر کہہ دے۔
UrduPhoto.com

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

وہیے وہ ایک بکرا ہوا مضی تھا، آواز دے سمیت، ووتر سے نکل کر وہ سیدھا کافی اور
اور کونے کی میز پر بیٹھ کر کیبل سڑک سرگٹ اور کافی کے پیالے پیتا رہتا تھا۔ وہ اکثر
انگریزی فلم دیکھتا اور گومی رات کے وقت اپنے بیسے بھائی کے گھر کا دروازہ آگلیا اور
ایک لٹنی ہوئی چارپائی پر ڈھیر ہو جاتا۔

صبح سویرے چائے کا ایک پیالہ پی کر وہ دھڑپا جاتا۔ وہ ایک بگڑا ہوا جوان تھا۔ اس کی
سے لگاؤ نہیں تھا۔ ہاں باپ سے اسے نفرت تھی، کھوکھلی ہوئی نفرت، شاید اس کی اس نفرت
گھر کی بجائے ایک دیوانے میں پرورش پائی تھی۔

اس کے والد بیسے قہل تھے، لیکن بے حد توجہ طلب تھے۔ فن کی پوری، میری
بگٹ تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ میں پوری ایک دوسرے کی طرف متوجہ رہتے اور گھر میں
رہتا۔

بچے اس دیوانے کی پیدوار تھے۔ قیصر کا بڑا بھائی ریاض بھی کراچی میں مقیم تھا۔ ان کی
پوری بڑی حسین تھی اور وہ خود بڑا پوڑیو اور تیل تھا اگرچہ قیصر بھائی کے ساتھ ہی رہتا تھا
لیکن یہ رہتا برائے نام تھا۔ وہ صبح سویرے وہاں سے نکل آتا تھا اور پھر رات کے بارہ بجے
ذرا دُور گئی میں پڑ رہتا تھا۔ بیسے بھائی کے گھر میں بھی اسے گھر فیصہ نہ ہوا تھا۔

پتہ نہیں کہ کیوں قیصر کو مجھ سے بہت لگاؤ تھا۔ بسا اُور سوشل میں تھا کسی کے قریب
جاتا تھا کسی کو قریب آنے میں رہتا تھا۔ اس کی شخصیت کے دیوانے خانے میں ایک
جو شاید اس نے اپنے تحفظ کے لیے پل رکھا تھا۔ زندگی میں چار ایک بار وہ خود کشی کر چکا تھا
ملاکت ساؤ گار نہ ہوتے تھے اور وہ کامیابی حاصل نہ کر سکا تھا۔

اب اس نے خود کشی کا ایک انوکھا طریقہ اپنا رکھا تھا اس نے اپنی موسمِ بقی دونوں اطراف
سے چار رکھی تھی۔ صبح دھام کافی کے پیالے پیٹ میں انڈیا رہتا۔ سرگٹ سے سرگٹ
گرد و پیش کو خشک و شہر اور حقیر بھری نگر سے دیکھتا اور اتنے بیسے شہر میں خود پر تھائی
کیے بیٹھا تھا۔

کراچی میں میرا چلا ہوا تو قیصر کے لیے گریابی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ کھلا۔
کی طرح کسی چھینکے کے نلے کا مہارت مند تھا، نہ میرا چھینکا کسی کام کا تھا، چونکہ وہ تو نکل

میں سراسر مہارت مند تھا۔ میری تھوڑی رگ تھی۔ اسے جی پی آر
پر چلنے کے کمیشن ہوگی پھر تھوڑے کئے گی۔ بڑی مشکل سے ایک انکوائسٹر
کے گھر والاؤس منظور کروا دیا تھا۔

قیصر کو کافی پوس سے تو کھل لیا لیکن اسے کوئی سمت نہ دے سکا۔
ان دنوں میری اپنی کٹی سمت نہ تھی۔ وہ چار دیواری دور ہوئی جا رہی تھی۔
اس کی آواز گری میں دھندلائے جا رہے تھے۔ بھائی جان کو اپنانے کے لیے تھائی
اس علاقے کو ہزار ہا رکھنے کے لیے دھیمان دنا ضروری تھا۔ لیکن نہ مجھے تھائی میسر
تھا۔

ہو کر قیصر سیدھا میرے پاس آ جاتا۔ چل کیا پروگرام ہے آج۔ اس نے کبھی
گھر سے گھر کے مسائل کو نہ جانتا تھا۔ تو تراک سے بات کرتا اور سارا دن کچھ نہ کچھ کھاتا
تھا۔

قیصر کو سنا دیکھنے کے بعد گھر چھوڑ جاتا۔
کراچی کی سڑکوں پر ہم تین آوارہ گرد تھے۔ قیصر، میں اور کسی۔ کسی میزک کا
بند کراچی آ گیا تھا۔ ہماری آواز دھندلی کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان
تینوں میں سے ہر ایک بیٹا ہے۔

تھک جاتے تو گھر جا کر شلرنگ لگا لیتے۔ شلرنگ کھینے میں قیصر بہت ماہر تھا
کبھی نہیں آتا تھا۔ شام کو ہم اندر بیٹھ کر گھر کا ڈیر لگاتے۔

قیصر کی طبیعت کی مسکن فوازی میں بڑا مشتاق تھا۔ وہ اپنی غربت کو چھپاتا نہیں تھا بلکہ اس کا
انکوائسٹر کے گھر پر تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ کوئی بھی کسی وقت گھر آ جاتا تو اندر بیٹھ کر
اسے دیکھتا تھا۔ کوئی ایک ایک پیالے کا نمونہ دے۔ کیا کامیابی نہیں
تھی۔ لیکن جتنی کے پیالے تھے۔ کیا کامیابی نہیں
تھی۔ لیکن بات نہیں۔ میری جیب میں ایک روپیہ پڑا ہے۔ لڑکے کو بیچ۔ چنا چور گرم
کیا کامیابی نہیں۔ کیا کامیابی نہیں۔ کیا کامیابی نہیں۔ کیا کامیابی نہیں۔

تھوڑے کی تو تک ٹھکرا دیں گے۔

مودی احمد بشیر کی بیوی تھی۔ کیا عجیب شے تھی وہ۔ کمرے سے چلی جاتی تہاں چلی گئی ہے۔ کمرے میں آ جاتی تو پتہ نہ چنانچہ آگئی ہے۔

مودی بڑی خوشن مزاج ہے اسے میل ملاپ سے دلچسپی ہے۔ خوب صورت اور شوق ہے۔ کبھی استے پیٹے ہاتھ میں لے کر لباس خریدے، اس لیے لڑنے سے باز رہا ہے اور ایسا بنا سچا کر پہننے سے جیسے کسی کوٹے سٹور سے خریدایو۔ مودی احمد بشیر کی ہاں اسے کھلاتی ہے 'پلائی ہے' سلاتی ہے' بچاتی ہے' 'لور منہ ہائے بغیر اس کے دانتوں سے رقی ہے۔ اس لیے احمد بشیر کو مودی سے ایسی ہی محبت ہے جیسی لالچ کو بھانگی۔

گھر کے معاملات میں میں نے احمد بشیر سا کوئی لالچ نہیں دیکھا۔ اس نے کہہ کر کہا کہ میں سے انکار وہاں نہیں دیکھی۔ گھر کے لیے کوئی چیز خود نہیں خریدی۔ کبھی بازار تلاش نہیں کیے، کبھی گھر سے گلاس بھر کر پانی نہیں پیا۔ اگر مودی نہ ہو تو انہوں نے قیض پین کر دفتر چلا جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو۔

احمد بشیر کہتا ہے، مجھے مودی اس لیے پسند ہے کہ وہ بہت معصوم ہے' اسے وہ دیکھ دیکھ مودی کو سب پتہ ہے' لیکن وہ یوں موم کی گڑیا بن کر بیٹھ رقی ہے' جیسے کہ احمد بشیر سمجھتا ہے کہ مودی ذوقی لحاظ سے بچہ ہے' سمجھتی نہیں۔ مودی سمجھتی ہے کہ احمد بشیر احمد بشیر بالکل کورا ہے' کچھ بھی نہیں جانتا۔

دونوں بچے ہیں۔ دونوں بھوتے ہیں۔

ان دونوں مودی پیارک سے راگ سیکھ رہی تھی۔ موسیقی میں پیارک ہر فن شدہ راگ، 'غزل'، 'میت' اور جھیر کی موسیقی۔ مودی کو سکھاتے ہوئے پیارک میں آ جاتے پھر محفل موسیقی شروع ہو جاتی۔

ابن انشاء

UrduPhoto.com

بھیر کو موسیقی سے دل بھی نہیں تھی۔ وہ محفل کو ختم کرنے کے لیے ہاتھ بھی تکی تھی بڑی کلام بیکر چل رہی ہے' وہ میرا ساتھ دے گا' کل ایک گھنٹہ۔ مودی نے فرمایا

UrduPhoto.com

بھیر زبردستی انشاء' چل بار چھوڑ دو ہم فلم دیکھنے چلے جاتے۔

بھیر نے کہ اس کا ایک دوست آیا کہ آقا۔ فیض پنڈت۔ چوہیوں ڈھلا جیسے چارپائی کی

بھیر نے کہا 'مکراہت میں ہے ہی۔ چرے پر چمک آنے کی کوکھش کرتی تھی' انہیں

بھیر نے کہا 'پوچھتا' یاد یہ کیا ہے۔

بھیر نے کہا 'وہ جواب دیتا۔

بھیر نے کہا 'میں یاد اس کا ہم تو خیر دین ہونا چاہیے۔

بھیر نے کہا 'خیر دین ہی ہے لیکن اسے کیسا لالچ کرنے کے لیے ابن انشاء ہونا چاہیے۔

بھیر نے کہا 'ابن انشاء بھی ابن انشاء نہیں تھا۔ بھیر نے ترقی پسندوں کے امیے میں آکر اس نے

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

بھیر نے کہا 'میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ابھی اس کا اپنا رنگ نہیں ابھرا تھا۔

انشا مسکرانے لگا۔

دیکھا احمد بشیر یوں آئے تاہم تجھے اپنے دفتر میں ویسے تجھ سے کہہ دیا
تارے پاس تو تبھی نہ مانا۔

انہوں نے اس شام اپنے منصوبے کی کامیابی پر احمد بشیر کے گھر ایک
قہر جس میں ہم سب مدعو تھے۔ قیصر نکلی اور میں۔

دعوت کے دوران احمد بشیر یوں تو نے اکبر اللہ آبادی کا وہ شعر سنا ہے کیا۔

تو تارا، میں، مرے مرنے کے بعد کا ہو گا

میں نے کہا اس لیے کہ میری عزت صرف دو گنے کی ہے اور جس کی عزت دو گنے

کے برابر ہے وہ خاص ہی حضور یہ ہوتا ہے۔ کہیں۔ بے ضریب

اور انہوں نے اپنی صدمہ میں کیے ٹیڑھا کے پاس ایک کھلی میں واقع تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی
گھر تھی۔ باغیچہ کھروں پر مشتمل تھی۔

پہلے بار

میں نے، عراب، چار افسر تھے۔ خطبہ جانور حری ڈاکٹر کٹر تھا۔ احمد بشیر اس کا نائب تھا۔ وہ انشا

نکشن کے اچانک مشہور موسیقار پیارنگ تھے۔ وہاں کمرے تھے، ستائیس تھیں،
مزدگ تھے۔ یہ دفتر ہمارے لیے دفتر تھا، کلب تھا، کافی ہاؤس تھا، کمارہ تھا۔

عطیب

ان کی قدرت اللہ شباب کا ٹیلی فون آگیا اس وقت حلیفہ اور میں وزارت کے متعلقہ
کاموں پر آئی اور خط میں مذہب چلیاں دینے کی کوشش میں شدت سے مصروف تھے کہ انکا
مقامی منشی متاز کا ایک فون ہے۔ انکا طریقہ مجھے ملتی متاز کا کرتا تھا، خصوصاً
میں نے انکا کمرے میں جا کر میں نے چونکا اٹھا۔

میں نے کہا قدرت اللہ شباب آپ سے بات کریں گے۔
ان کا نام سن کر میں گھبرا گیا۔ میرا بس پلا تو فون بند کر دیا، مگر مجھ میں اتنی جرات نہ

تھی کہ ان میں قدرت اللہ شباب ایک پھوڑے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔
اللہ وزارت امور کشمیر کے سیکرٹری افٹر کی بات یاد آگئی، جس نے مجھ سے پوچھا تھا کیا
تو اللہ شباب کو جانتے ہیں اور میں نے جواب میں کہا تھا جی نہیں، میں انہیں نہیں

جانتی، افٹر نے کہا تھا لیکن مجھے شباب صاحب نے ایک خط لکھا ہے، جس میں کہا ہے کہ
میں ان کے عزیز دوست ہیں اور میں نے جواب میں افٹر صاحب سے کہا تھا جناب یہ بات

آپ قدرت اللہ شہاب سے پوچھیے۔
گمان غالب ہے کہ اکثر نے اسی روز فون پر شہاب سے بات کی ہوگی اور یہ خبر

کہ میں قدرت اللہ شہاب کو نہیں جانتا۔

اس کے بعد اشفاق احمد نے مجھے خط لکھا تھا کہ قدرت اللہ شہاب راولپنڈی آ

آپ ان سے ملنے لور میں نے اسے جواب میں لکھا تھا کہ میں بڑے افسروں سے

کہتا۔ اور اشفاق نے میرا وہ خط قدرت اللہ کو بھیج دیا تھا۔

ان دونوں واقعات کے بعد میرا قدرت اللہ شہاب سے ملنا ناممکن ہو گیا تھا۔

سے ملنا میرے لیے ایک ناخوشگوار بات بن چکا تھا۔

ملاقاتیں

فون پر کوئی بڑی لمبائی سے کہہ رہا تھا کہ میں قدرت اللہ شہاب ہل رہا ہوں

صاحب مجھے نصیحت کی کتابیں خرید لی ہیں۔ اگر آپ قاری ہوں اور میرے ساتھ

مذاکر کریں تو میں ایک بیجے آپ کے دفتر پہنچوں گا۔ اگر آپ دفتر سے

تو مناسب ہوگا۔ حقیقت صاحب سے میری آمد کی بات نہ کریں۔ پورے ایک بیجے میں

ہو گیا۔

کیوں خیریت؟ حقیقت نے پوچھا۔

میں نے جواب میں انہی کلمی کر دی، جیسے جوت سکول کے بچے چھٹی نمائندگی

کلمی کرتے ہیں۔

حقیقت میرا اشارہ سمجھ گیا مسکرایا۔ بولا: چھوڑا یا ہوا۔

میں نے کہا: جناب چھوڑا۔

حقیقت نے مسکرا کر لپٹت میں سر ہلادیا۔

کلی سے گل کر میں مڑک پر جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر کے بعد ایک کھلی

قدرت اللہ شہاب کی تصویر میں نے اخبارات میں اکثر دیکھی تھی۔ اس

ہم دونوں ہاتھ آگے لیٹے میں رہتے ہیں 'شباب' نے کہا 'اور صبح سویرے مٹا دیا
پھوٹی بجی کو کندھے پر ہشاک میرے گھر آجاتے ہیں۔ کتنے ہیں 'وکیلہ' 'شباب' نے کہا
کچھ نہ کر، لیکن اس بچی پر توں کھلے دوند یہ معصوم بچی جوان ہو کر پیش کرنے لگے گی
میں نے حیرت سے 'شباب' کی طرف دیکھا۔

جیب آگئی ہیں حنیف صاحب 'خوب آگئی ہیں۔
ہماری صرف دو ملاقاتیں ہوئیں تیری بار جب 'شباب' آیا تو حنیف میرے ہاتھ
سے باہر نکل آیا۔ جب 'شباب' کی گاڑی آئی تو اس نے کہا متنی متنازع مجھے بھی اور ہر ایک
کڑی کر دی۔ مجھے بھی ساتھ لے چلے۔

'شباب' نے حنیف کو کھڑے دیکھا تو گاڑی روکنے کی بجائے اسے اور تیز کر دیا۔
اس روز حنیف نے مجھ سے پھر چھ متنی متنازع 'شباب' کہا آگئی ہے۔
میں نے کہا 'حنیف صاحب اگر کسی ایسے شخص میں میں اس کا متفق ہوتا تو انتظار میں کسی
پاس نہ کرتا۔

حنیف کی آنکھ میں چمک ابرائی 'بولائیں۔

میں نے کہا افسری کے لائن میں ہے 'اس میں پھول پھول نہیں' خاموشی اور 'شباب' کا
کے واحد ہتھیار ہیں۔ یہ سب لوہے کی چونے گئی ہے 'انداز سے بچنے کی طرح ڈاؤن۔
یہ سن کر حنیف کی ہاتھیں کھل گئیں۔ اسے میرے خلاف پتے بھی گئے تھے سب
گئے۔ کتنے لگا تاج میں نے ان لیا کہ تو واقعی دانشور ہے۔ متنی متنازع کیا بچنے کی بات کی
تے۔

۱۹۵۸ء میں میری 'شباب' سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں دو بار اشتقاق کراچی آیا اور
'شباب' کے گھر لے گیا۔ گھر کو دیکھ کر مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کسی اسٹنٹ کا گھر۔
فضل الرحمن تھی نہ مزاج۔

'شباب' کی بیوی ڈاکٹر مفت 'شباب' دیکھنے میں یوں محسوس ہوتی تھی جیسے دو ایک
ہو۔ اس کے انداز سے قلمی معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ قلمی بی بی لیس ڈاکٹر ہے۔

ایک بار اشتقاق احمد 'شباب' کو لے کر میرے گھر آیا۔ ہم ان دونوں پاک گاڑی میں

پتہ نہیں، میں نے کہا 'اللہ کے بندوں کا کچھ پتہ نہیں چٹنگ دھاری ہوتے ہیں'۔

جی

یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ کیا آپ کے ساتھ بھی قماشہ کیا؟ انہوں نے۔

ہاں، میں نے کہا 'مجھ پر رقت طاری کر دی۔ دس دن بے وجہ دوٹا رہا'۔

دوٹا رہا۔

کوئی چڑی کا بزرگ ہے کیا اس نے پوچھا۔

مردم و مغفور ہے۔ مزار ہے، میں نے کہا۔

ایچہ قیصر ایک چائے خانے میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنے سکوتر پر بٹھا کر

121

اٹھا۔ گاڑی۔ تم تو کاندھ دینے آئے تھے، قیصر نے کہا۔

ہاں، میں نے کہا 'وہ فارغ بیٹھا تھا' اس نے بات چیت کر دی۔

دو۔ دیکھ میناز، وہ چولا، تو اس شخص سے بچ کر رہنا۔

میں نے پوچھا۔

افیر آدمی ہے۔ بڑا ذہین ہے ایک نظر میں بات پالیتا ہے۔

رائے نہیں کرکے وہ سمجھتا ہے کہ ماننا، ماننا اس کا ذاتی معاملہ ہے، جس کا انکار نہ ہو۔
کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ وہ بات بڑھانے کے خوف سے سرکشت ہو جاتا ہے۔

اشفاق حسین گہرا گیلہ میری کوئی خاص پر اہم نہیں ہے، وہ بولا۔ بس ایسا۔
راستے میں رکاوٹیں آتی رہتی ہیں۔ معمول کی رکاوٹیں نہیں، غیر معمولی رکاوٹیں۔
لوگوں پر اثر رکھتی ہے مجھ پر نہیں رکھتی بلکہ انشاؤں رکھتی ہے۔ حالات کا رخ مٹا
ہوگا۔ وہ ایک مصرعہ ہے غرضاً یہ آپ نے سنا ہو گا۔

ظہر ڈوبے جھول تو دریا نے پیاب مجھے

اس پر ایک قلمبر لڑا۔

علیہ نے کچھ دیر کے بعد مراقبے سے سر اٹھا بولی، آپ ٹھیک کہتے ہیں، آپ نے
میں رکاوٹ ہے۔ آپ پر کوئی بھول اٹھو نہیں ہے۔

کب سے ہے، اشفاق حسین نے پوچھا۔

نوجوانی سے، وہ بولی۔

اس کا کوئی علاج بھی تو بتائیے۔

علیہ مسکرائی بولی، میں ایک میٹر ہوں۔ علاج نہیں ہوں۔ مجھے تو جو دکھ ہے وہ
ہوں۔ جہیز سے نہیں کہہ سکتی کہ جو دکھ ہے وہ درست بھی ہے یا نہیں۔ پھر وقت
میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ایک چیز مجھے دکھائی جاتی ہے کہ مستقبل میں یہ ہو گا یوں، وہ
پتہ نہیں چلا کہ کب ہو گا۔ کل ہو گا یا دس سال کے بعد ہو گا۔

دوسرا قلمبر انشا کا قلم۔

علیہ نے حسب معمول پوچھا، جی فرمائیے۔

انشا مسکرایا کہنے لگا، محترمہ میں تو لوشن ہوں۔ لوشن دے اونٹ تھری کواں،
سیدھی۔ مجھے کوئی چیز راس نہیں آتی۔ کام راس میں آتا، آرام راس میں آتا،
میں آتا، سکون راس میں آتا، جین راس میں آتا، مراد راس میں آتا۔

اس پر ایک قلمبر بند ہوا، محترمہ خود بخشنے لگی۔

میں نے جتنے ہوئے گردن پھٹکی اور پھر سر اٹھا کر بولی۔

آپ نے جو پھوڑا پٹا ہے، وہ اب پھوٹے والا ہے، آپ کو بڑی شہرت ملنے والی ہے۔ عزت
ملنے والی ہے۔ بہت کچھ ملنے والا ہے۔

ملنے کا انشاء ہے پوچھا۔

ہاں، وہ بولی، آپ کو دلیر پر کھڑے ہیں۔

نہاں نے گھ۔

میں نے والا۔ بہت جلد آپ کو ایک دینے والا ملے گا۔

اس کے بعد قیصر کی باری تھی، وہ بیٹھا مسکرائے جا رہا تھا، سوچی مسکراہٹ، نہ ہانسنے والی

نہاں نے۔

آپ کچھ نہیں پوچھنا، وہ بولا، میں مستقبل کو جاننے سے خائف ہوں۔

کچھ اپنے حلق پوچھ لو، احمد شیر نے کہا۔

اپنے حلق میں چلتا ہوں، قیصر نے جواب دیا۔

قیصر کے بعد میری باری تھی۔ میں نے کہا، مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔

پھر دشمن کے بارے میں پوچھ لو، انشاء ملے گا۔

نہیں یہ بہت چھوٹی بات ہے، میں نے جواب دیا۔

پھر کا مر رہا ہے اور کہتا ہے چھوٹی بات ہے، احمد شیر نے کہا۔

نہاں نے دے

آپ متاثر مت ہوں، علیہ نے پوچھا۔

جی، میں نے جواب دیا۔

شاہ صاحب نے مجھے آپ کے حلق فون کیا تھا۔

اب احمد شیر بولا، دراصل یہ شخص اپنی سرشت کے خلاف کسی کو بھربان بیٹھا ہے، یہ صابون کا

نہاں، پھوٹ جائے گا۔

علیہ مسکرائی، وہ بزرگ کہی ہیں۔ جنہیں بھربان بیٹھے ہیں۔

پنڈی میں احمد بیٹے کے کہہ
عفیہ نے مراقبہ میں سر جھکا دیا۔ چند ساعت کے بعد سر اٹھایا۔ بولی، وہ نہ، اگے
لے کر دے چلے، سر پر دوی ٹوپی تھی۔ ہاتھ میں حقہ تھا۔ بچل بولتے ہیں کہ گھر میں
اسی آپ سیدھا کر لیں گے۔

عفیہ کی بچل پر سب ہنسنے لگے۔

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ دوی ٹوپی پہنتے ہیں، حقہ پیتے ہیں اور
بولتے ہیں۔ اور وہ خود کیسے آگے۔ ایک مرحوم و معذور بڑا پنڈی سے کراچی آیا تھا۔ احمد
بھیر بھی تو انیس کا تھا۔ یہ سب کیا ہے۔ یہ کیسی دنیا ہے جہاں لوگ مرے کے بعد آؤں اور
پھر جیتے ہیں۔ ہادی زندگی کے انتقام پر بھی 'ٹوپی پہنے پھرتے ہیں۔ حقہ پیئے۔

پھر مجھے خیال آیا کہ وقت طاری کرنے کے بعد بھی وہ مجھے سیدھا کر رہے ہیں۔ انا
اب بھی جاری ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے مجھے از خود کراچی بھیجا ہو۔

احمد بیٹے کی آواز نے مجھے چڑھایا۔

میرا ہاتھ دیکھ دیجئے، وہ کمرہ ہا تھا۔

میں اس فن سے واقف نہیں ہوں، عفیہ نے کہا۔

تو کیو سے دکھا دیجئے، وہ بولا۔

اچھا وہ بولی، اپنا ہاتھ کھول کر میرے رکھیں۔

عفیہ زانوں میں چلی گئی۔ بولی، یو آر کلیور، ویری کلیور۔ ویری ویری۔

عفیہ کیو کے انداز میں انگریزی بولے جا رہی تھی۔ احمد بیٹے کے منہ پر لہو چھڑا۔

تھے، جیسے کلیور ہونا بڑا مصروف ہو۔

میرے ساتھیوں میں کوئی فرد بھی ایسا نہ تھا جس سے اس موضوع پر بات کی جائے۔

جب بھی میں کوئی ایسی بات چھیڑتا تو میرا مذاق اڑانے لگتے۔ کہتے، یہ تو کس طرف، ہاں

ہے۔ یہ رمانت تیار رمانت نہیں ہے۔ اس رمانت پر لہجے کچھ نہیں ملے گا۔ لی والی سلف!۔

محبت کر کے چھوڑو۔

جس نے کہا۔ جب یہ باہر نکلے تو ہم دونوں حیران ہوئے۔

میں نے پوچھا کہ آپ نے انکاف کمال کیوں نہ کیا۔

وہ ہلکے جھپٹے نہیں دیتے کہتے ہیں جس غارت خانہ کا وہ چٹا پتہ ہو اسے انکاف پر

کہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ نے علیہ سے پوچھا نہیں تھا کہ وہ کون ہیں جو جھپٹے

میں انکاف نے سرنگی میں بلا دیا۔

وہ کون تھے جنہوں نے اسے آپ کا گرد دکھایا تھا کہ یہاں انکاف کرو میں نے پوچھا۔

جس نے وہ بولا دراصل یہ غارت خانہ بڑی پاکیزہ غارت خانہ ہے اس سے کچھ پوچھنے کی مجھ میں

TELL THAT BLOCK HEADED PATHAN THAT

I SEE HIS DEAD BODY ON A GUN.

کہا یا میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ اصل میں بھیجی شاپ نہ کیا۔ اس کے گھر فرنیچر لٹا جاتا ہے۔ سول افسر جاتے

میں نے جاکر صدر صاحب کو بتایا کہ ایک غارت خانہ آپ کے بارے میں یہ کہتی ہے۔

وہ راجب مسکرا دیے۔

وہ راجب۔ یہ روز شاپ نے مسکرا کر کہا۔

راجب میں نے پوچھا۔

راجب ایک عقلمند فرد ہیں شاپ نے جواب دیا۔ ایسی باتوں کو نہیں مانتے پھر صدر

نے مجھے بلایا۔ کھنگنے لگے یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ وہ کون غارت خانہ ہے کیا چاہتی ہے۔

میں نے کہا آپ اجازت دیں تو میں پتہ لگائوں۔

انکاف

پتہ نہیں کیا ہے۔ گھر ہے۔ جب یہ بولی بار بار اسے گھر آتی تھی، گھر میں
ہوا تھا میری بیوی غفلت بھی حیران ہوئی۔ اندر داخل ہو کر بولی کہ
کیا اس کی گود میں ایک بے بی تھا۔ کرسی پر بیٹھ گئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی
میں گھر ہے، بالکل ٹھیک ہے۔

میں آپ کی بات سبھی نہیں غفلت نے کہا۔

غارت خانہ کبھی گئی، میرا ارادہ تھا کہ انکاف کروں۔ خواب میں مجھے یہ گھر دکھایا گیا۔
یہ پاکیزہ گھر ہے، اس میں انکاف کرو۔ آج صبح سے میں اس گھر کو ڈھونڈتی رہی، وہ
مل گیا ہے۔

آپ کو یقین ہے کہ یہ وہی گھر ہے غفلت نے پوچھا۔

بالکل وہ بولی اس کمرے سے پچھلا والا جو کمرہ ہے بائیں ہاتھ کو اس
انکاف کرتا ہے۔

یہ سن کر غفلت بڑی حیران ہوئی۔ اس غارت خانہ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ اس کمرے
ہاتھ کو ایک اور کمرہ بھی ہے۔ اور وہی ایک کمرہ تھا جو ہمارے گھر میں خالی پڑا تھا۔

پھر کیا اس نے وہاں انکاف کیا میں نے پوچھا۔

ہاں کیا شاپ بولا کیسے کیا میں نے پوچھا اس نے پچھلے ہمارے حوالے کر دیا
انکاف میں بیٹھ گئی۔ ہم باہر داری پر بیٹے کو بھلاتے رہے اور وہ ساری رات نہیں نہیں
پھر ایک موہبت تھی کہ میں اپنا دودھ پلائی تھی، بوتل کا نہیں۔ ہم نے لڑا، وہاں
نقشہ بنایا تھا۔

جب وقت آتا تو ہم بیٹے کو بے بی کلف میں ڈال کر کمرے کے دروازے کے باہر
اور دروازہ بجاکر خود چلے آتے پھر وہ دودھ چاکر بیٹے کو دروازے کے باہر رکھ کر دروازہ بند
یہ تو بڑی مصیبت ہوئی میں نے کہا۔

وہ تو گھر ہے شاپ نے کہا کہ یہ غارت خانہ ایک دن اور وہ راتوں کے بعد باہر

نگہ لو، انہوں نے بچے پر دایں سے کھلے۔

پھر کیا آپ اس خاتون سے ملے، میں نے پوچھا۔

ہاں، شاہب نے کہا، ملا تھا۔

شاہب کی یہ عجیب عادت تھی۔ وہ بات رک رک کر سناتا تھا۔ بڑی سے بڑی

میں نے پوچھا۔

وہ کہتی ہیں، میں کب سے دیکھ رہی ہوں کہ سرور دی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ میں دیکھتی

ایک تھکی داڑھی والا شخص جس کی آنکھیں سبز ہیں، ڈائریکٹر بن کر آ رہا ہے، جو بہت سخت

اور ستارہ ہمیشہ قائم رہتا تھا۔

میرے ذہن میں یہ خیال نہ آیا کہ قدرت اللہ شباب کی کوئی ذاتی حیثیت بھی ہو

۱۰۱: کی کنونشن سے متعلق رابطے شروع ہو گئے۔ اور ہم سب کو بار بار شہاب سے

حرى شباب سے ملنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔ لیکن شباب اسے ملنے

انسانیت سے کوئی خصوصی رچ بس تھی۔

رودشنی ہو جاتی تھی، بجھا ہوا مٹی کا دیا جل اٹتا تھا۔ بات سمجھ میں نہیں آتی

از: انشا کو دکھ کر میں سوچ میں پڑ گیا، واللہ یہ کیا چیز ہے، جو جلتی بجھتی رہتی

جب کرتا غلوں اور بکھتا ہے تو اندھرا مچا جاتا ہے۔ میں سوچتا تھا کہ یہ بکھتا

[illegible]

یہاں سے اس کی یادوں کے کاچے میں ایک ایسا سرسبز پہاڑ نظر آیا۔

[illegible]

کا ایک خط ملا۔ جس میں غمینی طور پر شہاب کا تذکرہ تھا۔ لیکن غمینی ہونے کے ساتھ

بڑھتا رہتا ہے لیکن ستار سدا قائم رہتا ہے۔

ہے۔ اسے راز رکھو، کیوں، یہ نیا تعلق، کیسے قائم ہوں، کیوں قائم ہوں۔

-159

اس دن پہلی مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ قدرت اللہ شباب کا

لکھنات سمجھ مے آئے۔

پروگرام

کہ ان کا ایک روگرام ہے 'نہ روگرام پاکستان سے متعلق ہے۔ مرد قندار کے تذکرے میں

کے دہانے کو ایک خدا لکھا تھا جس نے اسے راضی و رغبت دیا تھا کہ آؤ ہم تمہیں ایک اللہ

۱۔ مہتمم، محمد اقبال جے سر سائم، انڈیا پکس نے نخلہ میں دو گھنٹے بات چیت کی

یہ جواب صاحب ہیں وہ ہیں میں پر کے سب کے نور میں چہ سہل ہے اور ہے

نوائے سے ہو۔ سہاگ چاہو اس کے ہمدے کی وجہ سے یا یہ کہ سہاگ سدا

پھر خیال آئے۔ میں ایسا نہیں۔ اگر یہ عقیدہ ہو مگر جو جہاں میں یہ ہے۔

یوں بے گنہ وار دیکھتی ہے، جیسے باقی ہی نہ ہو۔ دوسری ساعت میں صلیب
آپ کی گود میں آ بیٹھی ہے۔

بھی محسوس کرنا کہ بکھر خوش ہو شیار روانہ ہے، کبھی ایسے گناہیں کوئی
کے پکر میں پھنسا ہوا ہے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ابن انشا ابھی ابن انشا میں بنا تھا۔ ابھی اندر سے
میں ہوئے تھے ابھی وہ دباؤ پر کھڑا لنگھا رہا تھا، بر سر عام نہیں آیا تھا، اس نے
بجھن کی گزری میں کوئی صلاحیت پہنچی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

بہر صورت شباب کا نیم سن کر ابن انشا روشن ہو جاتا تھا۔ شباب بھی اس کی
باتیں سن کر بہت محفوظ ہوا تھا۔

پھر میں تھا۔ مجھے شباب سے محفل میں ملنے سے کوئی دل نہیں تھا۔ ابھی
وہ بات کی بنا پر میں اسے ملنے سے دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک تو میری پے کشش میں
تھا۔ دوسرے ابن دونوں میری زندگی میں جو عجیب و غریب واقعات رونما ہو رہے تھے
متعلق نہ تو میرے ہاتھ کر سکتا تھا نہ احمد بشیر سے۔ وہ دونوں میرا مذاق اڑایا کرتے تھے۔
مجھے محسوس ہوتا تھا جیسے میں یہ باتیں صرف شباب سے کر سکتا ہوں۔ اس لیے یہ
ذاتی پریشانی کو دور کر سکے۔

مرکی شیش سن

انہی دنوں شباب کے پاس ایوبوں کا ایک وفد آیا۔ ایک ایوب فیم نے خانی
پر فیم میں آکر اپنی توی کو بڑی بے دردی سے نقل کر دیا تھا۔ مقدمہ چلا۔ کورٹ
موت کی سزا دی تھی۔ اب اس کے والد نے صدر پاکستان کی خدمت میں رحم کی درخواست
کی تھی۔

شباب نے وفد سے کہا کہ کل کے اوائف اس قدر گھٹا ہے ہیں کہ صدر صاحب
اس پر فیم کے والد علیہ سے جانے علیہ نے مزاح کیا اور کہنے لگی کہ ہاں

اس کی سزا مل جائے تو پھر اسے پھانسی نہیں دی جائے گی۔

والد کا مطالبہ تھا کہ کسی طرح وہ مینے کے لیے پھانسی کی بڑا کو محل میں آنے سے روک دیا
شباب نے وفد سے کہا کہ میں علیہ سے مل کر آپ کو بتا سکوں گا۔

اس سلسلے میں شباب کے کہنے پر ابن انشا علیہ سے ملا۔ علیہ نے کہا یہ درست ہے، اگر
ہاں تاک کوئی انکشن نہ لگایا تو اسے پھانسی نہیں ہوگی۔ پھانسی کی سزا عرقیدہ میں بدل

گئی۔

تھا۔

تو بعد ازاں کے لیے شباب نے علیہ کو فون کیا۔ علیہ کہنے لگی، آپ یہاں آ جائیں، میں
آ رہا ہوں۔ بہت بڑے خوشخبری سناؤں چاہتی ہوں۔ جو کسی اور کو نہیں سنا سکتی۔ شباب علیہ سے
ملاقات کے لیے نکلا۔

اس روز علیہ بڑے موڈ میں تھیں۔ کہنے لگیں آج کل عرش پر بہت خوشیاں سنائی جا رہی
ہیں، انہیں وہ رہا ہے۔ حضور دو ماہ بے ہوئے ہیں۔ پھلوں کے پار پھرتے ہوئے ہیں۔ گلاب کی
بھاری بھاری رو رہی ہیں۔ سب خوشیں سنار پے ہیں۔

یہ ہیں، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہونے والا ہے۔ عرش اور فرش ایک دوسرے
پر ٹپ آ جائیں گے۔ پاکستان اس دور کا گوارہ ہو گا۔ وہ رک گئی، پھر رونق کے بعد کہنے لگی،
میں نے دیکھا ہے کہ صدر پاکستان کی کرسی خالی پڑی ہے، وہاں نکلا بیٹا لگا ہوا ہے۔ جو شخص ابن
انشا کے ساتھ بہت سخت گیر آدمی ہو گا۔ اس کی وائزی گھٹی ہے۔ آنکھیں سبز ہیں۔ میں دیکھ
ا ہوں کہ ایک خومین جنگ ہو گئی۔ ایبٹ پاکستان ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کثیر ہمیں
لے جائے گا۔ پاکستان کے علاقے میں وسعت ہوگی۔ ہم دلی پر قابض ہو جائیں گے۔

اس روز علیہ بڑے جوش میں تھی وہ مسلسل باتیں کیے جا رہی تھی۔ شباب اور میں چپ
ہاتھ بیٹھ کر رہے تھے۔ پھر شباب بولنا کہنے لگا مختصر کچھ ایسی باتیں بھی تو ہیں جو آپ عرصہ
دراز سے دیکھ رہی ہیں لیکن وہ وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔

بولنا بولی کچھ ایسی باتیں بھی ہیں، لیکن نشاۃ ثانیہ کی بات تو ہو کر رہے گی۔ چاہے آج ہو

یا چائیس مل بود۔ اور پاکستان نشاۃ ثانیہ کا مرکز ہو گا۔ یہ تو لے شدہ باتیں ہیں۔

عطیہ کی باتیں میرے لیے بے حد پریشان کن تھیں۔ یہ نشاۃ ثانیہ کیا چیز ہے۔ مثال کے طور پر اس کے بارے میں بات کیا کرتے تھے۔ کما کرتے تھے، تم پاکستان کا ٹکڑہ نہ کرو۔ پاکستان کو بے بس کر کے والے اللہ کے بندے سوچو ہیں۔ تم جب بھی کوئی قدم اٹھانے لگو تو سوچو کیا ہے۔ پاکستان کے لیے ہاٹ نقصان تو نہ ہو گا۔

اس پر مجھے خیال آتا کہ پاکستان کو اتنی قیمت کیوں دی جا رہی ہے۔ کیا اس لیے کہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ مسلمانوں کے تو دنیا میں بیسیوں ملک ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہم باغی ہیں۔ برائے نام مسلمان ہیں۔ نہ ہمارے کردار میں اسلام کی جنگ ہے نہ اعمال میں اسلام کا رنگ۔ البتہ ایک دھف ضرور ہے کہ ہم میں اسلام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہمارے وجود ہے۔ کیا پاکستان کو یہ شرف اس جذبے کے لیے حاصل ہو گا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہو گی۔ پھر میری توجہ عطیہ پر مرکوز ہو گئی۔ یہ کون خاقان ہے اسے یہ گفت کیسے ملا۔

ای ای ایس بی کا مطالعہ کرنی کی وجہ سے مجھی سببیز کے بارے میں کچھ معلومات حاصل تھیں مجھے علم تھا کہ کچھ لوگوں کو پیدائشی طور پر مستقبل کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اور کچھ لوگوں میں سر کی جوت گتے پر یہ خصوصیت ابھرتی ہے۔ مجھے یہ بھی علم تھا کہ اس خصوصیت کو نہایت سے کوئی حلق نہیں ہے، لیکن حیرت کی بات تھی کہ عطیہ کو مذہب سے گمراہ حلق تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ عطیہ سے انکلی میں ملوں اور اسے پوچھوں کہ یہ گفت اسے کیسے ملیں گے۔ میں نے ملنے فون پر عطیہ سے وقت ڈالنا دیکھا۔

عطیہ کی کہانی

میں نے آپ پر جھلکیاں دیکھ رہی ہیں۔

میں نے ہی۔ جب مجھے پوری طرح شعور نہیں تھا۔ مگر کئی شروع شروع میں میں یہ جھلکیاں دیکھ کر راز چلا کرتی تھی کہ یہ کیا نظر آ رہا ہے۔ آپ نے یہ بھی نہیں دیکھا یہ مستقبل کی جھلکیاں ہیں۔

پھر اس نے مجھے اپنے بچپن کی مختصر سی کہانی سنانی۔

میرے والد بہت پرستے تھے پروفیسر ہیں۔ انہیں مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کے کہ اللہ کو نہیں مانتے تھے۔ مگر بہ بدشگوارگی تھی کہ کوئی مذہب کی بات نہ کرے۔ ان بات نہ کرے۔ کسی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

وہ بڑے کئی 'پولی' پڑھیں کیں شاید اس بدشگوارگی کی وجہ سے یا ویسے ہی مجھے بچپن سے ہی

اللہ کا شوق تھا۔ اسی نے چوری چوری مجھے نماز سکھادی تھی۔ پڑوس میں جا کر میں نمازیں پڑھتی تھی اور قرآن پڑھنا سیکھتی تھی۔

ایک دن پڑوس کی ساس بیمار پڑ گئی۔ اس نے شور مچا دیا کہ جاؤ واکٹر کو بلاؤ۔ اس وقت میں مریشہ کے پاس ٹکڑی تھی۔ میں نے مریشہ کی طرف دیکھا مجھے یوں نظر آیا کہ وہ مر رہی ہیں۔ میں نے واکٹر کو بلائے کا کیا فائدہ یہ تو مر رہی ہیں۔ یہ کہہ کر میں گھر چلی آئی۔ واکٹر کے خنبے سے پہلے مریشہ فوت ہو گئی۔

میری یہ بات سارے محلے میں مشہور ہو گئی۔ ہر لوگوں نے مجھ سے پوچھا شروع کر دیا میرا

اللہ میں پاس ہو جائے گا کیا مجھے تو کبھی مل جائے گی کیا ہم مقدمہ جیت جائیں گے۔

جب میں ان کے سولات پر توجہ دیتی تو مجھ پر محسوس طاری ہو جاتے۔ اپنے محسوسات

ایسا ہے تو پھر فیصلہ کیا نہیں نے کہ
 'لہو' وہ دیکھو 'حفظ چاہیو۔ جب یہ حیرتی طرف دیکھتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر
 'اہا ہا ہا' کے آوازوں سے مسرت کی پھوار اڑتی ہے 'جب میری طرف دیکھتی ہے تو
 'اہا ہا ہا' کی آواز سنائی دیتی ہے۔

ان دنوں قہر مار کر ہنس پڑی ہوئی 'اس من کا یہی ایک شغل ہے۔ یہ میرے غلبہ میں
 'وہ نہ کر سکتے رہتے ہیں۔ یہی انعام ہے۔ یہی جرم ہے۔ یہی مقدمہ ہے۔
 'ان اس وقت لازم چائے کا ایک پیالہ لے آیا۔

'ماضی متنازعہ' نے کمالور مقدمے کے کوائف پر گہری نظر ڈالو۔
 'پتہ پتہ ہوئے میں حفظ سے متعلق ہوا۔ میں نے کہا 'حفظ صاحب آپ اپنا شغل قائم
 'محترمہ کے غلبہ کے کر سکتے ہو۔ اس کی اشد ضرورت ہے۔

'اشتغال میں آجاتے ہیں 'عقاون نے استعجالی انداز میں کہا۔
 'انہیں اشتغال میں آنے کی ضرورت ہے' میں نے کہا۔ حالات کا تقاضا ہے کہ یہ اشتغال
 'اسی بنا پر ہے اشتغال میں نہ آئیں 'محترمہ' تو آپ 'کوشش کر کے انہیں اشتغال میں

'اشتغال میں آنے کی مجھے عادت نہیں 'حفظ نے مشتعل انداز میں کہا۔
 'حفظ صاحب' میں نے کہا 'یہ ایک مفید عادت ہے۔ جب آپ کی مجلس کوئی جوان لڑکی
 'دلی کرتا ہے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اشتغال میں آئے' بار بار آئے چونکہ اشتغال
 'ایک ٹانگ ہے اور حفظ صاحب آپ کو ٹانگ کی ضرورت ہے۔

پھر میں نے عقاون کی طرف دیکھا۔ محترمہ آپ ان کے اس شغل کو برا نہ ٹالیں۔ یہ عدم
 'لا اعتبار نہیں ہے۔ ہم دھبے کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ تو خود کو اشتغال والا کر طاقت حاصل کر
 'اپن اور محترمہ یہ سب آپ کی خاطر کیا جا رہا ہے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے اجازت

'حفظ چاہئے لگا کرک چا ماضی متنازعہ' رک چاہیے۔
 'میں جناب' میں نے کہا 'مج اپنا فرض ادا کر چکا ہے۔ فیصلہ سنا دیا گیا۔ اب بحث میں ہو

میں نے کہا 'یار احمد شیر اگر میں لاہور گیا تو وہاں سے چٹری ہو کر کلاں جاؤں۔
 'لوٹوں' وہ تجھے چھٹی نہیں دے گا 'نشا بولا۔

احمد شیر نے کہا 'تو پرانم تو مجھ سے جتنی چھٹی لے چلا

لاہور پہنچ کر میں سید حافظ کے دیے ہوئے پتے پر پہنچا تو کہنے لگا 'آئیے
 میں صاحب کو اطلاع کر رہا ہوں۔

کچھ دیر کے بعد نوکر نے آکر کہا وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ وہ مجھے لوہ دلی پہنچا رہا
 گیا۔

اشتغال ٹانگ

کمرے میں قائلین بچا ہوا قہر دو رسمی رضائیاں لوہ چھٹے پرے تھے۔ ایک ایک
 مثال میں چلنا ہوا تھا 'دوسری طرف جانب ایک نئی ستوری چاہیے نظر عقاون نہیں تھی۔

بیٹہ چاہیے 'حفظ بولا۔ بہت اچھا کیا جو تو آگیا ہم نے تجھے ایک بہت اہم کام
 ہے۔ یہ کام بہت ہی اہم ہے۔ اور تجھے اس سلسلے میں بہت بڑا رول لانا ہے۔ تجھے ہم

اس کی حیثیت سے نہیں بلایا۔ بلکہ جج کی حیثیت سے بلایا ہے۔ جسے سامنے اپنی اہم
 مقدمہ پیش کیا جائے گا۔ دونوں فریق اپنے اپنے بیانات پیش کریں گے اور تجھے بیٹہ نور
 کے بعد عدالت و انصاف کی بنا پر فیصلہ سنانا ہو گا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

یا اللہ! یہ کیا کھیل ہے 'میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا ڈرامہ ہے 'بزم کون ہے' میں نے
 کی طرف دیکھا 'اُس کے ماتھے پر توری تھی 'ٹھٹھ کی میں کرب کی توری۔

پھر میں نے عقاون کی طرف دیکھا 'دوسرا ہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں 'دوسرا
 زندگی تھی۔

بزم کو حاضر کیا جائے نہیں نے ازراہ مذاق کہا۔

عالمیہ میں حاضر ہوں 'حفظ نے سر جھکا کر ہنس دیا۔

اور آپ محترمہ 'میں نے عقاون کی طرف دیکھا 'دوسرا مسکرائی گئی۔

ہم دونوں ہی خرم ہیں 'حفظ نے کہا 'دونوں ہی ظالم ہیں۔ دونوں ہی مظلوم ہیں۔

کئی۔

جب میں بیڑیاں اتر رہا تھا تو حقیقت چلا رہا تھا، رک جا ملتی ممتاز، رک جا۔
جب میں اشتقاق کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ وہاں قدرت اللہ شہاب بھی موجود ہے۔ اور.....
کسی نے کئے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

آپ یہاں کیسے، میں نے شہاب سے پوچھا۔

میں دورے پر آیا ہوں، وہ بولا۔

تم یہاں کیسے، اشتقاق نے مجھ سے پوچھا۔

میں یہاں ایک مقدمے کا فیصلہ سنانے آیا تھا۔

اچھا اشتقاق بولا، مجرم کون تھا۔

حقیقت جانور ہری کی بی بی بیگم۔

جواب سن کر دونوں اشتقاق اور شہاب چرکے۔

جرم کیا تھا، اشتقاق نے پوچھا۔

بست گناہنا جرم تھا، میں نے جواب دیا۔

شہاب نے بڑے اشتیاق سے میری جانب دیکھا۔

اس کے غلبہ میں ابھرے ہوئے گھر میں، میں نے کہا۔

دونوں نے قہقہہ لگایا۔

اور تم اسی کام کے لیے سرکاری طور پر کراچی سے بلوائے گئے تھے، اشتقاق نے پوچھا۔

جی جنتاب۔

قاضی صاحب

گواہی میں سوار ہونے کے بعد میں نے شہاب سے پوچھا، آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔

میں روڈ پر، قاضی صاحب سے ملوانے۔

وہ کون ہیں، قاضی صاحب، میں نے پوچھا۔

UrduPharba.com

شہاب نے جواب دیا۔ آپ دیکھ لیں گے تو یہ چل جائے گا۔

میں نے ایک مکان پر رک گئے۔ مکان کا صدر دروازہ بند تھا لیکن مکان کا ایک کمرہ

کھلا تھا۔ اس کمرے میں تین کڑکیاں تھیں۔ جن پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ کڑکی

کھلے کمرے کے کچھ حصہ دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔ کوئی جی سلیڈ چیز حرکت کر

قاضی صاحب، میں نے پوچھا۔

میں ہیں، شہاب نے جواب دیا۔

شہاب نے کہا، شاید وہ کڑکی میں آ جائیں، وہ اکثر کڑکی میں آ جایا کرتے

میں ایک کنوپی پر ایک خاتون بیٹھی تھی۔ اس کی شخصیت سے مٹاس کی پھواراڑ

قاضی اشتقاق بولا، قاضی صاحب کڑکی میں آ گئے ہیں۔

میں نے کہا، کڑکی کی جانب دیکھا، کڑکی میں ایک منور چہرہ سرک رہا تھا۔ چہرے پر اتنی تازگی

تھی جی جیسے ابھی ابھی کس صباؤں سے منہ دھو کر فیر لینڈ لوٹی کر کم ل کر آیا ہو۔

وہاں پہنچے، میں نے کہا۔

میں نے انہوں سے منہ نہیں دھویا، شہاب نے مسکرا کر کہا۔

نہاں ہے۔ اتنا منور چہرہ۔

یہ ہے یہ اس کمرے میں بند ہیں۔ شہاب بولا، باہر میں نکلے۔ آٹھ آٹھ دن کاٹا

گھروالے دروازہ کھول کر اندر دیکھ دیتے ہیں، لیکن وہ جوں کا توں پڑا رہتا ہے۔

میں نے کہا، غلاحت پڑی رہتی ہے۔

اشتقاق بولا، انہیں خود کا ہوش نہیں ہے۔

میں نے کہا، میں نے آپ، شہاب نے کہا، یہ فن کی بات ہے۔ یہی ان کی واحد خدمت

ہوتی ہے۔ غلاحت کرتی ہے، غلاحت اغلاقی ہے۔

لیکن سب کیا ہے۔ کیوں ہاں نہیں لکھتے، کیوں مدد دہاری گئی، میں نے ہم پر
 پتہ نہیں شہاب نے کہا، قاضی ایک خوش فعل نوجوان تھا، قلیم یافز، خوش الحان
 ہوئے سارے گھر والے کسی تقریب پر جا رہے تھے۔ چلنے لگے تو
 قاضی نے کہا، ایک منٹ دیکھے، میں ہاں کو کنگھی کر لوں، اس روزت آج
 میں کنگھی کر رہے ہیں۔

وہابی بیماری ہے کیا، میں نے پوچھا۔

ڈاکٹر بھی کہتے ہیں۔

مچھلی بہت کی کیفیت ہے کیا، اشفاق بولا۔

ہاں کہہ سکتے ہیں، شہاب نے کہا۔

میں نے کہا، ہم یہاں بیٹھ کر
 آپ واکرڈ لور جاگڑ سے انٹرویو کر لیں۔ اشفاق چائے کا چال پیئے کے لیے رک
 ایک خاکروب آگیا لور جمانڈ سے سوکھے چوں، کاندوں اور لغافوں کو اکٹھا کرنے

رات کرنے کا چسکا ہے اس نے خاکروب سے بات چھبڑی، کتنے لگا، اے میاں، تم
 دیکھتے نہیں کہ چھڑے ہو۔

میں یہاں ہوں۔ چہڑا نہیں ہوں۔

ان کے لیے چائے کا ایک پیالا منگوائیے، شباب نے کہا۔

فضل نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر رکھ لیے۔ یولہ! ہمیں سرکارِ چہار کی تعالیٰ!

چاہ میں نہیں پیتا۔

کیوں نہیں پڑتے؟' اشفاق نے پوچھا۔

حکم نہیں ہے بلکہ جی 'دو ہوا۔

چائے کی مناعی ہے کیا۔

نہیں منائی تو نہیں۔ دلاج سے لے کر چنے کا حکم نہیں ہے۔

لیکن کیوں۔

حکم کو حکم ہوتا ہے۔ جی۔ اس میں نہ نہیں ہوتا۔ کس لیے نہیں ہوتا۔ بچہ نہیں ہوتا۔
بچہ نہ جنت ہے۔ حکم ہے کہ فضل مسیح کسی کا دیا ہوا نہیں کھانا چننے کسی کا دیا ہوا نہیں

لو حار نہیں ملتا چاہے فاقے آئیں، بڑے آئیں فاقے۔

بڑے سخت حکم ہیں، اشفاق نے کہا۔

ہاں جی، وہ بولنا جو سخت نہ ہو تو پھر وہ حکم

تم نہ مانو' میں نے کہا۔

فضل مسیح ہمایولا صاحب

ہم مسلمانوں میں تو بہت سارے ایسے ہیں فضل مسک جو مرشد تو بننا چاہتے ہیں

مانے، میں نے بات کی وضاحت کی۔

بس جی اسی لیے مسلمان دل ر

ہیں، انگلیں ہی انگلیں، منہ نہ ہے۔

ج کہ رہا ہے فضل مسیح، شہاب

صاحب صرف مسلمان کی گل نہیں۔ مسلمان

اس سے فرق نہیں پڑتا۔ بس شرط اک ہے حکم منے۔ آگوں بولنا نہیں۔ بچھنا نہیں۔

وہاں جس قوم نے حکم فرمایا وہ چڑھ گئی نہ فرمایا تو رہ گئی۔

۱. ہائے اشتیاق بولا تو کھری باتیں کر رہا ہے فضلؔ

Hilary J. Dwyer, *Dan S. Gifford*

اے! اے! اے! پر زور سے ہاتھ مارا بولا۔ وہ تو پورے ہو گئے تھے۔ صاحب جی۔ پر آخری

۱۱۔ اہل ہو گئی۔ بندہ بشر ہے نا صاحب جی، وہ بولا۔ بھل ہو ہی جائدی ہے۔ سزا میں

میں نے کہا کہ جی۔

۱۱۔ اکیوں نہیں ہو جاتے "اشفاق نے اسے چھیڑا۔

ہاے گا جی، وہ بولا، میں تو یہی رہوں گا جی۔ جو میں ہوں، میری بھل بھی یونہی

میں تو بھل ہو جائے تو بندہ پر اچھیت کر لیتا ہے۔ مسلمانوں میں تو بھل ہو جائے تو

ہیں۔ اک چانس بھی نہیں دیتے۔ اور پھر مسلمان خیریں نے بڑی اونچی شرطیں

کوئی ساواں سل کھوہ میں لنگ کر نام چپتا ہے، کوئی ساواں سل پیٹ پر پتھر بنے

ال اپنے ہرتوں خود لوں قربان کرنے کو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ تو بہ جی 'تو بہ' یہ تو جنوں

ان کے لیے سمندر جیسا حوصلہ چاہیئے۔ صاحبِ جی۔

انھو بیٹوں نے اچھا صاحب جی، وہ بولا۔ اب میں اپنا کام پختوں۔

اسی اٹھ بیٹھا بولا میں بھی اپنا کام چٹالوں تم یہاں جینو میں ابھی آیا۔

... فضل مسیح کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ یہ فضل مسیح کتابِ پرا آدمی ہے۔ میں نے

۱۔ اللہ ماننے کی ہمت رکھتا ہے۔ زندگی بھر میں نے ماننے کی عظمت کو نہیں سمجھا تھا۔

ہاں بغیر ماننا ممکن نہیں، جو لوگ آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں وہ جاہل ہیں۔

ان کا مسئلہ سب سے پہلے میں نے نور پلا کے دربار میں سنا تھا۔

64

۱۱۔ میرا تعارف اشفاق احمد نے کرایا تھا۔ اشفاق احمد قال کا پر وائہ ہے۔ بولنا اس کے

کی ہے اور خاموشی موت۔ اس لیے وہ پیروں کی ڈھونڈ میں لگا رہتا ہے۔ اسے کسی منزل

لیکن نئی نئی باتیں سننے اور پیڑوں سے گفتگو کرنے کا شوق اسے ڈیروں اور

— ۴۵ —

کس و کس طرح نور بابا کے دربار میں جا پہنچا نور بابا کا ڈیرا لاہور چھاؤنی میں کیولری

روڈ پر تھا، جو تین چار کمال دشمن پر مشتمل تھا۔

اس کی مریدی کا وعدہ اچلا رکھا ہے۔ اس میں ہمارا حصہ بھی ہونا چاہیے۔

جو چاہے کر دے، جب چاہے کر دے اور پھر نہ تو ایک سواری ہے۔ سواری نام ہے
 ہے کہ سواری کا رخ کدھر کو ہے اور پھر وہ جب چاہے رخ بدل دے۔ نہ چاہے
 چلنے پڑی پر چڑھائے، جسے چاہے مانے کی سڑک پر ڈال دے۔

علاوت کی قید

وہی بات ہوئی تاجس کا مجھے ڈر تھا، اشفاق کی آواز سن کر میں چونک
 کیوں کیا ہوا، شب نے پوچھا۔

یہ لوگ جو منہ اندھیرے باغ میں دوڑ لگاتے آتے ہیں۔ اشفاق نے کہا، یہ
 نہیں آتے، علاوت پوری کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اور علاوت بہت بڑا کام ہے۔ اس
 میں ایک کوڑا ہے۔ کوڑا لہرا کر حکم دیتا ہے۔ اٹھ اور اپنے معمول کا پالن کر۔ اس
 تلے جسم چٹخا جاتا ہے اور ایک جیش کی طرح بھلے آتا ہے۔

یہ تو کیا تقریباً رہا ہے، شب نے پوچھا۔

انڈیوں نے کر لیا ہوں وہ بولا، تقریر نہیں بھانڈ رہا۔ دن روزوں کی عقلوں پر
 ہوں۔ وہ بڑھا جو چالنگ کر رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ شروع شروع میں نام
 خیال سے روزش کرنے آیا کرتے تھے۔ پھر علاوت پڑ گئی۔ ہم نے لب جانا ہے۔ اس
 کر کوئی ظالم نہیں ہے۔ کتا تھا اگر کسی وجہ سے یا کسی مجبوری کی بناء پر کسی کو
 کرنے کے لیے نہ آئیں تو جسم انتقام لیتا ہے۔ مددہ کام کرتا چھوڑ دیتا ہے، شہ
 ہیں۔ نہیں چام ہو جاتی ہیں۔ سارا جسم پڑھتی کر دیتا ہے۔ اس روز میں میں نہیں
 کچھ بدل جاتا ہے۔ سارا دن یوں پڑا رہتا ہوں جیسے مردہ خانے میں لاش پڑی ہو۔

میرا خیال تھا، اشفاق بولا کہ صرف بری علامتیں ہی ہے بس اور لاچار کر دیتی
 نہ تھا کہ ہر علامت ایک مجبوری بن جاتی ہے، چاہے وہ اچھی علامت ہو یا بری۔

شب بولا، تھادی اگر تھاد نہ پڑے تو وہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے اس نے لہا
 لگنے کا احساس اسے دکھی بتا دیتا ہے۔

ستارہ

دلہا بڑی میں راجہ شفیق بڑی بے مبری سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے کہا راجہ کیا حال

ہوا۔ اچھا نہیں۔ تیرے چلنے کے بعد میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ کس سے بات کروں۔

بات کیا ہے، میں نے پوچھا۔

ہوا۔ بڑی گڑبڑ ہے۔ کنفیوز ہو گیا ہوں۔

میں نے کہا، پھل جان کا کیا حال ہے۔

ہوا۔ انہیں ستارہ ہو گیا ہے۔ ہر وقت ستارہ کی بات۔

تارہ کیا میں نے پوچھا۔

انہوں نے قدرت اللہ شہاب کا نام ستارہ رکھ دیا ہے۔ کہتے ہیں۔ ہلال اولہ پڑا رہتا ہے

ستارہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ جب بھی ان کی بات کرو تو ان کا نام نہ لو۔ انہیں ستارہ کو اور

کسی غیر سے ان کی بات نہ کرنا۔ یہ تعلق خفیہ رہے۔ ہاں اگر وہ ہمیں اپنائیں تو اور بات

ہمیں ہمیں ان کو اپنانا نہیں چاہیے۔

جہاں جان کو قدرت اللہ سے کیا تعلق ہے میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں۔ پندرہ میں دن ہو گئے۔ پہلی جان شب کے بکھر میں پڑے ہوئے تھی۔
پہلی جان تو شب سے لے لی نہیں، کبھی انہیں دیکھا ہی نہیں۔ راجہ بولا، "اگر میں
جس ملاقات بھی ہو جائے گی۔ ہمارا کیا ہے۔" عقیدہ پڑھے کو من سے ملتا ہے۔
اُسے میں نے کہہ کیا سرکار قبلہ کو قدرت اللہ سے ملتا ہے۔
ہاں بیکے کرتے ہیں۔ تم نے اپنے فطوں میں قدرت اللہ کے متعلق پہلی جان کو بے

کیا۔

ہاں "میں برکتی تھو کہ۔"

تم قدرت اللہ سے ملتے رہتے ہو کیا۔ راجہ نے پوچھا۔
کبھی کبھی۔

یہ قدرت اللہ شب کیا چیز ہے "راجہ نے پوچھا۔

وہ ایک سی ایس بی افسر ہے اور صدر ایوب کا ٹیکر ٹری ہے۔ میں نے جواب دیا۔

یہ تو مجھے بھی معلوم ہے "وہ بولا۔ کیا تو ہی ہے وہ۔"

چھوٹے قدم کا ہے۔ جسم گھٹا ہوا شخصیت میں کوئی خاص کشش نہیں ہے۔ بہت عورتیں
انگریزی لکھتا ہے۔ کم فطوں میں بڑی بات کہہ جاتا ہے۔ دفتر والے اس کے فوٹ پتہ پر
سے پڑھتے ہیں۔ اس کی قابلیت کی بڑی دھم ہے۔ بڑا ذہنی آدمی ہے۔ آپ بات شروع
فورا ماری بات سمجھ جاتا ہے۔ سنا ہے "بڑی توجہ سے سنتا ہے۔ بولا نہیں۔ گولا ہے۔ ہر
سے دل بند بات کا اظہار نہیں ہوتا۔

کیا مطلب "راجہ نے پوچھا۔

چہرے سے اس کے خیالات کا اظہار نہیں ہوتا کہ خوش ہے یا غمناک۔ چلیک چڑھتا ہے۔
جیسے پھر کا بٹا ہو۔ اس کی خاموشی دوسرے کو کٹ کر رکھ دیتی ہے۔ لیکن اس میں ذرا ہر طرف
نہیں ہے دکھانا نہیں "میں" نہیں۔ مگر اور ہر دوری سے بھرا ہوا ہے۔

ٹھیک ہے "وہ بولا، "میں پہلی جان اس کا ذکر نہیں کرنے لگے ہیں۔ بات کیا ہے۔"

مجھے نہیں معلوم۔
پہلی جان اس کا ذکر نہیں کرتے لگے ہیں جیسے اسے اپنا کیا ہو "جیسے وہ سرکار قبلہ کے پرکار

پہلی جان۔"

حیرت کی بات ہے "میں نے کہا

پہلی جان کی باتوں سے ایسے لگتا ہے جیسے جہیں کراچی اس لیے بھیجا گیا ہے کہ تم شب سے دلو
راجہ "اگر وہ اور اتنے دہار میں لے کر آؤ۔"

راجہ کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا میں کراچی کسی کام سے بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے
اس کا شعور تک نہیں۔ نہیں نہیں یہ میں ہو سکتا "میں نے راجہ سے کہہ
کیا تم نے شب سے سرکار قبلہ کی بات کی ہے نہیں۔"

ہاں۔ دو ایک بار سرسری طور پر ذکر کیا ہے۔ جگہ ایک بار اسے کہا بھی تھا کہ پنڈی جاؤ تو
راجہ کے مزار پر ضرور جاؤ۔ میں نے اسے مزار کا پتہ بھی بتایا تھا کہ پنڈی سے ریل کی چوڑی
پہلے لالہ کی طرف جاؤ تو ایک مضبوط گلوں آتا ہے جس کا نام میرٹھ ہے۔ اس گلوں کے عقب
میں مزار ہے۔

پھر کیا وہ مزار پر آئے تھے۔

نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ میں ریل کی چوڑی پر چک لالہ کی
دکان گیا تھا۔ کمرے کوئی کچھ نظر میں آیا۔ ساتھ اشفاق احمد بھی قبلہ
راجہ خاموش ہو گیا۔ بولا کہ مجھ میں آج تک کہتا ہے کہ تمہارے پنڈی میں آنے سے
پہلے پہلے پہلی جان نے اسے بتایا تھا کہ تمہارا ایک پہلی جان آنے والا ہے جو تمہاری طرح قلم کار
ہے۔ ہانا چکا قلم کار۔

ہاں "میں نے جواب دیا۔ ملک نے مجھے بھی بتائی تھی یہ بات۔"

اب وہ شب کے آنے کی بات کر رہے ہیں "راجہ بولا۔

جب سے میں مرقد کے علاقہ میں داخل ہوا قبلہ عجیب عجیب باتیں سنا رہی
تھیں۔ ایسی باتیں جو محل سلیم کے دائرے سے باہر تھیں۔

پہلی مرتبہ میں نے ہانا تھا کہ دینی نظام کے ساتھ ساتھ ایک روحانی نظام بھی چل رہا
ہے۔ میں نے ہانا کو بزرگ لوگ وقت کے بعد بھی فعلی رہتے ہیں۔ پوری بات سمجھ میں نہیں
آتی تھی۔ مگر ایک میزبان بدل چکا تھا "میں محل کا پابند نہیں رہا تھا۔ پھر بھی میرے دل میں یہ

ہر ایک ایسے واقعہ پذیر ہو گا جیسے بڑے نے طے کر رکھا ہے۔

ابہ لڑا دیر نہیں ہے۔ وقت آ گیا ہے۔ شاید ابن مگوڑے پر چڑھ کر آئیں گے اور ہم
ملا جائیں۔ ہمیں جہاد میں حصہ لینا ہے اور وہ آپ کے دوست بھائی جان نے مجھ سے مخاطب
فرمایا۔ وہ دیر قریب ہیں۔ ہاں وہ جلد یہاں دربار میں حاضری دیں گے۔ ہماری اپنی بات
ہم بھی مل لیں گے۔ اصل بات تو بڑے کو ملانا ہے۔ وہ بھی جلد ہو جائے گا۔ اب
میں ہی ملاقاتیں ہوں گی اور کیا۔

اور روز بھائی جان پر جب کیفیت طاری تھی۔ بولے جارہے تھے۔ ہمارے سچے بھائی بولے جا
رہے تھے۔ اور ہم حیران بیٹھے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

بھائی کی باتوں کا مجھ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا میں سمجھا کہ قدرت اللہ کی اہمیت اس کے
نے حوالے سے ہے اور مردِ قلندر کے پروگرام میں اس نے اسی حوالے کے تحت کوئی
نام لکھا ہے۔

اسلامی جمہوریہ

اسلامی کونسل میں نے قدرت اللہ سے کہا کہ بھائی جان کہہ رہے ہیں کہ آپ مستقل طور پر
اسلامی آئے والے ہیں۔ ہاں وہ بلا اس بات کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں، شاید وقتی
تہاں ہیہ کاؤنٹر رولینڈی میں منتقل کر دے۔ اس کے ساتھ اور بہت سی تبدیلیاں اور
تبدیلیاں آئیں گی۔ شاید وہ اپنے کام کو ختم ہو رہا ہے۔ حلقہ کی چھٹی ہو جائے گی۔ احمد شیر خاواؤی طور پر سندھ
کا دارالافتاء ہے، اس لیے وہ سندھ میں قیادت کر دیا جائے گا۔ ابن الفکرہ اسماعیلی میں خراسانی
کی قیادت سے واپس چلنا پڑے گا اور آپ واپس ڈی ایچ ای میں چلے جائیں گے۔

ان آپ کچھ دھڑلے سے ہیں۔ میں نے کہا۔

ہاں وہ بولا۔ میں نے ایک بہت بڑا کام اپنے ذمے لے لیا ہے۔ اب ڈر رہا ہوں کہ شاید
بہیمانہ سکوں۔ آپ اب جائیں گے، میں نے سنی۔ دعا کریں کہ میں اپنا کام بھرا سکوں۔

میں نے ازراہ مذاق کہا۔ دعا کرے گا جب تک مجھے کچھ علم نہ ہو کہ مشکل کیا ہے۔

ایک معمولی سا دفتری معاملہ ہے، وہ بولا۔ آج کل کابینہ میں یہ مسئلہ دیر غور ہے کہ کیا

خواہش ملتی ہے کہ جہاد کی بات کیا ہے۔

جب بھی میں بھائی جان سے بات کرتا تو دے، مفتی صاحب جانے کا فیصلہ نہیں کرتے۔
نیکچہ جانے کے عمل میں شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً اصل ایمان ہے۔ دیکھیے نا، امام
بست کی باتوں کی منتقل نہیں ہو سکتی۔ اس میں اتنی چٹک نہیں کہ بات کا اعلان کر سکتے۔
بھائی جان کی یہ بات میری قلمی کے لیے کافی نہ تھی۔ میرے اندر جانے اور سمجھنے

کا اور اس کی تحسین کی خواہش کو میں تیاگ نہ سکا تھا۔

وہ آ رہے ہیں

اگلے روز جب ہم دربار میں حاضر ہوئے تو بھائی جان بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ ان
کوئی خوشی میں ایک اضطراری کیفیت تھی۔

مجھے دیکھتے ہی بولے بڑا اچھا ہوا کہ آپ آگئے وہ بھی آ رہے ہیں۔ مستقل طور پر رہا
رہے ہیں۔ انشاء اللہ۔ بہت جلد آپ کا وہاں رہنا ہے معنی ہے۔ جس کام کے لیے آپ
وہاں بھیجا تھا وہ تو ہو گیا۔ اب آپ کو وہاں آ جانا چاہیے۔

کون آ رہے ہیں یہاں، واپس لے کر چلا۔

بھائی جان نے واپس لے کر کہنا کہ وہ اپنی ہی بات میں مگن رہے۔ کئے گئے
چونکہ وہ یہاں مستقل طور پر آ رہے ہیں۔ ہم سب کو اعتیاد برتنی پڑے گی۔ اہم نے ان کا نام
سندھ رکھ دیا ہے۔ جب بھی ان کی بات کرو۔ سندھ کا نام۔ اور ہمیں دوسروں کی موتوں کی
ان کی بات نہیں کرنی چاہیے۔ انیس راز رکھو یہ ظاہر نہ کرو کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے۔
اگر وہ خود تعلق کا اعلان کریں تو پور بات ہے۔

بھائی جان پر اس روز ایسی کیفیت طاری تھی جیسے پی ہوئی ہو۔ نئے میں دھت ہوں۔
وہ بار بار ہر کار قبضہ کے پروگرام کا تذکرہ کرتے۔ مردِ قلندر کا پروگرام ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اور قادر نے وہ بھی پرحلہ صدر ایوب نے ان سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔
 انہوں نے کہا قدرت اللہ شہب کی حق دلائل کے میرا نقطہ نظر بدل رہا ہے۔ میں ان کے خیالات
 کو قبول کر رہا ہوں۔ لہذا پاکستان کو اسلامی جمہوریہ ہونا چاہیے۔ ساری کابینہ نے میرے دلائل سے
 متاثر ہو کر پتہ نہیں پتہ کیسے ہوا۔

اب ایک لمبی نشست نظر کی وجہ سے اس شب کے مافی ہیں۔ میں نے پوچھا
 کہ 'وہ بولنا چاہتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ دنیوی نقطہ نظر سے پاکستان کا اسلامی جمہوریہ
 ناممکن ہے۔'

دوسرا دن

پہلے معلوم نہیں کیسے یہ خبر جنگ کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ حکمرانوں میں رد و بدل ہو رہا
 ہے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ختم کیا جا رہا ہے۔ یہ خبر سننے ہی لوگوں نے قدرت اللہ شہب کی جانب
 سے ایک خط لکھ کر دیا۔ خط کا خلاصہ یہ تھا کہ شہب کے گھر کے پتھر
 کو خارج کر دیے۔

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے میں واپس اسٹیبل میں چلا جاؤں گا اور پھر سے توجہ کا حکم شروع کر
 دوں گا۔ لیکن ایک بات کا وعدہ کیجیے۔ اس نے جیب سے ایک تاشا نکالا کہنے لگا۔ پوٹیکو کے
 نام کے مطابق یہاں ایک نیا حکم کھولا جائے گا۔ یک کلاں۔ وعدہ کریں کہ آپ مجھے اس
 حکم کا انکشاف کرادیں گے۔

شہب نے کہا: پتہ نہیں یہ حکم کب کبھی شاید آپ کو لبا انتظار کرنا پڑے۔
 کوئی بات نہیں! انتظار کے کلمہ میں انتظار کروں گا۔
 بالی نے کہا: مجھے لوگوں کی بات دینی ہے اور کراچی صدر کمر میں ایک رہائش گھر لانا ہے۔

ابو بشیر کا کوئی مطالبہ نہ تھا۔ ٹھیک ہے 'وہ بولا۔ کس تا کس حد تک توفیق تو ہو گی۔ اپنا کیا ہے
 میں سے اڑایا وہاں جا بیٹھا۔

پاکستان کے سیکر حکومت بننا چاہیے یا اسلامی جمہوریہ کی شکل کابینہ کی مشینک میں
 جناب منظور قادر نے ایک نمائندگی مداخلت تقرر کی جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ پاکستان
 سیکر حکومت ہونا ہمارے لیے فائدہ مند رہے گا۔ اس تقرر کے بعد صدر ایوب نے تمام
 ارکان کابینہ سے پوچھا تو سب نے منظور قادر کی تجویز کی حمایت کر دی۔

اگرچہ میں کابینہ کا رکن نہیں ہوں لیکن صدر ایوب کی عادت ہے کہ وہ میری رائے کو
 پوچھتے ہیں۔ انہوں نے میری رائے دریافت کی تو میں نے کہا: جناب منظور قادر کی باتیں
 معقول ہیں۔ لیکن میں ان کا کام خیال نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں پاکستان کو اسلامی جمہوریہ
 چاہیے۔ دینی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ دنیوی نقطہ نظر سے اس میں ہمارا مفاد وابستہ ہے۔

اس پر صدر ایوب نے کہا کہ آپ اپنے دلائل پیش کریں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ:
 میں منظور قادر کی طرح قائل آدمی نہیں ہوں۔ جو اپنی تقریر نہیں کر سکتا ہل اگر آپ مجھے
 ملت دیں تو میں لگہ کر ایک ہیج پیش کر سکتا ہوں۔

صدر ایوب نے میری بات مان لی۔ کل مجھے کابینہ میں وہ بھی پیش کرنا ہے۔ پتہ نہیں
 میں کابینہ کو قہقہے لگائوں گا کہ میں پاکستان کا اسلامی جمہوریہ ہونا ضروری ہے۔
 اگلے روز میں قدرت اللہ سے ملا تو وہ بہت خوش تھا میں نے لکھا کیا ہوا۔

ہو گیا وہ بولا۔

کیسے میں نے پوچھا۔

پتہ نہیں کیسے ہوا وہ بولا۔ ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ حیرت ہے کہ کیسے ہو گیا۔

آپ نے وہ بھی لکھا تھا کیا۔

سارا دن لوگ آتے رہے ایسے لوگ جنہیں میں جانتا تھا کہ ان کے پاس کچھ بات تھی ایک خط بھی
 نہ لکھا تھا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ ساری رات بیٹھ کر لکھوں گا۔ پھر میں ہسٹری میں بیٹھا۔
 لکھنے میں کارپنٹ پر بیٹھ گیا اور لکھنے لگا۔

صبح چار بجے صحت لے بیٹھا۔ پتہ نہیں میں کون سا فیروزہ معمول میں لکھتے تھے سو گیا تھا۔

صبح چار سے سات بجے میں نے جلدی جلدی ہیج ختم کیا۔ کابینہ میں میں نے جناب منظور
 قادر سے درخواست کی کہ ازراہ کرم آپ یہ بھیج دیں جو کہ میرے پڑھنے کا انداز اچھا نہیں

ابن ابی اسحاق نے کہا میں نے ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے

ابن ابی اسحاق

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ دیکھا وہ خط بخوبی ہند میں غلام سے قتل کھا تھا۔ میں ہمارے قلعہ ۲۵
میں صاحب فراش ہوں۔ پہلے تو پائل ہی حرکت کے قتل نہ تھا اب بھی کیمار کرسی پر بیٹھ
باتھ بھی کچھ کچھ پینے لگا ہے۔ پتہ نہیں میں آپ کو کیوں خط لکھ رہا ہوں۔ میں آپ
کو کسی طور پر نہیں جانتا لیکن دو ایک سال سے میرے ہاتھ میں یہ خط چھپا ہوا ہے جس کی آپ
کو اطلاع ہو۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ سوا میرا کوئی شغل نہیں ہے۔ اللہ کا کرم ہے کہ مالی طور پر میں محتاج
نہیں ہوں۔ کیونکہ اس نے مجھے رابہ عطا کیا ہے۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں نے معلوم ہوا تھا کہ آپ ایک عظیم خدمت پر مامور ہیں۔ اس لیے میں روز باناتھ آپ
کو دعا کرتا رہا ہوں۔ اللہ کرے آپ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں اور وہ دور جس کا ہم
کو انتظار ہے جلد آئے۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ میں حیرت میں ڈوب گیا یہ کیا بات ہے میں آپ کو قطعی طور پر نہیں جانتا لیکن
دل میں خواہش تھی کہ آپ کو خط لکھوں۔ میں سوچتا رہا کہ قدرت کون سی عظیم خدمت
پر آپ کو مامور کر رہا ہے جس کو کیسے پتہ چلا کہ قدرت اللہ خدمت پر مامور ہے۔ بات سمجھ میں
نہیں آ رہی تھی۔

ابن ابی اسحاق

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ قدرت اللہ کا بی اے داخل ہوا کتنے کا محترمہ علیہ کافون
کا کہتی ہیں حیدر آباد دکن سے ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں کتنے ہیں میں صاحب صاحب
نے لے کے آیا ہوں۔ صاحب صاحب کو بتا دیجئے گا۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ ایک روز مجھے فون کیا کتنے کا اگر آپ کو فرصت ہو تو آئیے
میں نے کہا فرصت تو ہے مگر گاڑی نہیں ہے۔ گاڑی میں بھجوا دتا ہوں وہ بولا کہ میں
ایک خط پڑھنے میں مصروف تھا چہرے پر صحن کے آثار تھے۔
میں نے کہا خیریت تو ہے کج آپ سر نہیں ہیں۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ بھلا ہمت بڑھ گئے ہیں۔ تھک گیا ہوں۔ یہ بتائیے کہ چنڈی میں
اب کی بار تو بھائی جان آپ ہی کی باتیں کرتے رہے کتنے تھے آپ مستقل طور پر چلی
رہے ہیں اور آپ مرد قہندر کے پروگرام کو آگے بڑھائیں گے۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ مرد قہندر کا پروگرام کیا ہے اس نے پوچھا۔
مجھے نہیں معلوم۔ آپ ان کا تذکرہ پڑھ لیں۔ میں آپ کو لا کر دوں گا۔
ضرور دیجئے گا بولا۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ اپنے بارے میں کیا سوچا ہے۔
کس سلسلے میں۔ میں نے پوچھا۔
آپ کو ڈی ایف بی میں داخل چاہا پڑے گا۔
چلا جلاں گا نہیں لے کد۔ لیکن بھائی جان تو مجھے دلائیں بنا رہے ہیں۔ کتنے ہیں جس کا ہم

لے آپ کو کراچی بھیجا تھا وہ تو بگید اپ آپ وہاں کیا کر رہے ہیں۔
کس کام کے لیے بھیجا تھا شباب نے پوچھا۔
مجھے نہیں پتہ۔ میری تو سادہ بڑھ باری تھی ہے۔ کیا یہ بزرگ لوگ اس لوگ اس قدر

طاقت ور ہوتے ہیں۔
ہر آؤ مسکرایا۔ ان سے ڈرنا ہی چاہیئے۔
بھائی جان تو اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب آپ آئیں اور دربار میں حاضری دیں۔
ابھی وہ مسکرایا۔ مجھے بزرگوں سے ڈر آتا ہے۔

ابن ابی اسحاق نے کہا کہ وقت چلن داخل ہوا بولا۔ لائ صاحب نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ چلن چلا گیا تو
شباب نے کہا میں ذرا حاضری دے لوں آپ نے جانا نہیں۔ میرا انتظار کیسے کیسے اور یہ خط اٹھا کر

میں نے کہا ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔

ہاں اے بولا۔ کن سے کہئے کہ عطیہ صاحبہ سے تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

میں نے کہا عجیب بات ہے یہ بزرگ اتنی دور سے آئے ہیں شہاب صاحبہ سے ملنے۔

ہاں وہ بولا۔ انہیں بہت بزرگ ملنے آتے رہتے ہیں۔

والی کلام کے لیے ملے آتے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

میں نے کہا وہ بولا۔ ویسے ہی ملنے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

عجیب سی ہیں۔

آپ تو ان کے لیے اسے ہیں آپ پر تو بھید مکمل ملنا چاہیے۔

پاکل نہیں، پاکل نہیں مثلاً پر سوں کی بات ہے انہوں نے مجھے ایک نوٹ بھیجا تھا۔

لے۔ میں اس نوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ نوٹ شہاب صاحبہ سے آیا ہے۔

اس قدر کی گھلائی تھی پیسے کس پانچویں جماعت کے طالب علم نے لکھی ہو۔

صاحب کے چٹڑا لینگ سے دور کے منہبت نہ تھی بلکہ میں نے فون پر شہاب صاحبہ سے

میں نے کہا کہ اس نے جو کچھ میں نہیں آئیں۔

وہاں آیا تو میں نے اسے عطیہ کا پیغام دیا۔

میں نے عطیہ کو فون کیا اور تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

اس نے کہا یہ کون بزرگ ہیں، جو آپ سے ملنے آ رہے ہیں۔

اس نے جواب دیا۔

وہاں لوگ کیسے ہوتے ہیں، میں نے پوچھا۔

اس نے کہا ساری جان جو ہیں، اس نے کہا۔

میں نے دیکھنے میں قلعی طور پر بزرگ نہیں لگتے۔ وہ تو ایسے لگتے ہیں جیسے کوئی بزرگ

نہیں۔ ایک شو روٹ، ایکٹو اور اصولی آدمی۔ بزرگ تو لگتے ہی نہیں۔

آپ میرے ساتھ گھر چلیں اور از خود دیکھ لیں، شہاب نے جواب دیا۔

آپ کی نیکم، ڈاکٹر عفت دیکھنے میں نہ تو نیکم نظر آتی تھیں، نہ ڈاکٹر۔ وہ ایک ورکنگ

میں نے کہا ٹھیک ہے میں بتا دوں گا۔

ہاں اے بولا۔ کن سے کہئے کہ عطیہ صاحبہ سے تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

میں نے کہا عجیب بات ہے یہ بزرگ اتنی دور سے آئے ہیں شہاب صاحبہ سے ملنے۔

ہاں وہ بولا۔ انہیں بہت بزرگ ملنے آتے رہتے ہیں۔

والی کلام کے لیے ملے آتے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

میں نے کہا وہ بولا۔ ویسے ہی ملنے آتے ہیں۔ شہاب صاحبہ کا بھید نہیں نکلا۔ اس نے کہا۔

عجیب سی ہیں۔

آپ تو ان کے لیے اسے ہیں آپ پر تو بھید مکمل ملنا چاہیے۔

پاکل نہیں، پاکل نہیں مثلاً پر سوں کی بات ہے انہوں نے مجھے ایک نوٹ بھیجا تھا۔

لے۔ میں اس نوٹ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ نوٹ شہاب صاحبہ سے آیا ہے۔

اس قدر کی گھلائی تھی پیسے کس پانچویں جماعت کے طالب علم نے لکھی ہو۔

صاحب کے چٹڑا لینگ سے دور کے منہبت نہ تھی بلکہ میں نے فون پر شہاب صاحبہ سے

میں نے کہا کہ اس نے جو کچھ میں نہیں آئیں۔

وہاں آیا تو میں نے اسے عطیہ کا پیغام دیا۔

میں نے عطیہ کو فون کیا اور تھیلیاٹ ملے کر لیں۔

اس نے کہا یہ کون بزرگ ہیں، جو آپ سے ملنے آ رہے ہیں۔

اس نے جواب دیا۔

وہاں لوگ کیسے ہوتے ہیں، میں نے پوچھا۔

اس نے کہا ساری جان جو ہیں، اس نے کہا۔

میں نے دیکھنے میں قلعی طور پر بزرگ نہیں لگتے۔ وہ تو ایسے لگتے ہیں جیسے کوئی بزرگ

نہیں۔ ایک شو روٹ، ایکٹو اور اصولی آدمی۔ بزرگ تو لگتے ہی نہیں۔

آپ میرے ساتھ گھر چلیں اور از خود دیکھ لیں، شہاب نے جواب دیا۔

آپ کی نیکم، ڈاکٹر عفت دیکھنے میں نہ تو نیکم نظر آتی تھیں، نہ ڈاکٹر۔ وہ ایک ورکنگ

میں نے کہا گستا ہے آپ بھی حیرت کے عالم میں ہیں۔ آپ کی سمجھ بھی اتنی ہی ہے۔

خداوند بولیں، لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ خداوند صرف ہونٹوں تک محدود تھا۔

یہ آج بزرگ کو دیکھنے آئے ہیں، شلب نے داخل ہو کر کہا۔

بزرگ بھی کیا دیکھنے کی چیز ہیں، وہ مسکرائیں۔

میں اس وقت کھٹی تھی۔

وہ آگے، شلب نے کہا، میں چلا ہوں، بے شک آپ چاہیں تو ڈرائنگ روم

جائیں۔ اس نے مجھ سے خطاب ہو کر کہا۔

میریج

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے سے پہلے میں نے پردے سے ہٹا کر دیکھا۔

موسے پر ایک ٹکڑا صوف چلا دیا، غصے کیسا بزرگ ہے میں نے سوچا۔ بزرگ

بھرے جسم کے ہوتے ہیں، دھکی دھاڑی، نواہی چرو۔

وہ جھکی آواز میں بول رہا تھا۔

IF YOU ALIVE PUT BRAN ON YOU AND PUT YOU IN THE SUN

ارے، میں چونکا یہ تو انگریزی بول رہا ہے۔ یہ کیسا بزرگ ہے جو انگریزی بول رہا ہے۔

یوں بولتا ہے جیسے لفظوں کی دھار سے لگت رہا ہو اور اس محل میں لذت محسوس کر رہا ہو۔

بولا۔

WE DONT GIVE WARNINGS WE JUST CUT

THE MAN OUT OF THE LIST. YOU ARE A LUCKY CHAP

ارے، یہ تو وارننگ دے رہا ہے۔ ٹھیکس بات کی وارننگ۔ نام کاٹنے کی دھمکی دے رہا ہے۔

نہے۔ کس لٹ سے نام کاٹنے کی دھمکی۔

وہ بولے جا رہا تھا اب اس کے ہر لفظ میں دھمکی اور شلب چپ چاپ بیٹھا سن رہا تھا۔

’کاچرو زرد ہو رہا تھا لیکن وہ بڑے ضبط سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر دم آواز میں بولا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

WHO ARE YOU. WHAT ARE YOUR CREDENTIALS.

I AM A MESSENGER SENT TO WARN YOU THAT IS ENOUGH

کیوں کیوں مجھ پر خوف طاری ہو گیا اور میں وہیں سے چلا آیا۔

اس وقت میرے چہرے کا کیا عالم تھا۔ ڈاکٹر صحت مجھے دیکھ کر گھبرا گئی۔ کیوں کیا

بات تائیں پلڑیں لے اسے کہا۔

’اس کی قدرت اللہ شلب کون ہے۔ انہوں نے پہلے بات مانگنے کی کوشش کی، پھر بھر

پھر یہی چاہت دیکھا اور خوف زدہ ہو کر بولیں، مجھے خود پہ نہیں، میں تو آپ حیرت زدہ

تائیے کہ ہو گیا۔

’اے تو لیس میرا انتظار کر رہا تھا۔

’اے تو ہے، تمہیں اس نے میری چاہت سے دیکھ کر پوچھا۔

’اے تو ہے، میں نے دہرایا۔

’اے تو تو ایسی الٹی ہوئی کیوں سے کہیں سے آئے ہو تو اس نے پوچھا۔

’اے تو کی طرف گیا تھا۔

’اے تو وہاں۔۔۔

’اے تو نہیں۔

’اے تو اس بات نہیں۔ ایک بزرگ آیا تھا شلب سے ملنے۔ اسے وارننگ دینے حیدر آباد

آ گیا تھا۔

’اے تو سنا، وہ بولا، شلب کے متعلق میں نے تجھیں پہلے بھی خبردار کیا تھا۔ ٹھیک

’اے تو سنا، وہ بولا، لیکن وہ اوور اسٹیلی جنٹ آدمی ہے اور اپنا بیحد نہیں

’اے تو سنا، وہ بولا، لیکن وہ اوور اسٹیلی جنٹ آدمی ہے، ایسے آدمی سے بچ کر رہنا چاہیے یاد رکھو کہ اس کی زندگی میں کوئی

بہت برا بھلا ہے۔

تمہارا ذہن خراب ہے، میں نے اسے کہا۔

دیکھو! ہر لڑکا تم خود کو کہہ رہے ہو کہ حیدر آباد دکن کا ایک شخص اسے خیر و امان کا ہے۔ تاہم یہ دارنگ بھی کسی بھی شخص سے کہیں نہیں ملے گا۔ آخر کوئی بات ہوگی۔ اس کا جواب اس کے دارنگ دینے کے لیے نہیں آتا۔

میں مانتا ہوں، میں نے کہا، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔

دیکھو وہ یوں! بے شک تم اس سے ملو۔ اگر وہ تمہاری بی بی کشین میں مدد کرے گا
 سے یہ کام لو اپنے عہدے کی وجہ سے وہ تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ لیکن تم اس سے متاثر
 رہے ہو۔ یہ غلط ہے۔ اسے اپنا عزیز بناؤ۔

ہیں ہیں ٹھیک ہے، میں نے بات ماننے کی کوشش کی۔

بچہ چلا یہاں، اس نے گھسٹ کر مجھے کرسی پر بٹھا دیا۔ میری بات غور سے سن رہی تھی۔
 سنجیدہ ہوں۔

یو لو کیا کہتے ہو' میں نے پوچھا۔

دیکھو ممتاز، یہ جس راستے پر تم چل گئے ہو۔

کو ۱۰ ماہ راستہ میں نے پوچھا۔

یہاں پر یہ بات کہ علم حاصل نہیں ہو گا تم جانتے ہو کہ تم بجاویز طور پر کیا ہو۔ اس طریق زندگی سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ تم فقیر کے جاوڑو ہو۔ بی بی میں دیکھا، انا جس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

قیصر جی کہتا تھا اس کی باتوں نے مجھے سچے پر مجبور کر دیا۔ مجھے وہ وہ کر خیال آ
یہ میں کس کھیرے میں پڑ گیا ہوں۔

UrduPhoto.com

لکھنے کے

تھیک ہے، دنیاوی نظام کے ساتھ ساتھ ایک روحانی نظام بھی چل رہا ہے۔ یہ نظام^{۱۱}

مطابق ایک چرواہا لیتا ہے۔
میں نے کہا یہ تھاکر شاپ کے حلقہ تھامری کیا رائے ہے۔

ٹھیک ہے 'وہ بولا ایک ہودا افسر ہے۔ اچھا آدمی ہے۔ باپ فل ہے۔ اس کی کٹنی ہے۔
اس پر بٹیرے بات کرنا ہے کار تھا۔

میں نے ابن انشا سے پوچھا۔ میں نے کہا 'انشا شاپ کے حلقہ تھامری کیا رائے ہے۔
وہ بولا 'مفتی میری رائے نہ پوچھو۔
میں نے کہا 'میں نے نہ پوچھوں۔

بولا 'میری رائے بھی ٹھیک نہیں ہوتی، کسی کے بارے میں بھی۔
ٹھیک کیوں نہیں ہوتی۔

بھئی میں تو لوگوں کو اہل بنائے کرتا ہوں، سچ نہیں کرتا۔ ہم تو بھائی آہم کھانے کے چاہتے ہیں، چڑ میں گھٹتے۔

چلو یوں ہی کسی 'میں نے کہا یہ تھاکر شاپ کیا آدمی ہے۔
سکر اکو بولا 'بڑا پیارا آدمی ہے۔

وہ تو ٹھیک ہے میں نے کہا بڑا پیارا آدمی ہے لیکن پراسرار ہے۔
پڑا 'وہ ہنسنا اپنے لیے کیا فرق پڑتا ہے۔

میں نے کہا انشا بھی کبھی مجھے شک پڑتا ہے کہ شاپ گیت بزرگ ہے۔
نہ نہ بھی اپنا شک مجھے ٹرانسفرنہ کرو۔ بزرگ بنا کر اسے مجھ پر حرام نہ کرو، نہ مفتی کی۔

بزرگ تجھ پر حرام ہو جاتا ہے کیا۔
مفتی جی ہم تو گھبراہٹوں کے گاہک ہیں، بندہ ہو، گھبراہٹوں کا مارا ہوا ہو، بس ہو۔ انا ہا

فی میں شاپ سے کہہ رہا تھا۔
کیا کہہ رہے تھے میں نے پوچھا۔

میں نے علی سے بتا دیا کہ شاپ سے ملنے کے لیے ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں۔ تو میں نے شاپ سے کہا کہ بزرگوں سے نہ کا کریں۔ انہیں اگر سچ نہ کیا کریں۔ وہ سکرایا 'ہا

ہوا انہی میں نے احمد بشیر سے پوچھا، تم کھبرا گئے۔

ہم وافر کھیت تھے۔ چونکہ وہ دفتر کے کام سے واقف نہ تھے۔ دراصل میں دفتر چلا رہا تھا۔

میرا ہے، ٹھیک، انشاؤں پر۔

آگے بات سنائو میں نے کہا۔

”یہ چاہ بیٹھی رہی۔ پھر دھڑکتا ہوا آپ کے بل تھکڑے کیوں ہیں۔“

من کر میری پھونک نکل گئی لیکن میں ضبط کئے بیٹھا رہا۔

ہر کہنے لگی میرا جی چاہتا ہے آپ کے ہاؤس میں انگلیاں پھیموں اجازت ہے۔

میں نے قصہ میں کہا، حرام زاری، جہشتی۔

اپکا وہ بولی میں سمجھی نہیں پھر کیجیے۔

اس پر میں ہنس پڑا۔ لورہم دوست بن گئے۔

اور انشا مسکرایا، عجیب لڑکی تھی وہ۔

تم اندازہ ہی نہیں لگا سکتے ممتاز احمد بشیر ہولاکہ اس میں کتنی جرأت ہے۔ بڑی سے بڑی

وہاں کہہ رہی ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

پڑ گیا ہوا' میں نے احمد بشیر سے پوچھا۔

اگلے دن وہ پھر آئی۔ دوڑی دوڑی آئی، کہنے لگی، 'آپ مجھے بہن بتائیں ابھی ابھی فوراً'۔

— ایسے ورثہ —

اور نہ کیا میں نے پوچھا۔

اور یہ دل مس دی چاہے۔ دفتر کے سارے شرف کے لئے۔ جن پر کیا ہے۔ آپ یہ کہہ رہے ہیں۔

۱۰۰

۱۰۰ ہمالی بن کر مہ پر سب بھاریں سے میں سے ہیں۔

نکرترم، بس، ولا، کو، بات بھی ہو، میں نے کہا، تمہارے تو مجھے بھائی تم سے عشق

المعنى: لا يجوز أن يكون المراد من قوله تعالى: "وَأَن تَقُولُوا لِمَن يَخْلُقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ إِنَّمَا نَحْنُ مُتَوَكِّلُونَ" أي: لا يجوز أن تقولوا: لا شيء يخلق السموات والأرض، بل نحن المتوكلون على الله تعالى.

514

ایک دن میرے کمرے میں آگئی۔ بولنا چاہیے مجھے کیا کیا ہو گا۔ میں نے کہا۔۔۔
اندر میں اسے سارے کام گھول دیا کہ تم نے یہ یہ کرنا ہو گا۔ اگر کوئی مشکل دو دو گنا
سے بوجھ لیا۔

اگلے دن وہ پھر آگئی۔ کئے گئی وزارت سے کیا کیا کوائف حاصل کرتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔

میں نے اسے ساری بات سمجھا دی کہ بچوں وزارت میں جانا ہے، لڑائی صاحب
 ہے۔ اٹھیں یہ بات سمجھنا ہے۔ میں نے اس کی چنپ خاص توجہ نہ دی۔ ذیل میں
 سارے مراحل گنوا دیئے، لی اچھا کہ کرو، چلی گئی۔

تیسرے دن وہ پھر آگئی۔ کہنے لگی، 'آپ نے کہا تھا بات سمجھ میں نہ تو جوہ لیں۔'

میں نے پھر سے اسے ساری باتیں سمجھائیں۔ اب آپ سمجھ گئی ہیں نا۔ میں نے کہا:

جی سمجھ گئی، اس نے کہا۔

اچھا اب آپ جائیں۔

جی اچھا! اس نے جواب دیا، لیکن جوں کی توں بیٹھی رہی، پر اچھو، ہاتھ۔

میں نے فائیل پر کلام شروع کر دیا لیکن اسے بیٹھے دیکھ کر میں ڈسٹرب ہو گیا۔

یہ لڑکی طاہور معلوم ہوتی ہے، پیچ دے رہی تھی۔ اگر یہ سرچھہ گئی تو بہت خراب

نئے گی۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اسے آج ہی جھاڑ پٹا دی جائے۔

میں نے منجیدگی سے کہا، دیکھیے محترمہ یہاں عورت ہونے کا فائدہ حاصل نہ کیے، یہاں

بچے کہ آپ عورت ہیں۔

جی بھول گئی 'وہ ہولی اور ویسے ہی چٹھی رہی۔

یہ دیکھ کر میری ٹانگیں کانپنے لگیں۔ بہر حال میں نے دفتری لہجے میں کہا، محترمہ:

س کالم کرنا ہو گا۔ محنت کرنی پڑے گی۔

تجی 'دو لائی' کلام کرنا ہو گا' محنت کرنی پڑے گی۔

میں نے کہا اب آپ اپنے کمرے میں جاؤ۔

اپنی جانی وہ یوں تلوار پیھی رہی ہے
میں گھر آگیا

UrduPhoto.co

— 111 —

۱۱۱) کہ علم حق انشاء نے پوچھا۔

۱۰۰ بشر نے جواب دیا "اے علم تھاں اکثر بڑی ہے ہسی سے مجھ سے منت کیا کرلی نہ

کہ مجھے بے بس نہ کہے۔ اگر ہڈیوں میں تو سب کچھ فوس و غاشاک کی طرح بہ

Feb

”اکیں ہے“ میں نے احمد بشیر سے پوچھا۔

وہ اتنے دے کر چلی گئی ہے۔ میں اسے بلاؤں گا، وہ آئے گی ضرور آئے گی۔ ویسے وہ اب

نہیں نکلتی۔ اس کی شادی ہو چکی ہے۔

کے لئے کہ وہ اپنے لئے کیا کرنا چاہتا ہے۔

[illegible][illegible]

کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ خود سے دور

یہ سب کیوں نہیں آتا۔

اس نے باپنے کا عزم کر رکھا ہے۔ اسے کسی نے جبر میں لیا۔ جس اس کے سکون یا

۱۱۔ کی بہتری کے لیے یہ شادی ضروری ہے اور اسے نبھانے کا عزم اس نے خود لیا ہے۔

ضرورت میں پیغام بھیجوں گا تو وہ ضرور آئے گی، وہ ایک کھٹے کے لیے، کھٹن پر، وہ جیسے

ممتاز میں نے کہا جب کبھی ممتاز آئے گا تو میں تجھے اس سے ملاؤں گا۔ میں نے اسے

مطلق سب کچھ بتا دیا تھا تو چار رو، کسی روز ہم تینوں بیچ پر جائیں گے۔

یہ بھی اے کہ تو کوئی حرج ہے انشاء کے کمال

۳۰۔ کا متعلقہ نمبر سے لکھا اور پھر لکھا۔

اگر آپ اس میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

ان

[illegible]

پھر دیکھنا۔ اعلان ہوا کہ پاکستان کا دار الحکومت سرحدوں کی جگہ دہلی میں ہے۔

ی معلومات کے دفاتر بہت جلد راولپنڈی میں کس روسیے جائیں گے۔ اس پر کے ہمارے

اپنی میں اہل مجاہدی۔

ہاں میں بیٹھے ہی میں نے شاب سے پوچھا وہ بزرگ کون تھا۔

وہ اس نے پوچھا۔

وہ اس روز آپ سے ملا تھا کہتا تھا تمہاری کھلی کھینچ کر اس پر کب چڑھوں اور
میں رکھ دوں۔

وہ اس کی زبان بڑی طرح سے نہلاتی تھی۔

اب آئی تھی مجھے سڑی ہوئی مرغ ہو میں نے کہا۔

وہ بولا وہ یوں۔

رک تو زورانی قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے مٹاس کی چھوڑ نکلتی ہے۔

اب مٹاس کی چھوڑ نکلتی ہے۔

وہ تو میرا نہیں تھا۔

اب وہ بولا وہ ایسا نہیں تھا۔

اب ولایت ملتی ہے تو حیات خیز ہو جاتی ہے اور فرد کی جتنی بھی خصوصیات ہوتی ہیں وہ

انسانی نکلتی ہو جاتی ہیں۔ شاب نے کہا اس روز وہ رک رک کر بول رہا تھا۔

اب اتنی صفت بھی سیکھ نکلتی ہو جاتی ہیں میں نے پوچھا تھا کہ جب بزرگی عطا

ہو تو فرد کو دھوکہ استری کر دیا جاتا ہے۔ کوئی لائش باقی نہیں رہتی کوئی غل نہیں رہتا۔

نکل جاتے ہیں۔

میں وہ بولا بزرگی آزمائش ہوتی ہے مسلسل آزمائش۔

میں سوچ میں پڑ گیا۔ دھنسا مجھے خیال آیا کہ قدرت نے میری بات ماننے کے لیے بات کا

دراں دیا ہے۔ قدرت میں یہ عجیب خصوصیت تھی۔ وہ جس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا

نکل چاٹکی سے بات کا رخ بدل دیا کرتا تھا۔ مجھے غصہ آئے گا میں میں بات پر چھ کر

دراں کا۔

مجھے یہ بتائیے کہ وہ کون بزرگ تھے میں نے کہا۔

وہ میں وہ بولا۔

کراچی کے رہنے والے اس خبر کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ اسے لیا۔

خیر اعلان سمجھتے تھے، میں میں ہو سکا یہ کیسے ہو سکا ہے۔

میں نے قدرت اللہ کو فون کیا۔ میں نے اس مرکز کے اقبال کا اعلان ہو گیا ہے۔ اب تو

جان گئے ہیں۔

اس نے جواب میں کہا آپ یہاں آجائیں چونکہ پر بیٹے کی بہت جلد راولپنڈی جانا

رہی ہے۔

دفتر میں قدرت بے حد مصروف تھا آپ انتظار کریں وہ بولا۔ کچھ دیر کے بعد ہم کہ

جائیں گے۔ وہاں بات کریں گے۔

اس روز قدرت اللہ شاب کی کیفیت کچھ مختلف سی تھی۔ چہرہ تو ویسے ہی تھا مگر کچھ

بات کرنے کا انداز مختلف تھا آواز بدل ہوئی تھی۔ زبان میں نکلت تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے

ہوئی ہو کچھ زیادہ ہی بولی ہوئی ہو۔

باہر نکلا تو قدرت کے پی اے نے مجھے اشارہ کیا۔ پاس گیا تو کہنے لگا آج بھر ہی کہنے

طاری ہے۔

کہنے لگا غصہ کے میں دکھانا ہوا آپ کہہ پھر وہ دراز میں کچھ دھوڑنے لگا۔ قہقہے دینے

بعد اس نے ایک کتہ میری طرف پھینکا۔

وہ شاب کا نوٹ تھا لیکن ونڈ ریٹنگ ایسے تھا جیسے کسی بچے نے لکھا ہو۔

بالکل دیباہی ہے لیکن اسے نے کہا جیسا میں نے اس روز لکھا تھا یاد ہے۔

ہاں میں نے کہا یہ کب کا نوٹ ہے۔

آج کا ہے۔ آپ کی سمجھ میں آئی ہے بات۔ میری سمجھ میں تو نہیں آئی وہ بولا۔

ہاں عجیب سی بات ہے میں نے جواب دیا۔

شاب صاحب پر کوئی دورہ تو نہیں پڑا اس نے پوچھا۔

میں تو میں نے جواب دیا کہ ایک صحت مند آدمی ہے۔

لگتا تو ایسا ہی ہے لیکن وہ رک گیا۔

اگرچہ یہ لیکن میرے اندر اک کھورو چائے ہوئے لیکن میں نے پی اے کو بل دیا۔

وہ آپ کو کس بات پر وارنگ دے رہے تھے۔
مجھے پتہ نہیں۔

ایک ایسا واقعہ پہلے بھی ہوا تھا، شام نے تھنہ لاسے ہوئے کمالہ مدد صاحب ڈپٹی معائنہ کے لیے گئے تھے۔ ساتھ مجھ نے گئے۔ شام کا وقت قلم انہوں نے معائنہ کئے لگا دیے۔ پھر جب ہم لپکا لڑوں سے رخصت ہو رہے تھے تو جیل کا ایک وارڈر آیا۔
کنے لگا، جناب شام صاحب ہیں کیا۔

میں نے سرایت میں بلا دیا۔
کنے لگا، ایک قیدی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

کون ہے، وہ میں نے پوچھا۔
مجھے نہیں پتہ وہ کون ہے۔ اور جو پچاسی والے سیکڑ ہیں، میں میں ہے وہ اور اس نے وہاں شور مچا رکھا ہے، میں شام صاحب سے ملوں گا۔ مجھے شام صاحب سے ملاؤ۔
ہوں، میں نے پوچھا، وہ مجھ سے کس مسئلے میں ملنا چاہتا ہے۔
وارڈر بولا، جناب میں نے اس سے پوچھا تھا تم کس بارے میں ملنا چاہتے ہو۔ کوئی کام ہے کیا۔

میں نہیں، وہ چلا، مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں پائل ٹیک ہوں، تم اسے بلا کر لاؤ۔
میں اس سے بات کروں گا۔

شام کنے لگا، میں نے سوچا شاید کوئی وصیت کرنا چاہتا ہو، جیل والوں پر اسے شکوہ ہو۔
اس لیے بہتر ہے میں اس کی بات نہ لوں۔

قیدی ہجیرا

کل میں داخل ہو کر جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو حیران ہوا، وہ ہجیرا قتلہ وارڈر نے سیل کا دروازہ بند کیا۔ باہر تلا لگایا۔ کنے لگا، صاحب جی جب آپ قلعہ ہو جائیں تو مجھے اشارہ کر دیں میں وہیں سامنے کھڑا ہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ دروازہ چاکر کھڑا ہو گیا۔

بہتر نہ ہی پتہ ہی بولا، تجھے پتہ ہے کہ تجھ سے بات کرنے کے لیے ہمیں قید ہونا پڑا۔ اس وارڈر کی چارہ نہیں تھا۔ ہمیں پتہ تھا تو آج جیل کا ساتھ کرنے کے لیے آئے جب اس لیے وہاں اس کو غڑی میں آکر بند ہو گئے۔

تم تجھے بتاتے آئے ہیں، وہ بولنا کہ تو ٹیک سے کام نہیں کر رہا تو سمجھتا ہے کہ تو اس کا بھائی ہے۔ تجھے اس کے حکم بجالانے میں یہ غلط ہے۔ تو یہی اس لیے نہیں بھیجا کیا کہ اس کے بھائی جیل کرے وہ نیلے کرے اور تو ان کی ٹیکل کرے۔ تو یہی اس لیے بھیجا ہے کہ تو جیل کرے۔ اس کا فکر نہ کر، وہ رکھت میں بنے گا۔

شام ہنسنے لگا، پتہ نہیں وہ کیا کیا بول رہا۔ کھنٹوں بول گیا، مجھے اس کی باتیں پائل سمجھ میں آ رہی تھیں۔ پھر میں سمجھا کہ شاید اس کے ذہن کا تھوڑا اڑا ہوا ہے۔ یہ اکثر ہوتا ہے جو جیل میں رہتا ہے۔ جہاں کی سزا پر ہوتے ہیں ان کا ذہنی کنٹرول قائم نہیں رہتا۔

قدرت کی بات سن کر مجھے پتہ چل گیا کہ وہ بات جمل رہا ہے۔ ورنہ قیدی کی باتیں تو پائل سمجھ میں آ رہی تھیں۔ مجھے سمجھ میں آ رہی تھیں، پھر اسے کیوں سمجھ میں نہ آئیں۔
آپ نے اس قیدی کے متعلق پتہ لگایا کہ وہ کون تھا، میں نے پوچھا۔

میں نے نہیں البتہ عفت نے پتہ لگایا تھا، شام نے جواب دیا۔ قیدی کے ہم سہارے کے متعلق تو مجھے علم نہ تھا البتہ میں نے سیل کا نمبر یاد لیا تھا۔ گھر پر سے گیا تو عفت نے پوچھا کہ اسی رات تک آپ کہاں رہے، تو میں نے ساری بات بتا دی۔ اگلے روز اس نے جیل کے کام سے پوچھا کہ سات نمبر کے پچاسی سیل میں کون قیدی بند ہے۔ اس کا نام پتہ کیا ہے اور اس کا بھائی کسی دی جانے والی ہے۔

اس پر انہوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ سات نمبر کے سیل میں کوئی قیدی نہیں ہے۔ جیل کے قید ہو گا ہی ہے وہاں بازار میں کوئی شخص دنگا لٹو کر رہا تھا۔ جیل کے وارڈر اس وقت وہاں سے گزرے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ شخص دنگا لٹو کر رہا ہے۔ وارڈر نے اسے سمجھایا لیکن انہوہ وارڈر سے لڑنے بھڑنے پر آند ہو گیا۔ اس پر وارڈر اسے پکڑ کر لے گئے اور ویسے ہی دھمکائی جیل کے لیے اسی سات نمبر کے سیل میں بند کر دیا۔ آج صبح وہ سیل میں موجود نہ تھا۔ میں نہیں کس نے اسے سیل سے نکال کر بھیجا۔

شاید وہ بزرگ ہی ہو، میں نے کہا۔

شاید، قدرت بنے جواب دیا شاید، وہ چٹکن کے عالم میں ہو۔ آپ چٹکن سے واقف نہیں ہیں۔ وہ ایک عالم ہوتا ہے، قدرت نے کہا۔ بزرگ لوگ بیحد ضبط سے کام لیتے ہیں۔ انہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ برتن لہلہ بھر جاتا ہے پھر فوراً ضبط کے باوجود چٹکتا ہے، پیچھے اڑتے ہیں۔ مجھے ڈرامنگ روم میں بٹن کر شپ لکھنا ہوا اور چٹا لکھ اس روز مجھے ایسا لگا۔ ہاں، بیحد وہ قدرت، میں قلم اس کی کوئی بات بھی حسب معمول نظر نہیں آتی تھی۔ نہ چلے مارا، نہ بات کرنے کا انداز نہ لہو۔

کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ کہنے لگا، شہد تم بہت جلد مشکل طور پر پڑی پائی۔ کیا آپ ڈی ایف پی میں رہنا پسند کریں گے۔

میں نے کہا، پسند نہ کرنے کا مطلب بیکڑ آرچٹ چورز۔

آپ جکر نہیں ہیں، وہ بولا، جیسی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ چور کریں۔

کیا چور کروں، میں نے کہا۔

میرا خیال ہے، آپ اخبار میں چلے جائیں اچھے رہیں گے۔ دراصل مجھے انشا کا فکر ہے۔

وہ سلو صفا آدمی ہے میں نے کہا۔ جہاں بھی جانا پڑا چلا جائے گا۔ چلی بات یہ ہے کہ میں انشا جی کو بالکل نہیں سمجھا، اس کا کوئی سراہی میں لاء تھی۔ پتہ نہیں چلا کہ کہاں سے شروع ہوتا ہے کہاں جا ختم ہوتا ہے، مجھے تو ایسے لگا ہے جیسے انشا بھی چٹکن کے عالم میں ہو۔

میں نے جان بوجھ کر چٹکن کی بات کی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ قدرت بزرگوں کے بارے میں بات کرے۔ اس روز اگرچہ وہ نہنہلا کر باتیں کر رہا تھا، لیکن غیر از معمول وہ بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

چٹکن، چٹکن کیا، وہ بولا۔

ابھی آپ تیار تھے تاکہ کبھی بزرگ لوگ چٹکن کے عالم میں ہوتے ہیں۔ برتن بھر جاتا ہے پھر بھر چٹکتا ہے، پیچھے اڑتے ہیں۔

جی ہاں، وہ بولا، چٹکن کے عالم میں ضبط کے باوجود بات اچھل کر نکل جاتی ہے۔

آپ نے کبھی کسی بزرگ کو چٹکن کے عالم میں دیکھا ہے کیا میں نے پوچھا۔

صرف ایک بار، وہ بولا، صرف ایک بار۔

اندر

میں نے فرین میں دل جا رہا تھا کسی شیشین پر اترا تو گاڑی چل پڑی اور میں دوڑ کر باقی سوار ہو گیا۔ دروازہ کھولے لگا تو دیکھا کہ وہ ریزرو سیلون ہے۔

اس میں سوچ رہا تھا کہ اندر سے کسی نے دروازہ کھولا۔ کہنے لگا، آئیے آئیے مسٹر کیو یو آئیے آئیے۔

وہ ایک انگریز تھا۔ نیوی کا افسر، اس نے دوری پتلی ہوئی تھی۔ وہ مجھے اندر سیلون میں لے

گیا، مسٹر کیو یو ایس میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔

اس سڑک میں نے کہا، میں تو طلسمی سے سیلون پر سوار ہو گیا ہوں۔ میری سیٹ تو پیچھے

ہوئی، وہ بولا، میں نے دل کیا تھا کہ تم سیلون میں آ جاؤ۔ سو تم آ گئے۔ اچھا کیا تم نے آ گئے۔

اس کی کہنا چاہتا تھا۔ انسان جب لہلہ بھر جاتا ہے تو اس پر لٹا ہوا جلد جاگے کہ سارا میں

لگا ہوا ہے، وہ خود کو لٹا کر چاہتا ہے۔ میں خود کو لٹا کر چاہتا تھا، اس لیے میں نے دل کیا کہ

سیلون میں آ جاؤ۔

میں ہیں آپ، میں نے اس سے پوچھا۔

اس کی جہش نیوی کا افسر ہوں، وہ بولا، یہ جو جنگ وہ رہی ہے۔ اس میں دونوں جانب روحانی

دلائل کام کر رہی ہیں۔ میں بھی ایک لاکھ ہوں۔

ان آپ تو یہاں ہیں، میں نے پوچھا۔

جی ہاں، وہ بولا۔ عارضی طور پر میرا قلب بدل دیا گیا اور عارضی طور پر مجھے طاقتیں

مل گئی ہیں۔ یہ طاقتیں مجھے کشمیر کے جنگوں میں عطا کی گئی تھیں۔ تم کچھ پیو گے، اس نے

پوچھا۔

نہیں، میں نے جواب دیا۔

لو اپنی لو کیا صبح ہے، وہ اٹھ کر بوقت لے آیا۔

میں

اور مجھے معلوم ہے تم نے خود کٹی کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ایک بری بات تھی۔
تاکہ تم کو اس کی سزا ملے، لیکن تمہارا یہ عمل تمہارے لیے تپ کا پتہ بن گیا۔ تم بدست
اور تھی۔

اس بات پر ہے 'میں نے شب بے پوچھ

کون کی بات 'اس نے چونک کر پوچھا۔

آپ نے خود کٹی کی کوشش کی تھی۔

شب بے سرائیٹ میں بلا دیا۔

ان کیوں کیا محبت میں نکالی کی وجہ سے خود کٹی کا خیال آیا تھا۔

عام طور پر قدرت سے کوئی بات ایسے کرنا بے حد مشکل ہے۔ ایک بات کا سراغ لگانے
میں تیسویں سوال پوچھتے پڑتے ہیں۔ لیکن اس روز وہ بات کرنے کے موڑ میں تھا۔ اس کی

دک چلتی تھی اس کے بعد وہ دوبارہ جابا تھا 'یوں جابا تھا۔

سوال کے جواب میں بولا 'میں محبت کی بات نہیں تھی۔ بن دوں میں جوں کا

تھا تھا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے لپٹ لینے کے دورے پڑتے تھے 'خواتین' بے وجہ۔ بدی

اور پرسیشن تھی۔ میں نے سوچا یہ کیا خطاب ہے چلو زندگی کا قصہ ہی ختم کر دو۔

میں نے سوچا جوں کے نالے تو ہی میں چھٹا لگا دوں۔ یہ آسان ترین طریقہ تھا۔ نہ کوئی

شور شراب لوگ سمجھیں گے کہ حیرت کیا تھا وہ پل گیا۔

ہاں تو ہی چلا گیا اور در تک ایسا ختم ڈھونڈا تھا 'جہاں پہلی گمراہ' اور لوگوں کی گمراہ

دور ہو۔ آخر مجھے ایک مناسب مقام مل گیا۔ میں نے اپنا کوٹ انکارا 'یوت انکارے بھر

ایک تیار کیا چھٹا لگا مارنے سے پہلے دو لٹل کیوں نہ پڑھ لوں۔ لٹل پڑھ کر دعا مانگوں گا۔ اللہ

بھلاؤں گا کہ میں نے باغی کی وجہ سے خود کٹی نہیں کی 'قدرت سکرانے لگا۔

پھر کیا آپ نے لٹل پڑھے 'میں نے پوچھا۔

اس نے انہایت میں سر ہلا دیا۔

ماما کی 'میں نے پوچھا۔

نہیں نہیں 'میں نے کہا 'آپ نہیں۔ بے لگ نہیں۔ یہ تو بھگتہ نشہ ہے 'وہ بولا۔
پھر اس وقت جو کیفیت طاری ہے۔ اس کے سامنے سب نشے چلے ہیں۔ لیکن اب کچھ زیادہ ہوا
نہیں رہے۔ ہم برطانوی ماکوں کو تپ چاہا ہو گا۔ تمہارے ملک کے بزرگوں نے لیڈا
ہے کہ برطانیہ کو ایک بیٹی دود گوش یہاں سے نکال دیا جائے۔

اس کی باتیں سن کر میں حیران ہو رہا تھا 'شب بے لگ۔ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا
یہ آدمی کون ہے 'کوئی فرق تو نہیں ہے۔

اس نے میرے خیالات پڑھ لیے 'ہنسا بولا 'فرق کا کیا مطلب ہے۔ میں کون

ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا نام لیے بغیر جنگ کی تاریخ کل میں ہو سکتی ہے۔

میرا نام نہیں سمجھ سکتے چونکہ میں نے تمہارے ذہن سے اپنا نام مٹا دیا ہے۔ میں نے آقبل

بھی رابطہ قائم کیا تھا۔ نہ کہ تو وہ نہ ہو 'آج وہ ہے۔ وہ مجھے ساتھ ساتھ بڑے فقیر کے

میں جاتا ہے۔

کچھ دیر وہ خاموش رہا 'میں اس کی باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا

فحش 'یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہا ہے۔

پھر وہ بولا 'جیسے معلوم نہیں کہ پرنس جینس ہے اور اگر وہ ہماری لائن میں آجائے

تو ہو جائے گا 'میں نے اسے اصل حال میں بتلے بھی تھا۔ میں نے بھی لگا تھا۔ میں

اسے خبردار کیا کہ دیکھ تو اپنی طور پر نہ ہو۔ اگر تو خبر نہ پوچھتے حاصل ہوگی 'لیکن اگر

نے خبر نہ بننے کی کوشش کی تو چاہی ہوگی۔ لیکن مجھے پتہ تھا کہ وہ خبر نہ پوچھتے

مطمن نہیں ہو گا۔ اور وہ جو باتیں سن رہا ہے 'وہ اسے ہے 'وہ تمہارے معاملات میں چنگ

گا۔

پھر وہ دھتار 'میری طرف متوجہ ہوا 'یوں کہ میں شرارتیں کرتے رہے ہو۔ کوئی

لگا کر سر نہیں پکڑتے رہے ہو۔ سزا سے پیچھے ہڑتے رہے ہو۔

تم 'اس نے دھتار سے منہ نکالا 'تم سچے دیکھتے ہوئے کیڑے ہو۔ گمراہی میں غور

موتی میں سے۔

وہاں باب

ویج ایڈ

ایک دوڑ مارے دفتر کے سامنے ایک غی مگور کار رکی۔ یہ کون ہو سکتا ہے، بھلا میں نے
 کیا لکڑی سے ڈنڈی نکلا۔ وہی ۱۹۳۸ء والا ڈنڈی۔ کوئی تبدیلی نہ تھی۔ کار کے سوائے
 میں اسے دیکھ کر چلایا 'ارے تو۔
 ہاں میں 'دو یولا۔
 تو ہاں۔
 ہاں نہیں۔
 اور یہ گاڑی۔
 ہاں یہ گاڑی۔
 امی سے آئی۔
 اس نے اتنی لوہڑا لٹائی۔ اس نے دی۔
 تو اس کو چاہتا ہے کیا۔

اس نے سرانٹھت میں ہلا دیا 'اور مسکرا کر یولا' میں نے بڑی چلائی سے دعا مانگی۔ میں
 کمانیا پاری تھائی میں یہ خود کشی نہیں کر رہا خود کو تیرے حوالے کر رہا ہوں۔
 پھر جب میں چھلانگ لگنے لگا تو قوی سے ایک بزرگ نمودار ہوئے انہوں نے مجھے روکا
 دیا۔ پاس غصا میرے ہاتھ پکڑ لیے اور مجھے بیت کر لیا۔
 وہ خواجہ فخرتے کیا میں نے پوچھا۔
 اس نے سر لٹی میں ہلا دیا۔
 کون بزرگ تھے وہ 'میں نے پوچھا۔
 ان کا نام لینے کی مجھے اجازت نہیں 'دو یولا۔ وہ دلی کے بہت بڑے 'سب سے بڑے بزرگ
 ہیں۔

وہ کچھ مزید کہنا چاہتا تھا کہ عفت دوڑی دوڑی اندر آئی بولی 'فن کی طبیعت ٹھیک۔
 ہے۔ انہیں آرام کرنا چاہیے 'مفتی صاحب آپ پھر کسی وقت آجائیے گگ۔
 قدرت نے سرانٹھت میں ہلا دیا 'ہاں مجھے آرام کرنا چاہیے۔ عفت نے اسے یوں کاہ
 میں لے لیا جیسے وہ کوئی بچہ ہو۔ اور قدرت لڑکھاتا ہوا ہاں ہنسنے لگا۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

یہ سارے عالم پر چھائی ہوئی فحاشی کو کہہ 'یہ بیوی میاں کی سمجھی'۔

$$= 2 \log_{10} \frac{1}{\epsilon}$$

۱۰۰ - ۱۰۱ -

ایہاں سبائیں ہیں اس نے معصومیت سے پوچھا۔

ارے (۱۵) -

میں نے کہا۔

اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

۱۱۔ اے "میں نے پوچھا۔

- H_2O کے ذریعے

... لی ورق گردانی کرتے ہوئے میں نے شہاب کا سچ دیکھ کر کہا یہ تو نے بتایا ہے کیا۔

۴۔ ”دو جولا“ میں نے۔

اے ہاتھ ہو' میں نے پوچھا۔

اس لیے یہ کہا جئے کہ وہ بولا۔ ساری کراچی میں اس کا تذکرہ ہے۔

ان کے ہر لوگ

یہ قرآن سے بھرے ہوئے، کچھ شکوک سے۔

میں اپنے لئے ہوں۔

نہیں پتہ، وہ بولا۔ اس کا چہرہ گونگا ہے۔ خدوخل بوتے نہیں۔ یا بہت بھولا ہے، یا بہت

$$= \frac{1}{2} \ln 11$$

اس سے ملے ہو کبھی۔

اس نے سرفی میں بلا دیا 'میرا ایک ملنے والا اسے جانتا ہے۔

— 44 —

۱۱۰۰ ہے کیا فولی نے پوچھا۔

۱۱۰۰ ہے کیا فولی نے پوچھا۔

میں میرا نہیں اشفاق کا دوست ہے، میں نے کہا۔
 وہ اشفاق کا دوست ہے، یا اشفاق اس کا دوست ہے۔
 پتہ نہیں، لکھا ہے اشفاق اس کا دوست ہے۔
 وہ تو ہو گا، ذہلی نے کہا۔
 اشفاق کا بھی پتہ نہیں لگے۔ میں نے کہا۔
 کیوں وہ بولا۔

اس کا بھی سرا نہیں لگا۔

ہاں۔ نہیں لگا۔ وہ بولا۔

جی، اشفاق تو تم سے ناراض ہے، میں نے کہا۔
 اچھا، مجھے نہیں پتہ۔

اے تو پتہ ہے۔

اے ہو گا، مجھے نہیں۔ جو گے۔

کیا مطلب۔

اس نے اندازی سے بول کر نکال۔

تم پیچھے ہو، میں نے پوچھا۔

ہاں، وہ بولا، چلاؤ۔

کہاں سے آئی ہے۔

اس نے اٹھی اٹھائی۔ وہ روتا ہے۔

وہ تو منع کرتا ہے۔

ہاں وہ بولا، روتا بھی ہے، منع بھی کرتا ہے۔ کچھ لوگ حکم دیتے ہیں۔ ہم کفرانِ نصرت نہیں کرتے ہیں۔

ایک بات پوچھوں، میں نے کہا۔

پوچھو۔
 یہ اتنا کچھ جو مجھ سے ملے، تم کسی فتون کے کپ ہو کیا۔

ہاں، ہوں، وہ بولا۔

کون ہے وہ۔

میری بیوی ہے۔ لمو گیا اس سے۔

میں نے جواب دیا۔

فکر

اشفاق احمد جب روم سے واپس آیا تھا تو اس کی باتیں سن کر میں ذہلی کے خلاف بغض
 اور کیا تھا۔ دھارے ذہلی میں یہ بات چیت ہو گئی تھی کہ ذہلی حیدر آباد کا رہا ہوا ہے۔ وہ دوسرے کو
 آگیا بدھتا نہیں دیکھ سکتا۔

جین ذہلی کو دیکھ میرا وہ بغض دھل گیا۔ اس کی باتوں میں عجیب سی کشش تھی۔ اس کی
 باتیں دو ٹوک تھیں۔ ان میں سے سچائی کی برکات تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ بے نیاز ہو۔ جو ہے
 نکال دیا ہے، جو نہیں ہے نکال دیا ہے۔ کوئی بھی بات ہو۔ کسی بھی ہو، اسے کانتی نہیں تھی، ڈنک
 نہیں مارتی تھی۔ یہ شخص جیسا کہ کیا بھی ہے۔ پیارا ہے، منفرد ہے، فنکار ہے، میں نے سوچا۔
 پھر ذہلی چار ایک بار مجھے ملا۔ صبح سویرے میرے فلیٹ کی کھٹی کھٹی۔ باہر نکلتا تو وہ بیڑھیوں
 پر بیٹھا ہوتا۔

تم یہاں کیوں بیٹھے ہو، میں پوچھتا۔

کیوں یہاں بیٹھنا منع ہے کیا، وہ پوچھتا۔

اندروں چلو موندے پر بیٹھو۔

تمہارا صوفہ ان بیڑھیوں سے زیادہ صاف نہیں ہے۔

چلو میں جھپٹے لینے آیا ہوں، وہ بے نیازی سے کہتا۔ اور ہم باہر نکل جاتے۔ آوارہ گردی
 کرتے۔ میں اس سے اگلے سیدھے سوال کرتا تھا۔

کیا اب بھی لڑائیاں تمہارے سٹوڈیو میں آتی ہیں، میں پوچھتا۔

بہت آتی ہیں۔

خود کو قتل پر سچا کر لاتی ہیں۔

ہاں! قافلہ آرتی بنا کر۔

اور تم دلی تائیں کہ ان کی ہیبت قبول کرتے ہو۔

ہاں! کیوں نہ کروں۔

اور تمہاری بیوی جلتی ہو گی۔

ہاں جلتی ہے۔

پھر

پھر کیا؟ یہ بھیاں جب تک تمہاری راتی ہیں، جب تک انہیں جلائے رکھو۔ غلطی ہو

چائیں تو بات ختم ہو جاتی ہے۔

وہ دن یاد آتے ہیں جس میں پوچھتا۔

کون سے دن۔

وہ لاہور کے لوہان ایر صیغر کے دن۔

نہیں! اس نے سرنگی میں پلا دیا۔ میں آکھٹ ہوں۔ وہ یولا اور آکھٹ بیٹہ محل میں بیٹا

ہے یا مستحق کے خواب دیکھتا ہے۔ ماضی کی دلدل میں ات پت نہیں ہوگے۔

قائد اعظم کا بت

پھر جب کراچی میں میرے آخری دن تھے تو ایک روز وہ آگیا ہوا چلو۔

کہیں! میں نے پوچھا۔

تھ سے ایک کام ہے۔

کیا۔

میرے ساتھ چلو۔

ہم دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

UrduPho.com

UrduPho.com

UrduPho.com

UrduPho.com

UrduPho.com

در میں پہلی ہوئی چٹائیوں کے قریب ایک چتر بیٹھ گیا۔ بیٹھ چلا وہ یولا۔

وہ دو چھوٹے چھوٹے جڑے نظر آتے ہیں تجھے! اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

کون سے۔

ایک وہ دور کا کانا! ابھرا ہوا ایک یہ سامنے والا! اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

ہاں میں نے خواب دیا آتے ہیں۔

جب باہر سے سندھو کی جہاز آتا ہے تو کراچی بندرگاہ کی گودی میں جانے کے لیے ہن دونوں

درمیان سے گزرتا ہے۔

میں نے پوچھا۔

میرا بتی چاہتا ہے کہ قائد اعظم کا مجسمہ ہاؤس! ایک چٹک اس چٹن پر ہو اور دوسری اس

سے پر۔ اتنا بڑا مجسمہ ہو کہ جہاز اس کی ٹانگوں کے نیچے سے گزریں۔

اتنا بڑا بت! میں نے پوچھا۔

ہاں اتنا بڑا۔

کیسے بنائے گا۔

تجھے بتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہاں قائد کا سر ہو گا۔ اس پر جہاز کیپ ہو گی۔ نیچے کھلی انہیں

اس سے نیچے سفید شلوار، سفید سفید اور نیچے جہاز گزریں گے تجھے نظر آتا ہے کیا۔

نورمیں! میں نے سرنگی میں پلا دیا۔

بچھے آتا ہے! وہ یولا! میں تو کسی آدمی رات کو اتے دیکھنے کے لیے یہاں آ جاتا ہوں۔ بیٹا

دہنا ہوں۔ دیکھتا رہتا ہوں۔ یہ میرا آخری کام ہو گا۔ پتہ نہیں کتنے سال لگیں گے! لیکن وہ بچھے

کرنا نظر آتا ہے۔ سیدھا ہوا قافلہ عظیم۔

دیر تک ہم دونوں وہاں بیٹھ رہے۔

وہ قائد کو دیکھتا رہا میں گزرو۔

الحق! میں نے کہا۔ نہ دیکھ خواب۔

اور کیا دیکھوں۔ کچھ ہے اور دیکھو کہ کیا! اس نے پوچھا۔

یہ پاکستان ہے! میں نے کہا یہاں! تجھے کون بت بنائے دے گا۔

اور اس کا دورہ مدھم پڑا گیا۔

یہ سن کر میں ہنسنے لگا۔

امیر بشیر سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا: اگر میری پوششنگ کراچی سے باہر ہو گئی تو کیا، اور
سنہالے گا کہ تم سے ابھی وہ پوری طرح سے بے تکلف نہیں ہو۔ وہ دل کی بات کی ہے۔
کرنا۔

میرا بھی تو کچھ پتہ نہیں، میں نے کہا۔ شاید میں کراچی سے چلا جاؤں۔ مجھے ڈی ڈی ای۔ ای
لوگ پسند نہیں ہیں۔ ڈائریکٹر راجہ اندر بن کر بیٹھا رہتا ہے۔ پھر قہم کا انچارج ہے۔ وہ غور
بدلتیز ہے۔

تو تو نے شباب سے بات کی، امیر بشیر نے کہا۔

نہیں ابھی نہیں۔ شباب مجھے لانا اور پیچھے کی سوچ رہا ہے لیکن بھائی جان کہہ دیجئے
مفتی کو واپس پٹری آنا ہو گا۔

بھائی جان اور بااؤل معاملہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا، امیر بشیر نے کہا، یہ تم جانو۔

تو وہ جواب دیتا، میں نہیں ہو سکتا۔

میں نے بار بار پوچھنے سے روک دیا تو اس لیے اس روز مجھے میں بولا، کہا ہو ہے کہ میں
اس میں کہہ رہا ہوں۔ تم نہ جانو۔ تم چلے گئے تو میں واپس کٹن پائس میں چلا جاؤں گا۔ وہاں
کوئی کھل نہیں کئے گا۔ مجھے وہاں جانے پر مجبور نہ کرو۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

شباب کی جانب ہم سب کا ہدیہ مختلف تھا۔ حفیظ کو شباب کے خلاف سخت گھٹا کہ وہ
دل قریب ہونے کے بلکہ وہ حفیظ کی مدد میں کر رہا تھا۔

اس انشاع کو شباب کی ذات سے لگاؤ تھا۔ شباب کا نام سن کر وہ کھل اٹھا تھا۔ جب بھی
اس کا وہ بڑے شوق سے شباب سے جا کر تھا۔ لیکن ملاقات کے دوران اس نے کبھی اپنی بات
نہیں کی۔

امیر بشیر، شباب سے بے نیاز رہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شباب ایک اچھا آدمی ہے۔ ہمدرد
کلاس ہے، اس کے علاوہ اس نے شباب کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

بشیر، شباب کے خلاف تھا اور میرے دل میں بھی شکوک ڈالتا رہتا تھا۔

دیئے۔ یہ بھی ایک ادبی فن کا خط تھا، لیکن اس کا انداز قطعی طور پر مختلف تھا۔ لہذا ہم آپ کو چاہتے ہیں۔ ہم آپ کی تفسیلات کے قاری ہیں۔ ہمیں آپ کی تمام انداز پسند ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ سے ملاقات کریں اور آپ سے ملاقات خیال کریں۔ امید ہے آپ ہم سے تعلق کریں گے۔

اگلے آثار کو کیا رہے آپ صدر کے مرکزی پارک میں تشریف لائیں۔ مرکزی پارک صدر کے چوک میں واقع ہے، جس کے مرکز میں فورہ ہے۔ پارک میں کئی ایک بنی بنیں ہیں۔ پارک کے صدر دروازے گیٹ کے قریب ہے۔ چھ ہے اس کے اوپر ایک درخت استلہ ہے۔ یہ واحد چھ ہے جس پر دوسرے درخت سلیہ ہوتا ہے۔ آپ اس چھ پر تشریف رکھیں۔ گیارہ بیگے ہمارا ملائیم آئے۔ آپ سے ملے گا۔ آپ گاڑی میں بیٹھ جائیے گا۔ وہ آپ کو ہمارے گھر لے آئے گا۔ گھر میں میرے میاں میں اور ہمارے دو نوجوان بیٹے ہیں۔ آپ سے مل کر ہم خوش ہوں گے۔

دوسرے کا کہنا آپ ہمارے ساتھ کہاں گئے، پھر ہمارا ڈرائیور آپ کو صدر دروازے اسی مقام پر چھوڑ آئے گا۔ امید ہے آپ ضرور تشریف لائیں گے۔

ملاقات کی خواہش

”سن“

اس خط کو پڑھ کر میں بہت حیران ہوں۔ تو یہ خط چنڈیائی تھا، تو ترقی یافتہ ساری باتوں کی تھی، پر اسرار تھی۔ میں جیسے مسرت آف دی کورٹ آف لندن کا کوئی ورق ہو، چھ دن میں اس خط کو جب میں ڈالے سوچا رہا۔ بلا بھی رہی ہیں۔ چوری نہیں لکھا، یہ ”میاں دہا“ موجود ہوں گے اور یہ بات وضاحت سے بتا رہی ہے کہ بچہ نوجوان ہیں۔ اپنی عمر پر پردہ ڈال رہی۔ ظاہر ہے کہ عمر رسیدہ ہے۔

کئی ایک بار مجھے خیال آیا کہ جاکر شاب گوئی خط دکھائوں، اس سے پوچھوں کہ جانتا ہوں کہ نہ جانتا۔

علم کا حکم خط پڑھ کر قدرت کی آنکھ میں چمک اترے گی اور وہ مسکرا کر کہے گا: یہ کیا ہے جو ضرور ہوا۔ ایسے مواقع کیا روز روز ملتے ہیں۔ وہاں جا کر محترمہ سے کہنا کہ میں آپ کو یہ لکھ رہا ہوں بھی لکھتے ہیں۔ ایسا اچھا تو نہیں لکھتے۔ جیسا میں لکھتا ہوں۔ انہیں بھی پڑھے۔ شاید آپ انہیں انڈر کسٹنڈریشن رکھنا پسند کریں۔

بھائی

بھائی باتیں کرنا پسند کرتا تھا، لیکن صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ دیکھنے کی باتیں ہیں۔ میں کوئی خاتون اسے لکھنے کے لیے آتی تھی، تو وہ چہرین کر بیٹھ جاتا تھا۔ تو اس میں کوئی خصوصی ”میل انیل“ نہ تھی پھر بھی لڑکیاں اور خواتین اس کی باتیں سنیں۔

اس سب کا خاتون خاتون اس کے حوالے کی وجہ سے ہے۔ پھر جب میں نے اس کو اس کی چاہت سمجھنے جاتے دیکھا تو میں سوچ میں پڑ گیا یا اللہ یہ کیا امید ہے۔ میں نے اسے شب سے پوچھا کہ ”لڑکیاں اور خواتین آپ کی چاہت کبھی آتی ہیں۔“ وہ ہلا۔ کیا واقعی کبھی آتی ہیں۔

بھائی نے کہا۔

”اگر ہاں“ آپ کو اس کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔

سر ملٹی میں بلا دیا۔ آپ میں بھائی کوئی میل انیل نہیں ہے۔

بھائی کی بنیاد ہے، وہ بولا۔

بھائی بول دیتی تو جسم میں ہے، انداز میں ہے، لیکن اکہار آکر سے ہوتا ہے، لکھ سے۔

بھائی کی سلیٹیڈ آئی چکاتے نہیں دیکھا۔

بھائی نے کہا، وہ بولا۔

بھائی نے کہا، وہ بولا، اپنا جسم سے متعلق علم جھانڈنے کا جانا وہ میرا سہرا موند تھا۔

بھائی نے کہا، سلیٹیڈ آئی ارادے سے نہیں چکائی جاتی۔ ارادے سے چکائی جائے تو غصہ

آتا ہے۔ خود بخود جانیے بوجھے بغیر چمک جاتی ہے۔

وہ غور سے میری بات سن رہا تھا۔

مجھے آج تک کبھی میں نہیں آیا کہ آپ میں مقامی طاقت کہاں ہے، میں نے آرا

مجھے بھی کبھی میں نہیں آیا، وہ بولا۔ لیکن ارد گرد بیسٹس پگڑ پگڑاتی رہتی ہیں۔

بیسٹس کیا میں نے پوچھا۔

پگڑ پگڑیں، وہ بولا، میں انہیں بیسٹس کہا کرتا ہوں۔

کیا آپ خود انہیں حرکت میں لاتے ہیں، میں نے پوچھا۔

انہی نہیں۔

آج آئیے، میں آپ کو کہاں ڈراپ کروں۔

انہی، ہار نہیں رہا کہ کہاں چاہا ہے مجھے۔

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

میں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ میں نے کہا آپ سے ملنے سے پہلے مجھے پتہ تھا کہ کہاں

آج آئیے، وہ بولا، میں انہیں بیسٹس کہا کرتا ہوں۔

میں کر سکتا، وہ بولا، مجھے اچھی لگتی ہیں۔ دراصل یہ مسئلہ بہت شیرازہ ہے۔
 انٹرنیشنل میں کرتا، ڈیڑھ فیس کرنا، لیکن ریڈسٹ بھی نہیں کر سکتا۔
 اس معاملے میں میرا مسئلہ قطعی طور پر مختلف تھا۔ میں انہیں ڈیڑھ کرنا تھا،
 کرتا تھا۔ انہیں ریڈسٹ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
 میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان سے ملاقات کے کوآف شاپ کو جتانوں گا۔ دیکھوں گا،
 ملاقات

میں اس وقت شاپ کا فون اٹھایا۔
 میں نے کہا، جناب والا مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔ اس نے کہا، ہم رات
 رہے ہیں، مستقل طور پر جارہے ہیں، ملے کا وقت نہیں ہے۔ میں آپ کو آٹھ بجے
 سرکاری طور پر پنڈی پلاؤں گا۔ آپ آج اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد
 کسی اور سے بات کرنا ممکن نہ رہا۔

اتوار کو گیارہ سے بہت پہلے، میں معینہ مقام پر جا بیٹھا، گیارہ بجے کے قریب ایک
 گاڑی گاڑی پارک کے گیٹ پر آرکی۔ ایک بوردی ڈرائیور باہر نکلا۔ میرے قریب آکر
 چاہتا ہوں آپ کا نام کرائی۔
 میں نے کہا، ممتاز مفتی۔
 بولا، تشریف لائیے۔

ہم دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے، دیر تک گاڑی چلتی رہی۔ میں ان علاقوں سے
 واقف نہ تھا۔ ایک فراخ گلی میں وہ ایک جھگے میں داخل ہو گئی۔
 ڈرائیور نے ہمتی، بھائی دروازہ کھلا۔
 درمیان میں مختصر کھڑی تھی، دائیں بائیں ہاتھ پھیرتی۔ انہوں نے کہا،
 کیا اور پھر مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئے۔

مختصر کاقد چھوڑا، کاقد ہٹا، منگاری سے بے نیاز۔ سادہ لباس ظاہر تھا کہ چٹ کپڑا،
 پر متدن نقوش تھے۔ انداز سے ظاہر تھا کہ پدمی لکھی ہیں اور باقی وقار ہی تھا۔
 آپ کی دوست
 "عن"

کئی گئی، ہم پر ایک کہانی لکھ دیجئے۔

ایکسوں میں نے پوچھا۔

کہہ بھی لکھ دیجئے، وہ بولی۔

میں تو سہرا نام بھی نہیں جانتا، میں نے کہا۔

کہہ تو جانتے ہیں، وہ بولی۔

اب جانتے ہیں کیا میں نے کہا۔

آپ جانتا سمجھیں یا نہ سمجھیں میں تو سمجھتی ہوں، یہ وہ پڑا رہے دیجئے، وہ بولی، پر دے

آپ نے سے کہانی نہیں بتی۔

(ایکسوں میں نے پوچھا، لکھنے کو کچھ ہو بھی۔

جس کچھ ہے۔ بہت کچھ۔ صرف محسوسات ہی تحریر میں رنگ بھرتے ہیں، یہ کہہ کر اس

کا لگا رکھ دیا۔

پندرہ ایک دنوں کے بعد اس نے پھر فون کیا بولی۔ آپ نے وہ آپ بتی لکھی۔

نہیں، میں نے جواب دیا۔

تو لکھیے یا نہ بولی۔ دیکھئے ہر کہانی کا ایک انجام ہوتا ہے، اس کہانی کا بھی انجام ہو جائے۔

انجام کیوں ہوئے وہ اسے۔

جانتی تو رہے گی۔ ہم نے بھی کوئی تحریک نہیں چٹائی جس میں رک جانے کا خدشہ ہو۔

لکھیے جلدی لکھیے۔

آپ کو کسی پتے کا کچھ شائع ہو گئی ہے۔

ہم خبر رکھتے ہیں۔ کراچی کے کسی پرے میں چھپو ایسے گا۔

میں نے ایک کہانی لکھی۔ عنوان تھا، بوند بوند بتی، یہ۔

جس، مٹھن نہ ہوا۔ ایسے کا گیسے خالی ڈبہ ہو۔ کہانی صرف عنوان میں تھی۔ متن سوکھا کاٹھ

اس خط نے میرے ذہن کو انڈے کی طرح چینٹ کر رکھ دیا۔ یہ خاتون کیا ہیں؟
جذبہ اور پھر اس قدر ضبط۔

ہمارا راولپہ ۳۵ سال قائم رہا، تک قائم ہے۔

سال دو سال میں اس کا ایک خط اور ایک فون ضرور آتا ہے۔ اس عرصہ میں ہم
بسیوں مکان بدلے۔ کئی بار فون کا نمبر بدلا۔ لیکن اس کے خط پر ہمیشہ صحیح پتہ لکھا ہوتا ہے۔
لگتا ہے۔ جیسے ہماری ہر نقل و حرکت کا اسے پورے طور علم ہوتا ہے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ میں لاہور گیا ہوتا اور اس کا فون وہاں آجائے۔

میں اس سے پوچھا کرتا تھا کہ، تجھے کیسے پتہ چلا کہ میں لاہور گیا ہوا ہوں۔

اس نے جواب میں کہا، ہم آپ کے بارے میں ہر تفصیل کا پتہ حاصل کرتے ہیں۔

کیسے حاصل کرتی ہو۔

ہم اپنے سارے وسائل والا پتہ لگا جانتے ہیں۔

میں نے چڑ کر کہا۔ تو خاتون ہے یا جن ہے۔

ہم دونوں ہیں، وہ جواب دیتی۔ آپ کو علم نہیں، جن کا سینہ ذکر نہیں مومن ہے۔

تو مجھ سے لٹی کیوں نہیں، میں پوچھتا۔

پھر کہیے، وہ ہنستی۔

میں پھر اپنی بات دہراتا۔

پھر کہیے، وہ پھر ہنستی۔ پھر ہنستا، ہنسیا ہو جاتی۔ اچھا ہی ہوا کہ ہمارے لٹے کی،

مسودہ ہو گئیں ورنہ۔

ورنہ کیا میں پوچھتا۔

ورنہ کیا پتہ، ہم کس راستے پر چل پڑتے، یہ کہہ کر وہ چٹ کر رکھ دیتی۔

UrduPhoto.com

یونین بوند بتی

۳۵ سال کے طویل عرصے کے دوران میں صرف ایک بار اس نے ایک فرائیڈ کی تھی۔

UrduPhoto.com

یونین بوند بتی میرے انٹرنل کے آنکھیں مجھے "کسی نہ جانے" میں شامل ہے۔

میں لگا۔ کبھی جاتی تھیں۔ فورسز بی یڈ کا مقصد آزمائش تھا۔ اور شہاب نے اس پہنچ کو قبول کر لیا تھا۔ وہ بیٹیس سے انرجی حاصل کرتا اور دوسری چٹاب سوڑتا تھا۔

تھا۔ میں اسے شہاب کے پاس لے گیا۔ یہ ۱۹۸۳ء کی بات ہے۔
یہ کیا چیز ہے 'اس نے پوچھا۔

پتہ نہیں 'میں بولا 'آپ سے پوچھنے آیا ہوں 'اسے پڑھ لیجئے گا 'میں پھر آؤں گا۔
اگلے روز میں پھر گیا بولا بند بند ہے 'کھلتی نہیں۔ عموں کتا ہے کھلے گی۔ بیک ہی ہو گی۔ بونیاں پڑیں گی۔ وہ کیا بول آپ نے دیا ہے اس جی میں۔
وہ ہے 'بڑی بڑی۔ بونیاں

بر سے ہوا
بونیاں تو ہیں 'وہ بولا 'جین مینہ نہیں برسا۔
میں نے کہا 'میری 'اس کمانی کی وجہ تیرہ سن لیجئے پھر بات سمجھئے۔
میں نے مختصر یہ سن 'کی ساری کمانی سادی۔

فورسز بی یڈ

سن کر بولا 'بڑی اٹوکی بات ہے۔ ایسا کبھی ہوتا نہیں۔
میں نے کہا 'ہاں بڑی اٹوکی بات ہے۔
قدرت بولا۔ جب اٹوکی ہوتی ہے تو مجھے ایسے لگتا ہے جیسے ہوئی نہ ہو 'کروا کی مٹی ہو۔
میں نہیں سمجھا 'میں نے جواب دیا۔
جیسے فورسز بی یڈ کا ہاتھ ہو۔
فورسز بی یڈ کا کیا ہاتھ ہو سکتا ہے۔
شاید ہو 'وہ بولا۔ کوئی مقصد ہو۔
مقصد کیا ہو سکتا ہے۔
شاید آپ کو سکھانا مقصود ہو۔

کیا سکھانا۔

کہ محبت کیسے کی جاتی ہے۔
ان دنوں مجھے کم نہ ہوا تھا کہ شہاب کے گرد جو بیٹیس منٹلاتی تھیں 'وہ خود نہیں آتی

ہاں اور ستارہ

راولپنڈی پہنچ کر میں سیدھا راجہ شفیع کے پاس گیا۔
 راجہ شفیع صراحتاً یہ عرض کیا کہ وہ اس وقت کراچی میں ہے۔

یہ سب باتیں

پہلے میرا خیال تھا کہ یہ اہمیت حوالے کی ہے۔ درحقیقت صدر صاحب کو اہمیت دی جا رہی ہے اور چونکہ صدر صاحب تک پہنچنے کے لیے توسط ضروری ہے اس لیے ستارہ کو اہمیت دی جا رہی ہے۔

یہ مفروضہ بہت جلد دم توڑ گیا۔ چونکہ بھائی جان انکو کما کرتے تھے کہ ہلال کا کیا ہے وہ تو گھٹنا پرستار رہتا ہے۔ اس کے برعکس ستارہ میں قیام ہے۔

مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ مولفہ نور کا ایک مخصوص پروگرام ہے جو اسلام کے نشاۃ ثانیہ سے متعلق ہے بھائی جان کما کرتے تھے سرکار قبلہ کا پروگرام عمل میں آئے رہے۔

بحیثیت سیکرٹری ستارہ کے اس پروگرام میں شامل ہونے کی اجازت تو مجھ میں آتی تھی لیکن انفرادی حیثیت میں ستارہ کیا کر سکا تھا۔

لیکن اس روز کراچی میں چٹکن کی کیفیت میں قدرت کی باتیں سن کر مجھے شک چڑنے لگا تھا کہ قدرت وہ نہیں ہے جو ظاہر دکھائی دیتا ہے وہ کچھ اور ہے۔ اس کی کوئی ذاتی حیثیت بھی ہے۔ لیکن شک ابھی دائروں ذیل قلم اس نے یقین کی حیثیت اختیار نہیں کی تھی۔

راجہ سنے کے بعد میں قدرت سے جا کر ملا۔ قدرت ایک ہوش میں مقیم تھا۔ لیجئے میں آگیا فرمائیے مجھے کس لیے بلایا ہے۔

بڑا اچھا کیا آپ آگئے وہ بولا۔

کوئی سہکتا لگتا ہے کیا میں نے پوچھا۔

نہیں وہ بات ختم ہو گئی۔ اب آپ آٹھ دن فرلوہو ہیں۔

کیا بات تھی جو ختم ہو گئی۔

اشفاق نے ہلکتے ہوئے لیل و نهار کا ہارج لے لیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ "امروز" لاہور

میں۔ لیکن میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ آپ کے بھائی جان آپ کو رولینڈی میں

لانا چاہتے ہیں۔

UrduPhoto.com

خواب

UrduPhoto.com

آپ بھائی جان سے سنے ہیں کیا میں نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

نہیں ابھی نہیں وہ بولا۔

پھر آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ چاہتے ہیں کہ میری قید تائی پڑی میں ہو۔

رات میں نے خواب میں انہیں دیکھا تھا۔ گھر کر رہے تھے کہ ابھی تک آپ کو یہاں کیوں

لا رہا۔

آپ خوابوں کو ماننے ہیں کیا؟ میں نے پوچھا۔

ہاں کچھ ماننے والی ہوتی ہیں کچھ نہیں۔ مثلاً میں ایک خواب بار بار دیکھ رہا ہوں۔

بار بار ایک ہی خواب میں نے پوچھا۔

ہاں وہ بولا، "کئی بار دیکھ چکا ہوں۔ حیرت کی بات ہے کہ خواب کے کوائف بالکل نہیں

ایک سے دوسرے ہیں جیسے کاربن کاپی ہو۔ دیکھتا ہوں کہ ہم بولتی جناز میں جا رہے ہیں۔

پھر کچھ کچھ کما رہا ہے۔ کچھ سمجھتا ہوں کہ اب گرا کہ اب گرلا لیکن جلد ہی وہ بجے جیت لینڈ کر

جاتا ہے۔ اس میں سے صدر ایوب صاحب کی کافینہ کے قلم ارکان باہر نکل آتے ہیں۔ پھر ہم

صاحب کو باہر نکالتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں شیشہ توڑنا پڑتا ہے ہم انہیں کھینچ کر باہر

نکالتے ہیں۔

حیرت میں نے پوچھا۔

پھر نہیں وہ بولا، "اس تفصیل کی وضاحت نہیں ہوتی۔ جنازے باہر نکل کر ہم فیصلہ کرتے

جنازہ اڑان کے قاتل نہیں ہے۔

بات اڑانے کی کوشش کرتا ہے اور جنازہ کو اڑا کر لے جاتا ہے۔ بس اتنا ہی خواب ہے۔

ایک خواب ہے میں نے کہا۔

ہاں وہ بولا، "جب کراچی جیل میں وہ قیدی مجھے ملا تھا۔ سلیٹری سل والا قیدی، یاد ہے آپ

مجھے یاد ہے۔

اسے میرے اس خواب کا طم قند

اس نے بات کی تھی کیا۔

ہاں اس نے اس خواب کا حوالہ دیا تھا کہنے لگا، "اپنا وہ خواب یاد ہے جو تم بار بار دیکھ رہے

ہو، اہل جنازہ والا خواب۔ وہ خواب ایک وار تک ہے کہ تم حیرت حاصل کرو۔

تو کیا آپ نے عبرت حاصل کی؟ میں نے پوچھا۔

وہ ہنس اٹھی۔ ہمت ہی سمجھ میں نہیں آئی۔ البتہ جب اسی میں صدر صاحب کے ساتھ ہوا
جہاز میں سفر کرتا ہوں تو یہ خواب مجھے یاد آجاتا ہے اور پھر جہاز کو غلوہ بخلوہ جھٹکتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

میں نے کہا: راجہ شفیق ہے کہتا ہے، آپ سے مزار پر آنے کا دن اور وقت طے کر لیں۔

اے! یہاں یہاں ہیں، اس نے پوچھا۔

اے! وہ آج ہی مری سے آئے ہیں۔

کیسے ہو سکتا ہے۔ قبرستان کے اندر گاڑی لے آئے۔ یہ تو ہی غص کر سکتا ہے جو مرہٹوں کے احوال سے پورے طور پر واقف ہو۔ لیکن قدرت کو تو راستہ ہی معلوم نہ تھا۔ ایاب ہار میرے کہنے پر وہ اور اشتقاق ریٹ کی پٹری پر چلتے رہے تھے اور انہیں مرہٹوں کا نظریہ نہ آیا تھا۔ اور اب وہ گاڑی لے کر قبرستان کے اندر اس خاص احاطے تک پہنچ گئے۔ وہاں مرہٹوں کا مزار تھا۔ یہ کہنے ہوا۔ پھر یہی جان کو اس کیفیت میں ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ایک ٹھہرے ہوئے پارکرواں فرو تھے۔ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ وہ غلوں کے لیے ہی تھے۔ بات یہاں چار چار نہیں کرتے تھے۔

اب انہوں نے دستار بندی کی بات کی تھی اس وقت وہ بری طرح چڑھے ہوئے تھے۔ یہ دونوں ساتھی راجہ اور دلی پیدائشی طور پر ایٹائی تھے۔ وہ بات مان لینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ چونکہ بھائی جان نے کہا تھا اس لیے ہاتھ بچ تھا۔ چوں دچا کر نے کی کھانکھان نہ دیا۔ شیعہ تو ہاتھ بچ روایتی مرہٹا تھا وہ سر تسلیم خم کر کے والا تھا۔ اس نے بات کرنا بے کار تھا اس لیے میں عزیز ملک سے جانا۔ عزیز ملک میں قصہ ضرور اچھا چلتا تھی لیکن اس کی سوچ بڑی بدل اور متوازن تھی۔

اس نے بڑی غور سے میری بات سنی۔ کہنے لگا: دستار بندی کی بات میری کچھ میں نہیں

دلی میں حلیہ صاحب بڑی بے میری سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ وہاں پہنچا تو انہوں نے کہنے میں بھرا کر کنڈی لگا دی۔ بولے۔ مفتی ممتاز کو کیا کر کے آیا ہے۔ مجھے ساری بات

میں نے کا حلیہ صاحب میں نے آپ کا پوہل پوہل شاپ صاحب کو پیش کر دیا تھا اور ساتھ ساتھ کہہ دیا تھا کہ اس قسم کا ایک عہد بن جائے تو سب کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔

اب اس نے۔

اب کر چپ ہو گئے سوچ میں پڑ گئے۔

میرے اندر کے چونکہ پہنچنے نے شہر بھرا تھا۔ وہ کہیے آسکتے تھے۔ راستہ میں میں کھڑا تھا۔ اور انہیں تو رستہ بھی نہیں آتا تھا۔

وہ آئے تھے بھائی جان نے دہلیا۔ ملاقات ہو گئی ہے۔ بولے۔ ہمارا کیا ہے؟ ہم نے ہڈی سے ملا تھا۔ بھائی جان فضا میں ٹھنکی ہاتھ سے باتیں کرتے جاتے تھے، کسی سے شکایت نہ تھی۔

سرکار قبلہ تشریف لائے تھے۔ ان کے ساتھ پانچ اولیاء کرام تھے۔ انہوں نے ہاتھ دستانہ بندی کی۔ ایک مظاہر دیکھنے والا مظہر۔ شہر ہے ہم اپنے فریضے سے جسکدوش ہوئے۔ ستارہ چلے اور سرکار جائیں گے سرکار کا پور کرام محل میں آکر رہے۔ گجہ انشاء اللہ۔ اللہ کے فضل سے ایک آفت ہو آئے والی حقیقی مثل نکلی ہے۔ ہم وعدہ ملی طرز نکرو۔

حق میں ہیں۔ بھائی جان خود نکلی کر رہے تھے۔

جس وقت بے معنی ہے۔ شہر ایران کی جانب سے آئیں گے۔ دو ہلاک ہوں گے۔ شہر ہو گا۔ ہم اس روز کے شہر ہیں۔ ہم تو چاکر ہیں۔ حکم ہے کہ تلوار ہاتھ میں نہ لیں۔ سرکڑا لے کے لیے چار رہو۔ یہی ہمارا مسلک ہے۔ ایک ساعت کے لیے وہ خاموش ہو گئے۔ بولے۔ ستارہ زیر تربیت ہیں۔

پتہ نہیں اس روز بھائی جان کو کیا ہوا تھا۔ وہ فضا میں ٹھنکی ہاتھ سے بولے جارہے تھے۔

نہیں یہ نہیں ہو سکتا

میں اپنے ہی پکر میں گھم گھری کسا مارا تھا۔ وہ کہیے آسکتے تھے۔ راستہ میں تو میں کھڑا اور انہیں رستے کاظم نہ تھا۔

اس روز دلی اور راجہ دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے کسی میں جرأت نہ تھی کہ بھائی جان، باتوں کو نوکے بھائی جان اسی روز میری داہیں پہلے گئے۔ میں نے دلی اور راجہ سے پوچھا کہ یہ

ہو نہ وہ بیٹھے آئے۔ میں نے دلی اور راجہ سے پوچھا کہ یہ راجہ کہنے لگا۔ پتہ نہیں کیسے آئے۔ لیکن وہ آئے تھے۔ گاڑی میں آئے تھے۔ یہاں کہیں

تک گاڑی لے آئے تھے۔

تم نے کہا تھا کہ یہ ملکہ حفیظ صاحب کے ماتحت ہو گا۔
وہ تو ظاہر ہے، میں نے کہا۔

ظاہر نہیں۔ اس کی وضاحت کرنی چاہیے تھی۔ بار بار کہتی تھی۔
جی میں نے کی، بار بار کی۔

بات ان کی سمجھ میں آگئی کیا، حنیف نے پوچھا۔

حفیظ اور جوش

میں حفظ کو بہت بڑا شاعر بنائے ہوں۔ بھی مانتے ہیں۔ لیکن لوگ یہ نہیں جانتے کہ
فصیحیت ان کی شاعری سے بھی عظیم تر تھی۔ دقت یہ ہے کہ ہم اس بات کو نہیں
فصیحیت ایک وہ "خبر و شربت" طور سے بے نیاز ہوئی ہے۔ ضروری نہیں کہ
فصیحیت اپنی اہمیت میں بہت بھی ہو۔

میں نے لوہی عاتلوں میں دو عظیم شخصیتیں دیکھی ہیں۔ حفیظ صاحب اور انوش
دو لوہی شخصیتیں بڑی تھیں۔ لیکن رنگ مختلف تھے، انداز مختلف تھے، 'نئے کلس مختلف
کا مرکز 'میں' قلم حفیظ کا مرکز 'جیسے'۔ قلم جوڑی کی میں ایک بہت بڑے بھاء وار اور
انہر تھی۔ اس کی چھانوں یہاں سے وہاں تک پہنچی ہوئی تھی۔

پتہ نہیں لیا کیوں ہوتا ہے کہ سلف اس پر شخصیت ایسا متاثر پیدا کر لیتی ہے۔ اس کے گرد بٹھسکا کر رہتا تھا اور حقیقت سے لوگ کئی کثرت تھے۔ مجھے دو سال حقیقت کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں ان کی شخصیت کے بیشتر پہلوؤں سے غامض واقف ہوں اور ان کی شخصیت کو جلد کر رہا اس کے لیے ایک بڑے کام کی ضرورت ہے جو ان کے اندر

بہل درست کہتے ہیں۔ پھر میں نے "سارا قصور میرا ہے" کا دیکھ کر شروع کر دیا۔ یادوار بلند کہا شروع کر دیا۔ احمد بیخبر تم حقیقت کے لیے ایسا ہی اے کیوں نہ ہو حقیقت کے پاسے کا آدمی ہو۔ تم نے خرا خواہ اوٹ کے گلے میں گھسی پاندھ کر اس کے میل کا فرو نہیں ہوں۔ اس جھل نہیں ہوں کہ اس کا پی اے بن

۱۔ 'کافوری اثر ہوتا۔ حقیقت خود آتے اور مجھے منا کر لے جاتے۔'

نے دیکھا کہ یہ شخص دی ایک نہیں کرتا بلکہ سر جھکا رہا ہے۔ تو وہ سخت
فیروزہ ہو کر دوڑ گئے۔ کیوں کہ وہ اپنے سنف سے چھوٹی چھوٹی جہوں پر چڑھ
سے محروم ہو گئے۔ وہ بہت بڑے شاعر تھے لیکن قابل تعلیم سے محروم تھے۔
ایک بڑا جانا تھا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں غیر تعلیم یافتہ ہوں، لیکن پڑھ ہوں۔

۱۰۔ شروع ہو جاتی ہے۔ پھر بھٹیاری اعلانیہ دالے بھونتی رہتی۔

۱۰۸

میں ہوم جی، ڈوہنی سیکرٹری ویچ ایج سے متعلق تھے۔ اس لحاظ سے ہوم جی بڑا بے
 وفار ہے۔ اے فیض سے وٹل کر پڑا تھا۔ فیض صاحب جب بھی ہوم جی سے ملنے تو ان
 کو دھوکا دے دیتا تھا۔ تو میں جانتا کہ میں کون ہوں۔ تم ششی لوگ کیا جاکو کہ تحقیق کر کیا
 کر رہا تحقیق کر۔

یہ سب چل چل کر کے بعد جب وہ دفتر آتے تو یوں جھنڈا لہراتے ہوئے آتے جیسے

راہ کرم ڈائریکٹر صاحب کے لیے کوئی مستند اور قابل بی اے کی تلاش کی جائے۔ پھر
کے بلجود میں بطور بی اے ان کی خدمت نہیں کر سکا۔ مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں کہ
بڑے دانشور کے ساتھ کام کر سکوں، اس عرض کے جواب میں حنیف صاحب نے کہا کہ
میرے گھر آگئے۔ اور سگے آواز میں دینے ملتی ممتاز ملتی ممتاز۔

اس کے بعد میں نے دو ٹوٹ کر گھر آجائے کا حقیقی باقاعدگی سے اپنا لیا۔ اور حنیف
جیپ گھنٹوں میرے قلیق کے سامنے کھڑی رہتی۔

ایک دن میں نے احمد بشیر اور انشاء کو اپنے سامنے بٹھایا اور کہنے لگا 'اب ہاں۔
تھے کہ میں دن کے بعد حنیف صاحب تجھے ان ف کر کے باہر نکال دیں گے' اب ہاں۔
حنیف جیپ میں بیٹھ کر مجھے منانے میرے گھر جاتا ہے۔

انشاء کہنے لگا 'یار نہیں پتہ نہ تھا کہ تو فیصلے پر دلہا رہے گا۔
ہاں' احمد بشیر بولا 'مجھے اندازہ نہ تھا کہ تو ٹیکسی کی اس حد تک جاسکتا ہے۔

انشاء مسکرا کر بولا 'ہم سمجھتے تھے کہ ملتی بی ایک شریف' ہانزت افسانہ ہیں
غموش ہو گیا۔

جب میں راولپنڈی سے واپس کراچی پہنچا تو دیکھا کہ وہیں خیر جعفری 'حنیف کے
حیثیت سے برائے ہیں۔ خیر جعفری کو میں بہت بڑا مزاحیہ شاعر مانتا ہوں۔ اس کے
غالب مزاح کے پھول کھلے ہیں۔ طنز کے کانٹوں سے پاک، اس لیے میں خیر کا احترام
کردار کے حوالے سے خیر جعفری دفتری ماحول میں بہت زیادتی ضروری ہے مجھ سے بھی
حضور۔ اور اے خیر کو کچھ مجھے تیار ہو گا کہ مراد، جا کر ذکر لائے۔

پہا کی کتنے نتیجے کے طور پر احمد بشیر سات سال مطلوب رہا۔
پہا، بڑے امریکی وظائف کا اعلان ہوا۔ ان میں ایک وحیفہ فلم بنانے سے حقیقی بھی

حقیقی ہے۔ ابن انشاء اور مجھے ایک کمرے میں بند کر لیا۔ بڑے رازدارانہ انداز میں کہنے
اور بات نہ جانے نہ پائے۔ تم دونوں شباب سے قریب ہو۔ تم اسے طو۔ اس کے
اور انہی کے لے کر پڑ جاؤ۔ اسے کہو کہ یہ وحیفہ میرے نام کر دے۔ ضرورت پڑے تو
کہو کہ سامنے بھوک ہر تہل کر کے بیٹھ جاؤ۔ مگر یاد رکھو کہ حنیف کو پتہ نہ چلے۔ وہ مجھے
اسے اس سپورٹ نہیں کرے گا بلکہ اسے پتہ چلا تو وہ خود ہم ٹینگ حاصل کرنے سے
کا۔

ان میں اسٹنٹ ڈائریکٹر بننے کے بعد احمد بشیر کی تمام تر توجہ دفتری ایلیٹیشن کی
حوالہ ہو گئی تھی۔ وہ یہ جاہت کرنے پر قن کیا تھا کہ میں دفتری ایلیٹیشن کرنے کی
اوں۔

انہی کے دفتر میں چلا رہا ہوں۔ حنیف تو برائے نام ڈائریکٹر ہے۔

حنیف کو یہ ذمہ تھا کہ احمد بشیر تو صرف کلر کی کر رہا ہے۔ دفتر تو میرے ڈی او کے دور پر
ہے۔ احمد بشیر حنیف کے ڈی او کو نہیں مانتا تھا۔ حنیف احمد بشیر کے کوش کو نہیں مانتا تھا۔
اور میدان سرحد جنگ چل رہی تھی۔ ابن انشاء اس ڈرامے کا داؤد ناصر تھا۔

بشیر کا کہنا تھا کہ دیکھو تم سب میرے ہاتھ ہو لیکن میں نے تم پر بھی افسری کا رعب
نہیں لایا رکھا ہے۔ جیسے نوکری میں پھول رکھتے ہیں۔ اب تم پر فرض ہے کہ تم
مجھ سے ملو۔

میں۔ دیوار پر نظر اس جاکرت بنا دیوار کی طرف یوں دیکھا رہتا ہے جیسے وہ اپنی کالی فلم ہو۔ احمد بغیر گھر سے قطعی طور پر لا تعلق ہو گیا تھا۔ اسے صرف ایک دامن کالی فلم امریکہ، فلم امریکہ، حقیقتاً صاحب خود محسوس کرتے کالی تھے کہ دفتری فضا بیل بدل

پچھ

ایک روز حقیقت مجھ سے کہنے لگے، 'مفتی ممتاز دفتر کو کیا ہوا ہے۔'

میں نے جواب دیا، 'کیا ہوا ہے؟ کچھ ہوا ہے کیا؟'

بولے، 'دفتری فضا بیل بدل چلی ہے۔'

میں نے کہا، 'حقیقتاً صاحب دفتری فضا تو آپ خود ہیں۔'

کیا مطلب؟

دفتری فضا آپ بناتے ہیں۔ آپ سحر کرتے ہیں تو دفتر میں خوشی کی لہر دو جا آتی ہے۔

اچھے پر تیری ڈال لیجئے ہیں تو دفتر میں سب کے منہ لہجے ہو جاتے ہیں۔

کہنے لگے، 'مفتی ممتاز تو بڑا چٹاک ہے۔'

میں نے کہا، 'جب آپ کیا تھا تو معصوم تھا آپ کے ڈی او اے کے چٹاک بنا دیا۔'

بولے، 'سچ سچ تھا تو دفتر میں کیا ہو رہا ہے۔'

میں نے کہا، 'حقیقتاً صاحب کبھی مٹھن کی بات کر لیا کریں۔ مجھے دفتر سے کیا لگتا ہے۔'

آپ کالی اسے ہوں۔

سیانے کہتے ہیں کہ پچھند کر رہا ہو تو اس کی توجہ کسی اور چیز پر متعطف کروں۔

اسے حقیقت میں ایک پچھ قلم فرق صرف یہ تھا کہ اس کی ہند توڑنے کے لیے توجہ اس کی طرف متعطف کرنا ضروری تھا اس کی میں میں پھونک بھر دوں۔ بس بات بن جاتی۔

پھر قدرت اللہ کی وسالت سے احمد بغیر کو فلمی سکارپ مل گیا۔ اس خبر سے احمد

جنون ٹوٹا نہیں بلکہ اور کاڑھا ہو گیا۔

وہ امریکہ جانے سے پہلے ہی امریکہ پہنچ گیا جس روز ہم اسے ایئر پورٹ پر دیا

گئے۔ اس روز اس کا جنون نقطہ صحت تک پہنچ چکا تھا۔ وہ کراچی کے ایئر پورٹ کو نہیں لے

والہیں آئے کہ بعد وہ بظاہر خاموش ٹارل ہو گیا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں قلم لکھ رہا تھا۔ 'پتہ نہیں کہیں احمد بغیر کے دل میں یہ یقین ایسا کی حد تک پہنچ چکا تھا کہ

اس کی بات بولتے دیکھ کر احمد بغیر کا دل اسٹنٹ ڈائریکٹری سے اچھا ہو چکا تھا۔ اور

اس کی اس بات پر غور کر رہا تھا۔

وہ اس نے مجھے بتایا۔ کرے گا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کہنے لگا، 'دیکھ ممتاز دفتر کے

تجھے معلوم ہے کہ دلچسپ ڈائریکٹر آپ ہو رہا ہے۔'

پتہ

میں نے جواب دیا۔ دلچسپ ڈائریکٹر آپ کیا جا رہا ہے۔

میں نے وہ بولا کہ ہمیں کس جگہ میں تہنیت کیا جائے گا۔ ہم تو اور میں بنیادی طور پر

تہنیت کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ کوئی حقیقی کام کریں، اپنا کام

تہنیت کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ کوئی حقیقی کام کریں، اپنا کام

تہنیت کرتے ہیں۔

تہنیت کرتے ہیں کہ فلم بنائیں۔

تہنیت کرتے ہیں کہ آئے گا میں نے پوچھا

تہنیت کرتے ہیں کہ وہ ہی جانے گا۔ کوئی نہ کوئی صورت بن ہی جائے گی لیکن ہمیں ابھی سے

تہنیت کرتے ہیں۔

تہنیت کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا

تہنیت کرتے ہیں کہ انتقام نہیں ہوتا ہم سچے روک ہی کھل کر لیں۔

بیمہ ور کا مطلب۔

تم ایک کمائی کھو، صرف آؤٹ لائن۔ میں اسے سینوں میں پٹت دوں۔ پھر تم اسے مکالمے لکھ دو۔ اس کام میں تقریباً چھ مہینے لگ جائیں گے، جب تک پیسے کا انتظام ہو جائے۔ فن دانوں میری توجہ کسی اور جانب مرکوز تھی۔ میرا بی بی نہیں چاہتا تھا کہ فلم کی اس دنیا میں نہ ہی مجھے چہرہ دکھانے کی خواہش تھی۔ لیکن احمد بشیر نے اتفاقاً کرنا شروع کر دیا۔ مجھے پڑے دیکھ کر قیصر نے پوچھا بات کیا ہے۔ میں نے کہا یار احمد بشیر فلم کے لیے کمائی بنانا۔ سوچ رہا ہوں کہ موضوع کیا ہو۔

بولو، لویہ بھی کیا سوچنے کی بات ہے۔ لو سٹوری لکھ دو۔ میں نے کہا، لو سٹوری ہے۔

لو سٹوری - انشاء کی

کہنے لگا، عام لو سٹوری نہیں۔ انشاء کی لو سٹوری لکھو۔ انوکھی محبت۔ ایسی محبت کہ کسی بھی کی نہ ہو، سنی نہ ہو۔

میں نے کہا، کیا خصوصیت ہے انشاء کی محبت میں۔

بات یہ ہے، زبان لگ ہو جاتی ہے، آنکھیں جھپک جاتی ہیں، منہ سے بات نہیں نکلتی۔ جاتا ہے، ہر سانسے کھڑا نہیں ہو سکتا۔

اور میں نے اسے پوچھا، عجیب ہے۔

نہیں، وہ بڑی تیز طرار ہے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہے۔ پڑھی لکھی اور امر بھی کہتی ہے۔

اور کیا رویہ ہے اس کا؟ میں نے پوچھا۔

انوار کا تسخیر اڑاتی ہے۔ بلکہ اب تو میاں بیوی دونوں مل کر انشاء کے جذبے کو کام میں

انشاء کا استحصال کرتے ہیں، فراغتیں کرتے ہیں۔ اور انشاء کو پتہ ہے کہ وہ اسے بنا

تھوڑے بار بھی وہ پھولے نہیں سنا، فراغتیں پوری کرنے میں اسے بڑی خوشی ہوتی ہے،

نہیں کیا پالیا ہو۔

کی ہنسی نکل گئی۔ میرا خیال تھا کہ محبت میں مجھ سے بڑا امتیاز کوئی نہیں ہو گا، لیکن انشاء

کی نصیحتات سن کر میرا دل ڈوب گیا۔

احمد بشیر کہنے لگا کہ انشاء سے جب ہم کہتے ہیں کہ یہ وقف، وہ تجھے الودہا رہی ہے۔ جواب

میں نے کہا، وہ مجھ پر تعلق ہے، نہ کہ اس پر، عرصہ مر کر رہے ہو۔ جسیرا نہیں، میں نے مجھے

کہاں میں نے پوچھا۔
آپ کو راولپنڈی پہنچ کر آرڈر مل جائیں گے۔

کر کے اس میں دو بدل کر کے اسے فاضل آیز کر لیں گے۔ ایک دفعہ کھانی کی آؤٹ لائن
فیصلہ ہو جائے پھر مکالمے آسان کام ہے۔

اگلے روز جب میں دفتر میں بیٹھا۔ فلیس کھانی کی آؤٹ لائن نگہ رہا تھا تو ایک ڈیر لائی
دی۔ خضر صاحب آئے ہیں۔ خضر صاحب آئے ہیں۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا ہوں کہ
میں دفتری سٹاف کھڑے پھر کر رہا تھا۔

کون آئے ہیں میں نے پوچھا۔

ڈیر آئے ہیں ڈیر لائی سٹائی دی۔

کہاں ہیں۔

حفیظ صاحب کے کمرے میں ہیں۔

اجہ پھر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ کہنے لگا، گلرز کر ہم بھگت لیں گے وڈیر کو۔ تو آؤٹ
مکمل کر لے۔

میں کمرے میں جا کر کھانی کی تنصیحات سوچنے میں کھو گیا۔ کچھ دیر کے بعد حفیظ کا تاج
پولا، جناب آپ کو وڈیر صاحب نے یاد کیا ہے۔

وڈیر صاحب نے۔ مجھے میں حیران رہ گیا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کون وڈیر ہے یہ میں نے پوچھا۔

جی بریگیڈر ایف آر خان ہیں۔

جب میں حفیظ صاحب کے کمرے میں پہنچا تو وڈیر صاحب نے بغیر کسی تمیز کے پوچھا، آؤ
ممتاز مفتی ہیں نا۔

میں نے کہا، جی میں ممتاز مفتی ہوں۔

بولے، آپ فی الفور راولپنڈی چلے جائیں اور وہاں جا کر کیو بی شاہ صاحب کو رپورٹ
کریں۔

میں نے پوچھا، جناب مجھے وہاں کتنے دن رہنا ہو گا۔

میں نے کہا، وہ بولے، آپ کو ڈائریکٹر کر دیا گیا ہے۔

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو
جنتیبول: میں نے آپ کو قرض فوری طور پر لو کرنا ہو

صدر گھر

راولپنڈی پہنچ کر میں سید صاحب سے ملانا۔ مجھے دیکھ کر وہ بولا 'اچھا ہوا آپ آج'۔
میں نے بریگیڈر ایف آر خان سے کہا تھا کہ چارلے کا حکم بند آپ جاری کریں گے۔
آپ کے پاس رپورٹ کرنا ہے۔
دسب ہو جائے گا وہ بولا

اولئس ڈی

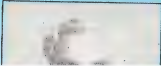
بس اتنا دیکھ کر چارلے کہی ہو رہا ہے 'میں نے پوچھا۔
میں نے پوچھا 'وہ بولا۔

کس دفتر میں 'میں نے پوچھا۔

میں صدر گھر میں۔ اب آپ میرے ہاتھ ہیں۔ میرے اولئس ڈی ہیں۔ آفسر تین
پیش ڈیوٹی۔ لیکن اس میں آپ کو نقصان دے گا۔ لول تو یہ تھی پوسٹ ہے۔ اس پوسٹ کی
منظوری ملنا پڑے گی۔ پھر آپ کی ہے اس فرم کس ہوگی۔ یعنی چھ مہینے تک وہ نہیں ملے گی۔
شاید گزارہ انڈسٹری مل جائے لیکن ہمارے پاس ایک انڈسٹری توٹوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں

VIII

007



’فون کیا تھا کہ آپ لاہور کیوں نہیں آجائے؟ وہاں ہم آسانی سے آپ کو اٹا موڈیٹ!‘
پھر اس نے کیا کہا۔

لاہور آنے میں ہینکچاپٹ کا اکتہبار کیا۔

’نہیں وہ لاہور نہیں آئے گا۔ میں نے کہا۔ لاہور ہشتا کے لیے ایک پھوڑے کی جگہ ہے۔‘

’ہے۔ وہ لاہور کو بھول چکا ہے۔‘

APPHARS THAT LAHORE IS

لے اندر بشرے کہاں ہیں ہے تو کتنا تھا کہ یہ لاہور میں جائے گا۔

میں خود حیران ہوں وہ بولا۔

اگلے روز جب ہم دفتر میں بیٹھے تھے تو انشاء آگیا۔ اسے دیکھ کر ہم حیران ہوئے۔

انشاء میں نے کہا تو لاہور کیا تھا۔

انشاء بیٹہ کیا کہنے لگا یار میں خود حیران ہوں کہ یہ کیسے ہوا۔ تم نے مجھے گاڑی میں بٹھا دیا۔

پہلی تو میں کتاب پڑھنے لگا۔ پڑی دلچسپ کتاب تھی۔

پھر گاڑی رکی۔ کوئی بڑا مشین تھا دیکھا تو سگرت ختم تھی۔ میں نے سوچا چلو سگرت خرید

لیا سوٹ کیس اٹھایا۔ سگرت خریدے اور پھر سے گاڑی میں سوار ہو گیا۔

پھر جو گاڑی رکی۔ تو سارے مسافر اتر گئے۔ دیکھا تو کراچی کا مشین تھا۔ حیران ہوا کہ یہ

وہ کہ گاڑی کراچی سے چلی تھی اور واپس کراچی آگئی۔

قدرت جس کو بولا ہے بعد دلچسپ آدمی ہے۔

میں نے کہا دلچسپ نہیں لذیذ آدمی ہے۔

شام کو میں راجہ شفیق سے ملا۔ میں نے کہا راجہ بھائی جان کی بات پوری ہو گئی۔ میری

دہائی رٹو پنڈی میں ہو گئی ہے۔ کہاں وہ خوشی سے چلایا۔ میں نے کہا صدر گھر میں۔

خوشی سے وہ پاگل ہو گیا۔ اس نے دو ایک نعرے لگائے پھر بیٹھ کر سٹیج کی سے کہنے لگا یار

میری ایک ہی خواہش تھی وہ پوری ہو گئی۔ مجھے تو یہ آگیا پن کہا گیا تھا۔

میں نے کہا بھائی جان کہاں ہیں۔

کہنے لگا مری میں ہیں۔ اتر کر رہے ہیں کہ مری کا کام ختم کر کے پنڈی میں آ جائیں۔

کان کراے پر لے لیں اور اسلام آباد میں کام کریں۔ لیکن یار وہ بول بھائی جان وہ بھائی

نہیں رہے۔ پہلے ان کی توجہ ستارہ میں آگئی تھی اب ستارہ کی نیگم ڈانکر محنت پر مرکوز

ہو گئے ہیں ڈانکر محنت دہری بیٹی ہے۔

کیا واقعی میں نے پہچان۔

پاکل وہ بولا۔

راجہ تجھے یاد ہے میری ماں نے مجھ سے سنت کی تھی کہ مجھے بھائی جان سے ملنا وہ۔ میں



غفور ملک، محنت شباب، قدرت اللہ شباب (گورنمنٹ تھانہ شباب)



نشینہ
(قدرت اللہ شباب کی بھانجی)

خواجہ جان محمد (کھانا بھانجی)
عسکری مفتی، قدرت اللہ شباب

نے بھائی جان سے درخواست کی تو کہنے لگے۔ ملحق صاحب ہم خواتین سے نہیں جواہر دے دیا۔

عفت کو تو انہوں نے بیٹی بنا لیا ہے راجہ نے کہا ابھی اس سے ملے نہیں۔ اب وہ خود سے کہتے رہتے ہیں۔ عفت بیٹی کی گود کیوں نہ چری ہو۔ ضرور ہونی چاہیے۔ ہم نے کوکلی مرچ دم کر کے میں دی۔ لیکن عفت بیٹی کو کیوں نہ دیں ضرور دیں گے۔ راجہ بولا۔ بھائی جان کی ہماری طرف توجہ رہی ہی نہیں۔

صدر گھر میں قینچی کی وجہ سے مجھے قدرت کو قربہ سے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ قدرت کی وفات کے بعد 'اشفاق احمد کی کتاب "ذکر شہاب" کے لیے میں نے ایک مختصر مضمون لکھا تھا۔ اس مضمون سے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

قدرت کی شخصیت

شخصیت کے لحاظ سے پہلی نظر میں قدرت خامس پیمبر نظر آتے تھے۔ چودہ قدیم جسم بات کرنے سے عاری ہوگئی، محل میں بیٹھے تو اس قدر سنجیدہ اور خاموش جیسے پتھر ہوئے ہوں 'اوتھیاؤں سے خائف رہتے' اگرچہ اس بات کا انہوں نے کبھی کسی سے انکار کیا تھا۔ یورو کرش میں بیٹھے تو جیسے راج ہنوں میں گوا بیٹھا ہو۔

شور و شغب سے سخت گمراہ تھے۔ تقریر کرنی پر باقی ذول بیٹہ بیٹہ جاکہ انہی اپنے ان کیوں کو چھپانے کے لیے انہوں نے خود پر سنجیدگی بھری چپ طاری کر رکھی تھی سنجیدگی بھری خاموشی پتھر کی طرح سخت تھی۔ دوسرے کو پتھر کی طرح گنتی تھی۔ دوسرا کہہ رہا اس کا بیٹی چاہتا کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔ خاموشی قدرت اللہ کا واحد ہتھیار تھا۔ اگرچہ موثر تھا۔ حد موثر مگر جموٹا بیٹھتی تھا۔

کردار کے لحاظ سے قدرت اللہ پتھر کے نہیں تھے۔ انسان میں شدید قسم کی حساسیت کی شخصیت کا سب سے بڑا وصف ہے۔ تاہم ان میں آکسی ضبط تھا۔ اندر بڑے حالات اور اہوار مار گئے ہوتے تھے۔ ان میں شدید ترین تکلیف کو برداشت کرنے کی قوت موجود تھی۔ بڑے سے بڑے کرب کے دوران کیا بھائی کہ چہرے پر اظہار کی جھلک نظر آئے۔ ان کا یہ کہ

قدرت اللہ پر طوفان چاہا ہو لیکن باہر کون ہی سکون ہوتا۔

قدرت اللہ اس قدر ذہین تھے کہ بات کرنے والا انہی تمہید چمک رہا ہو تاکہ وہ ساری بات کو اس کی پڑھنے کی پہلے اس قدر مختصر تھی کہ میں ابھی دوسرا ہیہ اگر آپ چمک رہا ہو تاکہ وہ بات نہ ہوتے۔

قدرت اللہ میں پس آکر چھٹا جاتا مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ قدرت نے سارا صفحہ پڑھ لیا ہے۔ آپ کا لفظ پر لکھا ہوا ہے لفظ بہ لفظ پڑھتے ہیں یا مفہوم سمجھنے کے لیے نظر گردانی کرتے ہیں۔ لفظ بہ لفظ پڑھتا ہوں۔ پھر بھی مجھے یقین نہ آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی ایک ریڈنگ کا لفظ لکھا ہے۔

قدرت اللہ کی داشت غصب کی تھی۔ ایک دفعہ دفتر کا ایک ضروری کاغذ کم ہو گیا۔ بہت تلاش کی۔ قدرت نے پوچھا کیا میں نے وہ کاغذ پھاڑا تھا۔ میں نے کہا ہاں پڑھا تھا پھر پوچھا کیا تھا۔ میں نے بتا دیا کہ میں نے گے' میں یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ چار پانچ منٹ وہ کہتا ہے۔ پھر بولے آپ لکھتے چائیں۔ میں لکھتا گیا۔ چند دنوں کے بعد اصلی کاغذ مل گیا۔ یہ غلغلہ ختم ٹاپ اور کرے تک فرق نہ تھا۔

قدرت اللہ میں بہت حیران ہوا۔ ان کی میری حیرت کی وجہ یہ تھی کہ میں نفسیات کا طالب علم تھا اور میں نے اس وقت مطالعہ کیا تھا اور خود کو نفسیات کا سمجھنے خان سمجھتا تھا۔ قدرت نے قدرت سے کہا یہ بات بڑی حیران کن ہے۔

میں نے جواب دیا 'میدم کی بات ہے۔

قدرت اللہ کے میری یادداشت Visual ہے۔ کسی کوئی چیز سامنے آ جاتی ہے۔ کوئی میں نے دیکھا ہے۔ بد عنوان رہتے تھے' تھے' امتحان میں تم کتاب سے نقل کرتے ہو۔

قدرت اللہ کی انگریزی بہت عمدہ تھی 'اپنے نوٹس وہ دفتری انگریزی کے بجائے ادبی انگریزی لکھتے تھے۔ ان کے نوٹس ایک تو مختصر ہوتے۔ دوسرے ان نوٹس میں وہ بین السطور

بات کرنے کا بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ جب ان کا لکھنا ہوا لوٹ دفتر میں پہنچتا تو بھی لوگ اسے پڑھتے جیسے تحریر ہو اور پھر آپس میں گفتگو کرتے 'بھٹ کرے' 'مین اسطور' اور 'بھٹ کرے'۔

وہ مکر ہوتا ہے نہ دفتر ہوتا ہے بلکہ ایک ڈھکا چھپا میدان کار زار ہوتا ہے۔ ایک

ہاتھ کے بعد وہ قدرت اللہ کی رائے بھی دریافت کیا کرتے تھے، 'ملاں کہ کلینڈ میں
کلیں کی حیثیت نہ تھی۔ قدرت کی اختلاف رائے کی قدر کرنے کے پلہ جو صدر اکثر مسکرا
تے تھے۔

Must you throw a brick on my head whenever I speak

ان دنوں میں نے پوچھا، آپ جو صدر صاحب کے سامنے یوں کھڑے ہو جاتے ہیں، جیسے
کلیں کی دل کاچھ مولوی صاحب کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر کیا اس لیے میں 'سرلیں
ہوں، کہ وہ سربراہ مملکت ہیں۔

یہ بولا اس لیے بھی لیکن زیادہ تر اس لیے کہ صدر ایوب بہت ذہین آدمی ہے۔ میں
ان سے بہت متاثر ہوں۔

قدرت کے تعلقات عجیب تھے جو میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔
میں نے بھی اللہ یا اسلام یا پاکستان کی بات نہ کی تھی۔ کبھی تحقیق نہ کی تھی، جیسے بھائی
تھے، اس نے کبھی مجھے صیحت نہ کی تھی، کسی بات پر ٹوکا نہ تھا۔ تو اس قدر سرسری
تھے کہ کوئی محسوس نہ ہو کہ مثلاً ایک روز جوش گوئی پر بات ہو رہی تھی۔

جوش گوئی

حالات کے ابتدائی دور میں میں نفسیات میں دلچسپی لیتا تھا۔ ان دنوں نفسیات یا علم قلم
کا نام نہ تھا۔ تاہم میری میں نفسیات کی کتابیں قلمرو میں زیادہ تھیں، اس لیے میں نے مطالعے کا
میں کی طرف موڑ دیا۔ نیکیں کے بعد میں ایس پی (Sensory Perception) میں
میں جاتھا۔ مضمون بالکل ہی نیا تھا۔ کتابیں بہت کم تھیں۔ اس لیے مجبوراً مجھے
ایس پی کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ ان دنوں ایک رسالہ پریڈکشن آسانی سے مل جاتا تھا۔ کیونکہ
اس سے میں بہت متاثر ہوں۔

ان دنوں میں پریڈکشن پڑھ رہا تھا کہ قدرت آلیہ۔ کہنے لگا، میں بھی کالج میں پریڈکشن پڑھا
تھا۔ بری مزے کی چیز ہے۔ لیکن پھر میں نے اسے چھوڑ دیا۔
ایک دن انگریزوں نے کی ادج سے چھوڑ دیا، میں نے پوچھا۔

بات پر ان کا خلاف فائدہ انداز اختیار کیے ہوئے تھا۔ وہ سبلی ٹیکرٹری کے خلاف کوئی
دیکھتا تھا۔ شباب کے خلاف کی خواہش تھی کہ وہ ٹریڈ یونین کے حلقوں کاؤٹ کر دے اور
اور ان کے خلاف حملہ آرائی کریں، تاکہ وہ بھی فائدہ انداز اختیار کر سکیں۔ لیکن قدرت
ٹیکرٹری کی حملہ آرائی کا بھی دلش نہ لیا تھا اور ان کی مخالفت کو دور خود اٹھانہ سمجھتا تھا۔

نہ تو شباب اس موضوع پر اپنے خلاف سے بات کرتا تھا نہ ہی ان کی بات متاثر
قدرت کا یہ رویہ اس کے خلاف کے لئے بے حد تکلیف رہا تھا۔
صدر ایوب کے ساتھ قدرت کا رویہ کھٹ مٹا تھا۔

صدر ایوب بلائے تو وہ کلڈ چل اٹھا کیوں بھاگا بھاگا حاضری دیتا جیسے کسی ذہین آدمی
ہو۔ صدر ایوب کے سامنے موجود نہ کھڑا ہو جاتا۔ جب تک وہ اسے جینے کو نہ کہتے کھڑا رہتا
کے انداز میں بے تکلفی یا انصاف کا شائبہ تک نہ ہوتا، سراسر میری حضور ہے۔

اس کے برعکس صدر صاحب کے پہلے بلاوے پر کبھی حاضری نہ ہوتی، چڑاسی آ کر
لائٹ صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ ان دنوں صدر گھر کے چڑاسی صدر کو لائٹ صاحب کا
تھے۔ وہ برطانیہ کی رسم ابھی تک قائم تھی۔

ایک دن میں نے پوچھا۔ آپ پہلے بلاوے پر کیوں نہیں جاتے۔ تیرے بلاوے
کیوں کرتے ہیں۔

کہنے لگا، 'انتظام' پہلے بلاوے پر نہیں جاتا۔
اس میں کوئی مصلحت ہے کیا۔
ہاں، وہ بولا، تاکہ انہیں یہ احساس ہو کہ ان کے بلاوے کے علاوہ بھی ضروری کام
ہیں۔ اس سے بڑا فرق پڑتا ہے۔

صدر ایوب کے سامنے وہ یوں نہیں سر نہیں سرکتا دیتا جیسے خاص جی حضور ہے۔ وہ
تک صدر ایوب کو پہنچنے نہیں دیتے وہ اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ جب وہ اس کی رائے
کو پہنچنے تو خشک انداز میں کہتا کہ مجھے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ پھر وہ مکمل کر لیتی
کا اظہار کرتے تھے صدر بڑے غور سے سنتے۔ وہ قدرت کی اختلاف رائے کی قدر کرتے تھے
ہر معاملے میں پوچھتے تھے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ حتیٰ کہ کلینڈ کی بینک میں بھی ارادہ

فہمیں وہ بولا مجھے پیشین گوئی پر یقین نہ رہا پہلے بھی یقین کی وجہ سے نہیں دیکھی کی وجہ سے دھماکا تھا۔
یقین کیوں نہ رہا۔

بس خیال آیا کہ اگر ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ قادر مطلق ہے اور (Finality Rests With) اس کے بعد پیش گوئی سے معنی ہو جاتی ہے۔

اور کشف میں نے پوچھا۔

وہ بھی تو پیش گوئی ہے اس نے جواب دیا۔

اور اگر کوئی بزرگ کشف کی بات کرے تو۔

چاہے کوئی بھی مستقبل کی بات کرے، مگر آپ کا "میشی اللہ کے ہاتھ میں ہے" رکھتے ہیں تو آپ کو پیش گوئی پر حتی یقین نہیں آئے گا چاہے وہ کچھ ثابت ہو جائے یا نہیں اس پر حتی یقین نہیں کرنا چاہیے۔

نماز

میں نے قدرت اللہ کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میری طرح وہ بے نماز ہی ہے۔ وہ تو اتفاق کی بات تھی کہ ایک دن میں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔

چھٹی کا دن تھا میں اس کے گھر چلا گیا میں نے عفت سے پوچھا شہب کہاں ہیں۔

روم میں ہیں اس نے کلمہ میں بیٹہ روم میں گیا۔ کمرہ خالی پڑا تھا۔ میں نے پھر عفت سے پوچھا

میں نے کہا بیٹہ روم میں تو نہیں ہیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی کئی چپہ نہیں لگا

ہیں۔ اس کی مسکراہٹ بڑی باطنی تھی۔ میں پھر سے بیٹہ روم میں گیا پاتھ روم کا دروازہ کھولا

ڈریسنگ روم میں قدرت نماز پڑھ رہا تھا۔

جب وہ باہر نکلا تو میں نے کہا آپ چوری چوری نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ کیا آپ بھی

طرح لپٹنے ڈھب پر شرمندہ ہیں۔

وہ مسکرایا کہنے لگا "کب شرمندہ ہیں کیا

میں نے کہا بے حد شرمندہ ہوں۔ سارے ہی فنلینڈ جنول شرمندہ ہوتے ہیں۔ بھائی

انکات سے بعد ایک روز مجھ میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ نماز پڑھوں۔

ایک نماز پڑھی آپ نے اس نے پوچھا۔

اوپر دس بار دن پڑھی۔ بڑے سیکورینی اور شہنشاہ کے ساتھ۔ پہلے چاروں طرف دیکھ کر

ایک لڑکھانہ کو دیکھا تو نہیں پوچھا چپ چپ کر وضو کرکے پھر کمرے میں گھس کر اندر سے

ایک کالیٹا۔

وہ ہنسنے لگا ایسی تو کوئی بات نہیں۔

غالب ہے کہ آپ جہوم کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں کیا۔

کیوں نہیں وہ بولا۔

اس سے دو ایک مہینے کے بعد جب ہم دورے پر کراچی گئے ہوئے تھے اور شام کے وقت

کے ایک فیشی رستوران کے بڑے کمرے میں بیٹھ جائے لی رہے تھے۔ کمرہ گاہکوں سے

خالی تھا تو دفعتاً مغرب کی آواز سنائی دی۔ مجھے قدرت کی وہ بات یاد آگئی۔

میں نے کہا آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ جہوم کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے

ہیں۔

اس نے مسکرا کر "مر لٹات میں بایا۔"

کیا آپ اس کمرے میں نماز پڑھ سکتے ہیں ابھی اس وقت میں نے پوچھا۔

ہاں وہ بولا۔ ہاں اس نے بلڈ آواز دی جائے نماز لاؤ۔ میرا حیرت سے ہماری طرف دیکھنے

کا۔ قدرت نے بڑے محکم سے اپنا آڈر دہرایا۔

کچھ دیر کے بعد وہ کس کے میز پر دور سے کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھا پھر ہیرے کو

الاء کہیا۔

میرا قریب آیا بڑے احترام سے بولا صاحب اندر نماز پڑھنے کا انتظام موجود ہے۔ آپ

شریف لے آئیں۔

میں نے قدرت سے کہا جائے نماز اس کمرے کے اس کونے میں بچھاؤ۔

قدرت اس کچھالے بھرے کمرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا اور کمرے کے تمام لوگ حیرت

کے اے دیکھ رہے تھے۔ ان کے ڈیلے باہر نکل آئے تھے۔

قدرت اللہ شہاب کی شخصیت تقاروت سے بھری ہوئی تھی۔

ظاہر وہ ایک خاموش اور مریض شخص تھا لیکن آنکھوں میں بھی محسوس ہوا تھا کہ اس کے اندر ایک انقلابی چمک چمک رہی ہے۔

ظاہر وہ ایک دہی آدمی تھا، رسم و رواج کے مطابق جینے کی کوشش کرتا تھا، وہ لوگوں پر شک کرنے سے اجازت نہ دیتا تھا لیکن اندر سے وہ ایک انقلابی شخصیت کا مالک تھا، اس کی خیالات شدت سے منقو تھے۔ وہ ہر بات میں انقلابی رائے رکھتا تھا، اس کے ہاتھوں وہ اپنی انفرادیت کا منہ دکھائی تھا، لیکن اس کے اعمال و افعال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خیالات اور کردار کے لحاظ سے ایک منقو شخص ہے۔

اس میں باکی جڑت تھی، لیکن ظاہر لوگ لگا تھا جیسے ایک نئی ضرورت ہے۔

۱۹۶۰ء میں میں نے قدرت اللہ شہاب کی شخصیت پر ایک مضمون لکھا تھا اس مضمون میں سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

قدرت اللہ شہاب کی شخصیت کو سمجھنے کا اصل ایک ارتقائی عمل ہے، جس میں عین مقام آتے ہیں۔

پندرہ ایک روز کی رفاقت کے بعد آپ محسوس کرتے تھے ہیں کہ آپ اس کی شخصیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ ایک سادہ، شہید، خوشگوار، شہساز اور ہر روز شخصیت کا مالک ہے۔

مزید قریب حاصل : جانتے تو دفعتاً آپ محسوس کرتے ہیں کہ خوشگوار، مستعار ہونے کے باوجود اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا بعد ہے۔ وہ قریب نہیں آتا، قریب آتے نہیں دیتا۔ آپ حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیسی شخصیت ہے۔ دو روزے چوتھے تک ہیں لیکن اندر داخل ہونا دشوار ہے۔ آپ سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ پھر آپ پر واضح ہوتا ہے کہ آپ شہاب کی شخصیت کے بہت پہلوؤں سے واقف نہیں ہیں۔

اس کے بعد اگر قریب قائم رہے، تو ایک روز آپ پر انکشاف ہوتا ہے کہ شہاب کی شخصیت کا ایک پہلو کسی انجمن سے تعلق رکھتا ہے، جس کا آپ رابطہ نہیں کر سکتے۔ اس

قدرت اللہ شہاب آپ کے دورہ انجمن بن کر آکر آہوتا ہے۔

پس شہاب کو جاننے کا اصل سمجھنے سے شروع ہو کر نہ سمجھنے پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ ایک حیران کن بات ہے جس کا اور ان مشکل ہے اور یہ بیان کرنا بہت دشوار ہے۔

شہاب سے ملنے والے بیشتر لوگ تو پہلی ہی منزل پر رک جاتے ہیں۔ بہت کم لوگ دوسری منزل تک پہنچ جاتے ہیں اور تیسری منزل تک پہنچنا شاید ہی کوئی پہنچا ہو، مجھے اس کا علم نہیں۔

قدرت میں ایک "مبگنٹینک" قسم کی "ڈول پاور" ہے۔ وہ آپ کی توجہ کو ہاتھ نہ رکھتا ہے کہ آپ کی توجہ اس حد تک آگے آئے، اس سے آگے نہیں۔

قدرت اللہ کو میں گذشتہ چھ سال سے جانتا ہوں۔ میں بھی دوسری منزل سے آگے نہیں جا سکا، فرق صرف یہ ہے کہ مجھے اور ان کے کہ میں اس کی شخصیت کے ظاہری پہلوؤں سے واقف ہوں۔ "بمبگنٹینک" سے واقف نہیں ہوں۔

قدرت اللہ سے پہلی بار ملنے پر بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں افسری کی نہیں سرے سے ضرورت نہیں اس وقت وہ بہت بڑے عہدے پر فائز تھا، چونکہ صدر پاکستان کا پیکر تھی، دیکھ کر وہاں کے قاضی صدر پاکستان کے قریب کے حوالے سے بڑے بڑے افسرانِ عزت کرتے تھے۔

ایسی طبیعت کہ کوئی اور شہید کی دُور پر وہ افسروں سے وقت گزار دیا تھا، انہوں نے اس کا رویہ

مستند تھا۔

مقابلے کے اختتامات پاس کرنے میں اسے دسترس تھی۔ اس نے پہلے انکوائس کا امتحان پاس کیا۔ پھر پروفیشنل سروس کا اور پھر آئی ای ایس کا امتحان میں پوزیشن حاصل کی، حالانکہ اس زمانے میں مسلمان کے لیے مقابلہ کا امتحان پاس کرنا بڑا مشکل تھا۔ قدرت کی یادداشت

"بمبگنٹینک" تھی۔ سب کا مطالعہ سائے آجاتا تھا۔ محض کوئی بڑا نقش ماری ہے۔

قدرت میں تقابلی اور ذہنی توجہ تھی۔ لیکن نہ تقابلی چمک ماری تھی۔ نہ ذہنی، دیکھتے ہیں کہ لگا جیسے گولڈا پھلان ہو، پڑنے لگتے سے واسطہ نہ ہو۔ البتہ ذہنی طور پر بڑا "انٹل"

تھا۔ وہ کتنی مہل تو تھا، لیکن شہنشاہ کا وجود نہ تھا۔ لوب تو تھا، جانا پہچانا لوب تھا، لیکن

شخصیت میں انہماک نہ تھا، دانشور تو تھیں بات کرنے کی نسبت بات سننے کا شوق تھا۔

لیاس کا شہساز نہ تھا، طبیعت میں ہجر کا رنگ غالب تھا، غور پر نہ تو ناک چڑھتا، نہ معذرت

خواہ ہو کہ دوسروں کو اتنی عزت سے جانتا تھا کہ تو تراخ کا سوال ہی پیدا نہ ہو کہ خدا کا
تکلفی کا کوئی امکان نظر نہ آیا۔

اشفاق احمد نے قدرت کے ساتھ تو تراخ قسم کی ہتھکڑی چالنے کی کوشش کی تھی۔ یہ
کہیں ملا کہ اشفاق احمد بھی طبی طور پر بے تکلفی کا اہل نہیں۔ جواب میں قدرت نے
دی رنگ اپنانے کی سعی کی۔ قدرت کی یہ کوشش بہت بھونڈی تھی۔ ظاہر تھا کہ یہ نفل
نہیں چڑھے گی۔ قدرت کی شخصیت میں ”لو“ اور ”لوے“ کہنے کی صلاحیت موجود نہیں
اس کی شخصیت کا رنگ ایسا ہے کہ دوسرا آپ آپ کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ اس کی
شخصیت پر محترم کی مرگھی ہوئی ہے۔ اس کے دوست ”اہلب“ افسر اساتذتی ہم کلر“ عزیز
دار سب اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔

پھر دالینڈی میں صدر پاکستان کے دفتر میں میری تہنیتی ہو گئی اور میں قدرت اللہ کا
بن گیا۔ میں مجھے قدرت اللہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جوں جوں میں اس کے قریب
ہو گیا توں توں مجھ میں حیرت جاگ اٹھی۔ یا اللہ یہ کیا انسان ہے۔ اس وقت مجھے یہ احساس نہ تھا
میں دیکھنے سے نہ دیکھنے کی طرف بے جا رہا ہوں۔

ایک روز دفتر میں ایک سیٹھ آگیا۔ قدرت اللہ نے سیٹھ سے میرا تعارف کرایا۔ سیٹھ
سے مخاطب ہو کر بولا ”یہ جو تمہارا افسر ہے“ اس پر مجبور نہ کرنا دو نہ مارے جاؤ گے“ میں نے
پوچھا ”کیسے“ بولا ”دیکھو ہم پاکستان کا سیٹھ ہے۔ ہمارا دستور ہے کہ حیدر پر ہم بڑے افسروں کو

خود دوسری عید میں بھیجی گئی۔

جواب بولا ”یہ سیٹھ بیشہ کھری بات کرتا ہے۔ ذرا نہیں ہتھکڑی خوب آدمی ہے۔
پھر ایک عامل قدرت اللہ سے ملنے کے لیے آگیا اس کے چہرے پر دشت برس رہی
تھی۔ ملا کہ کہنے ٹھیک خاک تھی۔ پھر بھی احساس ہو رہا تھا کہ سیٹھ ہے۔ وہ دیر
قدرت سے عجیب سی باتیں کرتا رہا۔ چلا گیا تو میں نے پوچھا ”یہ کون حضرت تھے۔ کہنے لگا
”ابن ابی اسحاق“ عامل ہے ”شیطان تو تمہیں دیر کر رہی ہیں۔ لوگوں سے اٹھائیے پیسے بنو رہا ہے“ بلکہ
اس میں کرتا ہے۔ لیکن لوگوں کے کام کرتا ہے ”بہت خوب آدمی ہے۔
میں حیرت میں ڈوب گیا۔ یہ کیسی مشفق ہے۔ اول درجے کا شیطان ہے“ رقم پڑ رہا ہے“

”میل کرتا ہے۔ لیکن بہت خوب آدمی ہے۔

افراد کے حلق قدرت اللہ کی رائے دیکھو کی نہیں ہوتی تھی۔ نہ ہی وہ احتیاط کی وجہ
ان منہ کرنے سے گریز کرتا تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ کسی کے حلق مٹی رائے قائم کرنا نہیں
چاہتا تھا وہ تقریبی غیبت سے بھی گریز کرتا تھا۔

قدرت کا گھر

قدرت اللہ کے گھر کے کوائف عام گھروں سے قطعی طور پر مختلف تھے۔

ہے۔
ایک بار قدرت چٹان کا ٹاپ دینے درزی کی دکان پر گیا مولوی صاحب ساتھ تھے۔
نے چٹان کی موری کے متعلق دریافت دی تو مولوی صاحب بولے 'ابو اگر آپ غلوں کے
تو میں آپ کو اپنے ساتھ باہر نہیں لے کر جایا کروں گا۔
چہ برس کی وفات میں میں نے صرف ایک بار قدرت کو فیسے میں آتے دیکھا ہے۔
وقت قتل میں قدرت کے گھر میں بیٹا تھا ایک سائل آیا اس نے اپنی بد قسمتی اور
اللہ کا تذکرہ سنا شروع کر دیا۔ چہ کد لعل نہاں تھا اس لئے پھٹے سے لے کر بیان آیا۔
قدرت اسے تسلیاں دتا رہا مگر ایسے نہیں۔ اللہ نے چاہا تو کراہے کی کوئی صورت بن جائے گی۔
آخر میں سائل اللہ بیٹا اور فیسے میں بولا تخت پیچھے اس ملک پر جس کی خاطر ہم چاہے
ہوئے اور پھر اس کے کہ وہ جملہ غم کرنا قدرت سے اللہ کر اس کے منہ پر ایک روتے کا
مارا اور بولا گٹ آؤت۔

قدرت کا کہنا ہے کہ فخر آتا ہے تو اسے آئے دو رو کو نہیں نہ ہی خود میں جذب کر۔ وہ
عمل پیدا نہ ہو۔ چٹانی بن جاؤ کہ وہ گزر جائے قیام نہ کر سکے۔
قدرت میں ایک عجیب خصوصیت تھی۔ اس نے کبھی کسی کو نصیحت نہ کی تھی۔
دوسروں کو روکنا تو کتنا نصیحتیں کرنا بیوں کا عام دستور ہے۔ دوسرا بات مانے یا نہ
مانے چاہے گھر جا کر مفکرہ اڑائے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ دوسروں کو نصیحت کرنا بذات
اللہ ایک خوش کن عمل ہے۔ ایک سماعت کے لیے نصیحت کرنے والے کی حیثیت پیدا ہو جاتی
ہے۔ برتری کا احساس 'اہلے بین کی لذت' بزرگی کا ذمہ نصیحت کرنا ایک عام سی عفت ہے۔
اس کی لذت۔

آکر چند سماعت کے لیے اہلے کپڑے بہن کر ملے لوگوں کو مغالطی کی تحقیر کریں۔ تو یہ
مردم سی بات ہے۔ قدرت اللہ اس عوامی لذت سے سرا سر منحرف ہے وہ بھی اہلے کپڑے بہن
اپ کے پاس نہیں بیٹھے جس نے کبھی ایسی بات نہیں کی جس سے ظاہر ہو کہ وہ دوسروں
پر تر ہے۔ اس نے کبھی کسی کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے غیر مناسب
ہے۔ آپ اس کے پاس بیٹھ کر شراب پیئیں۔ وہ ٹوٹے گا نہیں۔
ایک روز دفتر میں ایک اعلیٰ افسر قدرت اللہ سے ملے گئے۔ انہوں نے اس نے بڑے چنے کی بات کہہ
دیا۔ کہنے لگے کہ مجھ میں نہیں آتا۔ ہمارے دل میں بھی پاکستان کا درد ہے۔ ہم بھی صبح شام کلام
اللہ پڑھتے ہیں۔ ملک کے لیے جان کی بازی لگاتے بیٹھے ہیں۔ لیکن جب تک چینی کا مودہ ہوتا ہے تو
قوتوں کی زبان پر ہمارا نام آ جاتا ہے اور جب وہ دلوں کی محفل بنتی ہے تو لوگ 'شباب' 'شباب'

ایک بار قدرت چٹان کا ٹاپ دینے درزی کی دکان پر گیا مولوی صاحب ساتھ تھے۔
نے چٹان کی موری کے متعلق دریافت دی تو مولوی صاحب بولے 'ابو اگر آپ غلوں کے
تو میں آپ کو اپنے ساتھ باہر نہیں لے کر جایا کروں گا۔
چہ برس کی وفات میں میں نے صرف ایک بار قدرت کو فیسے میں آتے دیکھا ہے۔
وقت قتل میں قدرت کے گھر میں بیٹا تھا ایک سائل آیا اس نے اپنی بد قسمتی اور
اللہ کا تذکرہ سنا شروع کر دیا۔ چہ کد لعل نہاں تھا اس لئے پھٹے سے لے کر بیان آیا۔
قدرت اسے تسلیاں دتا رہا مگر ایسے نہیں۔ اللہ نے چاہا تو کراہے کی کوئی صورت بن جائے گی۔
آخر میں سائل اللہ بیٹا اور فیسے میں بولا تخت پیچھے اس ملک پر جس کی خاطر ہم چاہے
ہوئے اور پھر اس کے کہ وہ جملہ غم کرنا قدرت سے اللہ کر اس کے منہ پر ایک روتے کا
مارا اور بولا گٹ آؤت۔

قدرت کا کہنا ہے کہ فخر آتا ہے تو اسے آئے دو رو کو نہیں نہ ہی خود میں جذب کر۔ وہ
عمل پیدا نہ ہو۔ چٹانی بن جاؤ کہ وہ گزر جائے قیام نہ کر سکے۔

ادیب

قدرت اللہ ایک چاہ پچا ادیب تھا اس کے باوجود اس کی تنقید یا ردیے سے کبھی ظاہر نہیں
ہوا تھا کہ اسے ادیب سے کوئی تعلق ہے۔ ادیب عام طور پر شخصیت پر چمپا لگا دیتا ہے۔
چمپائے نہیں چمپیں۔ قدرت کی شخصیت پر ایسی کوئی چمپا نہ تھی۔
نفسیات کی رو سے ادیب کی شخصیت میں 'تقدو' 'لذات' اور 'شہرت' تین بنیادی عناصر ہوتے
ہیں۔

ادیب کی شخصیت فقیر خانے کے صدق ہوتی ہے جہاں مقدور شمشاد بختے ہیں جہاں
گوستے بولتے ہیں 'اندھے دیکھتے ہیں' 'لنگرے' وہ پاؤں پر پلٹے ہیں۔

اپنے دکھ بھلانے اور دوسروں کی توجہ اپنی طرف متغیر کرنے کے لیے مختلف قسم کے
تھکنے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ کوئی طعان پاش کو اپنا کر ابوالدکھ حقیقہ جاندری کی طرف

کرتے تھے ہیں۔

بے شک ایک باری قدرت اللہ کے مقدر میں لکھی ہے۔ تمام اسراقت، کارکن، چنانچہ ان
حق کہ عام لوگ قدرت اللہ کے گمن گاتے تھے۔

دفعہ میں روزانہ بیسیوں لوگ قدرت اللہ سے ملنے آتے تھے جو ملے میں کامیاب ہو جاتے
وہ خوشی خوشی مگر لوٹ جاتے، جیسے نل لیتا ہی تخیل کار ہو۔ جنہیں مسلسل انتظار کے بعد نام
جانا پڑتا تھا۔ وہ بھی اپنی ہلاکی کا باعث قدرت کو نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ حالات کو مورد الزام
فہرست کرتے۔

دفعہ میں قدرت کے نام کنی ایک خط موصول ہوتے تھے۔ ان خطوط میں عام طور پر قدرت
کی تعریف و توصیف ہوتی تھی۔ اپنی تعریف پڑھ کر وہ حینپ جاتا تھا۔ وہ ان خطوط کا جواب
نہیں دیتا تھا۔ کبھی کبھار ایسا خط بھی موصول ہوتا جس میں قدرت کے خلاف شکایات لکھی
ہوتیں۔ اس کے دوسرے پر کڑی کتبہ چینی ہوتی ایسا خط دیکھ کر اس کے چہرے پر بیاضت کے آثار
ظاہر ہوتے۔ ایسے خط وہ ملنے والوں کو پڑھنے کے لیے دے دیتا۔ اور پھر بغیر تاخیر کے جواب
میں مصروف ہو جاتا۔

مرد مگر کے چڑاسی قدرت اللہ پر بہت خوش تھے۔ وہ اس کے روز و رات ہی باتیں کرتے۔
بالکل نہ گہراتے تھے۔

قدرت کی نیگم و فاکر عفت پر روز و رات صبح شام دو مرتبہ صدر مگر کے گرد و نواح میں مقیم تھے۔
شرف کے گھروں کے راونڈ لگاتی تھیں۔ یہاں لوگ وہاں دیتیں اور ساتھ ہی دودھ پینے کے لیے
رہتے تھے۔

قدرت کی ایک باری کو دیکھ کر میں سوچ میں پڑ گیا یہ سونے کا چھپے اسے کس نے عطایا اور
بسی اس کے گمن گاتے پر مجبور ہیں۔ ملائکہ اس میں کسی کا دوست بننے کی صلاحیت نہ
ہی موجود نہیں۔ اس کی شخصیت میں وہ کوئی نہیں تھیں ہی نہیں جن پر دوستی کی تمغہ لگائی
گئی ہے۔

اوصاف میں ایک دوسرے کے قریب نہیں لاتے، کمزوریاں لاتی ہیں۔ بے ہمت
تھکاتیں، کچ روایاں لاتی ہیں۔ شاید اس کے جواز میں کہا جائے کہ قدرت اللہ ایک ایک آدمی

ہاں ہے کہ میں ایک آدمیوں کی عزت کرتا ہوں۔ انہیں احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں
انہیں میں کبھی ایک آدمی سے عجیب سی بات کہتی ہے۔ ایک آدمی قریب آئے تو مجھے
کہاں ہوتا ہے جیسے اس کا ہند بند چلا چلا کر رہا ہو، ہونے تک ایک آدمی کہتا ہے، با
اوصاف ہوشیار۔ پتہ نہیں کیوں ایک آدمی میں نیکی کے اتنے ذخیرہ گرج جاتے ہیں کہ آدمی

بے شک قدرت اللہ ایک ایک آدمی ہے۔ لیکن اس میں سے نیکی کی بونہیں آتی۔ اس کی
بہت کچھ کامیابی میں ہوتا، قریب جاکر گہرا ہمت میں ہوتی۔

قدرت اللہ کی محبت کے کوائف بھی انوکھے تھے۔
قدرت ہنس کی اہمیت سے منکر نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ہنس کے شعلے کی آگ کو جذب
کرتا ہے۔ اور صرف روشنی ہی روشنی باقی رہ جاتا ہے۔

قدرت اللہ کی کوئین دور میں قدرت کو ایک لڑکی سے محبت ہو گئی۔ اس کی بیوی سے بیوی
کبھی کہ محبوبہ ایک ہزار پر اس کے ساتھ کبھی ہو کر نماز پڑھے۔ حیرت کی بات ہے
کہ وہ اس کے ساتھ کبھی ہو کر نماز پڑھا کرتی تھی۔

اس کی زندگی میں ایک حسین و جمیل نیگم داخل ہوئی۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ اس
کو دیکھ کر ان اور دیگر عروسیوں ملاہوں کا دل لگا رہتا تھا۔ نیگم کو عشاق کی بھیڑ لگانے سے
بے گار تھی۔ قدرت بھی اس بھیڑ میں شامل ہو گیا اور ایسا جلاو بنگیا کہ بھیڑ چھٹ گئی۔ رنگ
بہار کی ایک قرآن خوانی ہونے لگی، لیکن محترمہ آگ کو نہ تیاگ سکی۔ شعلہ عام سے ہٹ کر
اس کی آگ شعلوں کی خوشیں روشنی پیدا نہ کر سکی۔ جب اس نے دیکھا کہ کسی صورت بات
نہیں آتی تو قدرت کو اپنے شعلے سے جسم کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ قدرت اپنے کپڑے
اٹھا کر پرہیز حلق ایک ایسے میں بدل گیا۔

قدرت محبت میں بڑا ظالم ہے، وہ دتا نہیں لیتا ہے۔ محبوبہ کے شعلے کو جسم کرنے کے لیے

روشنی میں بدل دیتا ہے، لہٰذا وہ روشنی ہو جاتی نہیں بلکہ منور کرتی رہتی ہے۔
 دراصل محبت میں قدرت بہت بڑا خود غرض فرد ہے۔ وہ محبوبہ کے شعلوں کو کلام میں لگا
 ہے۔ اس سے عدت حاصل کرتا ہے اور پھر اس عدت کو روشنی میں بدل کر خود کو منور کرتا ہے۔
 کسی اور سمت متوجہ ہو جاتا ہے۔

یہ سن کر سارا دفتر حرکت میں آگیا۔ مشوروں اور
 ان کے کما صد رگھر میں موٹریں بے کار کھڑی رہتی ہیں۔ آپ چاہیں تو ایک آپ کے ہاں
 آپ کو دوسرا بولنا، آپ پسند کریں تو ڈیوٹی کار آپ کو دفتر لے آیا کرے۔

ان دنوں کہتے ہیں پیٹم کسی اور کو نہیں دیا جاسکتا

یہ سن کر میں خود ہار گیا۔

دروازے پر ایک چھوٹے قد کا آدمی کھڑا تھا اس کی ڈاڑھی مندی رنگی تھی۔ انداز عوامی تھا۔ وہ شخص بڑے اخلاق سے مجھے ملنے لگا۔ میرا غور ہے۔ میں خوشاب کا رہنے والا ہوں۔ ایڈووکیٹ ہوں اور لاہور میں پریکٹس کر رہا ہوں۔

دلچسپی سے یاد آیا۔ اچھا تو یہ صاحب وہ غفور ایڈووکیٹ ہیں۔ جن کی گود میں مجھ کے والدین ایک بچہ ڈال دیا تھا اور انہیں کہا گیا تھا کہ قدرت اللہ کو یہ خوش خبری سنا دیں کہ ایک دن کے اندر اندر ان کے گھر بیٹا ہو گا۔

میرے دل میں غفور صاحب کے لیے گرا چڑھ اصرام پیدا ہوا۔

میں انہیں بڑی عزت سے ریسپیکشن میں لے آیا۔ کرسی پر بٹھایا۔ میں نے کہا "جناب" میں نے آپ کا خط پڑھا تھا، جو آپ نے قدرت اللہ کو لکھا تھا۔ غفور کہنے لگے "جناب مجھے شب صاحب سے بڑی شکایت ہے۔ انہوں نے میرے خط کا جواب نہ دیا۔ مجھے خط کا جواب نہ دیتے" لیکن جب بچہ پیدا ہوا تھا اس وقت تو مجھے اطلاع آئی۔

آپ بھانکتے ہیں۔ کیا آپ بھی شب صاحب سے ملے ہیں؟ میں نے پوچھا۔ جی نہیں، وہ بولے "ملاقات کا موقعہ نہیں ملا البتہ اخباروں میں ان کی تصویریں دیکھتا ہوں۔"

میں نے کہا جناب اس وقت یہ پوزیشن ہے کہ اندر قوالی ہو رہی ہے اور سی ایس بی ایس قوالی بھی شروع ہو چکی ہے۔ اس وقت ان کا باہر آنا ممکن نہیں۔

مجھے ہے، میں سمجھتا ہوں "وہ بولے" دراصل میں مدینہ منورہ سے آیا ہوں اور مدینہ منورہ کے ایک درویش نے مجھے دو تھپے دیئے تھے ایک میرے لیے دوسرا اس بچے کے لیے اور مجھے حکم ملا تھا کہ وطن پہنچنے ہی یہ تھپے پہنچا دیا جائے۔ لیکن میں پہلے بچے کو دیکھوں گا۔ دیکھنے کے بعد قند پوش کروں گا۔

میں نے کہا "جناب تشریف رکھیں میں بچے کی والدہ کو بلا لانا ہوں۔"

خلاف بچے نے حرکت کی تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ دس دن انہوں نے مجھے بچے کو دیکھا۔ وہ چونکہ اسے زکام تھا۔ دس دن ہم ہسپتال میں رہے۔ نرسیں نہیں جانتی تھیں کہ ہم باہر چھوڑیں۔ وہ صاحب کو پچھلی آنکھوں والا بچہ کہہ کر بلایا کرتی تھیں۔ عفت نے کہا کہ صاحب دو دن پہلے لندن پہنچ گئے تھے۔ لیکن جاتے ہی بیمار ہو گئے۔

ڈاکٹروں نے بچے کو دیکھنے کی اجازت نہ دی۔ ہم دونوں ہسپتال میں مقیم تھے۔ لیکن باہر نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہ بڑی تکلیف دہ بات تھی۔

بھائی جان نے کہا ہماری قلم تر عفت بچی پر مرکوز رہتی تھی۔ ایک دن چشمہ پہنچا۔ میں ایک حیر چل گیا۔ دھرا تو دل ڈوب گیا۔ صاحب کا فکر لگ گیا۔ جو ہماری حالت دیکھی وہ باہر سے۔

صاحب کی پیدائش پر سول اسروں کا مطالبہ تھا کہ ایک جشن منایا جائے۔ قدرت نے سی ایس بی اسروں کی دعوت کی، لیکن اس دعوت میں جانچ گانے کی جگہ قرار دیا گیا۔ ڈرائنگ روم میں فرش بچھا دیا گیا۔ سماں کو فرش پر بٹھایا اور قوالی کی محفل ہو گئی۔

قدرت کا یہ اقدام عام رواج ہے ہٹ کر تھا، منقہ تھا۔ قدرت کی عادت میں داخل تھا۔ یہی کوئی ناگواری ایسی بات محل میں لانا تھا جس پر لوگ حیران ہوتے تھے۔

بے وقت ملاقاتی

قوالی کی محفل جو جن پر تھی کہ محفل بھی۔ ایک نوکر میرے پاس آیا۔ کہنے لگا "جناب باہر ایک صاحب تشریف لائے ہیں۔ کہتے ہیں مجھے شب صاحب سے ملنا ہے۔" انہیں ایک ضروری پیغام دنا ہے۔

میں نے کہا صاحب صاحب تو اس وقت سماں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کا باہر جانا نہیں ہو سکتا۔ آپ ان سے پیغام لے لیں۔

نوکر نے کہا "جناب میں نے انہیں بتایا تھا کہ صاحب کا اس وقت آپ سے ملنا مشکل ہے۔"

میں ہمارے کوئی نہ کوئی صورت بن جائے گی۔

آخر ایک میل دین آگئی۔ ڈرائیور نے ہمیں دیکر کراڑی روک لی کہنے لگا 'آپ مینہ شریف چاہا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا 'جواب اسی امید پر کھڑا ہوں۔
وہ بولا 'تو بیٹھے، بسم اللہ۔

ایک روز مسجد نبوی میں ملاقات میں مصروف تھا کہ ایک شخص آیا کہنے لگا 'آپ لڑاں چوک میں مجھ سے کل مغرب کے وقت ملے۔ پھر دھن 'بولا' آپ مینہ شریف شہر سے واپس ہیں کیا۔
میں نے کہا 'جی نہیں۔

اس نے مجھے راستہ سمجھایا۔ پھر تالیف کی کہ کل مغرب کے وقت مجھ سے ضرور ملے گا۔
اگلے روز میں چوک میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں اک جھوم ہے۔ بہر حال میں وہاں کھڑا رہا۔
آخر وہ صاحب تشریف لائے 'ان کے ہاتھ میں ایک بڈل تھا۔ انہوں نے بڈل مجھے تحفہ دیا۔ بولے 'اس بڈل میں دو تحفے ہیں۔ ایک آپ کے لیے ہے اور ایک اس بچے کے لیے جس کی ولادت کے لیے آپ مسجد میں دعائیں مانگا کرتے تھے۔ وطن پہنچتے ہی یہ تحفہ اسے پہنچا دیا جائے' تاخیر نہ ہو۔

غفور صاحب بولے 'میں آج ہی لاہور پہنچا تھا۔ اس ڈر سے کہ تاخیر نہ ہو' آج ہی ہنڈی چاہا۔
ایک ہی وجہ ہے کہ بڑے نامناسب وقت پر حاضر ہوا ہوں۔

میں نے پوچھا 'آپ نے تحفہ دے دیا۔

کہنے لگے 'بچے سے مل گیا ہوں۔ تحفہ صبح بوجے پتا دلوں گا۔

غفور صاحب سے دعا کر کے بہت خوش ہوا۔ ایک تو ان کا انداز بزرگوں کا سا نہ تھا۔ بڑا ہی

میں نے غنت سے بات کی تو اسے بھی غفور صاحب کا غلط یاد آگیا۔ وہ بڑے شوق سے غفور صاحب سے ملنے کے لیے باہر نکلی۔

میں نے غفور صاحب سے کہا 'آپ ان سے بات کر لیں۔ میں باہر آپ کا انتظار کروں گا۔

غفور کا ج

پان گھنٹے کے بعد غفور صاحب باہر نکلے۔ میں حیران تھا کہ پیغام تو چھوٹا سا تھا۔ پاؤں میں اتنی دیر کیسے لگ گئی۔

بہر حال غفور صاحب میرے ساتھ بیٹھ گئے۔

میں نے پوچھا 'آپ ج کرتے تھے یا عمرہ کر کے آئے ہیں۔

غفور صاحب بولے 'میں ج کر کے آیا ہوں۔

میں نے ج کے لیے عرضی دی۔ والدہ میرے ہمراہ جاری تھیں 'لیکن ہماری عرضی منظور نہ ہوئی۔ مجھے مینہ شریف میں حاضری دینے کا بہت شوق تھا۔ بڑی امید باندھ رکھی تھی۔ پوری نہ ہوئی 'تو دم کا لگا۔ بہر حال میں مسجد میں آؤ واداری کرنا رہا۔

پھر ایک خواب دیکھا۔ دیکھا کہ ایک صاحب آگے اور انہوں نے جہد کا ٹکٹ میری جیب میں ڈال دیا۔

اگلے روز پتہ چلا کہ کچھ لوگ جنہوں نے ج پر جانے کی عرضی دے رکھی تھی اور وہ منظور ہو چکی تھی 'لیکن حالات کی وجہ سے انہوں نے ج پر جانے کا ارادہ توڑ دیا ہے۔ لہذا میری عرضی پر نظر ثانی کی گئی ہے اور منظور دے دی گئی ہے۔

میں نے کہا 'میں نے ج پر جانے کا ارادہ توڑ دیا ہے۔ لہذا میری عرضی

دلت صدر ایوب کو مشورہ دیتے رہے۔

مثلاً ۲ جنوری ۱۹۶۶ء کو انہوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں سے اقتباسات پیش کرتا

—۱۱—

شاب کی آمد کی منظوری تو سرکارِ عالم نے عرصہ نودس ماہ سے عطا فرمادی تھی۔ لیکن نہ معلوم عمل در آمد ہونے میں کیا رہا ہے۔

میں نے خود شاب کو لکھا تھا کہ وہ واپس آ جائیں، لیکن انہوں نے اس بات کو پسند نہ کیا تھا۔ ان کے نہ آنے سے ملک و ملت کو جو نقصان ہوا ہے حد تحریر سے باہر ہے۔

میں چار درویشوں نے صدر پر لکھنے زور کا نظریہ حاصل کیا ہوا ہے کہ بعض معلومات میں ان کی عقلِ ناف ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہے کہ پوری قوم نے یک جہتی سے ان کا ساتھ دیا ہے۔

میں نے صدر صاحب کو مختلف اوقات میں ہدایات بھیجیں، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انہیں موصول نہیں ہوئیں یا اگر موصول ہونے کے بعد انہوں نے عمل نہیں کیا تو پوری قوم کی بد نصیبی ہے۔

شاب اگر وقت پر واپس آ جائے۔ مسز بھٹو کے حوالہ شامل ہو کر سیکرٹری کاؤنسل کی میٹنگ ہائے میں حصہ لیتے تو پھر تو کوئی نتائج بھی برآمد ہوتے۔

میں نے صدر صاحب کو لکھا تھا کہ وہ جتنا بھی ایڑی چٹنی کا زور لگائیں، جب تک شاب ان کا قانون میں شامل نہ ہوں گے وہ قطعی باقلم رہیں گے۔

الغرض ہے کہ صدر نے سخت غلطی کی ہے۔ قوم کا احترام کھو رہا ہے، لیکن چار درویش کامیاب ہیں۔ کل لاہور میں غلپاء کے مظاہرے کیے، یہ صلہِ حدیبیہ خدا کرے فتح کے سامنے آؤ گے۔

شہزادی کی اہل موت کا ذکر میں نے چار ماہ ہوئے، صدر کو حجر کر دیا تھا۔ شاب کو بھی لکھا تھا خدا جانے صدر میں کیوں اتنی بصیرت نہیں، جب کہ میں نے انہیں عمل اور مفصل حالات کے علاوہ مکہ شریف سے ایک تصویر لاکر دیا تھا اور میں

ان کا پہلا خط جو صدر ایوب کو موصول ہوا، ایک انوکھا خط تھا، آخری، ارہاب بست کشتلے مجھے حکم دیا ہے کہ روزانہ باقاعدگی سے آپ کو خط لکھوں۔ خط لکھتے کا مقصد کوئی ذاتی مفاد حاصل کرنا نہیں ہے نہ ہی آپ سے قرب حاصل کرنا ہے، حصولِ اقتدار نہیں ہے، آپ کو خوش کرنے کا مقصد نہیں ہے۔

جناب والا، یقین کیجئے جس قدر میرے خطوط پڑھنا آپ کے لیے ناگوار ہو گا، اتنی ہی میرے لیے آپ کو خط لکھنا ناگوار ہے۔ یہ ایک مجبوری ہے۔ چونکہ حکم ملنا میرے لیے فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ چاہے میرے خط پڑھیں یا نہ پڑھیں، ان پر عمل کریں یا نہ کریں، یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ باقاعدگی سے آپ کی خدمت میں خط بھیجتا ہوں، پر فرض کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس جہالت پر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔

صدر ایوب کو غور صاحب کا پہلا خط طاوہ سخت کنفیوز ہو گئے۔ انہیں بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک پڑھا لکھا آدمی ہے۔ عقل و شعور والا ہے ایڈووکیٹ ہے، لیکن ایسا نا یقینی باتیں لکھ رہا ہے۔ وہ ارہاب بست و کشتلہ کن ہیں، جنہوں نے اسے خط لکھنے پر پابند کیا ہے اور پھر خط لکھنے کا مقصد کیا ہے۔

صدر ایوب صاحب نے فوراً غلطی پہنچی، شاب صاحب کو بلاؤ۔

صدر صاحب نے لکھے کے بعد شاب واپس آیا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے غور صاحب کا خط میرے سامنے رکھ دیا۔

میں نے کہا اس خط کا صدر صاحب پر کیا اثر ہوا۔

قدرت بولا اس خط نے صدر صاحب کو سخت کنفیوز کر دیا ہے۔ انہیں بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔

غور صاحب باقاعدہ صدر ایوب کو خط لکھتے رہے، اس دوران میں قدرت اللہ شاب کو امریکی دباؤ کے تحت سٹیری کی حیثیت سے جاپن میں تعینات کر دیا گیا۔

غور صاحب نے اپنے خطوط میں صدر ایوب کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ قدرت اللہ شاب کو ملک سے باہر سے بھیجتا، ملک کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا۔ اس کے علاوہ دہر مشکل

neurdu.com

وہاں دندہ کر آیا تھا کہ ایوب کا فرسے نہ ڈرے گا۔ اچھا جو خدا کو منظور۔

ستائیس جنوری ۱۹۲۱ء کو غفور صاحب نے قدرت اللہ شہاب کو پابند میں خط لکھا۔ اختیارات درج ذیل ہیں۔

بعد فراغت تجدید یہ عہدہ لکھ رہا ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ میرے بہت سے خطوط سفردالوں نے روک لیے ہیں۔ اور آپ تک ان خطوط کی رسائی نہیں ہوئی۔ حاکم ان میں جو کچھ تحریر تھا وہ ملک و ملت کی بہبودی کے لیے تھا اور اگر ان ہدایات پر عمل ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں نہ صرف نصرت و کامرانی عطا فرماتے بلکہ تاج تک اسلام، ملک مستقل خطوط پر قائم ہو جاتا۔

ان بھلے ہانوں کو بھی کچھ ہاتھ نہ آیا اور کام اس واسطے رک گیا کہ جناب صدر صاحب کو پروگرام کی صحیح وسامت سے نہ پہنچ سکے۔ نہ معلوم وہ کس روی کو فکری میں پڑے ہوں گے۔

اطمان تاشقہ کو لوگ قہرمت برا سمجھتے ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس احسن قدم سے خدا نے ہماری عزت و کھلی ہے۔ ورنہ یہ پورا سال جن خطرات سے پر تھا ان کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی حقوق پر رحم فرمائے۔ سال رواں بڑی اہمیت کا سال ہے۔ جس میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقعہ ہوں گی۔ اللہ ربّ ذوالجلال کا سایہ عاطفت پاکستان کے عوام پر رہے گا۔ آپ دعا کریں۔

وہ بزرگ پلایا جن نے صدر صاحب کے لیے توفیق دیا تھا۔ میری سچی تمنا تھی کہ وہ خواب میں ملے۔ اور جب بھی ملتے ہیں۔ تو مجھے دیکھتے ہی ہنس پڑتے ہیں۔ اور پھر یہ

دین کی بات ان کے ایک کلمے سے سن کر دوسرے سے نکل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک ہے اور جس کی حکومت میں کسی کو دخل نہیں۔ اب ہماری دعاؤں کو رو نہ فرمائیے گا۔

ایوب رائی پونٹ

غفور صاحب کے ان خطوط کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاہور میں ان کے مکان کے سامنے سکیورٹی کا ایک پینٹ پیٹا دیا گیا۔

غفور صاحب کے خطوط میں مذہبی رنگ نہ تھا۔ روحانی رنگ نہ تھا۔ اس کے برعکس ان اعلان میں دنیاوی عقل کی باتیں تھیں۔ فنی سسٹر جیسی کی باتیں تھیں۔ سیاست کی باتیں تھیں۔ مثلاً جنگ میں ایوب کو مشورہ دیا گیا تھا کہ سیز فائر نہ کرے۔ اور اگر مجبوری ہو تو بے شک لہائی کر دے۔ عملی طور پر نہ کرنا۔

تاشقہ کے متعلق مشورہ دیا گیا تھا کہ بلاوے پر تاشقہ نہ جائے۔ اور اگر ضروری ہو تو خود نہ جانا۔ کوئی لٹاکہ بھیج دے لیکن صدر ایوب نے ان کے مشورہ کو رد و خور اٹھانا نہ سمجھا۔ اٹاٹھے ان کے آکر غفور صاحب کے گھر کے سامنے پولیس کی کچی پکی بنیادی۔

جب غفور صاحب کے گھر کے سامنے پولیس کا دستہ آجیٹا تو غفور صاحب چل کر ان کے پاس گئے پھر سپاہی سے مصافحہ کیا۔ مزاج پوچھے اور کہا بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے یہاں آکر آنا لیا ہے۔ میں اس گھر میں بہت تھا تھا آپ کے آنے سے رونق ہو گئی ہے۔ ہاں اگر کسی بڑی ضرورت ہو تو بلا ٹکٹ دروازہ بجا دیا جیسے۔

غفور صاحب جب بھی کہا تھا کھانے لگتے تو وہ باہر جا کر سکیورٹی والوں سے کہتے "آئیے میرے

بول کئے گئے یہ اچھا نہیں ہوا۔ شاب صاحب کا ملک سے باہر چلے جائے پاکستان کے لیے بہتر ہے۔
 گھنٹن نہیں ہے۔

میں نے انہیں پھینک دئے گئے کہ انہیں غور صاحب، شاب ایک نول افسر ہیں۔ نول افسر کے جڑے ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے حکومت پاکستان کو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک سے ایک کل افسر موجود ہیں۔
 غور صاحب بولے، آپ نہیں سمجھتے۔ چند لوگ مبارک ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی برکت پیدا ہوتی ہے۔ شاب صاحب کی موجودگی پاکستان کے لیے برکت کا باعث تھی۔ لیکن حتی طاقتیں ہمارے راستے میں رکھ نہیں پیدا کر رہی ہیں۔ برہنہ کئی ایک امور ایسے ہیں جن میں شاب صاحب کی موجودگی کے بغیر پاکستان کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔
 غور صاحب کی بات میری پلے نہ پڑی، لیکن غور کی بات کو میں رد بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دنیوی طور پر غور صاحب بڑے سجدہ دار آدمی تھے۔ وہ حالات کے نشیب و فراز کو سمجھتے تھے۔ ڈیڑھ ٹیک انقلاب کی اہمیت کا ادراک رکھتے تھے۔ بہت خوش اخلاق اور بارگزار آدمی تھے۔ مجھے علم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے، بات چیت سے نہیں۔ ان کی بات درست تھی، لیکن کیسے کہیں۔
 وجہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

اس موضوع پر انہوں نے صدر ایوب کو بھی کئی ایک خط لکھے تھے۔ اول تو ممکن غالب ہے کہ صدر ایوب ان کے خط پڑھتے ہی نہیں تھے، اگر پڑھتے بھی تھے تو یہ بات کسی دانشور کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی، لہذا حتی رد عمل پیدا کرتی۔
 میں نے کہا، ایڈووکیٹ صاحب آپ یہاں کیسے۔
 میری حیرت اس وجہ سے تھی کہ غور صاحب کو میرے گھر کا پتہ بھی تو معلوم تھا۔ انہوں نے سرسری انداز میں جواب دیا۔ کہنے لگے، "ایڈوکیٹ کا کام سے اچھا تھا، سوچا آپ کو اطلاع دتا جاؤں تاکہ آپ ناواقف کی کوفت سے بچ جائیں۔"

میں سمجھا نہیں۔

قدرت اللہ، شاب صاحب کا ایک خط موصول ہوا ہے جس میں تحریر ہے کہ آپ دونوں اس جگہ پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، غور صاحب نے کہا۔
 جی ہاں، میں نے جواب دیا، مجھے علم ہے۔

غور صاحب کہنے لگے، میں نے شاب صاحب کو مطلع کر دیا ہے کہ اس سال دو بج پر نہیں آؤں گا۔ لیکن ہم تو جا رہے ہیں، میں نے ان کی بات کھلی۔ ہم نے پروگرام بنا لیا۔ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ نہیں جا رہے۔

میں نے انہیں پھینک دئے گئے کہ انہیں غور صاحب، شاب ایک نول افسر ہیں۔ نول افسر کے جڑے ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے حکومت پاکستان کو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک سے ایک کل افسر موجود ہیں۔

غور صاحب بولے، آپ نہیں سمجھتے۔ چند لوگ مبارک ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی برکت پیدا ہوتی ہے۔ شاب صاحب کی موجودگی پاکستان کے لیے برکت کا باعث تھی۔ لیکن حتی طاقتیں ہمارے راستے میں رکھ نہیں پیدا کر رہی ہیں۔ برہنہ کئی ایک امور ایسے ہیں جن میں شاب صاحب کی موجودگی کے بغیر پاکستان کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

غور صاحب کی بات میری پلے نہ پڑی، لیکن غور کی بات کو میں رد بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دنیوی طور پر غور صاحب بڑے سجدہ دار آدمی تھے۔ وہ حالات کے نشیب و فراز کو سمجھتے تھے۔ ڈیڑھ ٹیک انقلاب کی اہمیت کا ادراک رکھتے تھے۔ بہت خوش اخلاق اور بارگزار آدمی تھے۔ مجھے علم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے، بات چیت سے نہیں۔ ان کی بات درست تھی، لیکن کیسے کہیں۔
 وجہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

اس موضوع پر انہوں نے صدر ایوب کو بھی کئی ایک خط لکھے تھے۔ اول تو ممکن غالب ہے کہ صدر ایوب ان کے خط پڑھتے ہی نہیں تھے، اگر پڑھتے بھی تھے تو یہ بات کسی دانشور کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی، لہذا حتی رد عمل پیدا کرتی۔

جے لٹ

بھرج کے شیلے میں غور صاحب کی بات نے مجھے چھو کا رکھ دیا۔ اس بارے میں تفصیلات میں اچھے کتب لیک میں لکھ چکا ہوں۔

شاب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم آئندہ جگہ پر جائیں گے۔ وعدہ ایسا کرنے سے پہلے ہی شاب کا چہرہ ہو گیا اور وہ سفر پر ایڈیٹ میں جا بیٹھا۔

ایڈیٹ سے اس نے مجھے کھٹا کہ آپ جگہ کے لیے عرض دیے ہیں۔ عرض منظور ہو جائے تو

میں نے وہ لٹ دیکھی ہے، انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

کون سی لٹ۔

ڈائریں کی لٹ۔

ڈائریں کی لٹ لیکن ابھی تو قریب انداز ہی نہیں ہوئی۔

غفور صاحب نے پراسرار انداز میں میری طرف دیکھا، پھر مسکرا دیے۔

وہ لٹ نہیں، وہ بولے۔

تو پھر کون سی لٹ، میں نے پوچھا۔

جو ڈائریں اس سال صبح پر حاضری دیں گے، وہ پھر مسکرائے۔ عینہ منورہ سے جن

منگوری مل چکی ہے، وہ لٹ، اس لٹ میں تو نہ شہاب صاحب کا نام ہے نہ آپ کا۔

حیرت سے میں ہکا بکا رہ گیا۔

وہ مسکرائے بولے، بھائی صاحب میں نے تو متعدد بار آپ کی فائصل دسٹھ کے لیے بیٹی کی

حمی۔ لیکن ہر بار اسے دسٹھ کے بغیر لوٹا دیا گیا۔

میں نے حیرت سے غفور صاحب کی طرف دیکھا۔

خیر کوئی بات نہیں، وہ بولے، دیر آید درست آید۔ میں نے شہاب صاحب کو مطلع کر دیا

ہے۔ انہیں تفصیلات کا علم ہے۔ وہ چلا آپ کو اطلاع دیں گے۔

غفور صاحب کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ انہیں بھلا کیسے پتہ چلا کہ اسماعیل کون

کرے گا، کون نہیں کرے گا۔ اور یہ لٹ کیا چیز ہے کیا چاہ کر کے والوں کی لٹ قریب انداز

سے پہلے ہی تیار ہو جاتی ہے، غفور صاحب کی ساری بات میں عمل تھی۔

لہذا میں نے اپنی تیاری جاری رکھی۔ اگرچہ اس میں وہ شدت نہ رہی۔ وہ روز کے ہر

شہاب کا خط جو وصول ہوا، لکھا تھا۔

بعد اس سال صبح پر نہیں جا رہے۔

یہ خط میری عقل سلیم کے گن میں آخری کیل قند

میر شہاب صاحب کے پیچھے سے وطن واپس آنے سے بہت پہلے، غفور صاحب نے مجھے

لکھا کہ عینہ منورہ سے شہاب صاحب کی واپسی کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔ پھر وہ کیل وطن

میں اس بارے میں خبر کیوں ہو رہی ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے شہاب صاحب کو بھی

اس سے پہلے انہوں نے عینہ منورہ سے صدر صاحب کو کئی ایک خط لکھے اور شہاب

اب بھی اس کی اطلاع دی۔

انہوں نے لکھا کہ یہاں بہت سے بزرگ ایسے ہیں، جنہیں پاکستان سے دلچسپی ہے، جو

کہاں کہ صدر ایوب کا اقتدار قائم رہے۔ اگرچہ صدر ایوب سے بہت سی کجگویی ہوئی ہیں

لیکن ان کی خواہش ہے کہ انہیں ایک اور موقع دیا جائے۔ ایک بزرگ کو تو صدر ایوب سے

بہت دور رہی ہے کہ انہوں نے صدر ایوب کے لیے مجھے ایک تعویذ بھی دیا ہے، جو میں اپنے

دعا داروں کو لے کر آؤں۔ اللہ کرے کہ تعویذ بروقت پہنچ جائے اور صدر ایوب پہنچا کر رہ کر لیں۔

اور صاحب وہ تعویذ ساتھ لائے لیکن وہ بروقت نہ پہنچ سکا چونکہ صدر ایوب اقتدار

پر تھے۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

ابھی کا واقعہ عمل میں آیا۔

چہ پہچد کر رہے تھے۔ دلچ اسپ کے آخری دنوں میں اس نے مجھ سے کہا تھا: "دیکھ، میں نے یہ ہے کہ ہم دونوں بچہ ورک مکمل کر کے رکھ لیں۔"

کیا بچہ ورک میں نے پوچھا۔

پہلے فلم کی کٹائی کی آؤٹ لائن نکالیں اور ٹیکس کر کے اسے فائنلائز کر لیں۔ اس کا مٹھ پرہ تیار کر لیں اور آخر میں اس کے ڈائلاگ مکمل کر لیں۔

یہ کس فلم کی بات کر رہے ہو، میں نے پوچھا۔

کے لگا، دیکھ ممتاز، تو اور میں، ہم دونوں کو آخر فلم سازی کا کیریئر اپنا ہے۔ یہ بات ہے۔ اگر ٹائٹلسز کا انتظام ہو جائے تو ہم آج ہی نوکری چھوڑ کر کام میں لگ جائیں۔

کا انتظام ہو جائے گا۔ جب تک ہمیں بچہ ورک مکمل کر لینا چاہیے۔

ایک بد قسمتی سے فلم فلاپ ہو گیا اور احمد بشیر کی وفات ہو گئی۔ کئی ایک سال اس کی لاش لاپتہ ہو چکی تھی۔ حیرت کی بات تھی کہ فلم فلاپ ہونے کے باوجود احمد بشیر کا فلم سازی کا عمل کاٹوں قائم رہا۔

کہ میں بڑی تنگ دستی تھی، بچہ نہیں اس کی بیوی مودی کس طرح گھر چلا رہی تھی۔ لیکن میں نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ میں فلم سازی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کروں گا۔ حالانکہ میں نے اپنا جرنلٹ تھا۔ دفتری کام میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کی تین نو جوان لڑکیاں تھیں۔ ان کی سخت مشکلات میں مبتلا تھیں۔ اس کے باوجود وہ فلم کے سوا کوئی اور کام کرنے کے

© Oneurdu.com

میں وہ بزرگ ہر جمعرات کو مغرب کے وقت آتے ہیں، دوا جلاتے ہیں اور لہر لہا کرتے ہیں۔
 کے لئے بھگتے۔

ان جانی ہمت

وہ سال قدرت اللہ کے قریب رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں کے درمیان بعد بڑھتا گیا۔

میں محسوس کرتے لگا میں شباب کی بیرونی شخصیت سے واقف تھا۔ اس کی شخصیت کے لئے کھس سے بے خبر تھا۔

شباب کی بیرونی شخصیت میں وہ پہلا اہم تھے۔ ایک تو وہ آنٹی سی ایس اسٹریٹ کے دوسرے وہ ہانا پاپانا تھا۔ لیکن نہ وہ اپنے عہدے کو اہمیت دیتا تھا نہ لوپ کو۔

چوتھی سمت

قدرت کو اپنی تعریف سننا سخت ناگوار محسوس ہوتا تھا۔ کوئی اس کی تعریف کی بات چھیڑ دیتا تو وہ فوراً موضوع بدل دیتا۔ بات کا رخ بدل دیتا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اپنی تعریف سن کر اسے لذت دیتی ہو لیکن اس کی اولیٰ تخلیقات کی تعریف کرتے تو اس کے کان کھڑے ہو جاتے۔ سارے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی بلکہ وہ از خود لوپ کی بات چھیڑ دیا کرتا تھا۔ جب کبھی کوئی نئی چیز لکھتا تو بڑے اہتمام سے مجھے سناؤ اور پھر پچھتا کہیسی ہے۔

جب رانا صاحب لاہور میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ یعقوب زہبانی کا جنازہ آ رہا ہے۔ غور پورے، یعقوب زہبانی شباب صاحب کے بہت بڑے سپورٹر ہیں۔ جب بھی بزرگوں کی میتنگ ہوتی ہے اور تجویز پیش ہوتی ہیں۔ تو زہبانی صاحب کسی ناکیسی طور شباب صاحب کو سپانسر کر دیتے ہیں۔ آپ جب بھی لاہور تشریف لائیں تو آپ کو چاہیے کہ یعقوب زہبانی صاحب کی حاضری دیں۔ گوا ملٹی سے جو سڑک پلس بازار کے پاس سے گزر کر میوہ پھل کے ساتھ ساتھ ایک روڈ کو جاتی ہے، وہی سے ایک کچی گھومتی ہوئی جاتی ہے اور ایک مسجد کے قریب بند ہو جاتی ہے۔ اس مسجد کے صحن میں ایک چوڑے پر دو قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک یعقوب زہبانی کی ہے۔

شام کا وقت تھا مسجد پر دیر لگی اور لوہاسی کے ڈیڑھ گئے ہوئے تھے۔ میں اکیلا بیٹھا سوچ رہا تھا۔

بالکل یہ کہ مجھے ہے۔

یہ تجربے بندے کتنے پر اسرار ہیں، جو فوت ہونے کے بعد بھی فعال رہتے ہیں۔

یہ تیرا دفتر، کیا دفتر ہے، جہاں قائلین جلتی ہیں، تجویز پیش کی جاتی ہیں، سفارشیں جلتی ہیں، میں بھی ایک سفارشی ہوں جو اتنے بڑے بزرگ کی خدمت میں بیٹھا ہوں، ورنہ میری کیا حیثیت ہے، میں اس لائق نہیں کہ میری خدمت میں حاضری دوں۔ میں ایک ٹپاک غلیظ آدمی ہوں۔ میں ذاتی حیثیت سے حاضر نہیں ہوں۔ میں تو قدرت اللہ کے حوالے سے حاضر ہوا ہوں۔ اگر تو میرا سلام قبول کر لے تو یہ میری کرم فوازی ہوگی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

© Onenurdu.com

ایک دن میں نے پوچھا میں نے کہا 'شباب صاحب آپ کی کوئی تعریف کرے تو آپ
گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے اور آپ کو شش کرتے ہیں کہ بات کا رخ بدل جائے، لیکن آپ کی
ادبی تحقیق کی تعریف کی جائے تو آپ کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں، چہرے پر مسرت کی لہر دو
جاتی ہے، کیا بات ہے اس تعریف سے اس قدر الٹا رنگ اور اس تعریف پر شلوار ہے۔
قدرت مسکرا کر کہنے لگا 'اس لیے کہ میں ادیب ہوں۔

میں نے کہا 'آپ ادیب نہیں ہیں۔

اچھا تو آپ مجھے ادیب سے خارج کر رہے ہیں۔

خارج نہیں کر رہا۔ آپ ادیب ہیں لوچے پاس کے ادیب ہیں۔ لیکن ادیب آپ کا مرکز
نہیں ہے ایک مضمنی قسم کا شغل ہے۔ عدے کو آپ لیتے نہیں دیتے۔ معلوم ہوتا ہے آپ
کے اندر کوئی تیسری چیز ہے، جسے آپ لیت دیتے ہیں اور تیسری چیز جو آپ کی شخصیت کا
نہو کس ہے اس پر آپ نے پورے ذہل رکھے ہیں۔

قدرت نے کہا 'شاید کچھ ہو مجھے اس کا اور آگ نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے بات کا رخ بدل
دیا۔

اب تک کئی واقعات رونما ہو چکے تھے جس سے پتہ چلا تھا کہ قدرت کی شخصیت کا تعلق
ایک چوتھی سمت سے ہے۔

چوتھی سمت سے متعلق واقعات پر بات کرنے سے شباب گریز کرتا تھا۔ بات کو ٹال دیتا یا
موضوع بدل دیتا۔

بھائی جان سے پوچھتا۔ تو وہ مسکرا دیتے۔ کہنے کریدانہ کرو مضمنی جی۔ کرید سے کچھ حاصل
نہیں ہو گا۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کرنے والی نہیں ہوتیں۔ آپ کیوں گھبرا رہے ہیں، آپ
تو ان کے بہت قریب ہیں، وقت آنے پر ساری بات کھل جائے گی۔

ڈاکٹر مفت سے پوچھتا تو وہ مسکرا کر کہتی تھیں میری تو خدمت ماری ہوئی ہے۔ اس گھر کے
اسرار مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ بھائی جان کے کہنے پر میں قدرت کی شخصیت کے اس پر اسرار مضر کو
جائے بغیر بیان لیتا۔ تسلیم کر لیتا تو کبھی ہو جاتا لیکن ہرگز گوں کے متعلق سے قرب حاصل کرنے کے

بہر حال ایک بات کو میں نے اچھی طرح سے جان لیا تھا کہ قدرت خود بات نہیں تھانے گا۔
اس بات پر بھی اس پر کیفیت کا عالم طاری ہو گا 'چنگن ہو گی، چھینے لڑیں گے، اس وقت شاید اس
کے متعلق چند جملے میرا آجائیں۔

میں چنگن کا پتھر رہتا تھا۔

اندھنی سوار

ہر ایک اور واقعہ رونما ہوا۔

قدرت نے مجھے بلایا اس وقت وہ کسی ضروری کام میں مصروف تھا۔ ان دنوں اس کی
امیات بہت بڑھ چکی تھیں۔ 'نایاب' اس لیے کہ پاکستان کے آئین کا ڈیمانچہ تیار ہو رہا تھا۔

قدرت نے کہا 'سکیورٹی سے ابھی ابھی مجھے ایک فون آیا ہے۔ گیٹ پر کوئی رسوائی مجھ سے
لہا جاتا ہے۔

آپ گیٹ پر چلے جائیں، اس سے ٹھیں۔ پوچھیں کہ وہ کس سٹیلے میں مجھ سے ملنا چاہتا
ہے۔ اگر وہ ملنے کی بجائے پیغام دینے پر رضامند ہو جائے تو آپ اس سے پیغام لے لیں اگر وہ
میرے ہونے کو مجھے فون پر اطلاع دیں، میں گیٹ پر آ جاؤں گا۔

میں چلے لگا تو قدرت نے کہا دیکھیے آپ اس سے ٹیڈی کی بات کریں۔ سکیورٹی کے
بانی نہیں۔

سکیورٹی کے کمرے میں ایک دہقان قسم کا آدمی کھڑا تھا۔ میں اسے باہر لے گیا۔ اکیلے میں
اس نے بات کی۔

میں نے کہا دیکھیے شباب صاحب اس وقت کام میں مصروف ہیں، اگر آپ انہیں پیغام دینا
چاہتے ہیں تو مجھے بتادیں ورنہ۔

میں نے ابھی ہلکے ختم نہیں کیا تھا کہ وہ بوٹا پڑ گیا مجھے صاحب سے مل کر کیا لیتا ہے۔ مجھے
کوئی کام نہیں ہے، میں تو اپنے گلوں سے آ رہا تھا کہ اس کو کھسی سے پیچھے میدان میں

مجھے ایک سلاخ مٹی سوار ملے۔ اس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں رک گیا، وہ کہنے لگا کہ میں یہ جو کچھ
ہے اس کا دروازہ دھڑک رہا ہے۔ وہاں جاؤ اس کو مٹی میں ایک صاحب ہیں صاحب! ان کو دلا
پیغام دے دو۔ کہنا جو کلمہ آپ لکھ کر بھجائے ہیں وہ درست تھا، جو آپ اب لکھ رہے ہیں وہ
غلط ہے۔ سلاخ مٹی سوار بزرگ صورت آدمی تھا۔ میں نے اس کی بات مان لی اور پیغام دینے لگم
چلا گیا۔ یہ پس والے مجھے اندر چلے ہی نہیں دیتے۔

دہائی کا پیغام سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یہ کیا پیغام ہے۔ سلاخ مٹی سوار کو کیا پتا کہ
صاحب کیا لکھ رہے ہیں۔ اور پھر اس علاقے میں سلاخ مٹی سوار۔ یہاں ہم نے نہ تو کبھی سلاخ مٹی
دیکھی ہے اور نہ سلاخ مٹی سوار۔

میرا خیال تھا کہ دہائی کا پیغام سن کر شلب فس پڑے گا۔ لیکن دب میں نے اسے تمام
سنایا تو اس کا چہرہ درد پڑ گیا اس پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اس نے لپک کر دست
ہاسٹ اٹھا کر اسے میرے اٹھ دیا اور پھر پچھنے ہوئے کلمہ کے پر لوں کو جوڑنے لگا۔

پھر رولا، آپ کو اگر فرصت ہو تو میری مدد کریں۔

حیرت سے میرا منہ کھلا دکھلا رہ گیا یا اللہ یہ کیا اسرار ہے۔ یہ شخص جو اس قدر ذہین ہے،
دیرک ہے کہ ہم بات کرنے کے لیے ابھی منہ ہی کھولتے ہیں تو ہمارے منہ یہ سمجھ لیتا ہے، جو اس
قدر صاحب رائے ہے کہ سب کی سنتا ہے، لیکن اپنی رائے پر قائم رہتا ہے، جس کے خیالات
میں انفریٹ ہے، قدرت ہے، جو بچے ہوئے رکھی خیالات سے دور رہتا ہے، جسے تو اہل

فلسفہ اردو میں ہوتا کہ پڑھنا مشکل ہو جائے ویسے بھی غلطی کو قومیت اس قسم کی ہوتی کہ وہ
صاحب غلب نہ ہوتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ صدر صاحب کی خدمت میں پیش نہیں کیے جاتے
تو کہ صدر ایوب پڑے گئے تھے۔ مغربی ذہنیت کے ملک تھے۔ تو اہل کو نہیں مانتے
محل و دلیل کے قائل تھے۔

ایسے لگتا تھا جیسے ان غلطی کا چارج مجھے دینے کا مقصد میرا ذہن پر انگڑا کرنا تھا۔ میں ان
فلسفہ کو بار بار پڑھتا اور سوچ میں پڑ جاتا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لکھنے والے یہ خط کیوں لکھتے
تھے۔ ان کا مقصد کیا تھا۔ ایک بات بہر طور واضح تھی کہ توجہ حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ کئی ایک
فلسفہ میں لکھنے والے کا نام بھی مرقوم نہ ہوتا۔ خط دے گا گویا عاجز پر ختم ہو جاتا۔ تحریر اور انداز
عام ہوتے۔ ان میں چند ایک خط معقول اور با معنی بھی ہوتے۔ ایسے خط عام طور پر قدرت
کے نام ہوئے۔ باقی خط صدر مملکت کے نام ہوتے لکھا ہوتا کہ اللہ نے تجھے پادشاہ بنایا ہے، تو
اپنی رعایا کو عدل دے گا، رعایوں کا خیال رکھنا ہو گا۔

آزادی! ہر خط میں پاکستان کی بات لکھی ہوئی تھی۔ ہر خط پاکستان کی اہمیت کے احساس سے
بھرا ہوا تھا۔ کئی ایک خطوں میں پاکستان کے تباہ کن مستقبل کا ذکر ہوتا کہ جلد ہی یہ ملک ایک
عظیم ملک بن جائے گا۔ ایک عظیم فتح حاصل ہوگی اور پھر یہ ملک دنیائے اسلام کا مرکز بن جائے
گی۔ ایک خطوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا تذکرہ ہوتا اور پاکستان کے متعلق ایسے الفاظ استعمال

اس کی عظمت کے گائے چار ہے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے نہ کسی گنتی میں ہے نہ
 اور میں۔ دنیا میں مسلمانوں کے ایسے کئی ایک ملک ہیں۔ پاکستان قلبی طور پر ان پڑھ ہے
 اور دہائی طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ سیاسی طور پر کانفد ہے۔ لوگوں میں سیاسی شعور پیدا ہی
 نہیں ہوا۔ دہریے سکھان ہیں، عوام آزادی سے محروم ہیں۔ اگر جمہوریت آج بھی جائے تو چلے

ہے۔ وہ جہلم کے رہنے والے ہیں۔ فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ جنگ میں شامل ہوئے۔
 پھر رخصت لے کر مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ پھر پتہ نہیں کیا کیفیت طاری ہوئی کہ وہیں رہنے
 گئے۔ وہیں کے ہو رہے۔ اب وہ روضہ پاک کے حلالی بردار ہیں۔ بہت بڑا عہدہ ہے، اعرار ہے۔

اور جان بوجھ کر ان کے اثرات کو داخل ہونے نہیں دیتے۔

(۱۵)

اس خط نے بات واضح کر دی کہ قدرت کو کوئی خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ وہ کالی ہے۔
 وہ کسی دم پر مامور ہے۔ اسے کوئی اسائن منٹ ملی ہوئی ہے جس کی اس نے تکمیل کئی ہے۔
 ہر مل بھی ہے ظلم نہ ہو سکا اس اسائنمنٹ کی نوعیت کیا ہے۔ صرف اتنا ہی پتہ چلا
 اس کام کو پاکستان سے متعلق ہے۔ اور غالباً اسی وجہ سے قدرت کو سیکرٹری ٹودی پریذیڈنٹ
 کے عہد پر فائز کیا گیا ہے۔

قدرت کے اس عہدے پر فائز ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ سینئر نہیں تھا۔ تجربہ
 نہیں تھا۔ اس کی ہسٹری شیٹ سرکار کی دفاعی کی غلامی نہیں تھی، الٹا اس کی پالیسی انتظامی
 نہیں تھی بلکہ کہ امریکی حکومت کے کاندھات میں درج تھا کہ وہ کیوسٹ خیالات کا مالک ہے۔
 ہارکاپور میں اسسٹنٹ کمشنر کی حیثیت سے اس نے اپنے سینئر برٹش افسروں کو اس وقت
 حاکمیت میں لے لیا تھا جب اسے علم ہوا تھا کہ وہ گھوڑوں کو آگ لگانے کے لئے آئے ہیں۔
 ہرقہ کے دوران اس نے عوام کو بچانے کے لئے سرکاری اہراج کا ذخیرہ لٹا دیا تھا۔
 پاکستان میں جب وہ جنگ کاؤنٹی کمشنر تھا تو اس نے کھلی پھری لگال تھی۔ جس پر انتظامیہ
 رابطہ ملت ریز ہو گئے تھے۔ انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ عوام کو اس قدر قریب آنے دیا جائے اور
 ان کا ساتھ چلا جائے۔

اس ہسٹری شیٹ کے افسر کو صدر مملکت کا سیکرٹری بنالیا کہ ان کی داخل مندی تھی۔ حیرت
 کہ اس عہدے کے لئے اس کا چناؤ کیسے عمل میں آیا۔
 قدرت نے بھی اس عہدے کے حصول کے لئے کوشش نہ کی تھی، الٹا اسے یہ عہدہ بچہ بند
 اس عہدے پر فائز ہونے کے متعلق تصدیقات آپ قدرت اللہ شاہ کی زبانی سنئے جو
 آپ اسے کے ۱۳۱-۱۳۹ صفحات پر درج ہیں۔

(۱۶)

۳۔ اس وقت بھی آپ انتھاب کے موڑ پر کھڑے ہیں۔

۴۔ یہی کیفیت ملک اور اس کے سربراہ کی ہے۔

۵۔ اندازہ ہے کہ یہ تبدیلی بہتر محلات پیدا کرے گی۔

۶۔ پاکستان کے صدر کا لقب بدل دیا گیا ہے۔

۷۔ آپ کا رخ اس کی طرف ہے۔

۸۔ لیکن ابھی آپ اس قدر اثر نہیں ہوئے جتنا ہو سکتے ہیں۔

۹۔ بہت جلد آپ پر اثر ہو جائیں گے۔

۱۰۔ آپ کو بہت سے کام کرنے ہیں۔

۱۱۔ آپ اس ملک کی خدمت پر مامور ہیں۔

۱۲۔ یہ صدر پاکستان کی خوشی بنتی ہے کہ انہیں آپ ساکارمہ حاصل ہے۔

۱۳۔ جلد ہی وہ آپ کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔

۱۴۔ وہ خدائی بیٹی جو اس وقت آپ کے قریب ہے، آپ کے دوش پر دوش کام کرے گی۔

۱۵۔ صدر مملکت کار نمایاں کریں گے۔

۱۶۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ امراز کسی دوسرے سربراہ مملکت کے نصیب ہو۔

۱۷۔ اللہ کے کھانوں میں کسی کو فضل نہیں

اس خط کے ۲۵۵ میں شاہد کے صیب متواتر سنئے تھے۔ لکھا تھا۔

۱۔ نماز میں آپ اپنا راستہ خود کاٹتے ہیں۔

۲۔ آپ دوری کا شکار ہیں۔ نہیں چاہتے کہ راستے میں رکاوٹ پیدا ہو۔ پھر خود ہی رکاوٹ

پیدا کر لیتے ہیں۔

۳۔ بے شک آپ کا ایمین مضبوط ہے۔

۴۔ آپ کی اتنا محروم ہے۔

۵۔ آپ نیت ٹیک ہیں۔

۶۔ آپ کا قلب آلود نہیں۔

۷۔ لیکن آپ کے ارد گرد جو چنگاریں مزلزالی رہتی ہیں۔ آپ ان سے اثر قبول کرتے

مینک شروع ہوئے ہی ٹیلی فون کیا کہ کینٹ سیکرٹری مسٹر عزیز احمد مجھے اپنے دفتر میں بلا رہے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ گورنر جنرل مسٹر غلام محمد تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ تم ابھی گورنر جنرل پلاس پہنچے جاؤ۔

غلام محمد صاحب کے ساتھ میری بالکل کوئی واقفیت نہ تھی۔ وزیر خزانہ کے طور پر انہیں فقط چند بار دیکھا تھا۔ میں نے مسٹر عزیز احمد سے اس بارے میں کا مقصد دریافت کیا تو انہوں نے اپنی قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔

غلام محمد صاحب کے ایک بھائی نے لاہور میں کسی فیکٹری کی لاٹ منٹ کے لیے درخواست دی ہوئی تھی۔ مجھے گمان گزرا کہ گورنر جنرل اس سلسلے میں کوئی سفارش کرنے والے ہوں۔ میں نے اپنے اس خدشے کا مسٹر عزیز احمد سے ذکر کیا تو انہوں نے اس سے بھی اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ مسٹر غلام محمد سخت طبیعت کے آدمی ہیں۔ اس لیے میں ان کے ساتھ بات چیت میں احتیاط سے کام لوں۔

مسٹر عزیز احمد کا مشورہ چلے ہاتھ کر میں گورنر جنرل پلاس پہنچا۔ ایک اے ڈی سی مجھے اپنے ساتھ اور والی منزل میں لے گیا وہاں پر برآمدے میں تین تین بچا ہوا تھا اور اس پر صوفے لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک گول میز پر بڑے خوبصورت پھول سجے ہوئے تھے۔

مسٹر غلام محمد ایک گدے والی آرام کرسی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے نیلے رنگ کا دھاری دار سوٹ پہننا ہوا تھا۔ روہیل اور جراثیں ٹائی کے ہم رنگ تھیں۔ کوٹ کے کالر میں گلاب کا پھول دکھاتا تھا۔ سر پر کالی جٹا کپ تھی۔ ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ ان کے قریب والی کرسی پر گورنر جنرل کی پرسل پرائیوٹ سیکرٹری مس رودتہ بول بول رہی تھی۔ یہ بڑی طرصار، ٹانگ اندام، خوبصورت نیم امریکن، نیم سوس لڑکی تھی جیسے وہ دانشمندان سے منتخب کر کے اپنے ساتھ پاکستان لائے ہوئے تھے۔ مس بول پر نگاہ پڑتے ہی میں نے دل ہی دل میں مسٹر غلام محمد کے حسن انتخاب کی داد دی۔ اے ڈی سی نے میری آمد کا اعلان کیا تو دونوں نے نظریں گاڑ کر مجھے سر سے پاؤں تک

گودال اس کے بعد مسٹر غلام محمد نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ چند لمبے عجیب سی خاموشی طاری رہی۔ پھر گورنر جنرل نے بچوں کی طرح ٹون میں کر کے کچھ بولنا شروع کیا۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح بولتے رہے، لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہے۔ اور کب زمان میں گفتگو کر رہے ہیں۔

جب وہ خاموش ہوئے تو مس بول بولی۔ ”ہزار سیکلینسی فریٹے ہیں کہ انہوں نے آپ کو سیکرٹری کو گورنر جنرل کی پوسٹ کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس ٹاؤک ڈائے میں یہ بڑی اہم ذمہ داری ہے۔ ایچ۔ اے ای امید رکھتے ہیں کہ آپ ان کے انتظار پر پورا اترنے کی کوشش کریں گے ایچ۔ اے ای کا حکم ہے کہ آپ ابھی نیچے جائیں اور اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیں۔“

یہ سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ صاف انکار کرنا تو مشکل تھا، اس لیے میں نے ایک اور ٹک چیش کرنے کی کوشش کی۔ ”میں اس وقت پنجاب گورنمنٹ میں ڈائریکٹر آف انڈسٹریز کے طور پر کام کر رہا ہوں۔ جب تک صوبائی حکومت مجھے وہاں سے فارغ نہ کرے کسی اور پوسٹ کا چارج لیتا ہرگز بے ضابطگی ہوگی۔“

یہ بات سن کر مسٹر غلام محمد غصے میں آ گئے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور انہوں نے ٹوک کر کچھ دیر پھر ٹون میں کہا، ”جس کا مضمون مس بول نے مجھے یوں سمجھایا۔“ ہزار سیکلینسی فریٹے ہیں، پنجاب گورنمنٹ جنم میں جائے۔ جس بے ضابطگی کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ بھی آپ کے سمیت جنم میں جائے۔ پنجاب کے چیف مشر ملک اور ڈائریکٹر انٹیک سے نیچے بیٹھے ہیں۔ انہیں ابھی یہاں بلایا جا رہا ہے تاکہ وہ آپ کو پنجاب سے فارغ کر دیں۔ اس کے بعد آپ فوراً نیچے جا کر اپنی پوسٹ کا چارج سنبھال لیں۔“

یہ تیر ٹائے پر نہ بیٹھا تو میں نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔ ”جناب میری والدہ اور ملتان لاہور میں ہے۔ چارج لینے سے پہلے کیا میں وہاں جا کر انہیں کراچی لا

پس پتھ کر گھبراہٹ ہوتی تھی۔ اس کی بیگم بھی ایک اور رسم زن تھی۔ بیگم کو

ان کے خلاف صرف ایک شکایت تھی کہ میاں کمال نے کی طرف توجہ نہیں دیا تھا۔

مگر، ڈاکٹر، ایسا، تم، مراد، دیکھا، کیا، تھا، یہ، کات، کات، کرتے

اب مسٹر غلام محمد کا پارہ بے حد اوپر چڑھ گیا اور وہ کرسی میں بل کھا کھا، نور

... و چنانکه در این کتاب مذکور است که در سال ۱۳۰۲ هجری قمری ...

اس کے برعکس راجہ شفیق ایک متوازن فرد تھا۔ وہ محکمہ بحالیات میں ایک کلرک تھا۔ اس قدر خوش پوش تھا کہ دیکھ کر لگتا جیسے بڑا افسر ہو۔ بات کرتا چلتا تھا۔ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق بات کرتا۔ حتیٰ التوسع غریبوں کی مدد کرتا۔ اس میں تعلقات عامہ کی بڑی صلاحیت تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ سارا افسر اسے جانتا تھا۔ اس کے تعلقات بڑے وسیع تھے۔ طبیعت کا راجہ تھا۔ ہر بات میں زیادہ چڑھ کر حصہ لیتا۔ شاد خوج تھا۔ ہر غموں پر ہارنے والا تھا۔ یہاں اپنی زمینیں تھیں۔ یہاں سے پیدلوار آتی رہتی تھی۔

بھائی جان کے حلقہ کے کچھ لوگ راجہ پر اعتراض کرتے تھے۔ کہ وہ دالیں، موٹے پھل، بھنے، اسی قسم کی چیزیں بھائی جان کو تجھے کے طور پر دیتا رہتا تھا اور یوں بھائی جان کو رکی بڑے بار بار چاہتا تھا اور اگر وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا تو سرکار قبلہ کا مزار پر غنا نہ جانے گا۔ مرد ہندو پر غناؤں کے سخت خلاف تھے۔ زندگی بھر انہوں نے اپنے آستانے کو بڑے غنا بننے نہ دیا تھا۔ فوت ہونے سے پہلے انہوں نے تاکید کی تھی کہ مزار پر کسی موتی کو بیٹھنے نہ دیا جائے۔ مزار پر چھت نہ ڈالی جائے۔ چار دیواری کو ٹوٹنا نہ کیا جائے۔

بھائی جان بھائی بیویوں اور بڑے غناؤں کے حق میں نہ تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی سرکار قبلہ کے امکانات کی خلاف ورزی کرے۔

بھائی جان پسند نہیں کرتے تھے کہ راجہ انہیں چھوٹے چھوٹے خائف بھیجے۔ ایک بار بھائی جان نے کہا 'راجہ صاحب آپ ہمیں یہ چیزیں نہ بھیجا کریں ہم یہ پسند نہیں کرتے۔'

اس پر راجہ جوش میں آیا تھا۔ پہلی مرتبہ اس نے بھائی جان کے درود قسے میں بات کی تھی۔ کہنے لگا 'بھائی جان آپ کے اصول سر آگاہوں پر، لیکن ہماری خواہشات بھی کچھ اہمیت رکھتی ہیں۔ ہمارے دل میں بھی چند ایک چاہا ہیں۔ آپ انہیں اچھا جائیں یا برا؟ ہم ان کو اندر سے نکال نہیں سکتے۔ وہ ہمارے خون میں دھبے بن گئے ہیں۔'

بھائی جان میں ایک چھوٹا سا مذہب اور بھی ہوا۔ زمین سے جب کوئی چیز آتی ہے تو میرا بھی چاہتا ہے کہ کچھ انہیں بھی بھیجوں جن سے مجھے عکیت ہے۔ میں آپ کو بڑے نہیں بتاتا۔ اپنے

اس کی ایک بھوتی سی خوش پوری کرتا ہوں۔ آپ پر احسان نہیں دھرتا۔ آپ میری اسی چھوٹی اور ٹوٹی کو کیوں روک رہے ہیں۔ یہ سن کر بھائی جان کا سارا غصہ بند گیا اور وہ گردن ٹٹکا کر بیٹھ

راجہ شفیق اول تو بات نہیں کرتا تھا۔ جب کرتا تو منہ سے قہقہے کا فوارہ چل نکلتا۔ شام کے گھر وہ اکثر بیٹھا کرتا تھا شام سے تو کبھی تفصیلی ملاقات نہ ہوتی تھی۔ لیکن اسے یاد تھا اس کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتا تھا۔ عفت بچے سے کہنا کرتی تھی 'شام کے وقت والے آپ سب درشتی پہناتے ہیں' کام کا آدمی صرف راجہ شفیق سے۔

ایک دن راجہ شفیق کو ایک کام آدراں لکھوں کا ایک آدمی آتی تھا جسے چڑاسی گولہ تھا۔ راجہ نے اس سے کہا کہ شام سے کہہ کر لٹاں آدمی کو دفتر میں چڑاسی لگوا دے۔

شام نے کہا راجہ سے کہنا کہ چڑاسی لکھا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی افسر لکھا تو میں بقیہ ہدایت کروں گا۔

ایک دن راجہ گھر گیا تو شام موجود تھا۔

راجہ نے کہا شام صاحب ہم چھوٹے لوگ ہیں۔ آپ کی طرح بڑے لوگ نہیں ہیں۔ شام نے کہا 'ایک گولہ کی کی درخواست ہی کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں بڑے لکھے آدمی کہاں ہیں کہ ان کے ارکان کی سفارش کریں اگر آپ چڑاسی نہیں لکھا سکتے تو ہم جیسے چھوٹے آدمیوں سے یہ کام کیوں کر سکتے ہیں۔'

راجہ کی بات سن کر قدرت بہت شرمندہ ہوا 'وہ چار روز خون پر عقیقہ افسروں کی منتیں کرتا رہا۔ وہ راجہ کے آدمی کو چین رکھ لیں۔'

راجہ بچے سے اکثر بتا رہتا تھا وہ میرا والد صاحب تھا۔ لیکن وہ میری ذاتی پریشانیوں کو دور نہ لے سکتا تھا۔

شام کے متعلق وہ غلطے کر میں راجہ کے پاس گیا۔ میں نے کہا راجہ یہ کیا جھیلنا ہے۔ شام نے کہا میں نہیں آتا۔

اس نے غور سے وہ خط پڑھا کہنے لگا 'سبحان اللہ کیا خطا ہے۔ کتنی اچھی خبریں ہیں اس خط

شاید ایران سے کاغذ ریش ہو جائے۔

سکھوں کو ایک ریاست مل جائے۔

ہو سکتا ہے کہ سکھ ہمارے ساتھ مل جائیں۔

اب کشمیر کے لیے جنگ کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ ویسے ہی مل جائے گا۔ جوں اور

چٹا جائے گا۔ وادی اور آجائے گی۔

نہو بھی جائے ولا ہی ہے۔

سب کچھ سرکار قبلہ کے پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔

اس روز بھائی جان کہہ دینے کے موڈ میں تھے۔ ایسے ہی جیسے قدرت چٹکن کی کیفیت میں

ہوتے تھے۔ شاید بھائی جان بھی چٹکن میں تھے۔ مگر ان کے انداز میں وہ سرشاری اور مستی نہ

2 - 3 - 4 - 5 - 6 - 7 - 8 - 9 - 10 - 11 - 12

میں نے کہا یاد یہ قدرت اللہ شباب کون ہے، کس کام پر مامور ہے۔

وہ ہنس بولا، مفتی ہم چنڈو لوگ ہیں ہم چڑ نہیں سمجھتے، ہم تو صرف پھل کھاتے ہیں۔

میں نے کہا آخر پتہ بھی تو چلے۔

پتہ چلا کر کیا کرتا ہے۔ مفتی یہ بتا کیا کوئی ایسا بھی ہے جسے پوری بات کا پتہ چلا ہو۔

چک لالہ تک پتہ ہے، کسی کو گور خان تک پتہ ہے، کوئی نہ کوئی تو ہو گا جسے جہلم تک پتہ ہو گا۔

سیدھی بات ہے کہ شباب ایک بزرگ ہے۔ ورنہ سرکار قبلہ اس کی دستار بندی نہ کرتے اور

اسے کوئی کام کرتا ہے جو پاکستان سے متعلق ہے۔ اتنی سی بات ہے۔ ہماری لیے یہی کافی ہے۔

اب تو خلوہ خزاہ کریہ میں لگا ہے کہ وہ کونسا کام ہے، اس کی نوعیت کیا ہے، اسے کیوں یہ کام دیا

ہے، کس نے دیا ہے۔

2 - 3 - 4 - 5 - 6 - 7 - 8 - 9 - 10 - 11 - 12

کیا ہو گا۔

میں سرگ کے کنارے ایک گوشت کے ٹوقوے کی طرح پڑا رہوں گا۔ میرے جسم میں
لٹے پڑے ہوں گے۔ میرے جسم سے اس قدر بدبو آ رہی ہو گی کہ دلو گبرنگ پر دوہل رکھ
کر کریں گے۔

یہ سن کر مجھ پر لنگھی طاری ہو گئی۔

میرا جسم مطلق ہو گا قدرت نے کیا مگر میری حیات قائم ہوں گی۔ بلکہ ٹارٹل انسان کی
اہم چار گنا زیادہ چیز ہوں گی تاکہ میں اپنی تکلیف کو شدت سے محسوس کروں۔

یہ سن کر میرا دل بیٹھے لگ میں تو سمجھتا تھا کہ قدرت ایک خوش قسمت آدمی ہے۔ اسے
اولیٰ رجبہ حاصل ہے۔ اس کی حیثیت اعزازی ہے۔ وہ ایک بزرگ ہے جسے پر اسرار طاقت
حاصل ہے۔ اس کی یہ بات سن کر میں گھبرا گیا۔ میرے منہ سے صلیوں کے بالبلوں کی طرح
ہوت گئے۔ مجھے خیال آیا کہ قدرت کی لہت تو میں زیادہ خوش قسمت ہوں۔ میرے سر پر
لٹا رہیں تک رہی۔ میں ایک آڈو آدمی ہوں۔

اور آپ کو پتہ ہے اس نے کہا۔ اس کی تواضع سن کر میں چونک کر جاگ پڑا۔

کیا میں نے پوچھا۔

کہ میری کیفیت ایسی ہو گی کہ کوئی میرے قریب نہیں آئے گا۔ کراہت کی وجہ سے لوگ
میں سے دور بھاگیں گے۔

جیہاں میں نے پوچھا یہ پانڈی آپ پر کب عائد ہوئی۔ کیا پڑا لٹھی ہے یا۔

۱۹۳۶ء میں اس نے جواب دیا "دستا" ایک طوفان چلنے لگا پختورا کا صندوق کھل گیا۔ میں
شہر دروہ گیا۔ دلی کے ایک بہت بڑے بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے مجھے پانڈ کر دیا۔
انہیں مجھ پر اس کی بڑی رحمتیں ہیں۔ بڑی رحمتیں ہیں۔ اگر یہ رحمتیں نہ ہوتیں تو میں کب کا
موت مر رہتا ہو چکا ہو گا۔ میں نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کیفیت کے پانڈو جو اس پر طاری تھی۔ اس آکسنیسی کے پانڈو "اس کیف وصتی
کے پانڈو" اس میں ایک ٹوٹ تھی۔ ایک بے پناہ احساس ہے۔ یہی اس کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔
میرے دل میں جانے کا بخون کر کے کی خواہش تھا کہ اس کی طرح بیٹھ گئی۔ میں نے محسوس کیا

یہ سوچیں کہ ہم کس طرح دوسروں کے کام آ سکتے ہیں۔

پھر بھائی جان کی توجہ سرکار قبلہ کی طرف مبذول ہو گئی۔ پرانی باتیں یاد آئیں کتنے گئے۔
ہم پانچ بھائی تھے۔ تاکہ چند تھا سکندر تھا۔ محمد دین تھا۔ غلام محمد تھا۔ میں تھا۔ تین غلام نکلے
اس لیے ختم کر دیے گئے۔ سکندر نے کہا میں خلیفہ جلاں گا۔ کیا مکتوت آیا۔ پھر بھیجا گیا۔ پھر
واپس آیا۔ حکم عدولی کی وجہ سے ختم کر دیا گیا۔ محمد دین نے بھی حکم عدولی کی غلام محمد نے بھی
تاکہ چند بھارت چلا گیا۔ پھر اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ دو سال سے کوئی خط موصول نہیں ہوا۔
بھائی جان کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے "بیت کو بھلانا بہت مشکل ہے۔ بیت کے بعد ہر
بات حکم بن جاتی ہے" ہر وقت حکم عدولی کا فلو لگا رہتا ہے۔

بیت کے بعد تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ پھر کوئی ہو جائے تو نتیجہ دی ہوتا ہے۔ جو سکندر
کا ہوا۔ راجہ صاحب فقیری بہت مشکل ہے۔ بیت کرنے کی نسبت دوست ہونا بہتر ہے۔

مشن

اس کے چند روز بعد ایک روز میں نے دیکھا کہ قدرت کی آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں، زبان
میں کھٹکت ہے اور انداز میں عجیب جسم کی اچھل ہے۔ اس نے تھکی سی جالی۔

آپ نے اسے کو بلا رہے ہیں، میں نے پوچھا۔

ہاں اس نے جواب دیا مجھے ڈکیشن دنا ہے۔

میں نے کہا شاپ صاحب آپ ڈکیشن نہ دیں۔

کیوں اس نے پوچھا۔

میں نے کہا "جناب آپ اس وقت پریزنٹ ایشن میں ہیں۔ آپ کو لوگوں کے سامنے

نہیں جانا چاہیے اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ مجھے کچھ ہے کیا اس نے پوچھا

اس وقت آپ ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ جیسے فربے کی دو بوتلیں پٹی رکھی ہیں۔

وہ مسکرایا "کتنے لگا" غفلت میں شک کر رہی تھی۔

میں نے بھارت کے راجہ صاحب راج کا خط کھول کر لے کر دکھایا۔ آپ کو پتہ ہے وہ بولا کہ

اگر میں اپنے مشن میں کام ہوا تو کیا ہو گا۔

جیسے وہ بزرگ نہ تھا۔ بلکہ ایک عام انسان تھا۔ تمکا ہارا ہوا۔ پھر جس انسان۔ اور وہ اسرار ہوا۔
 لیٹے ہوئے تھا۔ وہ دراصل ایک زنجیر تھی، ایک مجبوری، لاچار۔
 اس روڑ ساری رات مجھے غیور نہ آئی۔

چمگا دڑیں

قدرت اللہ شام با کروار آدمی تھا۔ اس میں بہت سی مثبت خصوصیات تھیں۔ کچھ
 وہ روایات قدرت نے وراثت میں پائی تھیں۔ والد اور والدہ دونوں ہی پاکیزہ اور سادہ مزاج تھے۔
 اور ان کے والد بہت ذہین تھے وہ امتحانات میں فسط کا س فسط آیا کرتے تھے۔ والدہ بڑی
 ماہرہ تھیں۔ قدرت کا ایمان تھا کہ اس کی زندگی میں جتنی بھی برکت تھی وہ والدہ کی دیکھوں کی
 برکت تھی۔

قدرت کی شخصیت میں دو بڑی زبردست قوتیں تھیں۔ اس میں سب سے پہلے برداشت کر
 لینے کی قوت عام انسان سے بہت زیادہ تھی۔ دوسرے اس کی دل پاور اس قدر طاقتور تھی کہ
 اسے کوئی چیز کر سکتا تھا۔

معلقہ خیر

قدرت میں طبع نہیں تھی، حرص نہیں تھی۔ فرائض نہیں تھی، لیکن ساتھ ہی اس میں چند
 اچھے کمزوریاں بھی تھیں، یہ کمزوریاں بڑی مشکل خیر تھیں۔
 مثلاً اس میں ایک تنہا تھی۔ ایک عجیب قسم کی ہچکچاہٹ تھی۔ لیکن وہ اپنے آہنی عزم

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پرائی چیزیں

کچھ لوگوں کو پرائی چیزوں سے خدا واسطے کا لکھ ہوتا ہے۔ ان میں پرائی اور بے کار چیزوں کو ہینک دینے کی ہمت نہیں پڑتی۔ یہ چیزیں کسی مقصد کے لیے نہیں سنبھالی جاتیں، اس لیے انہیں کہ کام آئیں گی۔

سائے کتے ہیں، عورتیں اس لیے چیزیں نہیں بھینگی کہ انہیں خطرہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے ہینک دیں تو پڑوسن اٹھائے گی اور انہیں کام میں لے آئے گی۔ وہ چیزوں کو اس لیے سنبھال کر نہیں رکھتیں کہ داشتہ آئیہ بنیں۔

وہ مرد جنہیں پرائی چیزوں سے محبت ہوتی ہے۔ وہ پڑوسی کے ڈر کے وجہ سے انہیں سنبھال کر نہیں رکھتے۔ یہ تو آرٹ فار آرٹ سبک قسم کا شوق ہے۔ یہ شوق لوگوں میں عام ہوتا ہے۔ قدرت اللہ شباب میں بھی پرائی چیزوں کو سنبھال کر رکھنے کی عادت تھی۔ بے کار چیزوں کو سنبھالنا لیکن روپے پیسے بے دریغ ہٹا تھا۔ جب وہ بالینڈ میں عیم تھا تو اس کے بیشتر خط ایک ہی شخص معنوں کے حامل ہوتے تھے۔

اسے روپوں کا چپک بھج دیا ہوا۔ ساتھ لوگوں کے پتے ارسال کر دیا ہوا۔ آپ ان لوگوں کو اسے اسے روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں۔

کی عد سے اس جھنگ اور چنگا ہٹ کو دور نہ کر سکا تھا۔ جب بھی وہ حملہ کرتی، وہ گھبرا کر پیچ جاتا۔ اسے ایک دھچکا لگتا، لیکن جلد ہی سنبھل جاتا۔

مجھے شک پڑتا تھا کہ قدرت بھی میری طرح احساس کمتری کا شکار ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اس پر فوری طور پر ٹکڑ پڑ سکا تھا۔ دراصل قدرت میں دو بڑے طاقت ور پرزے لگے ہو تھے۔ ایک ہریک دوسری شاگ ابراہیم۔

شاید اسی وجہ سے وہ سفارش نہیں کر سکا تھا۔ جب بھی اسے سفارش کرنی پڑ جاتی تو اور چنگا ہٹ کی مچھلی چل پڑتی۔ پھر وہ اسے اتوا میں ڈال دیتا، ڈال دیتا۔ قرار کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ مجبور ہو جاتا تو فون پر سفارش کرتے ہوئے بیٹے چھوٹ جاتے۔ سفارش کرتے ہوئے اس کا رویہ متوازن نہ رہتا تھا۔ ایسی بے بسی اور آہ و زاری سے فٹیں کر گیا کہ اس پر ترس آنے لگتا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھوں کی فٹیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

بنیادی طور پر قدرت اکیلا تھا۔ محفل سے کترا تھا۔ ملاقاتی رخصت ہوتا تو وہ احمیہاں کا سانس لیتا۔ وہ اینٹی سوشل نہ تھا، اس سوشل تھا۔

قدرت میں اونچائیوں کا خوف تھا۔ جب وہ ہوللی جہازی سیڑھی چڑھتا تو اس پر خوف طاری ہو جاتا۔ جوں جوں چڑھتا جاتا تو اس کو کرب پڑھتا جاتا۔ جب آخری سیڑھی پر پہنچتا تو اسے ہلے قبض جیسا غلاب سہا پڑتا۔

میں اب وقت پر بھی آ سکتے ہیں۔
 آ سکتے ہیں۔ پر آئیں گے نہیں۔

میٹ، بیٹ اور کلون کی خالی چیٹیاں، کف، ٹکس، استہل شدہ پن، دھوپ کی
 ٹینکوں کے پرانے خول، سوکھے ہوئے مارکر، ٹوٹے ہوئے دستوں والے لیٹر اوپنر،

ہام

ہر ایک بڑی طرح دار بیگم جسے میڈم کہہ کر بلائے تھے، قدرت کی جانب مائل ہو گئی۔ وہ لڑائی مری تھی، لیکن اس میں اس قدر ہشاشمٹ اور کھٹکائی تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ بہت دیر سے قلمی تھی اور اس قدر آوازوں میں تھی کہ اسے کوئی غصہ نہ تھی۔ ہر موضوع پر بات کرتی۔ انہوں میں دعوت عام تھی۔ کوئی ہو، کیسا ہو۔

صرف نظر کو عادت تھا۔ میں تھی۔ اس کے جسم کے ہر بند کو عادت تھا۔ تھی۔ مرد کو دل راز سے بچنے لگتی تھی۔ کسی بات کو چھپاتی نہ تھی۔ میاں سے کہتی، میں کیا کروں، میں ایسے لڑائی مائل تھی ہوں۔ میاں سے چارے بس تھا، اسے روک نہیں سکتا تھا، دیکھ دیکھ کر شاید اسے دیکھ کر اسے تپ گئی تھی شاید وہ پیپنگ ٹام بن چکا تھا۔

میڈم نے آکر قدرت کو چنگ کیا۔ اس معاملے میں قدرت بڑا بڑے پاک سپاہی تھا۔ اس نے فطرت قبول کر لیا۔ ہم ڈر گئے، اب کیا ہو گا۔ وہ بڑی طاقتوں میں تسلیم ہو گا۔ ایک کے پرچے ادا نہیں گئے۔ پورا ایک مینہ میدان کار دار گرم رہا۔

میڈم شام کو آجائی۔ کتنی، آئیے ڈرائیو تک "سپری" ہو جائے اور وہ دونوں موٹر میں بیٹھ کر چلا جاتے۔ پھر آدھی رات کو لوٹتے۔

میں نے شب سے پوچھا، آپ جو ڈرائیو تک پر جاتے ہیں تو وہاں کرتے کیا ہیں۔

ہلا، کچھ نہیں۔

تو پھر جانے کا کہو۔

میں ڈرائیو تک کرتا ہوں اور میڈم باتیں کرتی ہیں۔

کیسی باتیں۔

اپنی رام کتابیں سناتی ہیں۔

میڈم کی کتابیں رام کتابیں تو میں ہو سکتیں، راولن کتابیں ہوں گی۔

ہاں راولن کتابیں ہی ہیں۔ بے چاری نے بڑے مصائب جھیلے ہیں۔

وہ تو خود بخوبی راولن ہے۔

قدرت کی سب سے بڑی کمزوری عورت تھی۔ ایسی عورت جو چلاؤ نظر ہو اور اس سے راستے سے ہٹ گئی ہو۔

ایک بات میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ خواتین قدرت کو دیکھ کر اس پر رعبہ کیاں کیاں تھیں۔ کیوں اس کے گرد منڈلائی تھیں۔ قدرت کے خدوخل، قد کاٹھ کوئی تفصیل چلاؤ تھی۔ اس کی آنکھ ٹٹری نہیں تھی۔ اس میں بلاناہی نہیں تھا۔

کہتے ہیں عورت سب سے پہلے مرد کی آنکھ کو دیکھتی ہے۔ اس میں بلاناہی ہو تو دل ہوتی ہے۔ منڈری آنکھ سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

قدرت کی آنکھ بھی چمک چمک تو مارتی تھی، لیکن وہ چمک بلانے کی چمک نہ ہوتی۔ قدرت کی آنکھ میں ایک جھمک تھی۔

میں وہاں پر حیران ہو کر آتا تھا۔

کہ عورتیں قدرت پر کیوں رعبہ جینی تھیں۔ اس کے گرد کیوں منڈلائی تھیں کہ تو صراطِ مستقیم سے ہٹ گئی ہوئی حیثیتوں میں میں دل چاہی لیتا تھا۔ قدرت کی سب سے خواہش یہ تھی کہ پاس پاس وہ جائے نماز کیجے ہوں اور وہ کوئی ایسی طاقتوں کے ساتھ نماز پڑھے۔ میں زندگی بھر جنس کا غلبہ علم رہا تھا۔ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی کہ عورت نماز پڑھنے پر کیسے راضی ہو جاتی ہے۔

بھرنے مجھے خیر۔ رابعہ بھری کی بات یاد آجائی۔ جب رابعہ بھری کو زہر تو پیچکے میں ملا کر کیا۔ جب بھی گاہک آتا تو پتہ نہیں کیسے وہ اسے اس بات پر رضامند کر لیتیں کہ پہلے آئیے اور چاہ لیں، پھر عیاش۔

جب گاہک نماز پڑھ رہا ہو تو رابعہ بھری اللہ کی منت کرتی۔ یا باری تعالیٰ میری تک ڈا

میں نے آئی ہوں لب تو جانے اور تیرا کام۔

مجھے خیال آتا شاید قدرت بھی کسی کام کر رہا ہو۔

بہر حال ایک بات یقینی تھی کہ قدرت کسی ایک بھڑی سے اتاری ہوئی حیثیتوں کو

”میں وہ بولا۔ تم باہم خط ہے۔ دیکھ لیجئے۔

وہ دوسری خط تھا۔ لکھا تھا یہ آپ نے کیا کیا۔ ایک غلطی بھری پوٹلی کو میں بھیج دیا۔

قدرت ان خواتین کو بیٹیس یا چنگڑیں کا کرتا تھا۔ جیسے ایک نائیک چنگڑو اس کے گرد

لیٹی رہتی تھی۔ عفت یہ حالت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑی رہتی تھی۔

ہر ایک روز اس نے بھائی جان سے بات کی۔ بھائی جان بولے دیکھو بیٹی۔ ہم بھی قسویٰ

ال لاکہ رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان پر اعتماد نہیں کر سکتیں تو ہم پر اعتماد کرو۔ جو ہم آپ کے دل

میں ہے وہ ملنا ہے ’ایسا ہوتی نہیں سکتا۔ شاب صاحب جب باہر جاتے ہیں ’یا ڈرائیونگ کرتے

ہیں تو وہ اکیلے نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھ ان کے محافظ ہوتے ہیں۔

ایک بچے کا سوال ہے

ہر ایک چنگڑو آگئی۔

وہ شباب کے دفتر میں آئی۔ سیکورٹی نے فون کیا ’جناب ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی

کون ہے قدرت نے پوچھا۔

اپنا نام مسز مزدا بتاتی ہے۔ عمر میدہ ہے۔ یہ وہ ہے۔

کس کام کے لیے ملنا چاہتی ہے۔

آتی ہے کہ شاب صاحب مجھے نہیں جانتے۔ میں مدینہ منورہ سے ہن کے لیے ایک پیغام

دلا ہوں۔

قدرت نے کہا ’انہیں بھیج دیجئے۔

بچہ در کے بعد وہ داخل ہوئی۔ شباب نے اسے بڑے احترام سے دیکھو کیا۔ فرمایے ’وہ

خاتون نے کہا ’میں تنگی میں ہات کر رہی گی۔

قدرت نے اپنے لیٹے کو اشارہ کیا اور وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

گئے گئی ’میں سرزمین حجاز سے آئی ہوں مجھے باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ چو شباب سے

وہ بات ہے۔ کہتی ہے ’میں ایک مردار ہوں۔ میرے ارد گرد گدھ بیٹھے رہتے ہیں اور

اپنی چو نہیں چری کرتے رہتے ہیں۔

’بڑی اچھی تشبیہ دی ہے۔

بے چاری جسنی طور پر مجبور ہے۔ کہتی ہے ’میرا جی چاہتا ہے کہ میرے ارد گرد گدھ بیٹھے

ریں اور فوسٹے مارے دیں۔ بے چاری جسم کے ہاتھوں مظالم ہے۔

”آپ کو ترس آتا ہے۔

ہاں۔ بد قسمت ہے۔

وہ توقع کرتی ہوتی ہوئی کہ آپ بھی ٹھوگہ ماریں۔

شاید وہ بولا۔

چاہتی کیا ہے ’میں نے پوچھا۔

وہ چاہتی ہے کہ اس گندے نالے سے باہر نکل آئے۔

واہ ’میں نے کہا ’بیک وقت دو متغیر خواہشات۔

یہ بڑی تکلیف دہ کیفیت ہے ’شباب نے جواب دیا۔

پورا ایک مہینہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔

پھر چار ایک دن وہ نہ آئی تو میں نے پوچھا ’وہ میڈم کیا ہوئی۔ آتی نہیں۔

قدرت نے سرسری انداز میں کہا ’مدینہ شریف چلی گئی۔

کیا عمرہ کرتے۔

’میں ’وہ بولا ’اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں جیسے کے لیے مدینہ شریف میں آباد ہو چلاؤں گی۔

دس پندرہ دنوں کے بعد قدرت نے مجھے ایک خط دکھایا۔

میں نے پوچھا ’کس سے آیا ہے۔

’وہ مدینہ شریف سے۔

میڈم نے ہنسا ہے کیا۔

’میں ’وہ بولا۔

پھر کس نے ہنسا ہے۔

میں نے کہا 'فرض کیجئے آج رات خواب میں آپ کو حکم دیا جاتا ہے۔

دو ہولہ ————— تو میں لا حول پڑھ دوں گے۔

اگر عابدہ تھی کیا۔

اس نے سر اٹھتے میں ہلا دیا۔ 'ہولہ' عبارت کے سوا کوئی اور مفہول نہیں ہے۔

اب اس نے دالوں کو بھی سلف ڈی لیو ٹون ہوئی ہے کیا؟ میں نے پوچھا۔

وہی فلا اسے جو عابدہ ہو 'دو ہولہ'۔

اگر لیں' میں نے پوچھا۔

انعام مدینہ توڑنے کے حق میں نہیں ہے۔ متوازن پائت ضروری ہے۔ دنیا اور دین میں

بہاؤ لازم ہے۔

اس کی آنکھیں سرخ ہوئی جاری تھیں۔ زبان تھنہلاتے تھی۔ چسکن، چسکن

اس نے ایک ذیلی ابھری۔

اس نے کہا شام صاحب ایک بات ہے۔

اس نے کہا۔

دو ہولہ

اس کی فطرت آپ کے جسم اور خدو خل میں کوئی میل اپیل نظر نہیں آتی۔ آپ کی

فطرت آپ کی ہے۔ لیکن اس چمک میں جنسی دعوت نہیں ہوتی۔ پھر یہ خواتین آپ کی طرف

کھینچتی ہیں۔ اس کشش کا راز کیا ہے؟

اس نے کہا 'دو ہولہ'۔

اس نے کہا۔

اس نے کہا 'دو ہولہ'۔

اس نے کہا 'دو ہولہ'۔

اس نے کہا 'دو ہولہ'۔

اس نے کہا 'دو ہولہ'۔

اس نے کہا 'دو ہولہ'۔

اس نے کہا 'دو ہولہ'۔

ملا اور اسے نوکہ ایک بچہ دے دے۔

بچہ دے دے؟ میں سمجھا نہیں 'قدرت نے کہا۔

آپ کا بچہ میرے بھن سے ہو 'دو ہولہ'۔

قدرت یہ سن کر ششدر ہو گیا 'ہولہ' لیکن یہ تو کیا کہ بچہ ہو گیا۔

کوئی بات نہیں ہے تو حکم ابھری ہے 'اس نے کہا۔

قدرت یہ سن کر چپ ہو گیا۔

میں بیوہ ہوں 'دو ہولہ'۔ شادی کے بعد میرا خلوت صرف تین ماہ گیا۔ پھر فوت ہو گیا۔ میں نے

دوسری شادی نہیں کی ساری زندگی عبارت میں گزار دی۔

وہ یہ تک قدرت سر جھکا کر بیٹھا رہا۔ پھر سر اٹھا کر ہولہ 'محترمہ میں آپ کے پیغام پر شک

نہیں کرتے ممکن ہے کہ آپ کو یہ حکم ملا ہو۔ لیکن مجھے ابھی تک کوئی ایسا حکم نہیں ملا۔

شاید آپ کو جلد براہ راست حکم مل جائے 'خاتون نے کہا۔

جب تک آپ انتظار کریں۔ قدرت اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

جب محترمہ پہلی گئی تو قدرت نے مجھے بلایا۔ اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔

میں نے کہا خیر تو ہے۔

کتنے لگا ایک پر اسرار وزیر کیا تھا۔

کون تھا۔

عورت تھی۔ کتنی تھی 'مجھے اللہ نے حکم دیا کہ آپ کا بچہ جنم لے۔

کیا واقعی۔

ہاں 'دو ہولہ'۔

اسے یہ کہتے ہوئے شرم دامن گیر نہ ہوئی 'میں نے پوچھا۔

ہاں نہیں 'دو ہولہ'۔

پاکل خانے سے چھوڑ کر تو نہیں آئی تھی۔

میں وہ ہولہ۔ وہ جنم میں بولی تھی 'اس کی دعوت غصانہ تھی۔ اس کے چہرے

پر شہوانی جھلک نہیں تھی۔ حرص نہیں تھی۔ ہوس نہ تھی۔

اچھا تو میں جانتا ہوں، آپ کے لیے بھی پان لے آؤں گا، قدرت چاہے گی۔

میرا خیال تھا کہ وہ دس پندرہ منٹ میں واپس آجائے گا، لیکن ایک گھنٹہ گزر گیا وہ کھینے کھڑ

وہ نہ آیا تو میں گھبرا گیا۔ پان کی دوکان کچھ زیادہ دور نہ تھی۔ میں اسے ڈھونڈنے کے لیے

ایک دوکان پر پہنچا۔

انٹرن کی بات تھی کہ پان والا شہاب کو بھی چاہتا تھا اور مجھے بھی۔ میں نے اس سے پوچھا کیا

میرا تو وہ بولا۔

کیوں۔

یہاں وہ کچھ دیر سر لٹکائے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے مراٹھا گیا۔

یہاں جنگل کا رول چلنا ہے، کل آرہی، کھڑ

لڑو یا مر ڈال بات ہے، ہے نا میں نے کہا۔ میرے گرد و پیش میں ہر وقت ایک

مٹکا، ڈنک لگائے بیٹھ، رہتا رہے۔

المن، لیکن تو ان کی چیلنج کو قبول کر لیتا ہے بچہ نگاروں میں بڑی طاقت ہے۔ تو اتنا مضبوط نہیں
مقابلہ کر سکے۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہتا تھا۔ قدرت چپ ہو گیا۔

اسلام، عورت اور ضبط

میں نے کہا آپ ایک فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔

میں فیصلہ نہیں کر سکتا۔ مسلسل کشمکش میں رہتا ہوں۔ وہ بڑا

مجھے ایک بات بتائیے۔ آپ فرار کا راستہ کیوں نہیں لہاتے۔ کیا اس لیے کہ آپ کو تصادم سے بچا عورت۔

مجھے دونوں ہی پسند ہیں۔ تصالوم سے میری انا کو تسکین ملتی ہے۔

اور عورت سے 'میں نے پوچھا۔

عورت مجھے اچھی لگتی ہے۔ وہ پھر خاموش ہو گیا۔ دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

مردِ نصرتؑ اس نے سراغ دیا بولا، آپ بھائی جان سے بات کیجئے شاید وہ فیصلہ کرنے میں میری مدد کر لیں۔

بھائی جان نے بڑے غور سے میری بات سنی۔ پھر دیر تک خاموش رہے۔ بولے، 'وہ جو بھی لے رہے ہیں لٹک کر لے رہے ہیں۔ ہمارے پاس کیا حیثیت ہے کہ ان کے معاملات میں دخل دیں۔'

میں نے کہا مجھے ایسے لگتا ہے جیسے وہ چنگڑیوں سے طاقت اخذ کرتے ہیں اور دوسری جانب
 ڈاکٹر فرماتے ہیں۔ غصے شائدی بات ہے۔ بلکہ یہ کہ رب داپا ایدھروں پت کے لودھروں لائے۔

بھلا جان مسکرا دیے۔ بولے 'ہندوں کی باتیں بڑی بڑی ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ

ہائیں۔ ہمارے سرکار قبلہ بھی کسی زمانے میں یہ فتنل کیا کرتے تھے۔ وہ پہلوان تھے۔ روز

الہامی میں کشتی لڑتے تھے۔ اس قدر طاقت ور تھے کہ بھی ان سے خائف رہتے تھے۔ اپنی

وقت ضبط کو آزمائے کے لیے وہ جگے میں چلے جاتے اور کسی خوش شکل طوائف کے چہرے پر

جہاں جاتے' اسے رات بھر کے لیے بک کر لیتے۔ پھر اسے کہتے کہڑے اندر دے' خود بھی برہنہ ہو

ہاتے اور پھر طوائف کی گود میں بیٹھ جاتے۔ بیٹھے رہتے، بیٹھے رہتے، جب تک خواہش کا جذبہ

غائب رہتا، بیٹھے رہتے۔ پھر اٹھ بیٹھتے۔ طوائف سے کہتے، کپڑے پہن لے۔ خود کپڑے پہنتے اور

ہاں۔ وہ بولا۔ پان لے کر میں دائیں آ رہا تھا، سڑک پر ایک بڑا ٹھکانہ تھا اس کے سامنے ایک گھنٹری تھی۔ اس نے مجھے روک لیا۔ کہنے لگا: سامنے مجھے چمپے جانا ہے، اس ڈھیری پر۔ سڑک کے چمپے اترا ہوں۔ تو مجھے گھنٹری پکڑا لی۔

میں نے سوچا بڑا بہت ضعیف ہے کیوں نا غلطی اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں نے سوچا بھابی آپ کا گھر کہاں ہے ؟

وہ بولا 'یہ پاس ہی ہے نیچے کھڈ میں۔'

جب ہم دونوں جنگل میں پہنچے تو پلانے کہا۔ گھڑی یہاں رکھ دے اور اس پتھر پر بیٹھ جا۔

میں بیٹھ گیا۔ پھر اس بڑھے نے مجھے اس قدر جھڑپائی کہ میں خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے

پانی زبان کی تلوار چلائی۔ اس کی زبان دہر میں بھیجی ہوئی تھی۔ اس کی آواز لاطینی کی طرح تھی۔

تھی۔ وہ اس قدر خفارت سے مجھ سے مخاطب ہوتا کہ میں سن ہو کر رہ جاتا۔ اس کی آنکھیں پراں

ہنک رہی تھیں، جیسے سانپ کی آنکھیں چمکتی ہیں۔ اس نے ٹھٹھکی ہانڈ کر میری ساری قوت۔

طلب کر لی۔ مجھ میں بولنے کی طاقت نہ رہی۔ ذہن شل ہو گیا اور میں دو گھنٹے وہاں لاش کی طرف
 جا رہا۔

لیکن وہ کہتا کیا تھا؟ میں نے پوچھا۔

کہتا تھا تو سمجھتا ہے کہ تو نے اس عورت کو پین پیش کیا تھا۔ اس کی تواضع کی تھی۔ اس پر اس نے

مٹا ہوا کیا تھا، نہیں ایسا سمجھتا ہے تو تو خود کو دھوکا دے رہا ہے۔ دراصل تو نے اسے بن اس لیے!

ہلایا تھا کہ اس عورت کی رنگین اور طرح دار انگلیوں کے لمس کی لذت حاصل کر سکے۔

کیا کیا کیا میں نے اسے لوکا انگلیوں کا لمس اور لذت۔

شاید وہ ٹھیک کہتا تھا 'قدرت بولا' جب وہ خاقان آلی تھی تو میں نے اس کے ہاتھوں کی

رف ویکھتا تھا۔ مجھے خیال آیا تھا کہ بڑی پر حس انگلیں ہیں۔ اور مجھے ایسے لگا جیسے وہ گلاب

ہیں۔ پھر میں نے دیکھا تھا کہ اس نے نیل پالش نہیں لگایا ہوا تھا۔

لیکن اس بڑھے کو کیا حق حاصل تھا کہ آپ کو سرزنش کرے، میں نے پوچھا۔

اس کی سرائش میں اپنیت تھی۔ قدرت کی تواضع ہم پڑ گئی۔ بڑھے نے کہا یہ چکارا پس

راستہ ٹھونک دینے کے لیے آئی ہیں۔ ان سے پہنچنے کا ایک ہی طریقہ ہے، 'آگنور دوم' ڈیو افس

اسلام کا حوصلہ تھا۔ بے پناہ جرأت تھی۔ اپنی جاہلیت تھی کہ آتے ہی ہم سب کو مکور کر لیا۔
ہات بڑا میدان کارزار گرم ہوا۔ شدید تصادم عمل میں آیا۔ قدرت کا ضابطہ پاش پاش ہو گیا۔
اسے اپنے خون کا گھر داس کی گھر ہو گیا اور وہ ایک ہزیمت شدہ، ذخی سپاہی کی طرح میدان چھوڑ
کر ہانگے پر مجبور ہو گیا۔

مسز دین ایک اوجھڑ عمر کی بیوہ تھی، ہلکتے، ہنس مکھ حسینہ۔ اس کا بند بند زندگی سے سرشار
تھا۔ شخصیت ایسی کہ ہر راگزمر متوجہ ہونے پر خود کو مجبور پاتا۔ اور پھر حواس کم، قیاس کم، دیکھنا
نا دیکھنا وہ جانتا۔ جدھر سے گزرتی لوگ مڑ مڑ کر دیکھتے۔ اس کا حسن صرف خدا و خلقی نہ تھا۔ اس
کی ہر حرکت حسین تھی۔ گرہیں ہی گرہیں۔ ڈگنسی ہی ڈگنسی۔ وہ فوج حسن کی شہزادی تھی۔
مسز دین کو اپنی طاقتوں کا شعور تھا۔ وہ شعوری طور پر اس بات کا اہتمام کرتی تھی کہ کوئی فوج
اُرد نہ جائے۔ انفرادی فرصت کس کس میں دیتی تھی۔ گیسوئے تبادر کے چل کو پتہ پائے رکھتی
تھی۔ وہ اپنی اپیل کی تکرار صرف خواص پر نہیں چلاتی تھی۔ ہر راگزمر کو بے مقصد تقریرنا، ذخی
کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ شی واڑاے بکھر۔

پتہ نہیں وہ کہاں سے آئی تھی۔ کیوں آئی تھی۔ پتہ نہیں قدرت اسے کیوں جانتے تھے۔
لب سے جانتے تھے۔

ایک روز راجہ شفیق پاپتا ہوا میرے گھر آیا اور دھڑام سے آرام کرسی میں ڈبیر ہو گیا۔ ایسے
لگتا جیسے کوئی حادثہ ہوا ہو۔ اس کے لسان خطا تھے۔

کیا ہوا راجہ؟ میں نے پوچھا۔

ذرا غصہ چا، وہ بولا، مجھے دم لینے دے۔

خیریت تو ہے؟ میں نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

کچھ دیر تک وہ پڑا رہا۔ پھر اٹھ بیٹھا۔

کیا ہول میں نے پھر پوچھا۔

کسے کا مارے گئے، مفتی مارے گئے۔ تو ہے۔ ایک معیت اور کھڑی ہو گئی، معیت
نہیں قیامت۔ پتہ نہیں دہرا کیا ہو گا۔ ایسے لگتا ہے جیسے دہرا گھرنا معیتوں سے گھر گیا ہو۔ کچھ

پھر طائفہ کو رقم دے کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اس کے لیے دعا کرتے اور واپس آ جاتے۔
لکنا ضابطہ میں نے پوچھا۔

انہیں اپنے ضابطہ پر زیادہ تھانہ لگائی جانے لگا۔

شادی شدہ تھے کیا۔

جوانی میں شادی کی تھی۔ چند مہینے چلے۔ پھر کہنے لگے، 'اے بھلا ہمارے بس کی بات نہیں
ہے۔ اور انہوں نے بیوی کو طلاق دے دی۔

میں نے کہا، وہ بولے، 'بڑے آدمیوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں۔ بس دیکھتے جاؤ، کریو
نہیں۔ کریو نے سچے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کریو گے تو اپنی ہی مت ماری جائے گی۔

مفتی صاحب ہمارا کام ان کی مدد کرنا ہے۔ جہاں تک ممکن ہے ان کی خدمت کریں گے۔
ان کا سرکار قبلہ سے رابطہ ہے اور ہم کسم کسم میں۔

آپ کا بھی ایسی مسلک ہونا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہے خدمت کرو۔ پوچھو نہیں۔ کریو
نہیں۔ جنت نہ کرو۔

لیکن بھائی جان، میں نے کہا، میں سمجھتا ہوں، پاپتا ہوں۔ پاپتا ہوں۔

بھائی جان بولے مفتی بی۔ ان معاملات کو سمجھنے کے لیے ایک حس چاہیے، ایک خصوصی
حس۔ عقل کے زور پر آپ نہیں سمجھ سکتے۔ ہماری عقل ناقص ہے، جو عقل سے سمجھنے کی
کوشش کرتا ہے، اس کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کیا پتہ کسی روز اللہ کی مہربانی سے آپ
میں وہ حس پیدا ہو جائے۔ پھر ہماری باتیں واضح ہو جائیں گی۔

راجہ شفیق بولا، بھائی جان یہ مفتی تو ہے یہ جاننے کے پکڑ میں پھنسا ہوا ہے۔

جو پکڑ میں پھنس جاتا ہے وہ ڈوب جاتا ہے، بھائی جان نے کہا، تیر نہیں سکھ لیکن ہم مفتی
کو ڈوبنے نہیں دیں گے۔ اسے ابھی کام کرنا ہے۔ بہت سا کام کرنا ہے۔ ابھی تو ڈوڈی تیار ہو رہی
ہے۔ جب پھول کھلے گا تو ہماری بات سامنے آ جائے گی۔

مسز دین۔ دی بکھر

پھر ایک، بس بھری چنگڑ میدان میں آ گئی۔ اور ہم سب کے گرد پکر لائے گئی۔ اس میں

ہوئے والا ہے مفتی۔

تو بات تو کر۔

آج صاحب کا فون آیا تھا۔ راجہ شفیع شہاب کو صاحب کا کہنا تھا۔ صاحب نے کہا 'راجہ صاحب آپ فارغ ہیں ایک میں نے کہا جی کیا حکم ہے کہنے گئے' ابھی دس چندہ منٹ میں آپ کے دفتر کے گیٹ پر ایک کھلی موٹر کے گیٹ کے دفتر کے گیٹ پر چلے جائیں اور ان کا انتظار کریں۔ میں نے کہا جی ہمت۔ پھر اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہو گا میں نے پوچھا 'صاحب کہنے گئے' ان کے سامن فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے وہ سرکاری بنگلہ خلی کر رہی ہیں۔ انہیں فوری طور پر ایک بنگلہ کرائے پر لینا ہے۔ آپ کن کی مدد کریں۔

بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ خیر میں گیٹ پر جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر کے بعد کھلی موٹر آگئی۔ اس میں سے ایک خاتون باہر نکلے۔ میک اپ کے بغیر سادہ سے کپڑوں میں 'وہ اتنی نئی محنت تھی کہ میں اسے دیکھ کر گہرا گلیہ دے دیتے تھے' بڑی بے تکلفی سے ملی بیوں جیسے سہل ہاسل سے ہم ایک دوسرے سے واقف ہوں' کہنے لگی 'آپ راجہ شفیع ہیں' میں نے کہا 'جی میں راجہ شفیع ہوں۔ صاحب نے مجھے فون کیا تھا۔

مجھے پتہ ہے 'وہ بولا۔

آئیے اندر دفتر میں۔ ایک پرالہ چائے 'میں نے خاتون سے کہا۔

میں راجہ 'وہ بولی 'ہماری پاس وقت نہیں ہے۔ ہمیں دو گھنٹے کے اندر اندر ایک بنگلہ چار کرنا ہے۔ لٹ لڑکے سٹ راجہ۔ لیڈر یو ٹو ڈاٹ۔

پھر جو میں نے دیکھا۔ تو دیکھا ہوں کہ سڑک پر لوگ چلتے چلتے رک گئے ہیں اور آکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ دفتری چاہ دیکھا تو سٹاف کمریکیوں سے جھانک رہا تھا۔ میں گہرا گلیہ یہ پوچھیں گے کہ کون تھی 'تو میں کیا جواب دوں گا۔

پھر اس نے بے تکلفی سے میری ہاتھ پکڑ لی۔ بولی 'چلو جلدی چلیں۔ تاخیر کی تو یہی مجیز لگ جائے گی۔ اتنی بے تکلفی۔ میں تو سخت گہرا گلیہ۔

مفتی دو گھنٹے ہم شہر میں کھلے ہوئے رہے۔ ہمیں بھی جاتے لوگ پٹی پٹی آکھوں سے

میں دیکھتے۔

پتہ ہے مفتی 'میں تو سارے شہر میں چانا پھانچا ہوں۔ لوگ میری چاہ دیکھ کر آکھیں' میں نے کہا۔ ایک نے تو کہہ دیا۔ راجہ 'آج تو توجہ کا راجہ بنا ہوا ہے اور مفتی وہ ایک ایک بات کرتی تھی۔ مفتی تھی مسکراتی تھی۔ میں سب جانتی ہوں کی سی مسکراہٹ۔

پہرے نے اسے بنگلہ کرائے پر لے دیا 'میں نے پوچھا۔

اسے کلاس بنگلہ لے کر دیا ہے۔ بڑی خوش تھی۔

پھر وہ مجھے گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ جاتے ہوئے کہہ رہی تھی 'راجہ پھر کب لوگے۔ خلی مکان' میں نے کہا 'بات نہیں' اسے فرسش بھی کرانا ہو گا۔

تو کوئی ایسی بات نہیں 'میں نے کہا 'تو تو کتنا قمار ہے گئے۔

پھر تو جواب ملیں ہو جائے گی 'وہ بولا۔ سارا دفتر بیٹھے گا۔ راجہ وہ کون تھی۔ سارا شہر کہہ گا 'راجہ آجکل لوٹتی ہو' میں اڑتا ہے۔ دفعتاً 'وہ چونک کر اور پھر ایک اور بات ہے 'وہ بولا۔

وہ کہا 'میں نے پوچھا۔

گتا ہے صاحب سے خاتون کے پرانے تعلقات ہیں۔ میں نے دوبار صاحب کی بات کی تو وہ ہلکا سا ہنسنے لگا۔ 'وہ خود باہر آتا ہے' نہ کسی کو اندر جانے دیتا

اچھا یہاں تک۔ بڑی بے تکلفی ہے 'میں نے کہا۔

دیکھ لو 'وہ بولا 'مجھے تو پتہ ہے گتا ہے 'جیسے ان کا فیصلہ چل رہا ہو۔

میں راجہ 'میں نے کہا 'تجھے نہیں پتہ۔ قدرت کے سرے تو دو گردن والے کھڑے رہتے' انہں وقت۔ کسی کو اگلی لگانے کی اجازت نہیں دیتے۔

دار مفتی 'ہم تو ہمیں غاسی مومل۔ صلیوں میں پھنس گئے ہیں 'وہ بولا۔

ہند ایک دنوں کے بعد مجھے خود دین کے ہل چانا پڑا۔ قدرت نے کہا 'میں ذرا معصوف ہوں۔ اگر آپ ہن کے ہل چاکرے پکٹ دے آئیں تو۔

میں دے آتا ہوں 'میں نے جواب دیا۔ آپ مجھے آتا پتہ دیں۔ قدرت نے ایک پکٹ ہاتھ میں چھوڑا پھر ایک کٹہر پر مکان کی نوکیشن کا نقشہ بنا دیا۔

جب میں روانہ ہونے لگا تو قدرت نے کہا 'ذرا احتیاط سے لے چاہا۔ پکٹ میں قرآن کریم

کانسو ہے۔

کلوزز

میری عادت ہے کہ زیادہ حسین یا بنی خنی یا مذہب عورت کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہوں۔ غلام سے ملنے سے میں خوف تھا۔ وہ قاتل تھا کہ کوئی ایسی بات نہ کہ دوں جو اسے ناگوار ہو اور میری باتیں قدرت کو نہ بتا دے۔

مجھے دیکھ کر وہ بولی، آئیے آئیے بڑی دیر لگلی آپ نے آئے میں، منٹھے، گھبراتے ہیں آپ۔ میں آپ کو جانتی ہوں۔ کب سے جانتی ہیں آپ مجھے۔

جب سے آپ نے شاپ سے ملنا جتنا شروع کیا ہے۔ میں نے تو آپ کو دیکھا تھا کہ آپ۔ میں۔

میں تو آپ سے ضرور ملتی۔ لیکن اس نے مجھے منع کر دیا تھا۔ آپ انہیں کب سے جانتی ہیں۔

۱۹۵۶ء سے۔ ابھی آپ کراچی نہیں آئے تھے جب سے۔

پھر تو آپ زیادہ جانتی ہیں، میں نے کہہ۔

کچھ فرق نہیں پڑتا وہ بولی چاہے آپ اسے ایک سال سے جانتے ہیں یا دس سال سے۔ روزانہ ہند کر کے بیٹھا ہوا ہے کہ کوئی جان نہ لے۔

مجھے آج تک یہ نہیں چلا کہ وہ کون ہے، میں نے کہہ۔

اونسوں، انتہائی نہیں، وہ بولی، سیدھی سیدھی چیز ہے۔

مجھے تو میسر ہی نکلتی ہے۔ میں نے کہہ۔

آپ خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں، اس لیے۔ ورنہ وہ ایک سادہ شخصیت ہے، سادہ اور معمول۔ ایک بچہ ہے۔ اس میں، گھبراہٹ ہے، خوف دامن گیر رہتا ہے، وہ ایسا نہیں کہ بالک کشمکش میں پڑا رہتا ہے۔ بڑا دل ہے، جرات کا اقتدار ہے۔ کلوزز ہے۔

ان میں بلا کا مجر ہے۔ ہمدردی ہے۔ خدمت ہے، نیکی ہے، ان میں بہت مثبت خصوصیات

میں نے کہہ۔

ایک صاحب وہ بولی۔ جب تک سڑک نہ ہو۔ جرات نہ ہو نیکی کا جذبہ بے کار ہے۔ آپ لوگوں نے اسے خواہ مخواہ دیکھا رہا ہے۔

دین کا قدرت کے متعلق رویہ بڑا ہے پاک تھا۔ وہ قدرت کو مڑکی حیثیت سے دیکھتی ہیں اسے انسان کی حیثیت سے دیکھتا تھا۔

ایک بھٹے کے بعد راجہ آئیک۔ وہ طے میں تھا کہنے کا، مفتی ہم سب لفظی کر رہے ہیں، ہم اس وقت سے زیادتی کر رہے ہیں۔ ہم دین کا حوصلہ برباد کر رہے ہیں۔ اس کا انجام انہیں ہو گا۔

راجہ قدرت کے گھر جایا کرتا تھا اس کا مفت سے گمراہ رابطہ تھا۔ عفت کے چھوٹے بھائی کا کام کرتا۔ گھر کے متعلق انتظامات کرتا۔ راجہ دھما، ڈی۔ بی۔ سنگھ قاتل گھر کے متعلق علامات کی ملاطبت رکھتا تھا۔ وہ قدرت سے ملنے سے انکچا تھا، لیکن عفت کو بڑے شوق سے دیکھتا تھا۔ اس کی تمام تر ہمدردیاں عفت کے ساتھ تھیں۔ وہ دین کے بے پاک ارادوں کو دیکھ کر گھبرا جاتا تھا۔ لیکن غالب ہے کہ اس نے عفت کے دل میں شک کا بیج بو دیا تھا۔

ایک دن راجہ مجھ سے ملا۔ کہنے کا، مفتی یہ بیوہ خاتون تو بہت بڑی تلاش ہیں۔ مجھے کچھ ملان سکا تھا۔ کہنے کا، راجہ صاحب آپ نے میرا بھگہ کیسے لوگوں کو دے دیا ہے۔ میرا مکان برباد ہوا جا رہا ہے۔ وہاں لوجوان امراں کا گھٹکا لگا رہتا ہے۔ ایک آتا ہے، ایک جاتا ہے۔ انہی رات تک ٹھیک چاڑی رہتی ہے۔

پھر ایک اور صاحب آئے، راجہ نے کہا جو اسی علاقے میں رہائش رکھتے ہیں، جسک دین مفتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ میں نے کہا، یہ غبی کرایہ دار خاتون جو آپ کے علاقے میں آئی ہے اس کی رحمت بہت کیسی ہے۔

ایا بات ہے اس خاتون کی، وہ بولا، لیکن لفظ۔ اتنی خبر ہے کہ بچے میں تیسوں اور بیوئوں کا گھٹکا لگا رہتا ہے۔ پھر بچے میں روز قرآن خوانی ہوتی ہے، باقاعدہ قاری صاحب آتے ہیں۔ اس آتا ہے۔ انوں پڑوس کے بچے باقاعدہ درس لیتے ہیں۔ سینے میں ایک مرتبہ مولود شریف آتا ہے۔ راجہ شفیق کہنے کا، مفتی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تجھے اتنی ہے کیا؟

میں نے جواب دیا، کچھ کچھ آتی ہے۔ ساری نہیں۔

کیا سمجھ میں آتی ہے تجھے۔

میدان جنگ گرم ہے۔ وہ طاقتیں متحامل ہیں۔ ایک طرف قرآن ہے، دوسری طرف خواہش ہے۔ ایک جانب خیر ہے، دوسری جانب شر ہے۔

یہ مخلوق دو حصوں میں بنی ہوئی ہے۔ راجہ۔ اندھیرے اچالے پیچہ آزا ہیں۔ بے چاری دین۔

راجہ فیسے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا کتنے لگا، تمہاری یہ فلسفہ بازی نہیں پٹے گی۔ تم شباب صاحب کی فاباز طرف داری کر رہے ہو۔ تم حفت پر ظلم کر رہے ہو۔ بس میں زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ معاملہ بھائی جان کو پیش کر دوں گا۔

ان دنوں بھائی جان مستقل طور پر ہنڈی میں رہائش پذیر ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک چھوٹا سا مکان کرپے پر لے رکھا تھا اور وہ اسلام آباد کایک بنگلہ حیر کر رہے تھے۔

حکم کے پابند

اگلے روز ہم دونوں بھائی جان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھائی جان پر اثر ڈالنے کے لیے راجہ نے بڑی جذباتی تقریر کی۔ کہنے لگا، بھائی جان میں اب برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم سب عفت باقی سے دھوکا کر رہے ہیں۔ ہمیں مسز دین کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ تو اطلاع دعوئی کرتی ہے کہ شباب صاحب اس کی ملٹی میں ہیں۔

بھائی جان پہلے تو چپ چاپ بیٹھتے رہے پھر دم آواز میں بولے، راجہ جی، دین ہماری ہمشیرہ ہے۔ بیکہ یوں کہنا چاہیے کہ دین ہمارا بھائی ہے۔ وہ مخلوق نہیں مو ہے، اس میں جرئت ہے، حوصلہ ہے۔ شباب صاحب گھپکا رہے ہیں۔ ہال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔ اب وہ اپنا وعدہ کیوں نہیں بھالتے۔ اب تو راستے کی رکھوت دور ہو چکی ہے۔ انہوں نے خواہ مخواہ دین کو غصے میں ڈال رکھا ہے۔ بے چاری غلاب میں جکا ہے۔

بھائی جان کی بات سن کر ہمیں ہنسنے لگا۔ راجہ غصہ اٹھو کر بیٹھ گیا۔

میں حیران تھا، یہ بھائی جان کو کیا ہوا۔ ہم نے تو دین کی بات کو ان سے چپا کر رکھا ہوا تھا،

میں تو دین کو بھائی بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ کیا عید ہے۔

راجہ در خاموش رہنے کے بعد دو پھر گیا ہوئے کہنے لگے، وہ مخلوق دو دفعہ ہم سے مل چکی ہے۔ اس نے کھرائی تھی۔ پھر اس نے ہم سے کہا بھائی جان مجھے دربار میں لے چلئے۔ میں بابا کی دعا مانگا چاتی ہوں۔ ہم نے سرکار قبلہ کی طرف توجہ کی۔ انہوں نے کہا، انہیں لے آؤ۔ وہ دربار اندر نہیں آئی۔ ہم نے اسے بلایا ہے۔

ہم تو راجہ جی حکم کے پابند ہیں، بھائی جان بولے، ہم تو سرکار قبلہ کے ایک اولیٰ کافی ہیں۔ ہم نے ہم کو دربار میں لے گئے۔ وہ وہاں بیٹھ کر روئی رہی۔ سرکار قبلہ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ بس بات ختم ہو گئی۔

راجہ صاحب اس مخلوق پر بیلا غلام ہوا ہے۔ اس نے بہت دکھ سہا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ اس کے دھندلے منہ منورہ سے ہو آئی ہے۔ مسجد نبویؐ میں دوا لیا کر کے آئی ہے۔ کتنی ہے، اس میں بھی میں وہاں رہی۔ رات کو دیکھتی رہی کہ میں مسجد نبویؐ کے ایک کالم سے لگ کر کھڑی ہوں۔ دوسرے کالم کا سامرا لے عفت کھڑی ہے۔ اور درمیان میں شباب صاحب بیٹھے

اس نے بڑی عہدیت کی ہے۔ اس کی صرف ایک مانگ ہے۔ اس کی مانگ پوری ہوئی۔ اس نے ہمارے ساتھ مل کر کام کرنا ہے، راجہ جی۔
’بھائی بھائی جان‘ راجہ نے ہمت کر کے کہا، دین کی فہرت اچھی نہیں۔ اس کے گھر پر اس کا اثر آئے جاتے ہیں، ہمتا لگا رہا ہے۔

بھائی جان بولے، راجہ صاحب، ہمیں اس بات سے کیا لینا دینا۔ وہ جانتے ہیں، سب جانتے ہیں، ہم نے تو سرکار قبلہ کے احکامات کی پیروی کرنا ہے۔

راجہ خوش میں آگیا، کہنے لگا، بھائی جان اس میں صاحب کی بدنامی ہے، ہم سب کی بدنامی

بھائی جان نے نچ ہو کر ذریعہ کہا، دین خد کے بیٹھی ہے۔ کتنی ہے، ہاں یہ سچ ہے، لیکن یہ گور ہوں۔ میں اس سمورہ میں روئی کی طرح لگی ہوئی ہوں۔ یہ بات میرے بس کی نہیں ہے۔ آپ مجھے اس دہل سے نکال سکتے ہیں۔ وہ اپنا وعدہ اپنا کیوں نہیں کرتے۔ جو وہ مجھے

سارا دین تو میں اس لپت سے نجات حاصل کر سکتی ہوں۔

آپ نے شام صاحب سے اس بات کا ذکر کیا ہے کبھی میں نے بھائی جان سے پوچھا وہ سب جانتے ہیں، بھائی جان نے جواب دیا۔ انہیں ہر بات کا پتہ ہے، لیکن وہ اٹھاپا ہیں۔ انہیں جرئت سے کام لینا چاہیئے۔ سچی بات یہ ہے مفتی صاحب کہ ہمیں ان کی کبھی آئی۔ کبھ میں نہیں آتا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں، جیسے کہ وہ کر رہے ہیں۔ ہر حال میں اس کے ساتھ دینا ہے اور دیکھیے راجہ جی آپ کو عفت بیٹی کے دل میں خلوک پیدا نہیں کرتے ہاں اسے جو پیدا ہو گئے ہیں تو آپ ہی انہیں دور کریں۔ آپ انہیں سمجھائیں۔ یہ آپ کا کام ہے اسے آپ ہی کو سرائیام دینا ہو گا۔

پولٹا کوٹکا

بھائی جان کی باتیں سن کر میں دو دن سوچتا رہا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں دین سے کربات کروں گا۔

شام کو جب میں دین کے گھر پہنچا تو وہ مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی۔ جب تک وہ نماز پڑھ رہی تھی میں اسے تنگلی ہاتھ کر دیکھتا رہا۔ میرے سامنے مزدور نہیں تھی بلکہ کوئی اور مخلوق تھی، دنیوی لاگ لگاؤ سے پاک اور جتنی سچی جس نے خود کو خالص کر رکھا ہو۔

اس نے سلام پھیرا، دعا مانگی اور پھر میرے پاس آ بیٹھی، کہنے لگی، میں ایسے نہیں کرتے۔

کیا مطلب میں نے پوچھا۔

مخلوق جب نماز پڑھ رہی ہو اسے تنگلی ہاتھ کر نہیں دیکھتے۔

آپ تو نماز پڑھ رہی تھیں۔ کسی اور گن میں تھیں کیا آپ نے کیسے نوٹ کیا کہ میں ہاتھ کر دیکھ رہا ہوں۔

کوئی مخلوق مرد کی تنگلی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کی بے سوئی نوٹ جاتی ہے۔ مخلوق عورت باہر نکل آتی ہے۔

میں نے قتلہ کئی ام ساری میں نے کہا۔

آپ نے میری نماز کو ختم کر دی۔

میں نے موضوع بدلا، میں آج ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔

والی بام لانے ہیں کیا اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، سیمپا نہیں کیا خود آیا ہوں۔

اگر۔

والی پوچھنے آیا ہوں۔

اگر وہ بولی۔

اگر آیا ہوں کہ آپ کون ہیں۔

اگر، ساعت کے لیے وہ خاموش رہی، پھر بولی۔

آپ نے یہ سوال اس سے پوچھا ہے کبھی۔

میں نے۔

اگر انہیں پوچھا۔

اگر، لا کوئی قاعدہ نہیں۔ وہ بات تل دیتے ہیں۔

اگر، بات ہی نہیں وہ لوگوں کو بھی تل دیتا ہے۔

اگر، کو بھی تل رہے ہیں۔

اگر، اب سے زیادہ۔

اگر، اتل ہیں۔

اگر، اسن گیر ہے۔

اگر، لا خوف میں نے پوچھا کیا لوگوں کا خوف۔

میں نے اس نے سرنگی میں بلایا، میرا خوف۔ وہ میرے ہاتھوں سے خوف لدا ہے۔ میری

خوف لدا ہے۔ اپنی باتیں مت چلاؤ۔ چپ چاپ بیٹھی رہو۔ ورنہ میں میرے بازو

میں سے ڈرے گا۔ وہ میرے لمس سے ڈرتا ہے۔ ایک بار میں نے زیادتی کی تھی۔ خوف

میں کی انہیں اہل کر باہر نکل آئی تھیں۔ اس روز میں نے چاہا، مجھے اس پر ترس آ گیا۔

اس کی حالت غیر تھی۔ اس قدر غیر تھی کہ میں خوف زدہ ہو گئی۔

یہ کب کی بات ہے؟ میں نے پوچھا۔

-5 (10)

’نہیں‘ وہ بولا، مجھے اس کی ضرورت نہیں میں اس سے بے نیاز ہوں۔ مجھے تمہارا نقشہ ہی

11

مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ یہ کیسا آدمی ہے۔ جو مستی کے عالم میں بھی 'نہ مجھے ہاتھ لگتا

اور مجھے ہاتھ لگانے کی اجازت دیتا ہے۔

اور پتہ ہے وہ کیا کہا کرتا تھا کہ ہمیں تجھے اپنے پروں پر بٹھا کر آسمانوں کی سیر کراؤں گا۔ نہیں

میں نے بول نہیں بول رہا۔ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ اپنے بازوؤں پر بٹھا کر تجھے لوہے کے چاؤں۔

جی، نہیں، میں نے تیرے لیے کیا کیا کچھ کیا ہے۔ اللہ کی بڑی فتیں کی ہیں۔ بڑی آہ و

۱۱۔ ہاں کی ہے۔ ہاری تعالیٰ سے میں نے صرف ایک چیز مانگی ہے اور وہ تو ہے۔

اب تو میری ہے۔ کوئی تجھے ہاتھ نہیں لگا سکے گا اگر کسی نے ہاتھ لگایا تو وہ مفلوج ہو جائے

۴ من کر میں تڑپ کر دین کے قدموں سے اٹھا۔

”ہنسی‘ ڈر گئے۔

ہاں 'ڈر گیا' میں بڑا ڈر لوک ہوں۔ آپ مجھے نہیں جانتی۔

۱۰۰ اور دو

[illegible]

پہلی ہوں وہ بیوی چاہی ہوگی۔ میں۔۔۔

اور کہتا ہے میں نے اسے

[illegible]

۱۱۔ ایک ہے جو میں نے ایک ایک پرانے کی چھاپ پر لکھا ہے۔

سے لکھ پڑھایا۔

۱۱۔ یہ اس کے چچا

میرزا محمد علی خان

ابتداءً امام کی 'وہ بولی' میں اس کی جانب متوجہ نہیں ہوئی تھی میں نے اسے دو ایک بار

تھا لیکن اس میں توجہ طلب کرنے کی کوئی بات ہی نہ تھی۔ نہ شخصیت نہ نگاہ۔ کوئی میل

وہ تحریر

پلے وہ میری طرف متوجہ ہوا تھا۔ بڑی شدت سے متوجہ ہوا تھا۔ میں نے کوئی اثر

دی۔ کوئی بات ہوئی تو اہمیت دیتی نہ

اک صرف عہدہ ہی عہدہ تھا۔ مجھے کوئی غرض نہ تھی۔ میرے پاس سب کچھ تھا۔

دیکھتی، سرنگوں ہو جاتی۔ لوگ میرے اشارے کے منتظر تھے۔ جو چاہتی ہو جاں۔

وہ تو اب بھی ہے، میں نے کہا۔

نہیں، اس نے ہلکی سی تہ بھری۔ پتہ نہیں اس نے مجھے کیا کر دیا ہے۔ میں ایک تہ

نے مجھے رو کر دیا ہے۔

وہ میرے ہیں آقا تھا۔ اور اور ————— وہ اٹھ بیٹھی۔ اور دیوان پر جا کر بیٹھ گئی

اور کیا میں نے پوچھا۔

ذرا آئیے اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا، 'لو ہر آئیے' میرے پاس بیٹھیں پاس جا کر۔

گیا۔ بولی، اب بیٹھ جائیے۔ لونگوں، یہاں نہیں میرے قدموں میں بیٹھ جائیے۔ میں

مسکرائی بھولی، ڈریے نہیں، بیٹھ جائیے۔

وہ جب بھی آتا تھا یوں میرے قدموں میں بیٹھ جاتا تھا جیسے آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔

پھر وہ دے دے گا۔ دے دے گا۔ دے دے گا۔

وہ تو گونگا ہے' میں نے کہا۔

ہیں کوٹکا ہے۔ کوٹکے کو زہن لگ جاتی تھی۔ اور وہ بولے جاتا۔ بول بول کر اس کا

میں لکنت آجاتی۔ آنکھیں چڑھ جاتیں۔ ایک عجیب مستی کیف۔ پہلے میں سمجھتی رہی کہ وہ

آتا ہے۔ دمت ہو کر ہات کرتا ہے۔ ایک دن میں نے اسے کہا میری پاس ایک بی بی

ہے۔ آپ شوق کریں گے کیا۔ یہ کہہ کر میں نے الماری سے بوتل نکال اور اس کے

وہ مان گیا۔

”قرہ وقت پر دین آگئی“ میں نے اسے ڈرا بینک روم میں بٹھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد شباب
اپنے اسے بٹھا کر میں اندر چلا گیا۔
میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہو گا۔ پندرہ منٹ کے بعد ڈرا بینک روم میں
اپنا سامان۔ میں بھاگ کر باہر نکلا۔

دین بڑے وقار سے ڈرا بینک روم کے بیرونی دروازے میں کھڑی تھی۔
کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔

”بگھوڑا“ بھاگ گیا“ وہ بولی۔

میں دوڑ کر سڑک پر پہنچا دیکھا کہ دوڑ شباب دوڑے جا رہا تھا“ دوڑے جا رہا تھا۔
کچھ دیر کے بعد میں نے شباب کے گھر فون کیا۔
”اب ملا کہ وہ تو دورے پر کراچی چلے گئے۔“

اگلے دن دین مجھے اپنے گھر لے گئی۔ سارا دن وہ دیوانہ وار کراچی فون کرتی رہی۔ وہ کرب
میں ڈھکی تھی۔ ہوش و حواس قائم نہ تھے۔ ایک دیر انگی طاری تھی۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی۔ بھائی
پیارے رضامند ہیں۔ سرکار قبلہ نے اجازت دے دی ہے۔ عفت مان گئی ہے۔ مدینہ منورہ سے
دوری مل گئی ہے۔ اب یہ شخص میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ پولو ملتی۔

میں گھبرا ہوا اس کے پاس بیٹھا تھا۔ مجھے کیا پتہ؟ میں نے کہا۔

میں اسے ہنس کر دوں گی“ وہ چلائی۔

میں نے بھائی جان کو یہ واقعہ سنایا۔ سن کر منہمک ہو گئے۔ منہ نہ کھلے۔

پتہ نہیں اس روز مجھے کیا ہوا تھا۔

میں بھائی جان پر برس پڑا۔ میں نے کہا“ بھائی جان یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔

یہ قدرت اللہ شباب کون ہے یہ حترمہ کون ہے۔ آپ ایک با اصول آدمی ہیں۔ با کردار
آدمی ہیں۔ لیکن آپ نے اس سلسلے میں اپنے سارے اصول توڑ دیے ہیں۔ آپ بالکل اس کے
برعکس گئے ہیں۔ آپ نے ہمیں تجھ سے ڈال دیا ہے۔ ہمیں پتہ نہیں چل رہا کہ کیا کرنا ہے“

میں نے حیرت سے دہرایا۔

میں آپ کے گھر آچاقوں اور آپ اسے فون کر کے بلائیں“ وہ بولی۔

اور ان کو نہ بتاؤں کہ آپ ان کو ملنا چاہتی ہیں۔ میں نے کہا۔

کیوں نہ بتائیں“ وہ بولی“ کوئی چوری نہیں“ کوئی دھکی چھپی بات نہیں“ صاف کہیں کہ میں
اس سے ایک آخری فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔

اور اگر وہ نہ آئے تو۔

بے شک نہ آئے۔ نہیں آئے گا تو از خود فیصلہ ہو جائے گا۔

بگھوڑا

میں نے دین سے ملے کر لیا۔

اگلے روز میں نے شباب کو فون کیا۔ میں نے کہا“ آپ میرے گھر آجائیں۔ ان دنوں میں
ایک کوارٹر میں رہتا تھا۔ میرا مکان بڑا کم کے ایک سرے پر تھا۔ وہ ایک چھوٹا مکان تھا۔ ایک
جانب ڈرا بینک روم تھا“ دوسری جانب رہائشی کمرے تھے۔ تھیلے کے لیے ڈرا بینک روم بڑا
موزوں تھا۔ چاقوں کی آواز ہر گھنٹے سے تک نہیں پہنچتی تھی۔

شباب نے پوچھا“ خیریت تو ہے۔

میں نے کہا“ بالکل خیریت نہیں ہے۔

وہ گھبرا گیا“ کیا ہوا۔

میں نے کہا“ ہوا نہیں۔ ہونے والا ہے۔

پوچھا“ کیا ہونے والا ہے۔

میں نے کہا“ میرے ڈرا بینک روم میں آپ کی دین سے تھیلے میں ملاقات ہونے والی

ہے۔

وہ از سر نو گھبرا گیا“ کہنے لگا“ آپ اسے مل نہیں سکتے۔

میں نے کہا“ شباب صاحب ٹالے نہیں۔ کب تک ٹالیں گے آپ ٹالنے سے بات ختم
نہیں ہو جاتی“ مزید پ پڑتا ہے۔ میں نے کہا“ شباب صاحب جو ہونا ہے لازماً ہو گا۔ آپ

کدھر جاتا ہے۔ ہمارا راستہ کھوٹا کر دیا ہے۔

وہ جس کی خواہش ہے اسے پاؤ گی۔

وہ جس کی خواہش ہے اسے پاؤ گی۔

سینٹیسولن باب

پراسرار

ایک روز دفتر میں ایک صاحب تشریف لائے دیکھتے ہیں عوامی سے آدمی تھے لیکن انداز بڑا
 ایک ہنگ تھا۔ بری بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھ گئے، کہنے لگے، شہاب صاحب سے ملنا ہے۔
 میں نے کہا، جناب شہاب صاحب تو دور سے پر گئے ہوئے ہیں۔
 کب آئیں گے، اس نے پوچھا۔
 میں نے کہا، جناب دو ایک دن میں آئیں گے۔
 اس نے سرگرمی کا ایک لمبا سٹل لیا۔ کہنے لگے، یہ تو بڑی مشکل ہو گئی۔
 میں نے کہا، آپ دو دن کے بعد تشریف لائیں۔
 بولا، میرے پاس تو اتنا وقت نہیں ہے کہ انتظار کر سکوں اور کام اشد ضروری ہے۔

ایشیاری

میں نے سوچا یا اللہ یہ کیسا سا گلی ہے کہ جس کے پاس انتظار کرنے کے لیے وقت نہیں ہے
 اور کام اشد ضروری ہے پھر اس نے اپنا تعارف کر لیا کہنے لگے، میرا نام ایشیاری ہے میں صفائی

میں نے پوچھا کیا ہوا؟
 وہ بولا، بات ختم ہو گئی۔ وہ جسم سے بے نیاز نہیں ہو سکتیں۔
 مجھے تعجب نہ آیا۔ کہنے میں نے پوچھا۔
 انہوں نے شیطانی قوتوں کو مدد کے لیے پکارا ہے۔
 کیا آپ کے خلاف جارہا کیا ہے۔
 ہم سب کے خلاف، حلقہ، عفت اور میں، سب کے خلاف جارہا ہمیں، شیطانی عمل، بڑی
 مشکل ہوئی۔ مجھے شیطان سے لڑنا پڑا۔
 کیا کیا کیا۔ کلام کے دور پر لڑنا پڑا۔
 نہیں، وہ بولا، تو نہ بکلیجی..... اور اس نے فون بند کر دیا۔
 چند ایک دنوں کے بعد راجہ نے فہریش میں ہوئی سے مجھے فون کیا بولا، فوراً یہاں آ جاؤ۔
 کیا بات ہے، میں نے پوچھا۔
 وہ بے ہوش پڑی ہیں۔
 کون ہے ہوش پڑی ہے۔
 اس نے خواب آور گولیاں کھلی ہیں۔
 کس نے، میں نے پوچھا۔
 دین نے، وہ بولا۔ ہونٹ والے انہیں سی ایم ایف لے جا رہے ہیں۔ تم فوراً یہاں پہنچو۔
 نہیں راجہ بلکہ تم یہاں آ جاؤ فوراً۔
 پاگل ہو تم وہ چلایا۔
 بھائی جان کا حکم ہے۔ میں نے جھوٹ بولا۔
 بھائی جان کو علم ہے کیا۔

UrduPhoto.com

دو دن کے بعد ہسپتال سے فون موصول ہوا کہ محترمہ دین خطرے سے باہر ہیں۔ یہ نہیں
 وہ فون کس نے کیا تھا۔

UrduPhoto.com

کیا آپ ان سے انتظار لیتا چاہتے ہیں؟ میں نے پوچھا۔
 نہیں جی، وہ بے تکلفی سے بولا، انتظار کیا لیتا ہے۔ میں انہیں چاہتا ہوں۔ پرانا نیاز مند
 ہوں۔ جب وہ جھگ میں ڈپٹی کسٹرز تھے، جب سے میں جھگ کا رہنے والا ہوں۔
 کیا کام ہے آپ کو ان سے۔
 جی کام ہے، وہ بولا۔ ہاں، وہ رک گیا، پھر کسے لگا کر آپ کو ان کا فون نمبر معلوم ہو تو میں
 انہی فون سے فون پر بات کر لوں۔
 جی نہیں مجھے نہیں معلوم، میں نے جواب دیا۔
 اس نے سرگرمی کے چار ایک کسل لگائے۔ کسے لگا؟ میں آپ کو چاہتا ہوں۔ آپ ممتاز مفتی
 ہیں نا۔
 میں چو لگا۔
 وہ بولے گیلہ جاتا تو در سے ہوں۔ البتہ ملاقات کا موقع آج ہی ملا ہے۔
 یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے جانتے ہیں، میں نے کہا۔
 او نہیں جی۔ ہم صحافی لوگ ہیں۔ چنانہارا کام ہے۔ جاننے کے لیے ہم صبح شام کہیں
 ہوتے رہتے ہیں۔
 میں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ شباب صاحب سے صحافی کی حیثیت سے ملنے نہیں آئے
 بلکہ دوست کی۔
 وہ مسکرایا۔ بولا۔ ہاں جی شباب کی مہربانی ہے کہ وہ مجھے دوست جانتے ہیں ورنہ صحافی کی کیا
 حیثیت ہے۔ اس نے سرگرمی کا ایک لمبا کسل لگایا۔
 میں نے کہا آپ سے ایک بات پوچھوں۔
 پوچھیے، وہ بولا بے تکلف پوچھیے۔
 آپ انہیں اچھی طرح جانتے ہیں نا۔ اے بے پوچہ رہا ہوں۔
 ہاں وہ بولا میرا خیال ہے کہ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔
 تو یہ بتائیے میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ شباب کون ہے۔
 وہ میرا سوال سن کر چو لگا۔ کون ہے کا مطلب اس نے پوچھا۔

اپنی لکھنر، اصلی، جعلی

اندر دوش میں آگیا بولا مفتی صاحب کیا آپ نے سنا ہے کسی کہ علاقے کا ڈپٹی کسٹرز ایک
 شخص، اس کا پاس سزاوارہ دو دیکھتے بیٹھارے۔
 ایک دن میں نے پوچھا، میں نے کہا شباب صاحب یہ سوچی کون ہے جس کے پاس کپ
 ہمارے انداز میں بیٹھے رہتے ہیں۔
 شباب نے کہا، وہ سوچی نہیں۔ وہ بھی اس علاقے کا ڈپٹی کسٹرز ہے۔ میں بھی ڈپٹی کسٹرز
 ہوں، ان صرف یہ ہے کہ وہ اصلی ہے، میں جعلی ہوں۔

گھر سے شاہ

پھر وہ گھوڑے شاہ قلعہ گھوڑے شاہ اک مست قلعہ آوارہ پھرتا رہتا قلعہ ہوش و حواس
 لگتا، لیکن شام کے وقت وہ ایک مخصوص جگہ آ بیٹھا قلعہ کچھ دور بیٹھا رہتا پھر دفعتاً
 اٹھ اٹھتا بچاس قدم دور ایک کھمبے تک دوڑتا جاتا پھر دوڑتا ہوا واپس آکر بیٹھ کر ہانپنے لگتا۔

کیا آپ ان سے انتظار لیتا چاہتے ہیں؟ میں نے پوچھا۔
 نہیں جی، وہ بے تکلفی سے بولا، انتظار کیا لیتا ہے۔ میں انہیں چاہتا ہوں۔ پرانا نیاز مند
 ہوں۔ جب وہ جھگ میں ڈپٹی کسٹرز تھے، جب سے میں جھگ کا رہنے والا ہوں۔
 کیا کام ہے آپ کو ان سے۔
 جی کام ہے، وہ بولا۔ ہاں، وہ رک گیا، پھر کسے لگا کر آپ کو ان کا فون نمبر معلوم ہو تو میں
 انہی فون سے فون پر بات کر لوں۔
 جی نہیں مجھے نہیں معلوم، میں نے جواب دیا۔
 اس نے سرگرمی کے چار ایک کسل لگائے۔ کسے لگا؟ میں آپ کو چاہتا ہوں۔ آپ ممتاز مفتی
 ہیں نا۔
 میں چو لگا۔
 وہ بولے گیلہ جاتا تو در سے ہوں۔ البتہ ملاقات کا موقع آج ہی ملا ہے۔
 یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے جانتے ہیں، میں نے کہا۔
 او نہیں جی۔ ہم صحافی لوگ ہیں۔ چنانہارا کام ہے۔ جاننے کے لیے ہم صبح شام کہیں
 ہوتے رہتے ہیں۔
 میں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ شباب صاحب سے صحافی کی حیثیت سے ملنے نہیں آئے
 بلکہ دوست کی۔
 وہ مسکرایا۔ بولا۔ ہاں جی شباب کی مہربانی ہے کہ وہ مجھے دوست جانتے ہیں ورنہ صحافی کی کیا
 حیثیت ہے۔ اس نے سرگرمی کا ایک لمبا کسل لگایا۔
 میں نے کہا آپ سے ایک بات پوچھوں۔
 پوچھیے، وہ بولا بے تکلف پوچھیے۔
 آپ انہیں اچھی طرح جانتے ہیں نا۔ اے بے پوچہ رہا ہوں۔
 ہاں وہ بولا میرا خیال ہے کہ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔
 تو یہ بتائیے میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ شباب کون ہے۔
 وہ میرا سوال سن کر چو لگا۔ کون ہے کا مطلب اس نے پوچھا۔

ایئر صاحب! مجھے پتہ ہے جب انہیں بھیج رکھنا ہو تو وہ موضوع بدل دیا کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے مزید کرپہ نہ کی۔

ایئر کی باتیں میرے لیے کام کی باتیں تھیں۔ اس کا انداز بے تکلف تھا۔ ظاہر تھا کہ وہ کمرہ دار تھا۔ اس کی بیان کی ہوئی جھلسکی میرے فریم میں فٹ بیٹھ رہی تھی۔ جو میں نے اپنے کام کے دور پر شاپ کے متعلق اپنے ذہن میں بنا رکھا تھا۔ اس لیے میں نے جان بوجھ کر اس کا کوئی طویل دنا شروع کر دیا۔

ایئر صاحب میں نے پوچھا "شاپ قیروں، بلاٹوں اور مستویں میں کیوں دلچسپی لیتے ہیں۔" میں نے "وہ بولا" جھنگ میں وہ صرف آٹھ دس مہینے ڈی سی رہے۔ اس دوران میں ان کی وہ باتیں پر مرکوز رہی "ایک توپوں کی طرف اور دوسرے غریبوں "بابت مندوں اور عوام کی طرف۔"

ایک روز شاپ نے مجھ سے پوچھا "ایئر صاحب یہ بتائیے کہ ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے مجھے عوام کے لیے کیا کرنا چاہیے۔"

میں نے کہا "اب سے بڑی بات تو آپ کر چکے ہیں۔ آپ نے کھلی پھری لگا دی ہے۔ عوام کے پاس آتے ہیں اور اپنے مسائل پیش کرتے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ آپ ان کے راستے تبدیل کر جاتے ہیں" وہ باغ میں غریبان باغہ میں لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ جنہیں آپ دیکھ کر رونا دھول کرتے ہیں۔

وہ تو بے "وہ بولے" اسے چھوڑیں آپ کوئی تجویز بتائیں۔ میں نے کہا "جھنگ تعلیمی طور پر بڑا ایک ورڈ علاقہ ہے۔"

انہوں نے پوچھا "اس لیے کہ تعلیمی سہولتیں مہیا نہیں کی گئیں اور لائق لڑکوں کے ہاں باپ اس قدر غریب ہیں کہ وہ تعلیم کا خرچہ اٹھا نہیں سکتے اور علاقے کے زمیندار زمین چاہنے کے کامیوں کے بیٹے کو اپنا وار جانیں۔"

پندرہ میں منٹ بیٹھا رہتا۔ پھر دوڑ لگا۔ شکر کے لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ جب وہ دوڑا ہے اس پر کھٹ کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اس لیے مستقبل کو جاننے کے شوقین گھوڑے شاہ گرد گھیر ڈالے رکھتے تھے۔ جب وہ دوڑا تو چار پانچ سال اس کی پیچھے پیچھے دوڑتے۔ اس پر چھٹے بلا گیا میں مقدمہ جیت جاؤں گا۔ کیا مجھ سے میرا بیاد ہو جائے گا؟ کیا میری لڑائی صحت حاصل ہوگی۔ دوڑتے ہوئے وہ صرف ایک فٹ سے میں ہر سوال کا جواب دیتا تھا۔

ایئر راہی بولا "ایک دن شاپ نے مجھے بلایا کہنے کے پلو گھوڑے شاہ کو دیکھیں۔ میں نے اپنا چناب وہاں تو بہانوں کا ہنگامہ لگا دیتا ہے۔

کہنے کا کوئی حرج نہیں۔ ہم ٹوپی کھل لوڑھ کر جائیں گے۔

میں نے کہا شاپ صاحب آپ تو کھٹ کو نہیں مانتے۔ نہیں، میں نہیں مانتا" وہ بولا۔

تو پھر آپ گھوڑے شاہ سے کیا پوچھیں گے۔

کچھ پوچھا نہیں میں اسے آڑھا پھانتا ہوں" وہ بولا۔ تقریباً۔

خیر جی ایئر نے کہا پہلے دن تو میں موقع نہ ملا۔ بھیڑ زیادہ تھی۔ ملتی صاحب ہم وہاں نہ

دن جاتے رہے۔

تیسرے دن اتفاق سے وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ جب گھوڑے شاہ دوڑا تو شاپ صاحب نے بھی ساتھ دوڑ لگا دی۔

واپسی پر میں نے پوچھا "کیوں آپ نے گھوڑے شاہ کو کیسا پایا۔"

بولے "ٹھیک ہے۔ فزاد نہیں۔"

آپ نے کیا پوچھا تھا میں نے کہا۔

بولے "میں نے پوچھا تھا کہ میرا کیا ہو گا؟"

پھر اس نے کیا بتایا۔

کہنے لگا۔ پر وہ ہے "پر وہ ہے" پر وہ ہے۔

اس کا مطلب کیا ہوا؟ میں نے پوچھا کیا پر وہ۔

کہنے لگے "جیے مجھے بھی نہیں معلوم کہ پردے کا کیا مطلب ہے؟ لیکن یہ فقیر فزاد نہیں۔"

پھر اس نے کہا کہ شاپ صاحب نے اسے غور سے دیکھا تھا۔

”وہ بولا“ ملحق صاحب شہاب صاحب کی باتوں کا مزہ لیں ہوا ہی مضیٰ آدمی ہے۔ تحقیق میں وہ نہ پاگل ہو جائیں گے آپ۔ اس کا سرانہ کسی نے پایا ہے نہ کوئی پائے گا۔ مجھے بھی یہ یاد تھا کہ وہ دُرُوبِ تنگے کا تار باہر پھر ایک دن مجھے متسل آگئی۔ میں نے خود سے کہا“ ایمر اللہ! ام کا بیڑہ گمن۔“

میں نے کہا“ یہ بتائیے کہ شہاب کو بیڑوں فقیروں سے کیوں دلچسپی ہے۔“

”ایم! وہ بولا“ فقیروں سے دل چسپی ہے۔ بیڑوں سے نہیں۔ بیڑوں کو وہ برا جانتے ہیں“

میں نے لوگ تنگ ہیں بموئے بھالے مسلمانوں کو کوٹھتے ہیں۔

میں نے کہا ایمر صاحب مجھے اس بات کا علم ہے کہ قدرت اللہ شہاب غریبوں کی مدد کرتے عوام کے لیے کام کرتے ہیں۔ میں تو یہ جانتا چاہتا ہوں کہ شہاب صاحب کون ہیں؟

”وہ مسکرایا بولا“ آپ کا مطلب ہے کہ شہاب صاحب کوئی ہیں۔“

میں نے کہا“ ہاں، وہ عوام کی مدد صرف تنگ دلی اور ہمدردی کی وجہ سے نہیں کرتے۔ مجھے

یاد ہے کہ ان پر ایسے کام کرنا عاید ہے۔“

”ایم! طلب“ ایمر نے پوچھا۔

میں نے کہا“ مجھے شک پڑتا ہے کہ ان کا کوئی مقام ہے اور اس مقام کی وجہ سے ایسے کام کرنا عاید ہے۔“

”ایم! مجھے علم نہیں“ ایمر نے جواب دیا۔ البتہ ایک بات یقینی ہے کہ شہاب ایک پراسرار شخص ہیں۔ ان کا ہمیدہ کسی نے نہیں پایا۔“

ایم! غافلہ

یہ صدر کے بی اے خلد صاحب تھے۔ میں انہوں نے ان سے شہاب کی بات چھیڑ لیتا تھا کہ شہاب کا ہمیدہ کیلئے۔

ایم! بی غافلہ نے حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے۔ ”عنوان ہے“ ”ایم! ان صدر میں سولہ“

ایم! کتاب خلد صاحب کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ مصنف کے بارے میں اس کتاب کا

تعداد میں نے لکھا ہے۔ ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

اگلے روز ہی شہاب صاحب نے ایک حکم نامہ چھاپی کر دیا۔ ”راشن ڈپوزٹس پر ایک حصہ“

میں نے حساب سے قلمی سرچارج لگا دیا۔ یوں چالیس ہزار روپے جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے ہزار ہزار ملحق طلباء کے ہاتھ دھینے لگا دیے۔

ایک دن میں نے فیس میں کہا“ شہاب صاحب یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں قلمی دکانوں کے بارے میں پریس میں کوئی خبر نہیں آئی۔ وہ کہتے ہیں آپ نے منع کر دیا ہے۔“

اس پر شہاب صاحب مسکرائے۔ بولے“ ہمیں کام سے غرض ہے۔ قصیر کو چھوڑ دینا صاحب۔“

آف دی ریکارڈ

ایمر نے ایک نیا سگریٹ سلگایا۔ بولا“ پتہ نہیں کیوں شہاب صاحب کو قصیر سے چڑھتی جب بھی وہ مجھ سے بات کرتے تو کتنے ایمر صاحب یہ باتیں آف دی ریکارڈ ہیں۔“

میں نے کہا“ ایمر صاحب آپ تو شہاب صاحب کے انٹرویو لیا کرتے ہیں۔“

ایمر قہقہہ مار کر ہنسنا لگا۔ ”جی ہاں، میں جب شہاب کے دور دراز بات سناتے ہیں تو“

تفصیلات دیتے ہیں۔ جب اشاعت کے لیے انٹرویو لیتا ہوں تو تفصیلات گول کر جاتے ہیں۔“

میں پوچھتا ہوں آپ نے تو مجھے یہ بات یوں سنائی تھی۔ اب آپ اسے مختصر کر کے رہے ہیں۔“

جواب میں وہ کہتے ہیں“ وہ بات آف دی ریکارڈ تھی۔“

ایمر کی شہیت مجھے سے حد پند آئی۔ اس کی باتوں میں صحافیانہ عنصر نہ تھا۔ صحافی تو کام کرتے ہیں۔ باتوں میں ہیرا نکھیری برتنے کی عادت ہوتی ہے۔ ایمر کی باتوں سے پینڈو کی خوشبو آتی رہی تھی۔ اس کی بات میں بے باک تھی۔

میں نے کہا“ ایمر صاحب میں آپ کا وقت تو ضائع نہیں کر رہا۔“

”وہ ہنسنا لگا“

میرا وقت جتنی نہیں ہے اور مجھے میری کوئی کام نہیں ہے۔ میں تو شہاب صاحب سے

آگیا تھا۔

میں نے کہا“ مجھے شہاب کی باتوں سے دلچسپی ہے۔“

۱۔ اور ساتھ خالد کی کلی ٹانگ لی۔

۲۔ محمد گمر میں خالد صدر صاحب کا بی ایس تھا اور وہ صدر کے سیکرٹری کا وائس ڈی۔
۳۔ حضرت ائمہ شہداء تھے۔ خالد کے ساتھ میں تقریباً دو تین سال صدر گمر میں رہا۔
۴۔ یہ انعامات بڑے خوش گوار ہیں رکی رہے۔ ہم دونوں میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ میں
۵۔ ہم مسلمان تھے۔ خالد اسلام بیٹا تھا۔ میں مغرب زدہ تھا وہ مشرقی رنگ میں دکھا ہوا تھا۔ وہ
۶۔ کار بند تھا۔ میں اصولوں سے بے نیاز "ہے" کی دنیا میں بیٹا تھا۔ خالد "کیا ہونا
۷۔ "کا دلدادہ تھا۔

۸۔ ہمارے ہونے کے بعد خالد نے اپنی یادداشتوں پر ایک کتاب لکھی جس میں جگہ جگہ شہاب کا
۹۔ نام ہے۔ اس کتاب میں سے مختصر اقتباسات اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں کہ خالد صاحب نے
۱۰۔ صاحب کو کیسے پایا۔

۱۱۔

۱۔ پہلے روز شہاب صاحب صدر گمر میں آئے تو کسی کو بتا ہی نہ تھا
۲۔ کہ یہ کون صاحب ہیں۔ کیوں آئے ہیں۔ ایک کوئے میں فائو کر رہی پر
۳۔ دھار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ ایک ایک فائل گود میں رک کر اسے
۴۔ پڑھتے رہے۔

۵۔ ان میں ایک عجیب قسم کی جھگ تھی۔ شریطے اور کم آمیز
۶۔ تھے۔

۷۔ انہوں نے صدر میں شہاب اپنا مسئلہ ساتھ لائے تھے۔ ظہور مصر
۸۔ کی نمازیں اپنے کمرے کے ایک کوئے میں ادا کرتے تھے۔

۹۔ انہیں پہلی مرتبہ دل کا دورہ پڑا "تو ان کی بیگم کے قول کے
۱۰۔ مطابق اس کی وجہ مجاہدہ تھی۔

۱۱۔ شہاب کثرتِ محبت کو چھپانے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ ایسی
۱۲۔ جگہ لہز پڑتے جہاں وہ "دروازے سے نظر نہ آئیں۔ رمضان میں سخت

حیرت ہے کہ اہم بی خالد نے ۲۱ سال صدر گمر کے اکھاڑے میں کس طرح
گزارے۔ اگر خالد میں تماشا بینی یا ذاتی مفاد کے عنصر ہوتے تو بات سمجھ میں آ
جاتی۔ لیکن خالد تو پیدا کنشی طور پر صراطِ مستقیم ہے۔ شاید یہ بیماری موروٹی ہو۔
بچپن میں ہی خالد میں اسلامی ذوق بیدار ہوا۔

پھر ایک عالم دین کی باتیں سن کر اس میں مزید لہل آگیا۔ جوانی میں ہی خالد
صوم و صلوة کا پابند ہو گیا۔ داڑھی رک لی۔ اس زمانے میں داڑھی رکنا فیشن میں نہ
تھا اُن پر جسے کئی لوگ میووب سمجھتے تھے۔ خالد کے دل میں تبلیغ کا جذبہ قبضہ صمت
کا خون تھا۔

پھر ایک روز ان جانے میں خالد عالم دین کے کمرے میں داخل ہوا تو اسے
مصروف کار دیکر کہ خالد کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ رہتیوں پر اجماع نہ رہا عمل
کر شاہرہ کی رو پگڑبندی بن کر رہ گئی۔ داڑھی منڈوا دی۔ صوم و صلوة ٹانگ پر رک
دینے۔

دو ایک سال بعد احمد کی کیفیت قائم رہی "پھر اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی سوانح پڑھ لگ گئی۔ اسلامی کردار کی عظمت اور سرفرازیاں ہوئی بے انتہائی
دھل گئی۔ توجہ اسلام کے ظاہری کوائف سے ہٹ کر باطن پر مرکوز ہو گئی۔ اسلامی
کردار مطیعِ نظریں گیا جس پر وہ آج تک سختی سے عمل پیرا ہے۔

ایک ایسا شخص جسے ہر حالت میں جگہ کہہ دینے کی بری عادت ہو "جو لوگوں کو
خوش کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو" جو صورتِ حالات سے بے نیاز ہو کر قدم
اٹھانے کا عادی ہو "نراشی مسکراہٹ سے عاری ہو" بلا تعمل لیس سرکنے کا عادی نہ
ہو" وعدہ خلافی کو ناقض سمجھتا ہو" حقوق العباد کا دنیو نہ ہو" ایسے آدمی کا سوا
سال صدر گمر میں ملازمت کرنا میرے لیے حیران کن بات ہے۔ خصوصاً "اس زمانے
کا صدر گمر جو واقعہ اور کا واقعہ مرکز تھا۔

خالد کا اسلیم نام محمد بشیر تھا۔ وہ والدین کے لیے ایک بشارت لایا تھا جب وہ بڑا
ہوا تو اس راز کو افشا کرنا پسند نہ کیا۔ پتا نہیں کیوں "اس نے محمد بشیر کو اہم بی میں کیا

مجاہد کرتے تھے جس طرح کہ فرقہ ملامتیہ کے بزرگ کرتے ہیں۔

۵۔ ۱۶۹۰ء میں شہاب صاحب نے سول سروس سے استثنائے پیش کر دیا۔ صدر نے پوچھا آپ ملازمت سے کیوں الگ ہونا چاہتے ہیں۔

شہاب نے کہا سول سروس کو چکنہ متعود قلم ہضم کرنے کا عزم ہو جانے کا ارادہ نہ تھا۔

بہلول شہاب صاحب سول سروس کے چوہے دان سے رہائی پانے کی یہ فن کی دوسری کوشش تھی۔

جج پر گئے تو جی بی فڈ سے قرض لیا۔

اور جج سے متعلق تمام تر مسئلے خود کیہ میں کھڑے ہو کر سرانجام دیے جلاں کہ دفتر کے حوالے سے تمام انتظامات بیٹھے بیٹھے عمل میں لانے جاسکتے تھے اور یہ تمام مسئلے انہوں نے چوری چوری ادا کیے۔

۷۔ جب صدر ایوب کی جسوس کی سیکش گاڑی چلی جو جگہ جگہ رکھی تھی اور ان جگہوں پر چلے ہوئے تھے تو:

ایک جگہ گاڑی میں شہاب ڈرائیو پر بیٹھے۔ جمسٹریٹ قسم کے ایک افسر جگہ جگہ کے گینٹ پر کھڑے تھے۔ انہوں نے شہاب کو روک لیا کہنے لگے دوسری طرف عام پبلک کا دروازہ ہے، اور سے جا بیٹھے۔ شہاب صاحب چپ چاپ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اسی میں صدر ایوب کی آوازیں سنائی دیں۔ شہاب۔ شہاب۔ اے وی سی نے دیکھا کہ درخت تلے کھڑے ہیں۔ وہ بھاگ کر ان کے پاس گیا اور انہیں جگہ جگہ میں لے آیا۔

۸۔ اسی سڑک کے دوران ایک چلے میں صدر صاحب کے شاف کے لیے خصوصی فٹیش تھیں۔ شہاب صاحب بھی اپنی فٹیش پر بیٹھ گئے۔ منتظرین میں سے ایک نے دیکھا کہ وہ کرسی پر اس عاجزانہ انداز میں بیٹھے ہیں تو اسے شک پڑ گیا کہ ضرور یہ کوئی باہر کا آدمی ہے۔ اس نے آکر

شہاب کو بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا۔ بولا چائو اور پبلک میں بیٹھو۔ شہاب اٹھ بیٹھے ابھی دوسری قدم اٹھائے تھے کہ صدر ایوب نے آواز دی اور آواز شہاب۔

۹۔ ایوان صدر سے رخصت ہوتے وقت شہاب صاحب نے صدر ایوب کو ایک فریم شدہ آیت تھے کے طور پر دی۔ اس آیت کا مطلب تھا۔

لوگو! وہ بات کہیں کہتے ہو جو تم خود کرتے نہیں ہو۔ خدا کے نزدیک ایسی بات بہت بڑا گنہگار ہے۔ کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

۱۰۔ یحییٰ بنان کا زمانہ شہاب کے لیے کرب و بلا کا زمانہ تھا۔ لندن میں پہلے گزیریں تھے۔ یو نیٹکو سے ایک سو ڈالر ماہوار ملتے تھے۔ اسی پر گزارہ تھا۔ پیش منہ ہو چکی تھی۔ ان دنوں تعلقہ بھی آئے۔ تنگم کو قاتلوں نے اس قدر بڑا حال کر دیا کہ بلاخر غناقی حقیقی سے جا ملیں۔

۱۱۔ راجا منٹ سے کچھ دیر بعد شہاب صاحب داڑھی رکھ کر بے نقاب ہو گئے، ورنہ نظریہ آنے والی داڑھی تو اس وقت بھی تھی جب ۱۹۵۳ء میں پہلی مرتبہ ایوان صدر میں داخل ہوئے تھے۔

۱۲۔ گورنر جنرل ہاؤس میں قدرت اللہ شہاب کی آمد غلام محمد کے پرسنل شاف کے لیے باعث رحمت ثابت ہوئی۔

گورنر جنرل کی بڑا منگنی پر سینئر شاف بشیر طوفان کا رخ جو نیئر شاف کی طرف موڑ دیا کرتے تھے۔ شہاب صاحب کی آمد پر یہ رسم ٹوٹ گئی۔ شہاب دوسروں کی خطاؤں کو بھی اپنے کھاتے میں ڈال کر خوش ہوتے تھے۔ یوں سارا شاف شہاب کا گرویدہ ہو گیا۔

۱۳۔ قدرت اللہ شہاب اردو کے لویب تھے مگر شاید کم ہی لوگوں کو علم ہو گا کہ ان کی انگریزی اردو سے کہیں بہتر تھی۔

۱۴۔ سکندر مرزا کے دور میں جواز توڑ کا نہ قسم ہونے والا سلسلہ

غلام صاحب کی کتاب میں شاپ صاحب کے متعلق اور تفصیلات بھی ہیں جو ان کے کردار اور دشمنی واقعی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قلم تر سروس کے دوران کا رویہ قطعی طور پر منفرد تھا۔ اور ان کی انفرادیت میں پر اسراریت کا عنصر نمایاں تھا۔

استغنیٰ

شاہ شاپ صاحب نے کئی ایک بار سول سروس سے استغنیٰ دیا جس کی تفصیلات ایم بی غلام نے اپنی کتاب میں رقم کی ہیں۔

قدرت اللہ شاپ نے ۱۹۳۱ء میں انڈین سول سروس کی ابتداء کی اور ۱۹۷۶ء میں ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ اس پچیس برس پر محیط سروس کے دوران انہوں نے چار مرتبہ سول سروس سے علیحدہ ہونے کی تاہم کو شش کی۔ ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ چار بار علاوہ بھی انہوں نے ایک آدھ بار استغنیٰ لکھ کر جب میں تیار رکھا مگر پیش کرنے کی فوج نہ ملی۔ سول سروس کی تاریخ میں قدرت اللہ شاپ واعد فرد ہیں جنہوں نے استغنیٰ پر استغنیٰ دیا۔ مگر بقول ان کے "سول سروس کے چرے دن سے رہائی نہ مل سکی۔" اور ساٹھ سال کی طبی عمر تک بگنے میں پڑا واصل انہیں بچاتا ہی نہ۔

پہلا استغنیٰ انہوں نے ۱۹۳۱ء میں اس وقت دیا جب کہ ان کو انڈین سول سروس میں داخل ہونے صرف آٹھ ماہ ہوئے تھے۔ دوسرا استغنیٰ پاکستان میں سکندر مرزا کی مداخلت کے دوران دیا اور تیسرا ایوب خان کے دور حکومت میں۔ دوسرا اور تیسرا استغنیٰ اس لئے منظور نہ ہوا کہ صدر پاکستان انہیں پسند کرتے تھے۔ چوتھا استغنیٰ انہوں نے یحییٰ خان کے عہد میں دیا۔ یہ اس وجہ سے منظور ہوا کہ صدر پاکستان انہیں بہت نا پسند کرتے تھے اور چاہتے کہ "بچ بچا کے نہ جائے۔"

میرے پرانے کاغذات میں ان کے اس استغنیٰ کا قلمی نسخہ موجود ہے جو انہوں نے صدر ایوب خان کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ پرنٹڈ ڈاٹ پوس کے لیٹریڈ کے چھ صفحات پر مشتمل اس استغنیٰ سے ان کی شخصیت اور ان کے عم کی خوب عکاسی ہوتی ہے۔ ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

شروع ہوا تو شاپ صاحب بہت د گھبر ہوئے اور سول سروس سے کنارہ کشی کی کوشش شروع کر دی۔

غلام شاپ صاحب دوسرے انہوں کی طرح بول چال کے معنی نہ بن سکے۔ بلکہ دوسروں کی سنتے اور لطف اٹھاتے۔ اپنے اندر کا اہل صرف قلم کے ذریعے خارج کر سکتے تھے۔ زبان کے استعمال میں انڈی تھے۔

۱۔ ایوان صدر میں چھ برسوں کے دوران ہمیں یہ حسرت ہی رہی کہ شاپ صاحب کسی طاقت کی کوکھی یا مستثنیٰ پر کبھی تو سرزد نہ کریں۔

۲۔ وہ دو ڈپٹی انٹنڈنٹ قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتے کہ فلاں عزیز کے ہاں مہربے ہیں یا ان کا کوئی شریخ نہیں ہوا۔ اسلام آباد سے لاہور تک کا کریمہ واپس کر دیتے کہ فلاں عزیز کی ناکر میں آئے تھے۔

۳۔ غلام محمد اپنے جائز حق سے دست بردار نہیں ہوتے تھے، لیکن شاپ صاحب کو جائز حق سے محرومی بھی اجناس محرومی میں جتنا نہ کر سکتی تھی۔

۴۔ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ۳۰ جون کو کلیم منظور کرانے کی آخری تاریخ تھی۔ شاپ صاحب کے چھوٹے بھائی حبیب اللہ شاپ نے کراچی سے مجھے ٹیلی فون پر بتایا کہ جیلی کا کلیم بمبلی جان کی میز کی فلاں درواز میں کسی میٹوں سے رکھا ہوا ہے۔ آپ وہاں سے ڈھال کر بمبلی صاحب کے دستخط کرائیں اور وقت مقررہ ختم ہونے سے پہلے داخل کراویں۔ شاپ نے میرے اصرار پر دستخط تو کر دیئے مگر اس انداز سے جیسے کوئی کردہ فعل سرزد ہو رہا ہو۔

۵۔ شاپ صاحب محض بمبلی جان کی خاطر صدر ایوب کے آگے

”میں جناب صدر کی خدمت میں ایک ذاتی درخواست پیش کرتا ہوں۔

۲۔ پرے پرے غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سول سروس سے ریٹائرمنٹ لے لوں۔ اس کی وجہ کسی قسم کی باغی یا احساس غمروئی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس میں محسوس کرتا ہوں کہ موجودہ بدلے ہوئے حالات میں میرے لیے اپنے من کی پسند کی زندگی بسر کرنا اب ممکن ہو سکے گا۔

۳۔ ۱۹۹۲ء میں جب میں نے انڈین سول سروس میں شمولیت اختیار کی تو میرا ارادہ محض پیور و کرسی کا تجربہ حاصل کرنا تھا اور اس کے لیے میں نے اپنے ذہن میں پانچ سال کا عرصہ کافی سمجھ رکھا تھا مگر پاکستان کے قیام سے میرے لیے نئے دور کا آغاز ہوا اور میں نے سول سروس چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

جنوری ۱۹۵۸ء میں مجھے اس وقت کے صدر کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کرنا پڑا کیوں کہ میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ میرے لیے ان حالات میں ملازمت جاری رکھنا تو درکنار ذمہ داریاں بھی ممکن نہیں۔ میں ملک چھوڑ کر جلا وطنی کی زندگی گزارنا چاہتا تھا خواہ مجھے اپنی پیشین سے بھی عزم ہو پڑا۔ لیکن افسوس کہ ایسا کرنے کی اجازت نہ مل سکی۔ اس کے بعد انقلاب آ گیا اور میرے سروس کیہرے کا خوشگوار ترین دور شروع ہوا جو حال جاری ہے۔

۴۔ مجموعی اعتبار سے سول سروس کے دوران میرے ساتھ معیشتی کا سلوک روا رکھا گیا ہے۔ ہر قسم کی معاشرتی، سیاسی یا حسب لب کی قوت نہ ہونے کے باوجود میں اکثر عقل رکھ مندوں پر فائز رہا ہوں۔ ابھی حال ہی میں میرے دو سب (STATUS) اور تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ محض حسد کی بناء پر اکا کا تلخ واقعات کے سوا سول سروس کے

اندر باہر میرے خلاف کسی کے دل میں حسادت پیدا نہ ہوئی۔ میرے سامنے مزید ترقی کا راستہ کھلا ہے اور کسی بھی سول سروسٹ کے لیے اس سے بہتر سازگار حالات نہ ہوں گے جس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں، لیکن اس کے باوجود ذاتی وجہ اور توجہ کی اس کیفیت سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں کیوں کہ میرے نزدیک اچھی اور آرام دہ زندگی کے علاوہ بھی انسان کے مقاصد ہو سکتے ہیں۔

۵۔ میں اپنے طبعی رجحان کے مطابق آزاد مکتبہ اور ایک عام آدمی کی مانند زندگی گزارنے کا خواہش مند ہوں۔ میری اس خواہش کے پس پردہ کوئی سیاسی معاشرتی یا باہلی عنصر نہیں ہے۔

۶۔ کسی زمانے میں میری اولین ترنا تھی کہ نوجوانوں میں اخلاقی اور روحانی اتھار پیدا کروں لیکن میں نے اب محسوس کیا ہے کہ مجھ میں ایسا کرنے کی پوری صلاحیت موجود نہیں کیونکہ میں نے اپنی جوانی کی ایام نوجوانوں کے تجربت حاصل کرنے اور کھٹنے کی بجائے بے مقصد گزار دیے ہیں۔ اس کے علاوہ میں خود میں ایسی اخلاقی اور روحانی توانائی محسوس نہیں کرتا کہ دوسروں کے لیے مشعل راہ بن سکوں۔ مجھے اپنی اس کمی کا اعتراف بھی ہے اور افسوس بھی۔

۷۔ لائحہ مجھے اپنے ثانوی مقاصد کی طرف لوٹنا پڑا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوہی اور بھٹی خیلہ میں کام کروں۔ ایک اعلیٰ افسر کے روپ میں نہیں بلکہ ایک عام شہری کی حیثیت سے میرا سول سروسٹ ہونا ہی میرے پاؤں کی زنجیر ہے۔ تعمیری اور قومی موضوعات پر بھی میں وہ کچھ نہیں لکھ سکتا جس کے لکھنے کی میں صلاحیت رکھتا ہوں جو کچھ بھی لکھوں گا یا کوں گا اس پر میرے سول سروسٹ کی چھاپ لگ سکتی ہے اور اسے سرکاری یا اجرت کا پرائیویٹز اکتا جائے گا یہ صورت حال میری اور میرے وطن کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ میں ثقافت اور لوہ کو محض وقتی

کا ارادہ رکھتا ہوں۔

۱۰۔ میں نے یہ لہا مضمون محض اس خیال سے تحریر کیا ہے کہ یہ واضح کر سکوں کہ سول سروس سے ریٹائر ہونے کی غرض صرف وہی ہے جو میں نے لوہ جیان کر دی۔ ایک پچاس سالہ شخص عزت اور خوش حالی کی فوری چھوڑ کر کسی نئے کیریئر کا آغاز کرنے سے گھبراتا ہے۔ جس میں نئے سرے سے جدوجہد اور کوشش کا امکان ہو، لیکن میرے مشیر میں جو غلط اندازہ ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے یہ تجربہ اپنی ذات پر کرتا چاہتا ہوں۔ اگر اس مشن میں پوری طرح کامیاب نہ بھی ہو سکا تو بھی مجھے افسوس نہ ہو گا کیوں میری یہ کوشش دینانداری پر مبنی ہو گی کہ میں اپنے لیے اور اپنے ملک کے لیے کچھ کر لوں۔

۱۱۔ اگر میں اپنے انتخاب کردہ پیشے میں خاطر خواہ انکم نہ بھی پیدا کر سکا، علاوہ کہ مجھے یقین ہے کہ کر سکوں گا، میری پیشن ہمارے لیے کافی ہو گی۔ کیوں کہ ہم میاں پوری سادہ سے سادہ زندگی بھی گزار سکتے ہیں۔ میری پوری جو ڈاکٹر سے کام کرنے پر آمادہ ہے۔ میں نے اپنی شریک حیات کی مکمل رضامندی بلکہ حوصلہ افزائی پر ہی یہ انتہائی قدم اٹھانے کا عزم کیا ہے۔

۱۲۔ اپنے اس فیصلے میں جناب صدر کی خوشنودی بھی شامل کرتا چاہتا ہوں۔ گذشتہ ڈیڑھ سال جو میں نے جناب صدر کی خدمت میں گزارا ہے وہ میرے کیریئر کا بہترین اور خوشگوار ترین عرصہ ہے۔ جناب صدر نے ملک میں نئی زندگی کا احساس پیدا کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں آگے ہو کر اپنا اصل کام شروع کرتا چاہتا ہوں اصل میں میرا مشن ہی جناب صدر کے افکار اور فلسفے کی تشریح ہو گا۔ سول سروس کی حیثیت سے میں صرف عام قلم کا WRITING قائل ورکر کر سکتا ہوں۔ آگے ہو کر میں ان کے افکار کو پھیلانے اور عام کرنے کے لیے کتابیں لکھ

(HOBBY) کے طور پر نہیں بلکہ پیشے کے طور پر اختیار کرتا چاہتا

ہوں۔

۸۔ میرے مد نظر ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ ہمارے ملک میں رائے نگار۔ صرف دانشور بننے کی رائے کو سمجھا جاتا ہے اور جو لکھے گئے لفظ سے بنی یا جھوٹی ہے۔ اس ذریعہ ابلاغ کا بے دریغ استعمال ہوتا رہا ہے جس کے سبب حقیقی روایات نے ختم لے لیا ہے۔ اگر کوئی تنقید کی غرض سے لکھنے بیٹھتا ہے تو اس کی تحریر میں کتنی اور بعض اوقات دشنام طرازی تک ذمہ پہنچ جاتی ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی تریف کے دو حرف لکھتا ہے تو اس پر خوشامدی ہونے کا لیبل چسپاں ہو جاتا ہے۔ لکھنے لکھانے کا یہ فیشن جاری رہے گا۔ کیوں کہ لکھنے والے کے مزاج میں کتنی بے یا وہ احساس عموماً کا شکار ہے یا اس کی تحریر کے پس پردہ ذاتی مفاد ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایسے ان تین کمزوریوں سے پاک ہو تو کم از کم وہ ابتدا تو کر سکتا ہے چاہے یہ ابتدا کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو۔ اس وقت تعمیری اور مشروط رائے عامہ، ملک کی اہم ترین ضرورت ہے اور وہ ضرورت ہے جسے کوئی حکومتی ادارہ پر نہیں اصرار کر سکتا۔ یہ کام صرف کھلی فضا میں ہو سکتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ میں اس کام کا بیڑا اٹھاؤں۔

۹۔ میری دیرینہ خواہش ایک اور بھی ہے۔ میں جناب رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ پر کل وقتی کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ سیرت پر ایسی کتاب جو دلچسپ ہو، مکمل ہو اور دور جدید کے انہماک کو متاثر کر سکے۔ غیر مسلم سوانح نگاروں نے اس موضوع کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے، جب کہ مسلمان سوانح نگاروں کا قلم بذاتِ اور عقیدت کی نظر ہو گیا۔ جدید دور کا ذہن، مسلم یا غیر مسلم، مختلف اپروچ کا مستحق ہے۔ میں اس موضوع پر قلم اٹھانا چاہتا ہوں۔ اس کام کے لیے بہت دقیق مطالعہ اور تحقیق درکار ہے اور میں اسے اپنی زندگی کا آخری مشن بنانے

ایک مرتبہ کسی صاحب نے آدمی رات کو مجھے لمبی فون کر کے پوچھا کہ کل صبح ہی کونایتھ کے پیسے ملے اٹھائے گی، تاکہ وہ وقت پر پہنچ سکیں۔ ایک دفعہ ہی کونایتھ کی روزانہ صبح نے اٹھاسکی، کیوں کہ وہ "تر" اور "شنگ" وزارتوں کی تقسیم پر سمجھوتہ نہ ہو سکا تھا۔ پانچ ماہ بعد جب سودا ملے ہو گیا تو وزراء کرام صبح اٹھائے ہی اپنی اپنی وزارت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اچانک انکشاف ہوا کہ وزارت تعلیم کسی نے قبول نہیں کی۔ مجھے بھگایا گیا کہ چلو دیکھو کون سا وزیر ابھی تک گاڑی کی انتظار میں کھڑا ہے۔ اتفاق سے ایک صاحب جن کی ٹانگ میں تکلیف تھی اور بھاگ نہیں سکتے تھے ابھی پورچ میں گاڑی کے منتظر تھے۔ انہیں پکڑ کر لایا گیا کہ چلو تعلیم کی وزارت کا قلدان بھی سنبھال لو۔ وہ بندہ خدا راضی نہ ہوا تھا اور بڑی مشکل سے وزارت تعلیم اس کی مرضی کے خلاف اس کے سرعقوب دی گئی۔

صاف برداری کی تقریبات میں شرکت کرنے کے علاوہ میرا دوسرا کام صدر پاکستان کے لیے تقریریں تیار کرنا ہوتی تھیں۔ مجھے مہارت حاصل ہو گئی تھی کہ ہر موقع کے لیے چار پانچ صفت کی تقریر جمعیت دہا کیوں کہ مجھے علم تھا کہ مقرر اور سامعین دونوں خود سمجھتے ہیں کہ کچھ کہا جا رہا ہے۔ کہ اس کا وہی مطلب نہیں ہے بلکہ آرٹ برائے آرٹ والی بات ہے۔

ایک مرتبہ ایک ہی دن میں دو تقریبات تھیں۔ ایک تقریب سائنس کانفرنس اور دوسری ہسٹری کانفرنس کا افتتاح تھا۔ میں نے ایک باسٹرڈ رافٹ تیار کر لیا اور پھر لکس مضمون کو غور رکھتے ہوئے کچھ الفاظ کی ردوبدل کر دی۔ ایک تقریر میں کہا گیا تھا کہ سائنس تاریخ ساز کردار ادا کرتی ہے اور دوسری تقریر میں کہا گیا تھا کہ ہسٹری بذات خود ایک سائنس ہے۔ بقیہ متن ایک جیسا تھا۔ سوئے اتفاق سے اے ڈی سی نے

سکوں کا، کچھ دے سکوں گا۔

30 اہل میری درخواست پر کسی کاروائی کی ضرورت نہیں البتہ اگر جناب صدر میری تجویز کو اصولی طور پر تسلیم کر لیں تو میں تیار ہی شروع کر دوں گا اور جب جناب صدر خود مناسب سمجھیں گے علیحدہ ہو جاؤں گا۔

آخری دن

جب شہاب صاحب ایوان صدر سے رخصت ہوئے تو انہوں نے ایوان صدر میں اپنے مشاہدات پر ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا "ایوان صدر میں میرا آخری دن" ایم پی خالد نے اپنی کتب میں اس مضمون سے اقتباسات دیئے ہیں۔

شہاب صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا چھ صفحات پر محیط اس خط کا مسودہ (ڈرافٹ) میرے پاس موجود ہے۔ اسی طرح میرے پاس ان کے اس مضمون کا آٹھ فل کیپک صفحات کا ڈرافٹ پڑا "ایوان صدر میں میرا آخری دن" موجود ہے۔ اس مضمون میں غلام محمد کا تذکرہ کرنے کے بعد سکندر مرزا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جنرل سکندر مرزا کے باقی کام کرنے کا عزم میرے لیے کم اعصاب شکن نہیں تھا۔ جب 1981ء میں پاکستان اسلامی جمہوریہ بنا اور جنرل سکندر مرزا نے جمہوریہ کے پہلے صدر کا حلف اٹھایا تو میں پھولا نہ سہا تھا کہ اپنے ملک کے پہلے صدر کا سیکرٹری ہوں مگر اللہوس کی یہ پہچانی کیفیت بہت قلیل امدت ثابت ہوئی۔ وزارت میں بیٹھنے اور ٹونے کا سلسلہ اس برق رفتاری سے شروع ہوا کہ طبیعت اچھا نہ ہونے لگی، ہر صبح دفتر میں آتے ہی پہلے دیکھنے پاکستان سے صبح کا خبرنامہ ضرور من لیتا تاکہ اگر راتوں رات کونایتھ بدل چکی ہو تو میں اپنا کورٹ اور ٹالی ساتھ لیتا چلوں تاکہ صبح اٹھانے کی تقریب میں اپنے فرائض منصبی ادا کر سکوں۔

دونوں مواقع پر غلط تقریر جناب صدر کو پڑھنے کے لیے سمجھادی چلائی۔
سائنس اور مہتری میں چلی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لیے کسی کو بھی اس
غلطی کا احساس نہ ہو سکا البتہ پریس کے نمائندوں کو متن حوالے کرتے
وقت ضرور احتیاط برت لی گئی تھی۔

سول سروس

مارشل لاء کے غلو کے متعلق ایم بی خالد لکھتے ہیں کہ۔

سات اکتوبر ۱۹۵۸ء کی رات جب وقاف اور صوبائی وزارتوں اور
اسٹیبلشمنٹ کو توڑ کر جنرل سکندر مرزا نے مارشل لاء نافذ کیا تو اس کارروائی
میں قدرت اللہ شاہ شریک محفل نہیں تھے۔

سول سروس کے متعلق ایم بی خالد رقم طراز ہیں کہ۔

قدرت اللہ شاہ نے آئی سی ایس اور سی ایس بی کی خدمت خود
گواہی دینے سول سروس کے وہ اہل نہ تھے۔ ان کے ایک سینئر کونٹریکٹ
جناب ایم بی احمد نے ایک دفعہ I.C.S کی اصلی نوعیت سمجھائی۔ انہوں
نے بتایا کہ I.C.S کی تربیت لے کر اپنی پہلی پوسٹنگ پر جو B.A.C کی
اسٹیپ پر تھی پروموشن کے مطابق کسٹمر صاحب بہادر پر کھل کرے چلا
گئے۔ چاکر دیکھا کہ کونٹریکٹ کے برآمدے میں ملاقاتیوں کی لمبی قطار
کرسیوں پر بیٹھی ہے جن میں کچھ خان بہادر اور رائے بہادر قسم کی
چھڑیں بھی تھیں۔ ایم بی احمد چڑاسی کو اپنا کارڈ دے کر قطار کی آخری
خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔ کہ باری پر بلائے جائیں گے۔ تھوڑی دیر بعد
چڑاسی نے دروازے کی پک اٹھائی کسٹمر صاحب بہادر نمودار ہوئے۔ اور
ایم بی احمد سے ہاتھ ملا کر انہیں کمرے میں لے گئے۔ سامنے بٹاکر
خوب مرمت کی کہ تم کیسے I.C.S ہو تمہیں چاہیے تھا کہ ملاقاتیوں کو
نظر انداز کر کے پک اٹھا کر انور آ جائے اور خلاف کرائے۔ تم انہی

لوگوں کے درمیان آکر بیٹھ گئے جن پر تم نے حکومت کرنی ہے۔ اس
تنبیہ کے بعد سیم صاحب کو بلوایا گئیں نے کافی بی اور پھر نے I.C.S
المر کو کسٹمر اور لیڈی کسٹمر باہر گاڑی تک چھوڑنے آئے۔ یہ تھی وہ
سال سروس اور یہ تھا وہ عذاب جس میں قدرت اللہ شاہ نے اپنے
آپ کو خود چٹا کیل چن کر خود کردہ را علاقے نیست اس لیے وہ سنی
ہیتم اور کو پیش بسیار کے باوجود اس عذاب سے نہایت نہ پا کے اور ساتھ
سال کی طبی عمر کو بچ کر رہی رہائی نصیب ہوئی۔

قدرت اور خالد

قدرت اللہ شاہ سے میرا تعارف اکتوبر ۱۹۵۸ء کی اس صبح کو ہوا
جب وہ کراچی میں گورنر جنرل غلام محمد کے سیکرٹری کی حیثیت سے
تشریف لائے تھے۔ عہدے کے اعتبار سے گورنر جنرل کے پرسنل سٹاف
میں وہ سب سے سینئر افسر تھے اور میں بی۔ اے ٹی گورنر جنرل پر پرسنل
سٹاف میں سب سے جونیئر۔ وہ گورنر جنرل سیکرٹریٹ کے سربراہ بھی تھے
اور اس طرح ہم دونوں میں افسردہ باقت کا رشتہ بھی تھا جو وقت کے
ساتھ سرکاری حدود پھیلاؤ کر دہستی کی شکل اختیار کر گیا اور ۳۲ برس
تک قائم رہا حتیٰ کہ شاہ صاحب دنیاوی رشتے ناطے توڑ کر خالق حقیقی
سے جا ملے۔

شاہ صاحب چھ برس تک گورنر جنرل اور بعد ازاں صدر پاکستان
کے سیکرٹری رہے۔ انہوں نے ۱۹۶۳ء میں ایم این صدر کو خیر باد کہا اور
۱۹۶۸ء میں ان کی جلاوطنی کے دوران بھی ہماری خط و کتابت رہی اور
ایک مرتبہ ملاقات بھی ہوئی۔ وطن واپس تشریف لانے کے بعد وہ
وزارت تعلیم سے منسلک تھے کہ ۱۹۷۵ء میں میری پوسٹنگ بھی وہیں ہو
گئی اور ایک بار پھر مجھے ان کی قربت میں کام کرنے کی سعادت نصیب

ہوئی۔

سید شیر شاہ

دار

میری ہم کار دوست مس رسید غمخیز نے میرے گلن میں کما شہ صاحب خاکسار ہیں۔

ماں مجھے وہ دن یاد آیا جب میں نے پہلی مرتبہ خاکسار کو دیکھا تھا۔

تعلیم سے پہلے ان دنوں میں ہاتھوں پر وہ گورنمنٹ ہائی سکول میں میٹر تھا۔ ہم مصری شاہ
الہ آباد میں رہتے تھے۔ میری بڑی بی بی تار تھی۔ ہمارا کوئی پرمان مل نہ تھا۔ برادر ہی والے
دھن ہو رہے تھے۔ میرے قریبی رشتے دار مخالف تھے مجھ سے ملنے نہ تھے اس لیے کہ
ان کے دلوں کی مرضی کے خلاف تھے کہ ایک خاتون سے شادی کر لی تھی مجھ پر ان کا مقدمہ
چل رہا تھا۔

ان دنوں ہم ایڈر گرولڈ زندگی بسر کر رہے تھے۔ کسی کو علم نہ تھا کہ ہم اکمل رہتے ہیں۔

ایک روز جب میں سکول سے واپس آیا تو دیکھا کہ خانی کپڑوں میں بیوس ایک شخص ہماری
خاتون میں کھڑا ہے۔ میں اسے دیکھ کر ڈر گیا۔ شاید بھری کا پیادہ ہو۔ یا شاید غنیہ پولیس کا
ایجنٹ۔

مجھے دیکھ کر اس نے زبردست سلوٹ مارا۔ اس پر مجھے تسلی سی ہو گئی۔ غنیہ پولیس کا ہوتا
تو مجھے مولا ڈاک سلوٹ نہ مارا۔

آپ کس سے ملیں گے میں نے پوچھا۔

میں یہاں ڈیوٹی پر ہوں وہ بولا۔

کون سی ڈیوٹی۔

میں پتہ ہے کہ آپ یہاں ایکٹے ہیں اور آپ کی گھر والی یہاں ہیں۔ اس لیے یہاں میری
بول کالی گئی ہے کہ جب آپ دفتر جائیں تو میں یہاں موجود رہوں۔ اگر بی بی جی کو کوئی
مشکل ہو تو اسے پورا کر دوں گا۔ ڈاکٹر کو بلا لائوں یا ہسپتال لے جاؤں۔

اس کی بات سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

میری تسلی کے لیے وہ بولا، جناب میں خاکسار ہوں۔ مصری شاہ میں ہمارا دفتر ہے آپ کو
میں کی خدمت کی ضرورت ہو تو دفتر چاکر ڈپوٹ کر دیں۔

جب میں Mas میں راولپنڈی آیا تو یہ شہر چھوٹا سا صاف تھا، یہاں صرف چند ایک چالی چالی
مغنیہ تھیں۔ ان مغنیہوں میں ایک شخصیت ایسی تھی جو ہر آنے والے کی توجہ جذب کر لیا
تھی۔ انہیں لوگ شاہ صاحب کہتے تھے۔

شاہ صاحب کا انداز گفتگو اس قدر پر زور اور بے باک تھا کہ اپنے گلن تھا جیسے وہ شہر
گورنر گئے ہوئے ہیں فن کالہب دلچسپ بات کا قتل طور طریقے سے درویش نظر آتے تھے
اس حد تک محل کے قائل اور منہ ڈھانے کے خلاف تھے کہ گلن تھا جیسے فنی ہوں۔ ڈسٹن
بڑے قائل تھے۔ پرفیشن کے خلاف سے صحافی تھے، دہاک قسم کے صحافی۔ کسی کو مخالف نہیں
کرتے تھے، چوک میں کھڑے ہو کر بیویں پر نظر پٹنی کیا کرتے تھے اور ان سب اوصاف
باجوہ فریبوں کے بڑے ہر دور تھے، منہ ڈھانے نہیں ہر دوری۔

راولپنڈی کے دانشور شاہ صاحب سے بہت متاثر تھے۔

کچھ دیر کے بعد پتہ چلا کہ شاہ صاحب بنیادی طور پر خاکسار ہیں اور علامہ شقی کے ہاں
ہیں۔ ان کا ہم شاہ شیر شاہ تھا مگر ہم انہیں کلا شہ کہا کرتے تھے۔

ایک روز وہ ہمارے دفتر میں آ گئے یہ دفتر کشمیر پبلسنی کا ڈائریکٹور تھا۔ وقت کا دار
تھا۔ ہم سب ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

آتے ہی بولے، کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو تم سمجھتے ہو کہ روٹیں قائم چلانے
تم مقبوضہ کشمیر کو آزادی دلا دو گے۔ یہاں میرے اس کام کے لیے محل کی ضرورت ہے
کر سیں پریڈ رہنے سے یہ کام میں ہو سکے گا۔

تکہ دیر تک وہ ہم سب کو ڈانٹتے رہے پر ہرنے گئے، بولے، مشکل یہ ہے کہ ہم براے
مسلمان ہیں۔ میں بھی منہ ڈھانے مسلمان ہوں اور جب تک ہم سچے مسلمان نہیں ہیں
گئے پاکستان کی مشکلات حل نہیں ہوں گی۔ خلی ملازمت پڑھنے سے ہم مسلمان نہیں بن
میں اسلامی گرو گئی اگر وہ جو محمد اسلام علیہ السلام، ہم محل چلو۔

میں صبح شام دن رات کام کرتے دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گیا۔ میں نے جان لیا کہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کئی قدر مشترک نہ تھی۔ البتہ میرے دل میں جیسے کے جیسے شہ کی عزت قائم ہو گئی۔

دل کراچی میں رہنے کے بعد جب میں واپس پٹنڈی آیا تو دارالافتاء کراچی سے پٹنڈی کے ایک آدمی کے درجے سے شہ صاحب کو زیادہ ہی مصروف ہو گئے تھے۔ ان کی مصروفیت کے متعلق شیر شاہ اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں۔

تو یہ تھی مسلمین، کھانا، صحت افزا اور مسائل سے آزاد راولپنڈی صدر ایوب کے یہاں پر منتقل ہونے کے بعد ہم سے جتنی جاری تھی اور دیکھا جا رہا تھا؟ انتظامیہ، منتقلہ اور عدلیہ کی مرکزیت، اقتصادی اور ثقافتی ترقی کے نئے امکانات، کمزوری اور پس ماندگی کے احساس سے نجات اور مساویانہ حیثیت کا یقین۔ یہ مساویانہ حیثیت کا احساس ہی تھا جس کا اقتدار راولپنڈی میں پہلے سے مقیم اخبار نویسوں کو ایک فوری فکر آئی تھی۔ اس میں دیر نہیں ہوا۔

صدر ایوب کے راولپنڈی منتقل ہونے سے پہلے کراچی کے کئی اخبار نویس یہاں آچکے تھے تاکہ نئے دارالحکومت میں اپنی ذمہ داریاں اہمیت شروع کر دیں۔ وہ آج کے عمران کا رویہ ہمارے ساتھ ایک قابض نوع کی طرح تھا۔ ان کی نگاہوں میں ہم ایک ڈیڑھ پل ہیڈ کوارٹر کے صحافی ہونے کی وجہ سے گاڑی باتوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے اس لیے ہمیں ان "مذہب" اور "مقتدر" لوگوں کی ہمہ گیر یاد دہانی کو قبول کرنا پڑا۔ اس میں وہ اکیلے نہیں تھے، وزارت اطلاعات اور پریس انفارمیشن کا قیام عملہ پر نیشنل انفارمیشن آفیسر سرفراز کی قیادت میں کراچی سے آنے والے اخبار نویسوں کا ہمنوا تھا۔ انہوں نے ایک مسئلہ پر فوراً "حکایت آنکلی کا ٹیبلہ کر لیا" وہ مسئلہ تھا پریس کلب کا۔

اس "حکایت" کی حیثیت سے شہ صاحب صدر ایوب کو قدرت اللہ شاہ سے ملنے رہتے

ایک مہینہ خاکسار ہمارے گھر باؤٹی دیتے رہے، پھر مجھے علم ہوا خاکسار ایک تحریک عوامی مشرقی نے چلائی ہے۔ اس پر مجھے حیرت ہوئی کہ ایک اعلیٰ پائے کا حامل اور خدمت گاہی تحریک۔

میں نے سادہ کی تعریف تذکرہ بڑی مشکل سے حاصل کیا، لیکن بار بار پڑھنے کے بعد میں ان کی دقیق زبان کو سمجھ نہ سکا۔ بہر حال میرے دل میں خاکسار کی عزت پیدا ہو گئی۔

پھر 1955ء میں پہلی مرتبہ میں بمبئی خواجه جان محمد بٹ سے ملا تو انہوں نے بریکسٹ کا کہا، یعنی میں تو خاکسار ہوں۔ تحریک ختم ہو چکی ہے، لیکن خاکسار سپر جوں کی توں قائم ہے۔

جن

یوں شیر شاہ کی میرے دل میں عزت پیدا ہو گئی۔ شاہی دوسرے خاکساروں سے مختلف تھے۔ وہ غالی عمل اور خدمت نہیں تھے، ساتھ دانشور بھی تھے اور اس قدر "دوکل" تھے کہ انہیں کبھی نہ کسوختا تھا۔ میں لمبے بھرتے۔

ان کے غلوں اور سچائی کے سب قائل تھے۔ ان دنوں راولپنڈی میں سیوڈ سناٹا تھا۔ قریب ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا، اس جس کا نام دوگی قلعہ ایوب لوگ اکثر دوگی کی آغوش میں بیٹے اور ایوب پر بحثیں کرتے۔ دوگی میں لیبیوں کو ادھار پر چائے اور کھانا مل جاتا تھا۔ کبھی کبھی شاہ صاحب دوگی میں آجاتے اور پھر وہاں ان کی بات دار آواز کو مٹتی۔ یہ تم کیسا ایوب تحقیق کر رہے ہو جو لوگوں کو ملاتا ہے، چکاتا نہیں۔ کچھ ایسی حقیقتیں تھیں جو انسان کو عمل پر ابھاریں۔ انھو "دگر نہ حشر میں ہو گا پھر کبھی۔"

پٹنڈی کے بیشتر ایوب شاہ کے مداح تھے، "من زبانی مداح۔ ان پر شاہ کے پیغام اکثر نہیں ملتا تھا۔ صرف ان کی شخصیت سے متاثر تھے۔ شاہ کی شخصیت راولپنڈی کے ایوبوں، دانشوروں اور اہل کاروں پر چھائی ہوئی تھی۔

انہی دنوں شاہ صاحب نے پٹنڈی سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار شائع کرنا شروع کیا، اس کا نام بکنوریل تھا۔ اس کام میں میں نے بھی شاہ صاحب کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس دوران میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ شاہ صاحب کام کے حوالے سے انسان میں بگڑ

کار رہا ہوں میں نے پوچھا۔

بولے، آپ اسے گمراہ کر رہے ہیں۔

اچھا میں نے جواب دیا شاہی میں تو سمجھتا ہوں کہ شاب مجھے گمراہ کر رہا ہے۔

نہیں نہیں مذاق کی بات نہیں، وہ بولے، میں سنجیدگی کے بات کر رہا ہوں۔ آپ اسے گمراہوں پر لے جاتے ہیں۔ عرس پر لے جاتے ہیں۔ بیویوں فقیروں کی منزلوں میں لے جاتے ہیں۔ یہ سب جگہیں ایڈوں اور بجٹ جگہ لے جاتے ہیں۔ آپ ایسا کرنے سے باز آجائیں آپ کا یہ رویہ ملک کے منافع کے خلاف ہے۔

اپنی خود نوشت میں وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

شاب صاحب بیورو کرپٹ لور سے تعلق رکھتے تھے، مگر بیورو کرپٹ کے خواص سے عاری معلوم ہوتے تھے۔ دانشور بھی سمجھے جاتے تھے مگر ان کی اکثر حرکتوں سے معروف قسم کی دانش اور منطق کی کوئی بو نہیں آتی تھی۔ مثلاً، وہ 'منطق' غلام دین دانی اور کوئی ایک دوسرے مانتیوں کے ساتھ کی گمنام افراد کی قبروں پر جاتے اور بڑے اٹھاک سے بھنڈارا کھاتے۔

اس کے باوجود ان میں ایک کشش تھی، اور مجھے ان کے پاس جانے میں خوشی محسوس ہوتی۔ قبروں کے لیے نہیں صحبت کے لیے، بحث و تحقیق کے لیے جس میں میرا مذاق و شوق تو کافی نمایاں ہوتا، مگر وہ اسے بے نیسی لینے اور کم گوئی کا چوڑا اور بے مختصر جملہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ان کی یہ کی مقلد اور دانی پوری کرتے۔

قد میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے صدر ایوب جیسے چھ فٹ 'ہارمب' اور خیرود سرور ملک کی معیت میں کچھ بے تعلق معلوم ہوتے، تاہم شاب صاحب میں ایک غیر محسوس رحمانی تھی۔ ان کے مزاج کی سادگی، لباس، صحبت اور گفتگو میں پورے کمال قسم کے ہر جانب کا عدم وجود اور اس بناء پر میری دعوت کو بھی بلا جھجک قبول کر لیتا، ان کے اطوار اور

تھے۔ اپنی خود نوشت میں شبیر لکھتے ہیں۔

میں صدر ایوب کو فوج کے سربراہ کی حیثیت سے تو کچھ کچھ جان تھا، سربراہ حکومت کی حیثیت سے اس وقت جانے کا موقع ملا جب انہوں نے راولپنڈی کو ملک کا صدر مقام بنایا۔ وہ یہاں آئے تو ان کے ساتھ قدرت اللہ شاب بھی بطور پرنسپل ٹیکرٹری اسی طرح منسلک تھے جیسے وہ کئی سال تک غلام محمد اور سکندر مرزا کے ساتھ تھے۔

شاب صاحب سے میری پہلے کوئی واقفیت نہ تھی، مگر جلد ہی انہوں نے مجھے اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا، یا یوں کہیے کہ میرے لیے اپنے دفتر کے دروازے وا کر دیے۔ ہو سکتا ہے یہ دوائے وقت کے ریڈیٹنٹ ایڈیٹر ہدایت اختر کی وجہ سے ہو، جو صحافت میں اس وقت میرے قریب ترین ساتھی اور شاب صاحب کے ہم وطن تھے (دونوں کا جوں سے تعلق تھا) یا ممتاز مفتی کے شاب کے عملے میں شامل ہونے کی وجہ سے ہو جن کے ساتھ شاب صاحب کا ذہنی اور عجیب و غریب قسم کا روحانی رشتہ تھا۔ اس رشتے کی نوعیت کو تو میں نے بھی سمجھنے کوشش نہ کی، تاہم شاب صاحب سے کچھ اس طرح کی قربت ہو سکتی کہ انہوں نے اپنے قیام کے دوران صدر ایوب کے ایڈروان ملک کم و بیش ہر دور سے مجھے ساتھ رکھا۔

شبیر فقیر

شاب صاحب کو بیورو فقیروں سے سخت نفرت تھی۔ وہ مقبول، مگر یوں اور غیر غلاموں خت خلاف تھے۔ اتفاق سے ایک دن شاہ صاحب نے شاب، بھائی جان اور مجھے سائیں اللہ کے مزار پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا۔ اس پر وہ پیش میں آ گئے۔ مجھے سخت بھانپا، جھپٹا لیا، آپ کا دوست شاب ایک قابل آدمی ہے، مسلمان آدمی ہے، صاحب کردار شخصیت ہے۔

میں نے کہا، 'شاب صاحب میں ساری زندگی اس کی خوبی سمجھتا رہا ہوں اور اب بات

خیر ہے کہ میرے جذبے میں شدت ہے۔

شاب نے پھر سرفی میں ہلا دیا۔ بولے حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند نہیں کرتے۔ اگر جذبہ میں شدت ہو تو توازن پیدا نہیں ہوتا اور اسلام کے نزدیک توازن ایک ضروری کیفیت ہے۔

شاب کی یہ بات سن کر میں لاجواب ہو گیا، لیکن میں نے دل سے یہ بات تسلیم نہ کی اور نہ ہی شاکہ کو بتائی۔ کبہ تسلیم کرتے میرے کردار کا بنیادی عنصر شدت تھا۔ تسلیم کر لیتا تو میرے یقین کی دنیا و حرام سے بچنے کا ذمہ بن جاتا۔

آخری دنوں میں جب شاب بائینڈ جا رہے تھے، 'شاہ صاحب مجھے ملے۔ کئے گئے، مفتی محمد بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔

کیا بات ہے، میں نے پوچھا۔

کئے گئے، 'یہ تمہارا دوست مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔

کون سا دوست، میں نے پوچھا۔

شاب صاحب کی بات کر رہا ہوں۔

وہ میرا دوست نہیں ہے، میں نے کہا۔

شاہ صاحب چونکہ 'ایا مطلب۔

جس طرح آپ میرے دوست نہیں ہیں، میں نے کہا، 'ملاں کہ تیرے سال سے اہل اہل

دوسرے سے رابطہ ہے۔

شاہ صاحب پھر چنگے۔

میں آپ کی عزت کرتا ہوں، لیکن ہم دونوں کے درمیان احرام کی ایک دیوار حائل ہے۔

ایسی ہی احرام کی دیوار شاب اور میرے درمیان حائل ہے۔ اس سے بھی بڑی، اس سے بھی اونچی، میں اس کا درجہ ہوں۔ وہ پاکر اور آدمی ہے لیکن ہم دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔

شاہ بولے، 'بے شک وہ صاحب کردار ہے۔ نیک ہے، مسلمان ہے۔ بات کو سمجھتا ہے۔

میں نے کہا، 'اب تو آج یہ نہ ہوتا۔

اب تو آج یہ نہ ہوتا۔

اب تو آج یہ نہ ہوتا۔

اب تو آج یہ نہ ہوتا۔

اب تو آج یہ نہ ہوتا۔

اب لے بیٹھے

میرے تمام دوستوں کو مجھ سے شکایت تھی۔

دار مفتی تجھے کیا ہو گیا ہے، عمر پوچھا۔

انہ قدرت اللہ شاب ہو گیا ہے، 'اعظمی جواب دیتا۔

تم دونوں احق ہو، 'مسعود قہقہہ کرتا، 'بھی کس سے گھر کر رہے ہو۔ یہ شخص وہ مفتی نہیں

وہ مارا یاد رکھتا تھا۔

شاب بائینڈ چلا جائے گا تو ٹھیک ہو جائے گا، 'ملا تیلی دیتا۔

اگر وہ، 'مسعود سرفی میں ہلا کر کہتا، 'خوش فنی میں نہ رہو۔ آگے سے گراہوت پھر آگے

میں بیٹھتا۔

لیکن 'یار، 'محرکت، 'شاب تو بڑا پیارا آدمی ہے۔

ہاں، 'یار، 'ملا لقمہ دیتا۔

ارے پیارے ہی گئے، 'گروڈوں میں بیٹھے ہیں، 'اعظمی چلا، 'وہ بڑا پیارا آدمی ہے، 'بڑا نیک آدمی

دار و دردی کی طرح سب دروازے کھلے ہیں، لیکن کسی کو اندر آنے نہیں دیتا، 'مسعود کہتا۔

مفتی کو اندر بیٹھا ہے، 'محرکت۔

نہیں بھائی، میں جواب دیتا، میں بھی تمہاری طرح ہار کھڑا ہوں، 'تھیں چانو۔

ہاں، اندر ہو یا باہر، 'مسعود کہتا، لیکن یہ سچ ہے کہ

ہمارا بار تھا رنگین و خوش نوا ملحق
مگر اسے بھی جناب شباب نے پیٹے

تبادلہ

(احادی سال میں شباب کے اولس ڈی کی حیثیت سے صدر گھر میں رہا۔)

پھر شباب کو انفرمیشن سیکرٹری بنا دیا گیا اور میں اس کے ساتھ وزارت اطلاعات میں چلا گیا۔
۱۹۴۳ء میں شباب کو پاپیڈ کا سفیر بنا کر ایک بھیج دیا گیا۔ صدر گھر میں میری کوئی دفتری
اہمیت نہ تھی۔ میں قدرت اللہ شباب سے شکست رہا ان کے دفتر سے نہیں۔ مجھے برائے نام
قسم کے کام سونپے جاتے تھے۔

دفتر کے افسر مجھے بڑی محارت سے دیکھتے تھے۔

انہیں اس بات پر غصہ آتا تھا کہ یہ کون ہے جسے سیکرٹری اتنی اہمیت دیتا ہے۔ جسے دفتر میں
کوئی اہمیت نہ تھی۔ کوئی خصوصی کام نہیں دیا گیا، لیکن جسے ہر وقت سیکرٹری اپنے پاس
لے جاتے اور ہر بات میں اس کے مشورے کو اہمیت دیتا ہے۔

ان کا یہ غصہ بڑی حد تک جائز تھا۔ چونکہ میرا کوئی شلیس نہ تھا۔

قدرت اللہ نے میرے لیے ایک خصوصی پوسٹ منظور کروائی تھی۔ یہ پوسٹ ایک فالتو

پوسٹ تھی جس کی صدر گھر میں چنداں ضرورت نہ تھی۔

قدرت اللہ کا رویہ میرے متعلق معذرت خواہ نہ تھا۔

میں صدر صاحب کے لیے اردو میں ایک تقریر لکھیں پڑھنی۔ ملٹری سیکرٹری نے میرے نام حکم دیا کہ آپ کو وائس ڈی وو گھنٹے کے اندر اندر تقریر لکھ کر اپنا دواں کے لیے مجھے پیش کرے میں نے تقریر لکھ کر بھجوا دی۔

ملٹری سیکرٹری کے کمرے سے آک شورڈ غوثا پابند ہوا۔ سارے دفتر والے سم گئے بھر صدر کو اپنا چڑائی دوا دوا دوا میرے پاس آیا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا، کئے لگا آپ کو بلا رہے ہیں۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو مجھے دیکھتے ہی جھنجھکیوں کی ایک بو چھاڑ دی۔ پھر بولے، آپ آج صبح کی تقریریں کی صدر کی خدمت میں پیش کرے لکھا ہوا مسودہ بھیجیے ہیں۔ میں نے کہا، جناب میں سرکٹ رائٹرز اور سرکٹ رائٹرز پیشہ پیش میں لکھتا ہے۔ اس پر ایک اور بو چھاڑ دی۔

بولے اور تمہاری اردو کیسی ہے۔ اس میں ذہن کی چاشنی ہی نہیں۔ میں نے کہا، جناب عالی ہم سرکٹ رائٹرز چاشنی والی اردو نہیں لکھتے۔ خدمت بھری ایک اور بو چھاڑ دی چھوٹی میز لا کر لائی ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی۔ میں کمرے سے باہر نکل آیا۔

پتہ نہیں ملٹری سیکرٹری نے کیا کچھ لکھ کر اسے صدر صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ صدر اب نے میری طلبی کر لی۔

میں پیدائشی طور پر ایک ڈر پرک آدمی ہوں۔ چھوٹی سی بات واقعہ ہو جائے تو ڈر سے چلنا پڑتا ہے، لیکن اللہ نے مجھ ایسے ڈر پرکوں کے خوف سے لے لیے ایک قانون بنا رکھا ہے کہ خوف گزر جائے تو خوف معدوم ہو جاتا ہے میں نے زندگی میں جتنے بھی جرات کے کارنامے کیے ہیں وہ اسی اصول کے مرکبوں منت ہیں۔

اب میں صدر اب کی خدمت میں حاضر ہوا تو خوف معدوم ہو چکا تھا اور میں ان کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے استخوان ہو۔

پہلا دن قاجاب میں نے صدر اب کو اسنے قریب سے دیکھا تھا، انہیں دیکھ کر میں ہلا رہا ہو گیا، اتنا مرادہ حسن اتنی پارعب شخصیت۔

طبی طور پر میرے ذہن میں سیاست کا خیال سرے سے خالی ہے۔ مجھے سیاسی امور میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

مجھے شعور ہی نہ تھا کہ گردو پیش میں سیاسی سطح پر کیا ہو رہا ہے۔ دفتری سیاست کے بارے میں مجھے صرف ایک بات کاظم تھا کہ صدر کا ملٹری سیکرٹری ہر بات میں شاب کی اطلاع دلاتا کرتا تھا۔

صدر گھر میں ملازمت کے دوران میں کبھی صدر اب سے نہیں ملا تھا۔ کبھی سلام کرتے کے لیے بھی حاضری نہ دی تھی۔

ایک روز پتہ نہیں کس تقریب پر صدر گھر کے تمام ملازم صدر اب کو مبارک باد دیا کرتے تھے۔ قدرت اللہ نے مجھ سے کہا آپ بھی صدر صاحب کو مبارک باد دے آئیں۔ میں نے کہا، میرا صدر صاحب سے کیا واسطہ میں تو آپ کا وائس ڈی ہوں۔ ہاں آپ مبارک باد دے جائیں تو ساتھ میری طرف سے بھی دے دیں۔

شاب نے کہا، عالی صاحب بھی تو صدر کے وائس ڈی ہیں۔ وہ جب بھی مجھ سے ملے آتے ہیں تو پہلے صدر صاحب کو جا کر سلام کرتے ہیں۔

میں نے کہا، شاب صاحب عالی بڑا آدمی ہے۔ نو اب ہے وہ رکھ رکھاؤ کے اقواب ہوتا ہے۔ میں تو ایک چھوٹا آدمی ہوں، احساس کمتری کا مارا ہوا۔ آپ نے تو خواب تو مجھے صدر کے کنبے بننے میں ڈال دیا ہے۔ میں رازوں میں کوا ہوں، دیئے شاب صاحب ایک بات کہوں۔ کچھ، شاب سکرایا۔

میں نے کہا، کسی وقت مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آپ بھی میں رازوں میں کوا ہیں۔ وہ قہقہہ مار کر میں پڑا، کئے لگا مجھے بھی کبھی کبھی ایسے ہی محسوس ہوتا ہے۔

پیشی

ان دوھائی سال کے دوران صرف ایک بار میری صدر اب کے سامنے پیشی ہوئی تھی۔ ایک چارج شیڈ ملازم کی حیثیت سے۔

ہوا میں کہ شاب کو صدر صاحب نے کسی حکم سے کراچی بھیجا ہوا تھا، اس کی غیر ماضی

SOVEREIGNTY IN ECONOMICS

SELF SUFFICIENCY IN SOCIAL & POLITICAL ORDER:-

EMERGENCE OF A SUPER MAN

AN AMIR WHO IS SILKY-SOFT IN PEACE

STEELY HARD IN WAR

IN PROPRIET HOOO:-

MOHAMMAD, A LEADER WHO IS DENIGN & RUTHLESS

ACCORDING TO NEED.

REFLECTION OF PROPHETS OWN ATTRIBUTES.

ایڈ کو رواغی سے پہلے ایک روز شبانے بڑے دکھ سے کہنے لگا 'میں صدر ایوب کو اسلام کی چاب دافع کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ میں نے بڑی کوششیں کیں، لیکن بات نہیں ہو سکی۔ اب ایک مرتبہ جب شبانے ہائیڈ سے رخصت ہو گیا۔ ان دنوں رمضان شریف کے دن ۲۰ ویں رمضان کو جب وہ صدر ایوب سے ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ بوشی میں مصروف تھا۔ اس پر شبانے کو بہت صدمہ ہوا۔

شبانے دل میں صدر ایوب کی بڑی عزت تھی۔

ایک روز میں نے شبانے سے پوچھا کہ آپ جو صدر ایوب کی عزت کرتے ہیں۔ کیا اس لیے کہ وہ ملک کے صدر ہیں۔

نہیں اس لیے نہیں، شبانے جواب دیا 'بلکہ اس لیے کہ وہ صاف ستھرے کردار کے ہیں۔ ایک نیچے ہیں اور فہم و فراست والے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ وہ پاکستان کو وہ مقام دے گا جس کے ہم مستحق ہیں۔ اس لیے آپ ان کے قیام کے لیے دعا کریں۔

میں نے کہا 'شبانے صاحب میری دعا سے کیا ہوتا ہے۔

کہا 'ہو تا ہے آپ کو دعا کی طاقت کا شعور نہیں۔

میں نے کہا 'آپ خود دعا کریں۔

اللہ تعالیٰ دعا میں ہوا اثر نہیں ہوتا جتنا اجتماعی دعا میں ہوتا ہے۔

شبانے مسلسل اس کوشش میں لگ رہا تھا کہ صدر ایوب کی توجہ اسلام کی طرف مبذول کرے۔

صدر ایوب کی والدہ صوم و صلاۃ کی پابند تھیں۔ جب بھی ایوب گھر سے رخصت ہوا گتے تو وہ انہیں روک لیتیں۔ کہیں ذرا ٹھہرو۔ پھر قرآن کریم اٹھا کر لے آئیں اور بیٹے کہیں میں قرآن کریم اٹھاتی ہوں تو اس کے نیچے سے گزر۔ دیکھ بڑے ایوب سے سر ہنسا مگر نہ۔

ایک دفعہ وہ بیمار پڑیں اور شبانے عیادت کو گیا تو شبانے سے کہنے لگیں 'میری وفات کے بعد ایوب کو پیغام دینا اسے کہنا کہ زندگی بھر جو میں تیرے لیے کرتی رہی ہوں وہ اب تجھے خود کرا۔

صدر ایوب اپنی والدہ کی بڑی عزت کرتے تھے لیکن ان کی ایسی باتوں کا اثر نہ لیتے تھے۔ شبانے کی کوشش تھی کہ آہستہ آہستہ ایوب کو اسلامی نقطہ نظر کی جانب لے آئے۔ ایک دم بات کرنے کے حق میں نہ تھا۔ آج ایک بات کرتا۔ وہ بھی سرسری طور پر نہ تھا۔ تذکرہ۔ ایسی بات جو دل میں کانٹے کی طرح لگ جائے اور سوچنے پر مجبور کر دے آٹھ دن کے بعد وہ سری بات چلا دیتا تھا۔

سب سے پہلے شبانے نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ صدر ایوب کو تجھے کے طور پر دیا۔ پھر اقبال کے کلام کا انگریزی ترجمہ پیش کیا۔ پھر ایک نوٹ میں اقبال کے فلسفہ خوبی کو الفاظ میں بیان کیا۔

ایم بی خالد نے اپنی کتاب ایوان صدر میں سولہ سہل میں اس نوٹ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کا متن بھی پیش کیا ہے لکھتے ہیں۔

شبانے صاحب نے اس نوٹ میں خوبی کا عنوان دے کر نیچے لکھا تھا۔

INDIVIDUALS SELF RESPECT

THE HUMBLER BEFORE THE HUMBLE.

THE PRIDE BEFORE THE PROUD

IN NATIONS INDEPENDENCE.

شباب کا مشورہ دیتے تھے اور اس کے مشوروں کی قدر کرتے تھے۔ یہی بات قدرت اللہ کے ذریعہ
ادامت بن گئی۔

یہ روز کریم اگرچہ شباب کی بہت عزت کرتے تھے لیکن دل ہی دل میں انہیں شباب بہت
کھٹکتا تھا۔ انہیں یہ شکایت تھی کہ ایک جو نیر افسران پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ شباب کی ذاتی
مخالفات تسلیم کرنے کے باوجود انہیں اس بات پر غصہ تھا کہ شباب نے صدر ایوب کو طعنی میں
لے رکھا ہے۔

پاکستان کے سیاست دان شباب کی حق میں نہ تھے وہ چاہتے تھے کہ اپنے مفاد کے مطابق
صدر ایوب کو سانچے میں ڈھالیں۔ اس امر میں شباب بہت بڑی رکاوٹ تھا۔ اس لیے وہ چاہتے
تھے کہ صدر ایوب شباب کے اثر سے نکل جائیں۔

ایک روز صدر ایوب کا بیٹا اجازت حاصل کیے بغیر صدر کی گاڑی لے گیا۔ اس پر صدر
ایوب کو بہت غصہ آیا اور وہ سربانہ اٹھا کر بیٹے کا انتظار کرنے لگے تاکہ جب بھی وہ آئے تو اس کو
سربانے سے سرزنش کی جائے۔

ایک روز صدر ایوب کو والدہ کا پیغام موصول ہوا کہ علاقے کا پنڈاری پہلے بچھ سے سو روپے
لیا کر آ تھا۔ اب وہ سو روپے نہیں لیتا کہتا ہے۔ تیرا بیٹا پادشاہ بن گیا ہے اب تو میں ہزار روپے سے
کم نہیں لوں گا۔

اس بات پر صدر ایوب گھبرا گئے انہیں بات سمجھ میں نہ آئی۔ انہوں نے شباب کو بلایا کہ
مشورہ لیں۔

شباب نے کہا 'پنڈاری ٹھیک کہتا ہے' اسے ایک ہزار روپے دیں۔ صدر ایوب غصے میں
بولے تو کیا آپ رشوت کو چاہتے ہیں۔

شاب نے کہا 'محترمہ شاید میں آپ کو گمراہ کر دوں۔'

محترمہ ہنسی کھینے لگی 'سبز شاب کسی کو گمراہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ لوگ اس لیے گمراہ ہوتے ہیں کہ وہ خود گمراہ ہونا چاہتے ہیں اس میں عافیت کھتے ہیں۔'

کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ بھی خود گمراہ ہونا چاہتی ہیں 'شاب نے کہا۔

دیکھتے سبز شاب 'وہ بولی' آئی لم ڈیٹ میریس۔ میں نے امریکی ریکارڈ میں آپ کی فائل کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ آپ کیوسٹ خیالات کے مالک ہیں۔ شاید اس لیے کہ اغراض میں سروس کے دوران آپ نے ایسے غریب لوگ کام کیے جو اختطایہ کی خلاف ورزی پر محمول کیے جاسکتے ہیں۔ آپ نے قتل کے دوران بھوکے حالات میں دھوکہ دیا کہ وہ چالوں کا ڈب لوٹ لیں۔ پھر آپ نے بڑے برطانوی افسروں کو حراست میں لیا۔

برما پاکستان میں جب آپ جنگ کے ڈپٹی کمانڈر تھے تو آپ نے مکلی بھری گا دی۔ شاید ان باتوں کی وجہ سے آئندہ روز کو تین ہو گیا کہ آپ کیوسٹ ہیں۔ کچھ دیر کے لیے وہ رک گئی پھر بولی 'لیکن وہ لاہ کی آئندہ روٹیں کے بعد میں کال بھینے سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کیوسٹ نہیں ہیں' نہ ہی آپ انڈیا میں تسلط ہیں۔

تو پھر میں کیا ہوں 'شاب نے شرارہ' پوچھا۔

جیسے نہیں ہے آپ کیا ہیں 'وہ بولی' برما میں آپ کیوسٹ نہیں ہیں اور امریکی حکومت کی یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے۔ یہ بات امریکہ کے انٹرنٹ میں ہے اور آپ کے انٹرنٹ میں بھی۔

برما میں یہ بات امریکہ کے حکومتی مکتوبوں میں ملے شدہ تھی کہ شاب کیوسٹ خیالات کا حامی ہے۔ اس لیے امریکہ نہیں چاہتا تھا کہ شاب اور صدر ایب کا باہمی رابطہ قائم رہے۔

پھر جین سے دوستی کے قیام کی وجہ سے دونوں سپرہوڈر شاب کو اس عہدے سے ہٹانے کے لیے صدر ایب پر دباؤ ڈالے گئے۔

صدر ایب بہت اچھے صدر تھے 'لیکن سیاست میں کیے تھے۔ وہ ڈالے کے فن سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے دباؤ کے تحت قدرت اللہ شاب کو سیکرٹری ٹوپر پینٹ سے ہٹا کر وزارت اطلاعات کا سیکرٹری بنا دیا۔

اس تبدیلی کوئی عملی فرق نہ پڑا 'چوں کہ صدر ایب اور شاب کا رابطہ جوں کا توں قائم رہا۔ اس پر یہ دینی دباؤ نے شدت اختیار کرنی اور صدر ایب مجبور ہو گئے۔

جب شاب کو علم ہوا کہ اس کا چہرہ ذریعہ غور ہے تو اس نے صدر صاحب کو اپنا استغفرے بھیج دیا۔

اس پر صدر ایب گھبرا گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ شاب مستغفر ہو جائیں۔ انہوں نے شاب سے کہا کہ میں آپ کا استغفرے منکر نہیں کروں گا۔ آپ کوئی سی وزارت میں بحیثیت سیکرٹری اپنی تعیناتی کروالیں۔

شاب اپنی ضد پر اڑا رہا۔

صدر ایب میں بڑا حلق تھا۔ انہوں نے سوچا کہ وقت کے ساتھ ساتھ شاب کی ضد کمزور پڑ جائے گی۔

ان دنوں صدر ایب مری میں مقیم تھے۔ انہوں نے شاب کو حکم دیا کہ آپ روز مری آئیں تاکہ ہم باہمی بات چیت سے اس مسئلے کا حل تلاش کر سکیں۔

چند روز شاب روزانہ مری جاتا رہا۔

سرکار قبلہ کے دربار میں جب یہ خبر پہنچی تو بھی لوگ فکر مند ہو گئے۔

بھائی جان خاموش ہو گئے۔

سامیں کرم دیں 'بولے' صدر ایب اپنے پاؤں پر گھلاڑی مار رہے ہیں۔ کوئی انہیں جا کر کہنے کہ ایسا کرنے سے وہ خود کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

آغا صاحب نے کہا 'یہ تو ہونا ہی تھا شاب نے میرا حکم نہیں کیا۔ میں نے سرکار قبلہ سے اذیت کی۔ اس کا نتیجہ سامنے آیا ہے۔ شاب اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں۔

راجہ شفیق جیسے میں بولا 'بھائی جان آپ شاب صاحب کو کیوں نہیں روکتے۔ ہمیں مستغفر ہونے سے روکتے۔

بھائی جان بولے 'وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں ہم ان کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔ پس اگر وہ چاہیں تو ہم کچھ معاملات میں ان کی مدد ضرور کر سکتے ہیں۔

بھائی جان بولے۔ آپ بلگ ہیں جو چاہیں کریں، لیکن اگر اسٹیفن منظور نہ ہوا تو پیچھے ہٹیں۔
آپ کو چارلوہ منظور کرنا ہو گا۔

ہاں وہ تو ہے، 'شباب' نے کہا۔

ہمارا خیال ہے کہ آپ کسی جگہ کے سفیر بنا قبول کر لیں۔

ہاں، 'شباب' نے کہا لیکن ان کا ارادہ ہے کہ مجھے یو این لو میں بھیج دیا جائے۔

آپ کا کیا ارادہ ہے، بھائی جان نے پوچھا۔

میں یو این لو کی دلدل میں پھنسا نہیں چاہتا۔ وہاں کوئی کام نہیں ہوتا۔ نہیں ہو سکتا۔ بس بے کاری کی تقریریں سنو اور لو گھٹتے رہو۔

سفارت کے حلقہ آپ کا کیا خیال ہے، بھائی جان نے پوچھا۔

میری زندگی کی سب سے بڑے خواہش ہے کہ میں جدے کا سفیر بنوں، لیکن مجھے جدے نہیں بھیج سکتے۔ مجبوری ہے دراصل میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ مجھے کسی اہم سفارت میں بھیجیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ کوئی چھوٹی سی جگہ ہو۔ کوئی کام دام نہ ہو۔ اور وہاں میں اپنا کام کر سکوں۔

اپنے کام کا کیا مطلب ہے، راجہ نے پوچھا۔

بھائی جان بولے، 'اپنے کام کا مطلب اپنا کام ہے اور کیا۔'

بہر حال اس روز بھائی جان نے برطانیہ کے 'شباب اسٹیفن' پر مدد نہ کریں بلکہ کسی سفارت میں تعیناتی کر لیں۔

اگلے روز 'شباب' نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا، 'آپ تاریخ ہوں تو یہاں آ جائیں۔'

یہاں کہاں، میں نے پوچھا۔

میں گھریں ہوں۔

دفتر میں آ رہے کیا۔

نہیں، وہ بولا۔

میری جائیں گے کیا۔ صدر صاحب سے ملنے۔

نہیں، وہ بولا۔ آپ آ جائیں۔

مگر کچھ تو دیکھ کر 'شباب' شب خوابی کے لباس میں اطمینان سے بیٹھا ہے۔

میں نے کہا، 'آپ تو چھٹی کے موڈ میں بیٹھے ہیں۔'

ہاں، وہ بولا، 'چھٹی کا موڈ ہے آج۔'

معلوم ہوتا ہے آپ نے فیصلہ کر لیا ہے۔

کیسا فیصلہ، اس نے پوچھا۔

مستقبل کے حلقہ فیصلہ، میں نے کہا، 'آپ نے بھائی جان کا مشورہ قبول کر لیا ہے۔'

کون سا مشورہ۔

سفیرین کا رہا کر جانے کا مشورہ۔

وہ مسکرایا، میں فیصلہ کرنے والا کون ہوں۔

تو کیا صدر صاحب فیصلہ کریں گے۔

وہ تو خود بخود ہیں، اس نے کہا، 'پتہ نہیں لگتا کہ کیا منظور ہے۔'

تو اللہ سے پوچھ لیجئے، میں نے اسے چھیڑا۔

ان سے کون پوچھ سکتا ہے۔ ان کی تو منت کی جا سکتی ہے۔ آپ کو نور بابا کی وہ دعا یاد ہے جو

انہوں نے قصائی کی زندگی کے لیے کہی تھی۔

میں نے سر نہی میں ہلا دیا۔

انہوں نے کہا تھا، 'یا اللہ یہ قصائی ہمیں اچھا گوشت دیتا ہے جو ہم تیرے بندوں کو کھلاتے

ہیں۔ اگر تو اس کی زندگی بڑھا دے تو تجھے کون پوچھنے والا ہے۔'

ہاں، میں ہنسا، عجیب دعا مانگی تھی نور بابا نے۔

مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آتی کہ تجھے کون پوچھنے والا ہے، 'شباب' نے کہا۔

نمازی ٹوپی

بے شک نہ پوچھیں، ان کی منت کیجئے، میں پھر اپنے موضوع پر آیا۔

زندگی بھر میری یہ آرزو رہی ہے کہ مجھے جدہ میں سفیر بنا دیا جائے۔ لیکن منظوری میں ملی،

شباب نے کہا۔

آپ نے کوشش کی تھی کیا، میں نے پوچھا۔

آپ کو پتہ نہیں، وہ بولا، 'خانہ آفس جدہ کی سفارت کو ٹیل خانہ سمجھتا ہے، کوئی شخص

© Oneurdu.com

-۱۱-

جدے میں سفیر بن کر جانے کے لیے تیار نہیں۔

اچھا میں نے حیرت سے کہا "پھر منظوری کیوں نہ ملی۔"

جدے میں سفارت کی منظوری دینے شریف سے ملتی ہے۔ جو صاحب وہی تھیں ہیں۔

دربار کون سے دربار۔"

کہنے لگا "داتا کے دربار۔"

کیوں کیا ہوا؟ میں نے پوچھا۔

ہاں ہو گیا وہ بولا۔

انہوں نے اجازت دے دی، میں نے کیرے کے لیے پوچھا۔

ہاں دے دی۔ اس نے بات کا رخ بدلا۔ ہم آج ہی والیوں چلے جائیں گے۔

کیا واقعی۔

ہاں وہ بولا۔

آپ نے تو تین راتوں کی حاضری کا پروگرام بنایا تھا۔

ہاں اس نے کہا، میرا خیال تھا کہ ————— لیکن انہوں نے اجازت دے دی۔

اسی روز ہم والیوں رولپنڈی چلے آئے۔

پھر رگی دھوتوں اور سنڈ آف کا ایک سلسلہ چل پڑا اور وہ اس قدر مصروف ہو گیا کہ اس
بات کوئی مشکل ہو گئی۔ ہر حال میں نے موقعہ پا کر کہا، شاپ صاحب وعدہ کیجیے کہ ہمارے
پہلے آپ میرے ساتھ کم از کم دو یا تین گھنٹے اکیٹے میں گزاریں گے۔ میں آپ سے بہت
پیارا کرنا چاہتا ہوں۔
شاپ نے وعدہ کر لیا۔

آخری ملاقات

ہائینڈ جانے سے پہلے ایک روز قدرت کا فون آیا، اگر آپ فارغ ہوں تو آجائے گا۔
کیوں خیریت، میں نے پوچھا۔

پارہ کا مطالبہ، شاب نے پوچھا۔

وہ کہا: "جائنا کہا جاتا، گلشن بن جانا۔ میں نے وضاحت کی۔

حیرت ہے، وہ بولا، لوگوں کی تو بموک اڑ جاتی ہے۔ ہرمل آپ کو گھبرانے کی چنداں

ضرورت نہیں۔

میں مثالی انسان نہیں۔ شاب صاحب، میں نے کہا۔

الطاف گوہر

اس نے موضوع بدلا۔ کہنے لگے میری جگہ الطاف گوہر آ رہے ہیں۔ وہ بڑے قائل آدمی ہیں۔

مجھے علم ہے۔ کہ وہ نیلینڈ ہے۔

ہمت ڈھین ہیں۔

یہ تو میں جانتا ہوں کہ نیلینڈ آدمی ہے، مگر آدمی کیسا ہے وہ، میں نے پوچھا۔

بڑا ہمدرد آدمی ہے۔ آپ تو اسے جانتے ہو گے۔ لوبی آدمی ہے۔

لوبی تو ہے، مگر انسان کیسا ہے۔

ہمت اچھا انسان ہے۔ ڈھین ہے، ایف بیسٹن ہے۔ عقل کا دلدادہ ہے۔ دوسرے کی بات

خود سے سنتا ہے، کئے ذہن سے سنتا ہے۔ متعجب نہیں ہے۔ اوپن مائنڈ ہے، لیکن منفرد سوچ کا

مالک ہے۔ یہ باتیں سول سروس میں نہیں چلتیں۔

سول سروس میں پیچھے پیچھے چلنے والا چلتا پھرتا ہے۔ آگے چلنے والا مار کھا جاتا ہے۔ وہ سول

سروس میں زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔ یہ ہماری سول سروس کا ایلیہ ہے، وہ ایسے شخص کو اچھا

نہیں جانتی جس میں LEADERSHIP ہو۔ انفراسٹ کو برداشت نہیں کرتی۔ آپ کیوں

گھبراتے ہیں اس نے بات کا رخ بدلا۔

آپ فروری ۶۶ء میں ریٹائر ہو جائیں گے۔ فروری ۶۵ء میں آپ ریٹائرمنٹ کی چھٹی پر

چلے جائیں گے۔ صرف ایک سال تو ہے۔ اس دوران میں میں آپ کو ہائینڈا لوں گا دیکھتے ملتی

صاحب، اس نے کہا، آپ کو رزق کی کمی نہیں ہوگی، انشاء اللہ نہیں نہیں۔ اگر آپ میری اس

بات پر یقین رکھیں گے تو سنبھل رہیں گے۔

مجھے رزق کا فکر نہیں ہے، میں نے جواب دیا۔
تو پھر آج مجھے کیا کہنا چاہتے تھے۔

رکاوٹ آزمائش

وہ ایک اور مسئلہ ہے۔ میں نے کہا۔

تو بتائیے۔

وہ بہت تکلیف دہ مسئلہ ہے۔

آپ کو یاد ہو گا آپ مجھے کراچی میں ایک بزرگ بلایا کے پاس لے کر گئے تھے۔ اس بلایا کے
ایک پر ایک پر چڑھا کھڑا آدمی تھا۔ وہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھا۔ وہ اپنا پروفیشن چھوڑ کر بلایا کا بلکا بن
گیا تھا۔

جب ہم بلایا سے مل کر واپس آ رہے تھے تو آپ نے کہا تھا، یہ ڈاکٹر بلایا کی آزمائش ہے۔

مجھے یاد نہیں، وہ بولا۔

آپ نے کہا تھا ہر بلایا کے ساتھ کوئی ناکوئی فرد ایسا ہوتا ہے جو اس کی آزمائش کے لیے مقرر

ہوتا ہے۔ اس کی ہر بات میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ آپ نے کہا تھا کچھ بلایا لوگ کو شعور ہوتا ہے

اور وہ شخص ان کی آزمائش ہے کچھ کو شعور نہیں ہوتا۔ یاد آگیا آپ کو کہ کہ نہیں۔ اس نے سرنگی

میں ہلا دیا۔ بہت میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔

کیا یہ سچ ہے کہ ہر بلایا کے ساتھ ایک آزمائشی فرد لگا ہوتا ہے جو اس کی ہر بات میں رکاوٹ

پیدا کرتا ہے۔

مجھے ذاتی طور پر اس کاظم نہیں لیکن بزرگوں کا کہنا ہے کہ یہ بات سچی ہے، اس نے جواب

دیا۔

بہی بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ میں آپ کے راستے کی رکاوٹ ہوں۔ میں آپ کی

آزمائش ہوں۔ جب بھی میں یہ سوچتا ہوں تو مجھے سخت دکھ ہوتا ہے۔ اس وقت میرا خیال ہے

کہ میں کہیں بھاگ چلاؤں۔ خود کو معدوم کر دوں۔

یہ سن کر شاب خاموش ہو گیا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ آپ نے کہا کہ 'مفتی کی دوستی ایک پھولے کی طرح ہے۔ جس کی نیسوں میں لذت ہے۔

وہ مسکرا دیا بولا 'ہاں میں نے سچ کہا تھا' لیکن مفتی صاحب اول تو میں جانتا ہوں۔ بزرگ نہیں ہوں۔ ایک عام سائنس ہوں' آپ خلوہ خواہ مجھ سے عقیدت لگائے بیٹھے ہیں۔ میں تو آپ سے دوستانہ تعلقات کا خواہی ہوں۔

شباب صاحب مجھے ٹالے نہیں' میں نے احتجاج کیا۔

پلے آپ کی خوشی کی خاطر فرض کیجئے کہ میں جانتا ہوں وہ مسکرا کر بولا۔

اور آپ میری آزمائش ہیں' میرے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ اس صورت میں تو مجھے آپ کا ممنون احسان ہونا چاہیے آپ تو فزکس کا اصول جانتے ہیں کہ اگر رکاوٹ نہ ہو تو حرکت ممکن نہیں ہو سکتی۔ اگر کشش قفل نہ ہو تو بوٹے اگ نہیں سکتے۔ پاپائوں کے راستے میں رکاوٹیں نہ ہوں تو وہ آگے بڑھ نہیں سکتے۔ مادرات طے نہیں کر سکتے۔ ایسا تو نہیں کہ آپ خود کو اہمیت دینا کے لیے اپنے آپ کو میرے راستے کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ میں اس وقت غفلت آگئی۔ کہنے لگی 'ٹھیک تو کہتے ہیں۔ مفتی جی۔ یہ ہمارے راستے کی رکاوٹ ہی تو ہیں۔ یہ اکیلے نہیں۔ بھائی بھائی ہیں' راجہ ہے اور یہ ہیں۔ یہی ہمارے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ فن کی وجہ سے میرا جی نہیں چاہا کہ ہائیڈ جاتوں۔ شباب کی اس بات کی وجہ سے میں ساری رات سو نہ سکا۔ میرے ذہن میں وہ وہ خیال آئے۔ واٹ اے میں۔ واٹ اے میں' جو راستے کی رکاوٹوں کا ممنون احسان ہے' وہ آزمائش کو خوش نصیبی سمجھتا ہے۔

۳۹۔ بے نام اداسی
۴۰۔ بزرگ اور آزمائش
۴۱۔ انوکھے خط

پروفیسر اشفاق حسین (۱۹۵۵ء)



اقبال مفتی (بھانجا)

ولایت بچہ (محبوبہ) صفوانہ (والدہ) مفتی مفتی (پوتو)

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

بے نام اداسی



غوسیا مفتقی (۱۹۶۶ء)

قدرت اللہ شباب کے جانے کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے جی بجھ گئی ہو اور گھپ اندھیرا چھا گیا

۔۔۔

ایسا تو کبھی نہیں ہوا قبلہ

طبعی طور پر میری سائٹ کچھ ایسی تھی کہ کسی غمناک واقعہ پر مجھے ایک دم صدمہ نہیں
ہوتا۔ واقعہ کے بیت جانے کے بعد لوہی اور غم بوند بوند کرنا شروع ہو جاتے اور پھر بوند بوند
کرتے رہتے رہتے رہتے۔ ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ کسی واقعہ کے بعد اندھیرا گھپ ہو گیا ہو۔
بلکہ ابھی قدرت اللہ سے میرے تعلقات کسی خاص نوعیت کے نہ تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا
کہ وہ ایک عظیم کردار کا حامل تھا۔

احترام کی دیوار

میرے دل میں اس کے لیے جذبہ احترام تھا۔ وہ میرا دوست نہیں تھا کیوں کہ ہم دونوں
لے در میان احترام کی دیوار مائل تھے۔ اس کے کردار کی تین خصوصیات نے مجھے متاثر کیا تھا۔
اس میں بلا کی وسعت قلب تھی۔ بڑی سے بڑی بری سے بری بات بھی اس کے دل کو



غوسیا، قدرت اللہ شباب، تمہینہ

میلا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ لوگوں کی ایک دلی پرست خوش ہوتا تھا۔ لیکن لوگوں کی برائیوں سے وہ
یا بدبختوں پر آزرہ نہیں ہوتا تھا۔

بھائی جان اور قدرت اللہ میں سب سے بڑا فرق یہی تھا۔

بھائی جان اصولی آدمی تھے۔ قدرت اللہ نے کبھی اصول کو انسان پر فوقیت نہ دی تھی۔

بھائی جان دوسروں کی کیوں کیوں یا بدبختوں پر آزرہ ہو چلا کرتے تھے۔ وہ حقین کے
دلدادہ تھے۔ قدرت اللہ نے کبھی حقین نہ کی تھی۔

قدرت اللہ کی دوسری غلطی جس نے مجھے متاثر کیا تھا اس کا چنڈ بھر دی تھا۔ اس نے
کبھی بھر دی کا انکار نہیں کیا تھا۔ اس کا چنڈ بھر دی نظر میں آتا تھا صرف محسوس ہوتا تھا۔
جیسے دیکھنے والوں پر راکھ جم جاتی ہے اور انکار سے نظر نہیں آتے۔ لیکن ان کی گری پاگم۔
محسوس ہوتا رہتا ہے۔

قدرت اللہ کی تیری خصوصیت جس نے مجھے متاثر کیا اس کا عجز تھا۔ غلطی طور پر وہ خود کو
کسی شخص سے بہتر نہیں سمجھتا تھا۔ میں اسے ایک پاکیزہ شخص سمجھتا تھا۔ کیوں کہ وہ مہارت گزار
تھا۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہر سانس کے ساتھ کام پڑھنے کا عالمی ہو۔

چوں کہ مجھے علم تھا کہ میں پاک نہیں ہوں۔ بلکہ جسمانی ذہنی طور پر ناپاک ہوں۔ اس لیے
میں نے قدرت سے کبھی ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ میں کبھی اس کمرے میں نہیں سویا تھا جس میں
قدرت سوتا تھا۔

ہم دونوں آمنے لاہور جاتے اور اشتیاق کے گھر ٹھہرتے تو باہر میرا بہتر قدرت کے کمرے میں
اگادتی تھی۔

نہیں ہاں میں کتا میں اس کے کمرے میں نہیں سوئی گا۔

لیکن کیوں وہ پوچھتی۔

وہ آدمی ذات کو چھوڑ کر گناہ ہے ہلم
تو بہتر نہ تھی۔

نہیں ہاں میں اس کے کمرے کی پاکیزہ فضا کو خراب نہیں کرنا چاہتا۔

ابتدائی ایام میں ایک دو یا تین دونوں آگے بڑھ کر ریل گاڑی دورے پر گئے تھے۔

قدرت اللہ نے ایک کوپے روز دو کر لیا تھا۔ اس نے میرا بہتر اوپر کی سیٹ پر لگا دیا تھا۔
میں کوپے میں سو نہ سکا تھا۔ آہستہ آہستہ میرے اندر کا اضطراب اس قدر بڑھ گیا کہ سانس
لینے میں دشواری ہو گئی جب بات برداشت سے باہر ہو گئی تو میں دبے پاؤں چپے اترا اور پھر چپکے
کوپے سے باہر نکل گیا۔ صرف قہر کا اس کے ڈبے کھلے تھے۔ ہمیشہ کچھ زیادہ ہی تھی۔ جیسے
کچھ مجھے ڈبے کے فرش پر آڑوں بیٹھنے کی جگہ مل گئی۔ نکل اور گری کے بعد خود میں وہی یوں
الہامین سے جیسا تھا جیسے تخت فیر مترقہ مل گئی ہو۔

دن چڑھا تو شاب کالی اے مجھے احمق بنا ہوا آ گیا۔

کتنے لگا پٹیلے صاحب ہمارے ہیں۔

شاب نے مجھ سے بالکل نہ پوچھا کہ آپ کئی پٹے گئے تھے۔ کیوں پٹے گئے تھے۔ لیکن
اگلا چپے آئے والی ہے اپنا سامان درست کر لیجیے۔

کچھ دیر کے بعد میں نے ٹوہنی بات چھیڑی۔ میں نے کہا میں چلا گیا تھا۔

بولتا ہوں جب آپ گئے تھے تو میں جاگ رہا تھا۔ پٹیلے میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرتا
ہوں۔ پھر آپ پٹے گئے اچھا کیا پٹے گئے۔

میں نے بات نہ جانے کے لیے بھوت بولا۔

میں نے کہا میں آئیے کنڈیلین سے الیک ہوں۔

ہاں وہ بولتا میں بھی ہوں۔

پھر آپ "اے سی" میں کیسے سوتے ہیں۔

آپ ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور سکی ہو جاتے ہیں۔ میں خود سے لڑتا رہتا ہوں۔

خود سے لڑنا تو اچھی بات ہے۔

نہیں اس نے جواب دیا ہار نہ مانا بھی تو شوکت لہس کی آگ صورت ہے۔ ہار ماننے میں
دشمن کبھی ہے۔

شاب کے کردار کی ان تین خصوصیات کی وجہ سے میرے دل میں اس کا احترام تھا۔

لیکن کسی محترم کے پٹے جانے کے بعد یوں گھپ اندھیرا تو نہیں ہو جاتا۔ زندگی میں غلا تو
نہیں پیدا ہو جاتا۔

جھوٹی 'شم کا چور احساس۔

اگر میں چاہتا تو اس اوراسی کو دور کر سکتا تھا۔ راولپنڈی میرے دوستوں سے بھرا ہوا شہر تھا۔ مسعود تھا، عمار تھا، عرفان تھا، عظمیٰ تھا، پھر میرے پرانے دفتر کے لوگ تھے۔ مس فخری تھی جس نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا تھا۔ علاحدہ ایک عالم تھا کہ میرا ساتھ دینے سے وہ اپنی ملازمت خطرے میں ڈال رہی ہے۔

ان دنوں بھائی جان نے پھر سے مری میں رہائش اختیار کر لی تھی کبھی کبھار وہ پٹنڈی آ جاتے۔ ان کے آنے کی سب کو اطلاع ہوجاتی۔ ہم سب راجہ شفیق 'والی' ملک آٹھالور میں 'دربار' میں جا بیٹھے پھر وہیں ایک فیروزی قسم کی محفل لگ جاتی۔ پتہ نہیں کیوں 'دربار' کے حلقے میرے دل میں وہ جوش و خروش نہیں رہا تھا۔ بھائی جان کی عزت میرے دل میں جوں کی توں قائم تھی۔ لیکن دل میں وہ کشش نہ رہی تھی۔

ڈاؤنڈول

میں اپنے دل کی بات کسی سے نہ کہہ سکتا تھا۔ صرف راجہ شفیق ایسا فرد تھا جسے میں دل کی بات بتا سکتا تھا۔ راجہ مجھ سے پوچھتا یہ تجھے کیا ہو گیا ہے ملتی۔ نہ تو 'دربار' میں حاضری دیتا ہے۔ نہ اپنے پرانے دوستوں سے ملتا ملتا ہے۔ دوگی میں تو نہیں آیا کبھی۔ طلق کی محفل میں تو نہیں جاتا۔ بات کیا ہے۔

میں جواب دیتا 'پتہ نہیں راجہ مجھ پر اک بے باق اوراسی چھائے رفتی ہے۔

کسی لڑکی سے محبت ہو گئی ہے کیلہ ایسا ہے تو مجھ کو بتا۔ بس ایک اشارہ کر دے۔ میں اسے انکار نہیں کرتا۔ نہ لے آؤں تو میرا نام راجہ نہیں۔

نہیں راجہ محبت نہیں دینے ہی اوراسی ہے۔

وہ تو ہے جب پڑتی ہے تو سارے گھرانے پر پڑتی ہے۔ آج کل سب ڈاؤنڈول ہو رہے ہیں۔ بھائی جان کا 'دربار' رکا ہوا ہے۔ سائیں کی تیار پڑے ہیں۔ تسماری یہ حالت ہے۔ والی بھی گھر بند ہوا بیٹھا ہے اور میں گواہی گلی کی طرح اکیلے مارا مارا پھرتا رہتا ہوں۔ دراصل راجہ یہ بات نہیں سمجھا تھا کہ میں 'دربار' سے کٹ گیا ہوں۔

یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہو رہا ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔

بے شک وہ محترم تھا، محسن تھا، اس کے ہونے سے مجھے بڑے دنیاوی فائدے حاصل تھے۔ ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ زندگی ایک ظلم میں بدل جائے۔ دلچسپیاں بے معنی نظر آتے لگیں۔ دوست بیگانے محسوس ہونے لگیں۔

کراہتا جیٹی

انہی دنوں۔ ایک نیا نیا ٹیپ ہمیں حاصل ہوا تھا۔ اس میں طفیل کے گائے پھرے ہوئے تھے 'یہ گائے ستودھ میں ریکارڈ نہیں کیے گئے تھے۔ ریکارڈنگ مکئی تھی۔ لیکن نمائشی اجہام سے پاک تھی۔

جب وہ 'بول مٹی لٹا پڑ گیا' سچ کر کہتا تو ایسے لگتا جیسے کوئی جیٹی کرا رہا ہے۔ دکھ سے بے مال ہو کر چیخ رہا ہے۔

اگرچہ گیت کا کمزور خاصہ ہے معنی تھا۔

بول مٹی دیا پڑا دے۔

تیرے دکھوں نے مار مکھا دے۔

میرا سوال ملتی۔

ان دنوں طفیل کے انداز اور آواز میں واقعی جیٹی صفر قلعہ م راشد کے جیٹی میرید جس کے صدیوں جبرسا ہو۔

سارا سارا دن میں ٹیپ لگائے رکھتے یوں پڑا سنتا رہتا جیسے مگر چھ سمندر کے کنارے دھوپ میں ریت پر پڑے رہتے ہیں۔

مجھ پر ایک عجیب قسم کی اوراسی چھائی ہوئی تھی۔ گہری گاڑھی اوراسی اوراسی کو دور کرنے کی خواہش نہ تھی۔ انسانی چاہتا تھا اور گاڑھی ہو جائے۔

ایسی کیفیت مجھ پر زندگی میں کبھی طاری نہ ہوئی تھی۔ بھٹوں میں جدائی کے کئی بار موقع آئے تھے ایسے موقعوں پر بے چینی ہی محسوس ہوا کرتی تھی۔ بے چینی کے طوفان میں ایک سکون کا حلقہ ہوتا تھا چلو اچھا ہوا قسم کا احساس۔ جھلا ہوا میری جمہوری ٹیٹی۔ میں تو پانچا بھرن سے

سرے سے الیت ہی نہ تھی۔

میرے گھروالے بھی میری اس کیفیت پر مت پریشان تھے۔

میری بیوی میری اس کیفیت پر غاراض تھی۔

میری بیوی ایکن آپار کی شیشی ہے۔ ایکن آپار کے شیخ نو مسلم ہیں۔ اپنی گذشتہ مت پرستی پر

وہ مت شرمندہ ہیں۔ اس سینس آف گھٹ کی وجہ سے جو ان کے اندر دیکھا بیٹھا ہے۔

وہ کسی بندے کو کوئی روحانی مرچہ دینے کو کفر سمجھتے ہیں۔

وہ کسی بندے کو کوئی روحانی مرچہ دینے کو کفر سمجھتے ہیں۔

ڈیجیٹل ہو گیا ہوں۔ اور قدرت اللہ پر مرکوز ہو چکا ہوں۔ راجہ نے قدرت اللہ کی
خصیت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اس لیے وہ یہ اندازہ نہ لگا سکتا تھا کہ قدرت اللہ میرا مرکز بن چکا
ہے۔

میں خود اس بات پر شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔

بھائی جان کے مجھ پر بڑے احسان تھے۔ انہوں نے مجھ میں بیداری پیدا کی تھی۔ مجھے

خوافات سے نکال کر پاکیزہ فضا میں لے آئے تھے۔ مجھ پر رقت طاری کر کے میری برائتوں کی کو

دفع ہیں۔ آپ نے وہ مخلوق بنا ہو گا کہ وہ میرے از گولڈ دیے از قیمت۔

کیا وہ واقعی میں گولڈ ہیں۔

ہاں وہ بولے، مجھے اس بات کا علم ہے۔

مجھے تو ایسے گمنا ہے جیسے وہ جیل ہوں۔

بائبل، وہ بولے گولڈ ہوتا ہے وہ گولڈ دکھائیں۔ جو دکھتا ہے وہ گولڈ نہیں ہوگا۔

غفور صاحب کی باتیں سن کر مجھے حیران ہو جانا چاہیے تھا۔

لیکن اس کے برعکس رد عمل ہوا۔ مجھے فہم آئے لگا۔ خود پر فہم۔ یہ میں کیا کر رہا ہوں۔

یہ کس طرف چل رہا ہوں۔ ہانا مجھے دو مانیات سے کیا لیتا رہا ہے۔ اگر دنیا کے ساتھ ساتھ اللہ

کا ایک نظام چل رہا ہے۔ تو ہم اللہ پڑا چلے۔ مجھے اس سے کیا لیتا رہا ہے۔ آئی ڈونٹ بلانگ

لوت اور میں جاننے کی وجہ میں کیوں لگا ہوں۔

دن میں بیسیوں باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ نہیں سمجھ سکتے۔ روحانی نظام بھی

ان میں سے ایک ہے میں خواہ کلو کلا کر شراک ہو مڑنا بیٹھا ہوں۔ اپنی زندگی حرام کر رکھی ہے۔

ہانا، قدرت اللہ چاہے اللہ میں کا بچا ہے یا انسان، وہ جو بھی ہے پڑا ہو۔ مجھے کیا لیتا رہا ہے۔

خود فریبی

وہ دن میں ذہن میں ڈال کر یہی خیال سوچتا رہا۔

تیسرے دن میں مکر سے ڈاکٹر لیا۔ دوگی میں جا بیٹھا۔ ریڈیو شیشن پہنچا۔ مسعود عمر عواد

سے کہیں ملتا رہا۔ مس فخری سے شرارتیں کرتا رہا۔

شام کو جب میں واپس گھر پہنچا تو میں نے محسوس کیا کہ خوش وقتی کی یہ ساری انکسار ساز

ملف ابھڑا تھی۔ آمد نہیں بلکہ آورد تھی۔ خود فریبی تھی۔ اپنے دوستوں میں میں وہ نہ تھا جو

ہوا کرتا تھا۔

پھر وہ ایک دن میں دربار میں جا کر بیٹھا رہا۔ سائیں اللہ بخش سے باتیں کرتا رہا جیسے پہلے کیا

کرتا تھا لیکن ان باتوں میں وہ گمن نہ تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ مزار مجھے اوپر الٹا لگا رہا تھا۔

دل ہی دل میں میں دعا میں مانگ رہا تھا کہ کیسے ملک، راجہ، آگاہی والی نہ آجائے۔ کیس

نہیں وہ مسکرائے۔ آپ کو نہیں پتا کیا۔۔۔۔۔ کہ انہوں نے کوشش کر کے پائیڈ

میں چالو کیوں کر دیا تھا۔

نہیں مجھے نہیں پتا۔

وہ مسکرائے بولے اس لیے کہ وہاں کوئی سرکاری کام نہیں ہے۔

آپ تو کہتے ہیں انہیں خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔

منفی صاحب وہاں وہ اپنا کام کرنے کے لیے گئے ہیں انہوں نے تزکیہ کا بہت بڑا پلان بنایا

ہوا ہے۔ مثلاً وہ یہاں احتکاف اور دیگر دکانیں نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں چپ رہنا ممکن نہ تھا۔

مراٹے نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر یہ بھی ہے کہ پائیڈ میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی لائبریری

ہے۔ جس میں تھی سب سے بڑے بہتات میں ہیں۔

یہ بتائیے کہ آپ کے اندازے کے مطابق وہ کب واپس آئیں گے۔

پانچ سال لگیں گے، غفور نے جواب دیا ایک پائیڈ میں دو مصر میں پھر شاید وہ جدے

میں۔ منفی صاحب آپ ان کے جانے پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ انہیں چاہی تھا کہ ان کا جانا ملک

کے مفاد میں ہے۔ گیارہ ماہ پہلے میں نے اس سے کہا تھا کہ آپ باہر چلے جائیں۔ کچھ دیر کے لیے۔

لیکن وہ بل مول کر رہے۔ بل مول ان کی عادت میں داخل ہے مگر اس وقت چلے

جاتے تو بہتر ہو کہ خیر اب بھی ٹھیک ہے۔

میں نے پوچھا غفور صاحب ایک بات بتائیے۔ مجھے بتائیں گے؟

بولے ہاں جیسے۔

گولڈ اینڈ قیمت

میں نے کہا یہ بتائیے کہ قدرت اللہ شباب کون ہے۔

اس پر غفور مسکرا دیے۔ کہنے لگے یہ بات میرے علم سے باہر ہے۔ مجھے صرف یہ پتا ہے

کہ وہ اچھے آدمی ہیں لوہہ ان کا یہاں ملک میں رہنا ملک کے لیے باعث برکت ہے۔

لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ ان کا ملک سے باہر جانا ضروری تھا۔

وہ بھی درست ہے۔ غفور نے کہا۔ آپ کو پتا ہے کہ اچھے لوگوں کے راستے میں رکاوٹیں

الف دو آ ہے۔

اس دن کے بعد آنا حنیف نے کبھی پتلون پہن کر محفل میں حاضری نہ دی۔ ساتھ ہی اس نے اپنی خوش لباسی بھی نہ چھوڑی۔ وہ باقاعدہ سوٹ پہن کر ٹپ جاپ و فٹر جانا۔ ساتھ ایک قبیلے میں پایا لے جانا۔ سائیں اللہ بخش کے ذریعے کی ذیہ وحی میں پتلون اور ٹائی انداز کر قبیلے میں رہا لیتا اور پایا پہن لیتا۔ آنا حنیف 'سائیں اللہ بخش کا بہت احترام کرتا تھا۔ ان کے احکامات کی پابندی کرتا تھا لیکن محفل میں زیادہ گفتگو نہیں کرتا تھا۔

آنا حنیف کے بھائی بھی کبھی کبھی سائیں جی کے ذریعے پر حاضری دیتے تھے۔ ان کے ماں میں سائیں جی کا بڑا احترام تھا۔

آنا کا سارا خاندان ہی مذہبی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اعلیٰ عہدوں کے بارہود بڑے اکابر سے دربار میں حاضری دیتے تھے اور دربار میں حاضری دینے والوں سے پرورازہ سلوک کرتے تھے۔ آنا حنیف قاتل و قتلہ ٹٹری اکاؤنٹس میں ملازم 'لیکن اسے کتنے پرانے سے بہت دلچسپی تھی۔ انٹر وائی مشقوں میں جایا کرتا تھا۔

تقسیم سے پہلے پر صغیر کی ایک لوبی سوسائٹی تھی جس کا نام (pen) تھا۔

آنا حنیف اس معروف لوبی تنظیم کا علاقائی سیکرٹری تھا۔ باقاعدہ پہلے کرتا تھا۔ اس کے ایک بھائی شیاء بڑے پاسے کے شاعر تھے۔ ان کے کلام کے رنگ میں علامہ اقبال کے کلام کی جھلک تھی۔

آنا حنیف نے ٹٹری اکاؤنٹس کا کھانا امتحان دے رکھا تھا۔ افسری کا یہ امتحان بہت سے لوگوں نے پاس کر رکھا تھا اور وہ سال ہا سال سے اس امید پر بیٹھا کہ کب اس کی باری آئے اور افسری حیثیت سے اس کی تہنیتیاتی ہو۔

افسری

آنا حنیف کو افسرینے کا بہت شوق تھا۔

سائیں اللہ بخش نے آنا سے وعدہ کر رکھا تھا کہ ہم تیس افسر بنائیں گے۔ ضرور بنائیں گے۔

انہیں پتا نہ لگ جائے کہ مجھ میں وہ جوش عقیدت نہیں رہا تھا کہ وہاں میں میں خدا بند میرا بہت تھا۔

میں نے آٹھ دن وہاں زندگی کے معمولات میں دلچسپی لینے کی کوشش کی 'لیکن بات نہ بنی بے کار ہے' بے کار ہے۔

میں نے سوچا۔ ضرور قدرت اللہ نے مجھے کیل دیا ہے۔

مجھ پر جادو کر دیا ہے۔

پہلے بھائی جان نے مجھ پر رات کر کے جھگو دیا تھا۔

اب قدرت اللہ نے جادو کے زور پر مجھے آکایا کر دیا ہے۔

چاروں طرف ایک دیر اندہ پھیلا ہوا تھا۔ اس دیر اندہ کے عین مرکز میں میں ایک مردی پتھر کی طرح کڑا ہوا تھا اور اس پتھر پر قدرت اللہ کی ہر ترکی شکل میں بیٹھا غرقت غلوں 'غرقت غلوں کر رہا تھا۔ اور دور کوئی دھمی دھمی جھٹی کر رہا تھا۔

دروازا مار لیا دے
میرا دل ڈر دا نہ بولے

آنا حنیف

پھر آنا حنیف کی بات چل نکلی۔

میرے نزدیک آنا حنیف کی شخصیت ایک مہر تھی۔ ایک جانب تو آنا حنیف دور جدید کا نمائندہ تھا۔ خوش لباس تھا۔ اپنے گفتا قافیہ ڈرائی کلینز کی دکان سے نکل کر آیا ہو۔ باقاعدہ سے قیمتی سوٹ پہنتا۔ پتلون کی کمرز کی دھاریاں دھاتی جیسے تھوڑے ہو 'بھڑکیلی توجہ طلب نکلتی۔ دوسری جانب وہ سائیں اللہ بخش کے جہرے میں ۳۵ سال سے روز باقاعدہ حاضری دیتا تھا۔ و فٹر سے سیدھا جان کے ذریعے پر پٹنچک دیر تک سائیں اللہ بخش کی محفل میں بیٹھا رہتا۔

ایک روز سائیں اللہ بخش نے غما سے کہا 'یہ کیا کہ آپ سارگی کے غلاف جیسا لباس پہن کر محفل میں آ جاتے ہیں۔

سائیں صاحب نے یہ جملہ یا تو ازراہ مذاق کہا ہو گیا اس لیے کہ پتلون پہن کر فرش پر بیٹھا

© Copyright 2000

بنا کر سائیں اللہ بخش نہیں چاہتے تھے کہ آنا کو اقتدار حاصل ہو۔

قدرت اللہ شباب کے کردار کا بنیادی عنصر بن کر قلم وہ کسی شخص کو خود سے کٹر نہیں سمجھتا تھا۔ بزرگوں کے ساتھ اس کا رویہ قطعی طور پر مختلف ہوتا تھا۔ عام آدمیوں سے وہ جنگ کر لیتا تھا لیکن بزرگوں سے بات کرتے ہوئے وہ تن کر کھڑا ہو جاتا۔

شریف سے بچھے ایک بزرگ کا خط موصول ہوا "لکھا تھا" ہم یہاں شباب صاحب کے سامنے کر رہے ہیں۔

اباحہ کر میرے دل میں شکر گزارا کی کا جذبہ پیدا ہوا شباب کو خط دکھایا تو وہ بڑی بے نیازی سے "اے سائیں کرنے کے لیے ان کی ذہنی تکی ہوئی ہو گی۔"

قدرت کا جواب سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

دن میں نے قدرت اللہ سے پوچھا کہ آج کل بزرگ بہت کم نظر آتے ہیں۔ کیا وجہ ہے؟

اباحہ آج کل بزرگ تو ہیں، لیکن عینکس افرقہ کے ہیں۔

اباحہ دن جنت کے متعلق بات ہو رہی تھی۔ اس روز قدرت اللہ چنگکن کے عالم میں تھے۔

جنت میں وہ عجیب و غریب قسم کی باتیں کر دیا کرتے تھے، ایسی باتیں جو وہ عام حالت میں کر دینا کبھی کرتے تھے۔

اباحہ نے "ایک صاحب تھے جو ریاضی میں ایم اے کر چکے تھے انہیں روحانیت کا شوق پڑا۔ بات کرنے لگے، پھر تڑکے قلم کیلک وہ روزانہ داتا صاحب کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اس صبح پر پہنچ گئے کہ داتا صاحب کے دروہہ پنڈے کی حاضری کی صورت پیدا ہو گئی۔

اباحہ وہ داتا صاحب کے دروہہ بیٹھے تھے۔ داتا صاحب نے کوئی بات کی تو وہ بولے، "میں بات تو ریاضی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ داتا صاحب نے فیسے سے ان کی جانب دیکھا۔

بات پھر دوہرائی۔ ان صاحب نے اپنا اعتراض پھر دہرایا۔ اس پر داتا صاحب نے ان کے پاس دیا۔ اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ ان کی پائیں آنکھ پھوٹ کر بہہ گئی۔

اباحہ کیوں میں نے پوچھا۔

مشکل یہ تھی کہ آنا ضیف کسی بات میں بھائی جان سے مشورہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بھائی جان کو نہیں ملتا تھا "چونکہ وہ سمجھتا تھا کہ مرتبے میں کسی صورت وہ بھائی جان سے مل نہ تھا چونکہ اس کا سائیں اللہ بخش سے براہ راست تعلق تھا۔ اور یہ تعلق بہت قدیم تھا۔ وہ انہیں طعن دیا کہ آپ تو احکامات مری سے لیتے ہیں۔ (مری میں بھائی جان مقیم تھے) ہم تو براہ راست سرکار قبلہ کے حکم کے پابند ہیں۔

دورنی

میں سوچ میں پڑ جاؤں ایسا کیوں ہے کہ ایک ہی بزرگ کے دو ہانکے۔ ایک دوسرے سے خفا کھاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے سبقت لے کر ہانکے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ بھلا ہر ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔ بڑے اخلاق سے ہیں، لیکن درپہ درپہ دل میں ہی جذبہ موجود رہتا ہے کہ دوسرے کو تھپکا دکھائیں۔ رقابت اور کمپیٹیشن کا جذبہ چھپائے رکھتے ہیں۔

پیر و مرشد کو اس دورنی کیفیت کا علم ہوتا ہے، مگر وہ التزاماً دخل انداز نہیں ہوتے۔

قدرت اللہ شباب سے ملنے کے بعد اس کے توسط سے مجھے اس بات کا اندازہ ہوا کہ عام طور سے بزرگ ایک دوسرے سے پر خفا رکھتے ہیں۔ اور اس پر خفا کا عملی طور پر اظہار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

مجھے اس بات کا بھی شعور ہو چکا تھا کہ ہر بزرگ کو اپنے مرتبے پر مان ہوتا ہے کہ ہر بزرگ میں ایک ایسی ہی "میں" ہوتی ہے جیسے عام آدمیوں میں ہوتی ہے۔ انہیں اپنے شیش کا واسطہ ہوتا ہے۔

بزرگوں کے درمیان اختلافات ہوتے ہیں۔ کوئلہ دار ہوتی ہے، ڈبلی ڈبلی جھپی لڑائی۔

میں انہیں جتنیں بھی ہوتی ہیں۔ جو کبھی کبھی ہلاکت تک پہنچ جاتی ہیں۔

میرے لیے یہ عجیب و غریب بات تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ بزرگی "میں" کی نفی کیے بغیر ما

نہیں ہو سکتی۔

میرے دن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے تھے۔ یہ بڑھا بڑا ڈاڈا ہے۔ کسی کو مزار پر بیٹھے نہیں

جب بھائی جان مری سے آئے تو میرے نے آغا صاحب کی اس مجددانہ کیفیت کی رپورٹ

بھائی جان یہ سن کر چپ ہو گئے۔

راجہ شفیع نے کہا: آغا صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

میرا بولا: جناب اس روز آغا صاحب اپنے آپ میں نہیں تھے۔

دانی نے کہا: یہ صاحب مزار کی تدبیریں ہوئی۔

بھائی جان بولے: شاید آغا صاحب کو کچھ ملنے والا ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولے۔

شروع ملنا چاہیے۔ انہوں نے تیس سال سرکار قبلہ کی خدمت کی ہے اور فقیر کی خدمت

تک لائے بغیر نہیں رہتی۔

راجہ کہنے لگا: یہ تو مجددانہ رنگ ہے۔ ظاہر ہے کہ فقیر نے جو دیا ہے آغا صاحب میں اسے

سنانے کا عرف نہیں ہے۔

بھائی جان بولے: جو دیتا ہے وہ ساتھ عرف بھی دے گا۔

دانی نے کہا: آپ آغا سے بات تو کریں۔

نہیں بھائی جان نے کہا: یہ آغا اور سرکار قبلہ کا معاملہ ہے۔ ہم اس میں دخل دینے والے

نہیں ہیں۔

ای روز آغا صاحب کے دونوں بھائی مزار پر آ گئے۔ وہ بھائی جان کی خدمت میں وفد کی

صورت میں آئے تھے انہوں نے آکر بتایا کہ آغا دوش و حواس کو بیٹھے ہیں۔ کھر میں با آواز بلند

قرآن کلا رہے ہیں، نازیا کرتیں کرتے ہیں۔ جناب ہم ایک شریف خاندان کے فرد ہیں۔ آغا

کی یہ کیفیت ہمارے لیے باعث ڈھائی ہے۔ ازراہ کرم ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائیں۔

بھائی جان بولے: ہمیں ایسا لگتا ہے، جیسے آغا صاحب کو مرتبہ ملنے والا ہے۔

نہیں جناب، انہوں نے جواب دیا: ہمیں ایسا مرتبہ نہیں چاہیے جو باعث بدنامی ہو اور

دعائے کوفت کا باعث ہو۔

قدرت ہوئے، بزرگ جت برداشت میں کرتے، جت کرنا ہر دو ٹوکوں کے خلاف ہے۔

یہ سن کر میرے ذہن کا لیوڑ اڑ گیا۔ دانا اور کسی کو تحیڑ ماریں۔ وہ دانا جو صرف دنا با

تھے۔ جو اب بھی وصل کے بعد ساتوں کو دوسے رہے ہیں، دیے جا رہے ہیں۔ وقت کے

ساتوں کا جویم بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ تو خیر جملہ محترمہ تھا۔ بات آغا صاحب کی ہو رہی تھی۔

مجددیت

آغا عتیف میں دلی ہوئی شدت تھی جس کا اظہار بھی کبھار ہوتا تھا۔ ایک روز آغا صاحب

آئے، آتے ہی انہوں نے خلاف معمول با آواز بلند سائیں اللہ علی کو لگا کر شروع کر دیا۔

گلیاں دینی شروع کر دیں۔ آغا کی آنکھیں انگڑوں کی طرح سرخ تھیں۔ چڑھ سوجا ہوا تھا۔

بکھرے ہوئے تھے۔

پھر وہ تھوڑے اتر آئے۔ مزار کی چوکھٹ کو آگاہی کے کوشش کی۔ مزار پر چڑھا گیا۔

قبلہ کو مخاطب کر کے نازیا باتیں کیں۔ مزار کے قریب رہنے والے لوگ گھروں سے باہر

آئے۔ وہ حیرت سے آغا کی طرف دیکھ رہے تھے، لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ

صاحب سے کچھ کہے۔

می را

می را مزار کا ظہور تھا۔ میرے کا مکان مزار کے پہلو میں تھا۔ وہ ایک ٹوٹی پھوٹی کوٹھی

اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتا تھا۔ اور مزار کی خدمت کیا کرتا تھا۔ چھارو دتا، صفائی کا

رکھتا۔ میرے کی حیثیت ایک چوکیدار خادم کی تھی۔ میرا مزار کا متولی نہیں تھا۔ سائیں اللہ

کا حکم تھا کہ مزار پر کوئی شخص متولی بن کر نہ بیٹھے۔ مزار پر چھت فقیر نہ کی جائے۔ مزار کی

دعاری کو لونچانہ کیا جائے۔

بھائی جان نے ہمیں بتایا تھا کہ سرکار نہیں چاہتے کہ ان کی قبر کو مقبوریتا دیا جائے اور

متولی آئیں۔

بھائی جان نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ ایک افراد نے مزار پر بیٹھے کی کوشش کی تھی،

بھائی جان نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ ایک افراد نے مزار پر بیٹھے کی کوشش کی تھی،

اس خود کریں گے۔ مجھے مداحات کرنے کا کوئی حق نہیں۔

جب شب پائین روانہ ہونے لگا تو میں نے پھر آٹا کی عرضی یاد دلائی۔

کہنے لگا: میں نے وہ عرضی اٹلاف کو ہر کو سے دی ہے وہ اس پر ایکشن لیں گے۔

یہ بات جہان کن تھی چونکہ شب ہر سال کے اعداد بخوردی کیا کرتا تھا اور حتی الوسع کوشش کرتا کہ اس کی مدد کرے، کیا مرد قلندر نے اسے منع کر دیا تھا کہ آٹا کی عرضی پر ایکشن نہ لے۔

تعمیناتی

یہ بات میرے لیے جہان کن تھی۔ اٹلاف گوہر بنیادی طور پر فٹنس کے افسر تھے۔ انہیں روز اور ریکویشن کا علم تھا، پھر انہوں نے یہ غلطی کیوں کی کہ آٹا کی جو فٹری اکاؤنٹس میں ایک ریکورڈ پوسٹ پر فائز تھے ایک کانٹریکچورل پوسٹ دے دی۔

آٹا مجھ سے ملے کہنے لگے، 'مفتی صاحب زبان بند رکھئے'۔ اس بے ضابطگی کی طرف توجہ نہ دلائے۔ گھر سرکار قبلہ کا وارنٹ چل گیا ہے۔ مجھے یقیناً افسری ملے گی۔ مرد قلندر کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا آٹا صاحب میں تو زبان بند رکھوں گا، لیکن اگر اسے لوٹنے بے ضابطگی کی نشاندہی کر دی تو۔

اسے لو آپ کا دوست ہے وہ بولے۔ آپ اسے بات سمجھا دیں۔

صفر ہمارے اسے لوٹے میں صفر صاحب سے ملا۔ صفر صاحب سے میرے بڑے اچھے

مراسم تھے۔ اور وہ بھلا، بعد روانہ ہوئے رکھتا تھا۔

صفر کو بات بتائی تو وہ بولا، 'میں یہ نہیں ہو سکتا۔ اٹلاف گوہر ایسی غلطی نہیں کر سکتے۔ میں

نہیں مانتا۔ آپ انہیں یاد نہ نہیں، لیکن جب کالذات آپ تک پہنچیں تو غلطی کی نشاندہی نہ کرنا۔

تقریباً ایک سال آٹا اس کانٹریکچورل آٹا کی کام کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کے

بیرت مجھے فٹری اکاؤنٹس سے ایک خط موصول ہوا۔ لکھا تھا آپ نے ہمارا آدمی بنام آٹا شریف

مستعار لے رکھا ہے۔ مرہٹی سے اس کے متعلق حتی فیصلہ کریں یا تو اسے اپنے حکم میں

بٹائی جانے کا دیکھیے یہ معاملہ دینے والے اور لینے والے کے درمیان ہے۔ دینے والا جانے اور لینے والا بھاری کوئی حیثیت نہیں کہ اس بات میں دخل دیں۔ آپ سرکار قبلہ کی خدمت میں اپنا درخواست پیش کریں اور دعا کریں کہ آٹا شریف کو عرف عطا کیا جائے کہ وہ سرکار قبلہ کی دین کے متحمل ہو جائیں۔

درخواست

آٹا شریف نے ہمیں بتائے بغیر ایک درخواست صدر ایوب کی خدمت میں بھیجی تھی۔ جس میں لکھا تھا کہ میں فٹری اکاؤنٹس میں لازم ہوں۔ افسری کا ٹھکانہ استحقاق پاس کر چکا ہوں۔ تقرری کا انتظار ہے۔ عالی چاہ میں اپنی ذوق رکھتا ہوں اور ایک انٹرنیشنل ایبل سوسائٹی کا ممبر بنی رہا ہوں۔ ایوبوں اور صحافیوں سے میرا رابطہ ہے، میں اس بات کا خواہش ہوں کہ مجھے وزارت افریقہ میں کوئی سیٹ عطا کی جائے۔ صدر ایوب نے یہ عرضی قدرت اللہ شب کو بھیج دی۔ لکھا، 'اگر اصولی طور پر ممکن ہو تو آٹا شریف کو وزارت اطلاعات میں کوئی پوسٹ دے دی جائے۔ جب یہ درخواست شب کے پاس آئی تو وہ دست نیران ہوئے کہنے لگے، 'آٹا صاحب نے یہ بات مجھ سے کیوں نہ کی۔ وہ درخواست چند ایک ماہ ویسے ہی چڑی رہی۔

میں نے چار ایک بار شب کو یاد دلایا کہ آٹا کی عرضی پر آپ نے کوئی ایکشن نہیں لیا۔

برابر وہ جواب دیتا کہ ہاں۔ بڑا اچھا کیا کہ آپ نے مجھے یاد دلایا۔

جب بھی میں آٹا کی عرضی کی بات کرتا تو شب یکی جملہ دہرات، لیکن عملی طور پر کچھ بھی نہ کرتا۔

ایک روز تنگ آکر میں نے شب سے کہہ دیا آپ بھی آٹا کے لئے سرکار قبلہ کی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں۔

اس نے پچھا 'سائین اللہ بخش صاحب کی کیا پالیسی تھی۔

میں نے اسے ساری بات بتائی کہ جب بھی آٹا صاحب کے افسر بننے کے امکانات پیدا ہوتے تھے، سرکار قبلہ ان کے رشتہ والی دیتے تھے۔ آپ بھی ایسی کر رہے ہیں۔

یہ سن کر شب چپ ہو گیا۔ میں نے ضد کی تو بولا۔ ہاں آٹا صاحب کی تعیناتی سائین اللہ

آجائے اندر سے سمجھیں آواز آئی۔

اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ چھ سات مسائل بیٹھے ہیں۔ درمیان میں ہلکا بیٹھا ہے۔ کمرے کی دیواروں پر جا بجا قرآنی آیات کے پوسٹرز لگے ہوئے ہیں۔ ایک دیو بیکل صبح ایک طرف ڈھیر لی ہوئی ہے۔

مسائل ہادی ہادی ہلکا سے اپنے مسائل کے حلقے پر چڑھے۔ ہلکا بڑے غور سے ہر مسئلہ کی بات سنتا اور پھر گردن اٹکا کر سری سوچ میں پڑ جاتا۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ سر اٹھا اور مسائل کو جواب دے دیتا۔

صفر کو دیکھ کر ہلکا اعلیٰ طرف متوجہ ہو گیا۔ ہلکا آپ تیرہت سے ہیں صفر صاحب۔

بی قاضی صاحب! اللہ کا شکر ہے۔

کیسے آتا ہوا؟ حاضی نے پوچھا۔

آپ نے قربا تھا تاکہ مشکل کو آتا اس لیے میں حاضر ہو گیا ہوں۔

ہلکا مسکرایا ہوا! صفر صاحب آج تو سوسوار ہے۔

لو ہو صفر بولا! میں کبھی مشکل ہے۔

کل آئیے ٹائپ لے کر! پھر صریٰ طرف حجاب ہوئے بولے۔

قربائے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

صفر بولا! یہ میرے عزیز دوست ہیں۔

ہاں تو قربائے! ہلکا نے مجھے حجاب کیا۔

مجھے تو جانتا تھا کہ میں پوچھتا ہوں میں نے جواب دیا میں تو صرف سلام کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں میں نے کہا۔

خوب خوب بڑی کرم نوازی ہے آپ کی! ہلکا نے کہا۔

صفر بولا۔ حضور ان کے ایک دوست ہیں۔ ان کی تینائی ملک سے باہر ہو گئی ہے۔ یہ جانتا

چاہتے ہیں کہ وہ کب واپس آئیں گے۔

ان کا اسم گرامی ہلکا نے پوچھا۔

جنتاب ان کا نام ہے قدرت اللہ! صفر نے جواب دیا۔

پرمانش پوسٹ دے دیں بصورت دیگر اسے واپس بھیج دیں۔

اس خط کو پڑھ کر الخلف گوہر کو احساس ہوا کہ غلطی ہو گئی ہے۔ الخلف گوہر حیران تھے کہ یہ غلطی کیسے ہوئی۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ الخلف گوہر کو کیا پتا تھا کہ یہ ایک مرحوم قلندر کی شرارت تھی۔ الخلف گوہر اس بات کو کیسے سمجھتے وہ تو ایک سکھ بندہ دانشور تھے۔ صرف عقل کو مانتے تھے۔ ان کے ذہن میں قابلیوں اور ملاہیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

قدرت اللہ شباب الخلف گوہر کی ملاہیوں کے معترف تھے۔ کہتے تھے اس شخص کو اللہ نے بڑی صلاحیتیں دی ہیں مگر سول سروس میں کامیابی حاصل نہیں ہو گی۔

میں نے پوچھا کامیابی کیوں نہ ہو گی۔

بولے! سول سروس میں بیچے جیسے چلے، واپس کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ آگے چلے واپس کو نہیں۔ سول سروس میں میڈیا کر بیٹھے پھرتے ہیں۔

بہر حال۔ آٹا کی تینائی میں غلطی کو دور کرنا لازم ہو گیا۔

لور الخلف گوہر نے جوں توں کر کے آٹا کے لیے انٹرنیشنل انٹری آزمائی نکال لور آٹا کو انٹری مل گئی۔

یہ خبر آٹا کو ملی تو وہ جاہل میں آگئے! بولے شباب نے تو کچھ نہ کیا تھا لور اسی لیے انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ آخر کار قلم خود میدان میں آگئے۔ ان کی بات کو کون جال سکتا ہے۔

بھائی جان بولے! یہ پڑھا پڑا ڈنڈا ہے۔

اس پر صفر بہت حیران ہوئے۔ کہنے لگا غلطی سی! یہ کون بزرگ ہے۔ جس نے یہورو کے تمام انٹروں کو اٹھا کر دیا۔

میں نے کہا تم حاضری دینا چاہتے ہو کیا۔

شیر اور بکری

UrduPhoto.com

ہلکا ہاں! پھر کہنے لگا۔ میرا بھی ایک ہلکا ہے۔ میں بھی آپ کو لے چلوں گا اس کے پاس۔

صفر مجھے سببانت جانن کے ایک مکان میں لے گیا۔

اس نے دروازہ کھولا۔

UrduPhoto.com

تقاضی بلایا سرخاک کر بیٹھ گئے۔

پھر دھنسا "پاپائے سرافعلیا ہلے" یہ تو آپ نے اچھا نہیں کیا۔

صغیر صاحب۔ یہ تو آپ نے زیادتی کر دی۔

لیلیٰ کی اس بات پر ہم حیران ہو گئے۔

پاپا ہلے "میں تو ایک چھوٹا سا آدمی ہوں۔ آپ نے ہماری کوشیر کے روپرو بٹھا دیا۔ نہ صغیر

صاحب کہیں ہماری کہیں شیر۔

بزرگ اور آزمائش

بزرگ

دراصل فن دونوں میں بزرگ کے مقبوم کو نہیں سمجھتا تھا۔

ان دونوں میں سمجھتا تھا کہ بزرگ بڑے طاقت ور لوگ ہیں۔ مستقبل میں جھانک سکتے ہیں۔ لوگوں کے رخ بدل سکتے ہیں تقدیریں بدل سکتے ہیں۔ کرامات دکھا سکتے ہیں اور یہ طاقتیں انہیں مجاہد اور مہارت کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں پھر بزرگوں سے رابطہ کے بعد آہستہ آہستہ جھ پر انکشاف ہوا کہ بزرگوں کے متعلق میرا نظریہ بالکل غلط تھا۔

بزرگ تو بڑے عاجز اور بے بس ہوتے ہیں۔ عام انسان کی طرح آزادی نہیں ہوتے بلکہ انکساکت کے پابند ہوتے ہیں۔ اتنی پابندی کہ ان کا بالی پل بندھا ہوتا ہے۔ اتفاق کی پابندی، خدمت خلق کی پابندی، شریعت کی پابندی، پرائیویسی کی پابندی، ایک کڑے ڈسپلن کی پابندی اور سب سے بڑھ کر کلام کی پابندی۔ کلام کے چٹاؤ میں فن کی اپنی مرضی کا دخل نہیں ہوتا۔

داتا صاحب کی کتاب پڑھ کر مجھے پتہ چلا کہ دنیاوی نظام کے ساتھ ساتھ ایئر گروپز ایک روحانی نظام چل رہا ہے جس کی ایک کڑا نظم و ضبط رائج ہے۔ جس کی جواب دہلیبیاں نہیں ہوتیں۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

پھر مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ بے شک بزرگوں کو کچھ طاقت حاصل ہوتی ہیں، لیکن ان کو استعمال کرنے پر اتنی پابندیاں ہوتی ہیں کہ جنگلی کی بے شکوت سلق آتی ہے کہ ”وہن پر بھلی چٹری سہلے ڈوہ رکھ کے سوئی۔“ مطلب ہے کہ اس چودھریاں کا بیڑا لگ رہا ہے جس کے سہلے دودھ رکھا ہو اور وہ اسے بے بغیر سو جائے۔

ایسے ہی بزرگوں کا حال ہے دودھ کی گڑی سہلے رکھی ہے، لیکن پینے کی ممانعت ہے۔ کہتے ہیں حضرت علیؓ جنگ میں تھوڑی دلی کر رہے تھے۔ ایک دشمن کو گرا دیا۔ اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھنے میں تھوڑا بھونکے والے تھے کہ دشمن نے ان کے چہرے مبارک پر ٹھوک دیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ دشمن کو قتل کے بغیر اٹھ بیٹھے اور اسے چھوڑ دیا، کسی نے پوچھا یہ کیا کیا آپ نے فرمایا، اس نے میرے منہ پر ٹھوک دیا تھا، اس کے بعد اسے قتل کرنا تو اس میں ذات کا فائدہ شامل ہوتا اور انتقام کا فائدہ بھی آ جاتا، جنگ میں تو صرف اللہ کے ہم پر قتل کرنے کی اجازت ہے۔

میں نے جانا بزرگ پر لازم ہے کہ وہ لاگ لکھ سے پاک ہو۔ بندہ بشر ہوتا ہوئے لکھ سے پاک رہتا ہے عد مشکل ہے۔

میں نے جانا کہ بزرگ کسی کے دوست نہیں ہوتے، کسی کے دشمن نہیں ہوتے۔ کسی کے عزیز نہیں ہوتے۔ کسی کو عزیز میں رکھتے۔ اگر ان میں حکم ہو جائے کہ بیٹے کو قریان کر دو تو وہ بڑے اطمینان سے بیٹے کو اٹھ لاکر قریان لکھ کی طرف چل پڑتے ہیں۔

جوں جوں میں بزرگ کے منہم کو کھتا گیا توں میرے دل میں بزرگوں کے لیے احرام اور ہر دلی کے جذبات پیدا ہوتے گئے۔ احرام اس لیے کہ وہ اللہ والے ہیں اور ان میں اللہ دل کر رہا ہے، انصاف ہے، عقل ہے، برداشت کرنے کی طاقت ہے کہ وہ ذات کی نفی کرنے کی ہمت رکھتے ہیں اور ہر دلی اس لیے کہ وہ اتنے مجبور ہیں پابندوں میں بیکڑے ہوئے ہیں اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ تو ہم جس بزرگ بنادیں تو میں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جائیگا نہ حضور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالے، میں اس کا تحمل نہیں ہو سکتا مجھ پر یہ ظلم نہ کیجیے۔

اپنی پوزیشن کو صاف کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا بلکہ نام لٹا دیا جاتا ہے۔ سب با سب کا مچاؤ ایک چھوٹی سی لغزش کی وجہ سے مٹی میں مل جاتا ہے۔

بزرگ لوگوں پر مسلسل خوف طاری رہتا ہے، اللہ کا خوف کہ چلے یا ان چلے میں حکم عدولی نہ ہو جائے۔ کہیں وہ لاگ لکھ کے پھیر میں نہ آجائیں۔ کہیں نفس شیون نہ مارے دے۔

ابتدائی ایام میں جب مجھے شعور نہ تھا کہ شباب چمکنے کے عالم میں ہے، جب مجھے علم نہ تھا کہ جو میرے ہوتے ہیں وہ چمک بھی جاتے ہیں، اب مجھے یہ شک نہیں پڑا تھا کہ وہ کاشی ہے اور کسی کام پر مامور ہے، یا وہ میرا ہوا ہے۔ اس نے اتفاقاً کہا تھا، اگر میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو جانتے ہو کیا ہو گا۔ میں ایک پانچ ہوں گا۔ سڑک کے کنارے پڑا ہوں گا۔ میرا سارا جسم کل چکا ہو گا۔ اس میں مٹھائیاں رنگتی ہو گی۔ لیکن میرا ذہن بالکل ٹھیک ہو گا۔ حیات بیدار ہوں گی، تاکہ لذت کا احساس ہو، تاکہ میری کیفیت ایسی ہو گی کہ لوگوں کو مجھ سے کراہت آئے گی۔ جسم سے بدبو کے مچھلاکے اٹھیں گے۔ کوئی شخص میرے قریب نہیں چمکے گا۔

اس کی یہ بات سن کر مجھے حیرانی ہوئی۔ یہ کس مشن کی بات کر رہا ہے۔ صدر کے سیکرٹری کا کیا مشن ہو سکتا ہے۔ بلکہ، یہی تاکہ صدر کے احکامات کی تعمیل کرے اور اگر صدر غراض ہو جائے تو ذرا دیر سے زیادہ بھی کرے گا کہ تو کبھی سے خرواش کر دے۔

۱۹۸۸ء میں جب شباب اور میں نے اکٹھے جاکر قلعہ ج کے دوران شباب نے مجھے بتایا کہ عام بزرگوں کو بچ کرنے کا شوق نہیں ہو گا۔ چوں کہ جب وہ مسجد حرام میں داخل ہوتے ہیں تو جیسے جوتا پھیرا نذر پڑتا ہے، ایسے ہی جوتے کے ساتھ اپنی دستار بزرگی کو بھی اللہ کا لازم ہوتا ہے۔ چوں کہ حرم میں صرفہ بندے کی حیثیت سے داخل ہو سکتے ہیں اور یہ یقینی نہیں ہو گا کہ وہاں ہی رہائش پزیر بزرگ مل جائے گی، لے لے، نہ لے لے، نہ لے لے۔

پھر مجھے پتہ چلا کہ قیامت کے بعد جب ۱۲ سوا کی پیمبری لگے گی، تو عام آدمی سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کتنے دفعہ کام کیے اور ہر دفعہ کام کا کیا دیا جائے، لیکن بزرگ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو سونپائیاں کرنے کی استطاعت دی گئی تھی، لیکن آپ نے صرف ۳۰ تک کام کیے۔ اتنے کم کیوں کیے جواب دو۔

انہوں نے تصویر کھینچی تھی۔ کہنے لگے، 'جب ولایت ملتی ہے تو کچھ اس قسم کا منظر ہوتا ہے۔
 لہ سمندر کا کنارہ ہوتا ہے۔ سامنے اٹھوا سمندر ہوتا ہے۔ طوفان زدہ سمندر، جو بے سحاب ہوتا
 ہے، دل کو ایک ٹوٹا ہوا اونچے اور پھٹی کوئی کشتی دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں میاں اب تیری بہت
 ہے۔ اس روحانی سمندر میں جتنی دور جا سکا ہے چلا جا۔

یہ تو بڑی بے بسی اور بے چارگی کی بات ہے، میں نے کہا۔

اس نے سر اٹھتے میں ہلا دیا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ ولایت بہت بڑا اعزاز ہے۔

ہاں ہے، وہ بڑا، بڑا اعزاز ہے۔ ساتھ ہی بہت بڑی بے بسی ہے، بے چارگی ہے۔ دونوں
 پہلو ہیں۔ لوگ صرف ایک پہلو دیکھتے ہے۔

شباب جی مجھ سے ایک وعدہ کریں، میں نے کہا۔

کیا، وہ بولا۔

مجھے اس کث سے بچائیں۔

کیا مطلب، وہ بولا۔

مجھے ڈر ہے کہ بھائی جان یا کوئی اور بھلا مجھے اللہ کی راہ پر نہ ڈال دے۔ مجھے وردی نہ پنا
 دے۔ دیکھتے میں ایک پورا اور کمزور آدمی ہوں، آرام طلب ہوں، محنت یا مشقت کا لال نہیں۔
 میری قوت ارادی بہت کمزور ہے۔ مجھ میں حوصلہ نہیں، صبر نہیں، برداشت کرنے کی بہت
 نہیں۔ میں ایک عام بندے کی حیثیت سے جینا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا، 'مجھے ڈر ہوتا ہے اگر بھائی جان یا کسی اور نے مجھے سپاہی کی وردی پہنا دی تو میں
 مارا جاتا۔ آپ جانتے ہیں، میں ایک ہڈیاتی آدمی ہوں، میں سالک نہیں بن سکتا۔ مجھ میں
 توازن کا فقدان ہے۔ میری طبیعت میں مہذویت کا عنصر حاوی ہے۔ میں عقل و غرور کو دونوں گد
 اپنا ہوش نہیں رہے گا۔

وہ میری بات سن کر خاموش ہو گیا۔

پھر بولا، 'لوگ تو بے اعزاز حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔

شاید میں بھی کرنا، اگر آپ سے نہ ملتا تو شاید کرتا، لیکن میں نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھ لیا

کرامتیں

ان دنوں جب میں بزرگوں کے تذکرے پڑھا کرتا تھا تو مجھے تذکرے لکھنے والوں پر بڑا فہم
 آتا تھا۔ تذکرے بزرگوں کی کرامتوں سے بھرے ہوتے تھے۔ کوئی تذکرہ نویس، صاحب تذکرہ
 کے کردار کے متعلق نہیں لکھتا تھا کہ وہ کتنے عظیم کردار کے مالک تھے کوئی اس پر روشنی نہیں
 ڈالتا تھا۔ کوئی انہیں انسان کی حیثیت دینے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ سبھی بزرگ کی بات کرتے ہیں
 ان کی پرنسپل قوتوں کی بات کرتے تھے۔ کشف کی بات کرتے تھے، کرامتوں کی بات کرتے
 تھے۔ ان کی بٹری کمزوریوں کی بات کرتے نہیں تھے۔ اس مسلسل نکالنے کی بات نہیں کرتے
 تھے۔ جس میں وہ گرفتار رہتے ہیں۔ اس مسلسل اتھار اور آزمائش کی بات نہیں کرتے جس کے
 تحت وہ زندگی گزارتے ہیں۔ بزرگوں کے تذکرے پڑھ کر قاری سمجھتا ہے کہ بزرگ ایک صاف
 سترا، نمایاں دھوا ہوا، پاک صاف شخص ہوتا ہے، جو ایک اعزاز کی تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور جسے پیر
 نچل قوتیں حاصل ہوتی ہیں۔

ولایت

اس زمانے میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ جب انسان کو بزرگی عطا ہوتی ہے تو
 کپڑے کی طرح اسے دھو کر مٹری کی دی جاتی ہے، کوئی لاکھ باقی نہیں رہتی۔

ایک دن میں نے شباب سے اس بارے میں پوچھا۔

کہنے لگا، 'مجھے تو اس بارے میں علم نہیں، لیکن بزرگوں سے سنا ہے کہ بزرگی عطا ہوتی ہے تو
 تمام حیات شکنی قاتی MAGNIFY ہو جاتی ہیں، رخصتات میں تیزی آ جاتی ہے، شدت
 پیدا ہو جاتی ہے۔ خواہشات میں دھار پیدا ہو جاتی ہے

کیا بہت رخصتات میں ہی شدت پیدا ہوتی ہے، میں نے پوچھا۔

نہیں، وہ بولا، 'بہت اور سختی دونوں رخصتات چار چہرہ کا تیز ہو جاتے ہیں۔

مجھے پوچھا، 'ولایت کیا ہے؟

کہنے لگا، 'غور صاحب نے ایک مرتبہ بتایا تھا مجھے۔

نہ ہائیں۔ سو واٹ۔

میں نے کہا اس روز آپ کو پیغام ملا تھا کہ یہ فوت ہو آپ لکھ رہے ہیں غلط ہے جو لکھ کر پھاڑے ہیں؟ وہ صحیح تھا۔ کیا یہ بائق الفطرت پیغام نہیں تھا۔
دیکھئے وہ بولایا بائق الفطرت واقعہ نہ تھا کسی کرم فرمائے ہدایت دی تھی۔ فرض کیجئے اگر وہ پرنیچل بھی تھا تو اسے عمل میں نہیں لایا تھا۔ میں بائق الفطرت واقعات جزئیات نہیں کرتا۔
اگر مجھ پر ایسے واقعات ہوتے ہیں تو یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔
یہ واقعات کون عمل میں لاتے ہیں۔
مجھے علم نہیں۔ غالباً دی فورسز ہی ہوتی۔

قدرت اللہ شہاب نے شہاب ثانی کے آخری باب میں لکھا ہے کہ چھبیس سال مجھ سے نفیہ خط و کتابت ہوتی رہی۔ اگر شہاب مجھے یہ بات بتا دیتا تو میرا کریم کا جذبہ ختم ہو جاتا۔ لیکن شہاب نے مجھے یہ بات بھی نہیں بتائی تھی۔
شہاب کے متعلق میں نے چند باتیں محسوس کی تھیں۔
۱۔ کہ وہ ایک بلند کردار کا مالک ہے۔
۲۔ کہ وہ بہت اچھا انسان ہے۔
۳۔ اللہ کا عابد بندہ ہے۔
۴۔ حضور سرور کائنات کا کوئی غلام ہے۔

۵۔ اسے پر اسرار ہدایات ملتی رہتی ہیں اور مورخین ہوتی رہتی ہیں۔
۶۔ اس نے بھی دعوتی نہ کیا تھا کہ وہ بزرگ ہے یا اسے کوئی منصب حاصل ہے۔
۷۔ چونکہ ہدایات ملتی تھیں اس لیے ظاہر ہے کہ وہ کسی کام پر مامور تھا۔ اسے کچھ کرنا تھا۔ کیا کرتا تھا؟ اس کام کا مجھے علم نہ ہوا۔ البتہ اس نے چٹکن کے عالم میں کئی بار مجھے بتایا تھا کہ اگر میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوا تو میرا حشر کیا ہوگا۔
تو شہاب سے میری دلچسپی صرف اسرار کی وجہ سے تھی یا اس کے عظیم کردار کی وجہ سے؟
میں اس کا احترام کرتا تھا۔
اگر وہ بزرگ ہو نہ یا بزرگ ہونا تسلیم کر لیتا اور مجھ سے کہتا کہ میری بیعت کر لو اور

ہے۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔

میری بات سن کر وہ ہر خاموش ہو گیا۔
کتنے لگا مفتی صاحب آپ کو سن کر حیرت ہو گی کہ میں بھی آپ کا ہم خیال ہوں ایک عام مسلمان اللہ کا بندہ بن کر جینے سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوگی مرتبہ نہیں۔
بے شک آپ ایک مسلمان ہیں؟ میں نے کہا لیکن آپ عام بندہ نہیں ہیں۔ جو آپ میں اس نے کچھ کتنا چاہا لیکن میں نے اسے چپ کر دیا۔
میں نے کہا شہاب صاحب یہی لائیزوی بیٹے دیت دیروزی کراؤں۔

اگر ایسا ہوتا

اگر شہاب ایک بار میرے سامنے تسلیم کر لیتا کہ میں ایک بزرگ ہوں تو ساری بات ہی ختم ہو جاتی۔ میں اسے ایک بیابان لیتا۔ میرے دل میں اسرار کی حیرت نہ رہتی اور میرے اندر کے دانش ور کو جاننے کا نپٹ نہ رہتا۔ اس کے برعکس بن کر میں سکون سے بیٹھ جاتا۔ یوں میری زندگی کا رخ ہی بدل جاتا اور شاید اللہ ہماری گھنٹی کی صورت ہی پیدا نہ ہوتی۔
مجھے شہاب سے صرف اس لیے دل بہسی پیدا ہوئی کہ اس کی زندگی میں پر اسرار باتیں واقعہ ہوتی تھیں اور میں اس اسرار کا عید چاہتا تھا۔
ایک بار میں نے اس سے اس بارے میں پوچھا بھی تھا۔
میں نے کہا شہاب صاحب آپ کی زندگی میں یہ بائق الفطرت نوعیت کے واقعات ہوتے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے۔

مجھے نہیں معلوم اس نے جواب دیا۔

ہوتے تو ہیں؟ میں نے پوچھا۔

ہاں شاید۔ آپ انہیں بائق الفطرت سمجھتے ہیں۔ میں بائق الفطرت کو ماننے میں۔

بزرگ لوگ جو کراہتیں دکھاتے ہیں؟ میں نے کہا۔

چھوٹی بات ہے؟ وہ بولا۔

اس کے بغیر لوگ انہیں مانتے نہیں۔

@Geraldine

ہائی کی وجہ اپنے اپنے شوق کی کوئی ہے۔

یہ بھی جب گورکھ دھندا ہے۔ مجاہدہ میسر ہو تو شوق میں کوئی رہ جاتی ہے۔
شوق خیز ہو تو مجاہدہ کمزور رہ جاتا ہے۔ ان دونوں کو ہم آپس کرنا چاہتے ہیں کاروگ تو
ہے نہیں۔ چنانچہ مجبور ہو کر ہاتھ پاؤں ڈال دیئے۔
جہاں محنت اور شوق دونوں اپنی اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ وہاں جگر کی بے بسی
کام آگئی۔

اپنی محنت کو شوق یا شوق سے محلات پر قابو پانے کی کوشش میں ایک قسم کا
دعویٰ ہوتا ہے۔ عاجزی میں مجبوری اور صبر۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ چنانچہ لب چندیوم سے
کچھ افاقہ محسوس ہو رہا ہے۔ خدا کرے یہ رو جاری رہے۔

اپنا جائزہ لیا تو اس اندرونی بندش کی وجہ کچھ کچھ میں آئی۔ پچھلے اگست
میں جب واقعات سے پٹنا کھلیا اور صبح شام میری آگ آگنا شروع ہوا تو جو نتیجہ نکلا اس
میں خدا کی کوئی بجز ہی تھی۔ زبان سے یہی کہہ دیا۔ دل میں
نہیں کسی غصہ کو شے میں شکست کا احساس ہنسا رہا کہ آخر ایسا ہوا تو کیوں ہوا۔

پاکستان میں تو دعوتوں، دوستوں، عزیزوں کے بیگانوں میں یہ احساس دیا رہا
لیکن یہاں کی تبدیلی اور دفتر کے عالم بے کاری نے اندر ہی اندر اس احساس کو ہوا
دی۔ خدا کی طرف سے ہماری کا انتظام ایک طرف۔ اندر ہی اندر یہ احساس شکست و
باپوسی دوسری طرف۔ اس تضاد اور تلخ میں دل و دماغ اور روح کے لیے جو جو بند
نہ بند ہیں وہ کم ہیں یہ تضاد ایک قسم کا کفرانِ نعمت تھا۔ شکر ہے کہ اب یہ بات
کچھ آگئی۔ چنانچہ اب میں نسبتاً بارش محسوس کر رہا ہوں۔ اب انشاء اللہ جلد ہی لکھنا
بھی شروع کر دوں گا۔

۵ جون ۱۹۸۰ء کے خط میں قدرت اللہ نے لکھا۔

میں اب ہر دن اپنے پروگرام میں لگ گیا ہوں۔ پچھلے چھ ماہ گویا (IN
(TUNING کا عرصہ تھا۔ اب کہیں جا کے FREQUENCY کی

(WAVE LENGTH) کا کچھ کچھ سراغ ملے گا ہے۔ دعا کرتے بھی رہیں اور

بھائی جان اور سائیں صاحب سے کرواتے بھی رہیں۔

اس چھ مہینے میں تزکیہ نفس کی سی حاصل بھی کی۔ نفس تو منوٹا ہی رہا، لیکن
جسم ضرور پٹا ہو گیا۔

تقلیل طعام، تقلیل مقام، تقلیل کلام اور تقلیل کام کا ملوسم سمجھنے کی ضروری
ہست کوشش کی چنانچہ اب تک ۱۹ پانچ دن گھٹ چکا ہے۔ دینہ ذبح کر کے ساڑھے
نویر چلی تیسے میں ڈال کر سامنے رکھیں تو صبح اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر بے کار
بوہہ اڑ گیا ہے۔

دھوکے سے کہنا تو محال ہے لیکن ذوقا کی اندازہ لگتا ہے۔ انشاء اللہ

اگلے سال ارض منور کی زیارت نصیب ہو گی۔ قیام طویل ہو یا مختصر، ہر
صورت میں آپ کی شراکت کا اہتمام بھی ضرور ہو گا انشاء اللہ۔

یہ خطوط میرے لیے حیران کن تھے۔ مجھے بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ شاب صاحب
میں تزکیہ نفس میں مصروف تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی زبردست کو بکلی سرزد ہو گئی ہو۔ جس
کی وجہ سے پراپیت کرنا ضروری تھا۔

لیکن میری دانست میں کوئی کوئی نہ ہوتی تھی۔

ہوا صرف یہ تھا کہ صدر ایوب نے بیرونی اور شاید اندرونی دباؤ میں آکر شاب کو حکومت
کے محلات سے الگ کر دیا تھا۔

ذاتی طور پر شاب کو حکومت یا عہدے سے دلچسپی نہ تھی۔

ایڈووکیٹ فقور صاحب تو براہِ مکرہ رہے تھے کہ شاب کا حکومت سے الگ ہو جانا ملک کے
حق میں نقصان دہ ہے۔ خود صدر صاحب کے لیے نقصان دہ ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ شاب صاحب
کی حکومت سے وابستگی ملک کے لیے باعثِ برکت ہے۔

بھائی جان بھی شاب کی علیحدگی پر فکر مند تھے۔ سائیں کرم دین کہتے تھے صدر نے شاب
کو الگ کر کے اپنے پاؤں میں خود کھلاڑی ماری ہے

شاب نے پاکستان سے روانگی سے پہلے ہم سب سے کہا تھا کہ صدر ایوب کو سپورٹ کرنا

ہے۔ جب پاکستان کا آئین بنایا تو اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دیا گیا تھا۔ اس پر شباب نے مدح و تحسین بھائی جان اور سائیں جی غرضی سے پھرے نہیں سارے تھے۔

پاکستان کا اسلامی جمہوریہ بن جانا بھی محض ایک اتفاق امر تھا۔ صدر ایوب اور اس کی کابینہ سیکرٹری مزاج کے لوگ تھے اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اقوام عالم میں پلوقار حیثیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کو سیکلر حیثیت دی جائے۔

صدر ایوب نے پوری باری کابینہ کے ہر رکن سے پوچھا تھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ ہر رکن نے سیکلر کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ آخر میں انہوں نے قدرت اللہ سے بھی پوچھا تھا۔ حلال کہ قدرت اللہ کابینہ کا رکن نہ تھا۔ لیکن صدر ایوب اتفاقاً قدرت سے پوچھا کرتے تھے۔

قدرت اللہ نے کہا تھا مجھے اتفاق نہیں ہے۔ دنیاوی نقطہ نظر سے میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کا اسلامی جمہوریہ ہونا چاہیے۔ اس پر صدر ایوب نے کہا تھا کہ آپ اپنے دلائل پیش کریں اور قدرت اللہ نے جواب دیا تھا کہ جناب میں مقرر نہیں ہوں۔ تقریر نہیں کر سکتا اگر آپ اجازت دیں تو میں کل لکھ کر اپنے دلائل پیش کر سکتا ہوں۔

اگلے روز کابینہ میں قدرت اللہ نے لکھ کر اپنے دلائل پیش کیے تھے اور حیرت کی بات تھی کہ ساری کابینہ نے قدرت اللہ کے دلائل کو تسلیم کر لیا تھا۔

ان سب باتوں سے یہ پتا چلتا تھا کہ قدرت اللہ کی دینی پاکستان میں غلط اسلام سے متعلق تھی۔

کوٹاہی

قدرت اللہ نے پوری کوشش کی تھی کہ وہ صدر ایوب کو اسلامی نقطہ نظر کی طرف لائے۔ قدرت اللہ نے انہیں قرآن کریم کے مطالعے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ علامہ اقبال کے کلام کی طرف توجہ دلائی تھی، لیکن اس میں وہ پورے طور پر کامیاب نہ ہوا تھا۔ صدر ایوب کے سیکلر دلائل نظر کو بدل نہ سکا تھا۔

میری رائے میں قدرت اللہ کی یہی ایک کوٹاہی تھی، لیکن یہ کوٹاہی تو صدر ایوب کی تھی۔

ضروری ہے ان کی کھالی کے لیے دعا کرتے رہیں۔ ان کا رہنا ضروری ہے وہ لاکر کمن ہے خدمت کر سکتا ہے۔ بھائی جان نے کہا تھا کہ 'شاب صاحب کے جانے کے بعد نفسا نفسی بھائی جانے گی۔ ہم سب کے ہمسے میں آئے گا پھر جب زندہ دار لوگ نکل دیئے جائیں گے۔ پھر جب شاب صاحب ایوب سے خدا حافظ کئے جانے والے تھے تو لاہور سے غفور صاحب فون آگیا تھا۔ غفور نے کہا 'آپ صدر ایوب سے آج نہ ملیے۔ میں آ رہا ہوں۔ ذہنی بات کروں گا۔ آپ صدر صاحب سے اظہار غارتگی نہ کیجیے' بات بہت اہم ہے۔

شام کو غفور صاحب آگئے۔ پتہ نہیں۔ انہوں نے شاب سے کیا کیا باتیں کیں۔ مجھ سے ملے تو کہنے لگے 'شاب صاحب کا باہر جانا ضروری ہے۔ گیارہ ماہ پہلے میں نے شاب صاحب سے کہا تھا کہ باہر چلے جائیں یہاں نفسا نفسی کا طوفان آنے والا ہے، لیکن وہ نہ گئے اگرچہ اب دیر ہو چکی ہے، لیکن پھر بھی ٹھیک ہے۔ ملک کے وسیع تر مفاد کے لیے ضروری ہے۔ انشاء اللہ انہیں چند ماہ کے بعد واپس بلا لیا جائے گا۔ پھر ان کی حیثیت زیادہ پر اثر ہوگی۔

میرا اندازہ ہے کہ چھ ماہ کے بعد واپس آ جائیں گے۔ اگرچہ وقت کے متعلق صرف اللہ کی ذات کو علم ہے۔

شاب صاحب صدر سے ملے تو صدر نے کہا 'ہماری عارضی غلطی گہری ضروری ہے۔ جو جو کام تم نے ملک کے لیے کیا ہے' مجھے ایک ایک بات یاد ہے۔

صدر نے کہا 'شراب تم میری کمرل کے چچے جانتے ہو۔ جس میں ٹکڑے کے لیے پٹیاں توڑنی پڑیں گی۔'

پاکستان

یہ ہماری باتیں ایک ایک کر کے مجھے یاد آتی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اصلی بات کیا تھی۔ میں بری طرح سے کنفیوز ہو رہا تھا سوچا کہ پاکستان کو ایسی ہیئت کیوں دی جا رہی ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ چوں کہ اسلامی جذبے کے زور پر قائم ہوا ہے 'اس لیے اسلامی ملک ہے' لیکن اسلامی ملک تو دنیا میں بیسیوں ہیں۔ پھر اسے خصوصی ہیئت کیوں دی جا رہی

میں نے کہا "خود رو اپنے کام سے آئے ہوں گے۔
 کہنے لگی "بیشک کام سے آئے ہیں۔ چلی اتر آتے ہیں۔ ایک رات رہتے ہیں۔ اگلے روز کام
 کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔
 میں نے کہا اب کی بار بھی کام سے آئے ہوں گے۔
 بولی "نہیں" وہ کہتے ہیں مجھے کوئی کام نہیں ہے میں تو صرف کتب پڑھنے کے لیے آیا
 ہوں۔ کتب ختم کر کے واپس چلا جاؤں گا۔
 کیا واقعی؟

میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بزنس میں ہوئی جہاز کا کرلیہ خرچ کرے۔
 اپنا وقت ضائع کرے ایک کتب پڑھنے کے لیے۔
 عجیب ہے دنیا کی عقل کو چھوڑ کر جانے کو کس کا بی چاہتا ہے۔ لیکن اہل تو ایک کچا گھار
 ہے۔ گھناور کم۔ کم "حق زیادہ۔"

حاتم طائی

پھر دقت "قدرت اللہ کے کردار کا ایک اور پہلو سامنے آگیا۔ اس کا ایک خط موصول ہوا۔
 اس خط میں ایک چمک خٹک خٹک ساتھ ایک پرہیزگار میں چار آدمیوں کے نام اور پتے لکھے
 ہوئے تھے۔ ہر نام کے سامنے رقم لکھی ہوئی تھی۔ نیچے درجیت تھی کہ ان لوگوں کے چوں پر
 مئی آرڈر بھیج دیے جائیں۔ اس معاملے میں تہلیل کو کام میں نہ لائیں۔ ہر صورت میں انہیں
 یہ رقم پہلی تاریخ سے پہلے موصول ہو جانی چاہئیں۔ اگر مئی آرڈر ایسوں سے کچھ بچ جائے تو
 اسے اپنے پاس نکالتے کے طور پر رکھ لیں۔ اگر ڈالے خرچ ہو تو مجھے واپس ڈاک اطلاع دیں۔
 اس نوعیت کے پہلے خط کو تو میں نے اہمیت نہ دی، لیکن جب ہر تیسرا خط اسی نوعیت کا
 موصول ہونے لگا تو میں حیران رہ گیا۔

دراصل میں سمجھتا تھا کہ خرچ کرنے میں قدرت اللہ خاصہ بخیل واقعہ ہوا ہے۔ خرچ
 کرنے میں وہ بڑا مہلک تھا۔

ایک دفعہ میں نے محنت سے شکایت کی۔ وہ ہنس کہنے لگی "جی نمائے گی کیا" پھر دے گی

اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی آپ بیتی لکھوں جس میں اپنی کمزوریوں اور کمزوریوں کو
 سچائی سے بیان کر دوں۔ چوں کہ ان دنوں مجھ میں جرأت نہ تھی "اس لیے میں نے اسے جگ
 بیتی کی شکل میں لکھا تھا میرا خیال تھا کہ اس کتاب کو کسی قسم کی اہلی حیثیت حاصل ہوگی۔
 اشفاق احمد اور بانو قدیر مجھ سے بہتر اہلی شعور رکھتے تھے۔ چونکہ انہوں نے باقاعدہ اردو
 ادب کا مطالعہ کیا تھا اس کے برعکس میں نے صرف انگریزی ادب پڑھا تھا "وہ بھی نفسیات کے
 حوالے سے۔"

پھر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ جب میں صدر گھر میں او
 ایس ڈی ہوا تو چک لالہ میں مجھے ایک مکان ملا تھا۔ وہ ایک ایک ڈیڑھ سال کے بعد ہمیں گھر کی
 لائن میں ایک کوآرڈر مل گیا۔ اس لیے ہم گھر کی لائن میں آگئے۔

دہاں آئے ابھی دو ایک دن ہوئے تھے کہ شام کے وقت پڑوسیوں کی لڑکی آئی۔ کہنے لگی۔
 کراچی سے میرے اکل آئے ہیں۔ انہیں سونے سے پہلے پڑھنے کی عادت ہے۔ اگر آپ کے
 پاس کوئی کتاب ہو تو دے دیجئے "صرف رات کے لیے چاہیے کل وہ کراچی واپس چلے جائیں
 گے۔"

ابھی میں نے کتابوں کے ہڈیل نہیں کھولے تھے۔ اتفاق سے علی پور کا اہلی کھلی پڑی تھی۔
 میں نے سوچے کچھ بے پروا کتب اسے دے دی۔

کیا واقعی

اگلے روز وہ لڑکی کتب واپس دے گئی۔ کہنے لگی "اگلے ساری رات کتب ہی پڑھتے رہے"
 سوئے نہیں۔

آٹھ دن دن کے بعد وہ لڑکی پھر آئی۔ کہنے لگی "کراچی والے اکل پھر آئے ہیں۔ پہلے تو
 وہ کام سے آئے تھے اب کہتے ہیں "میں صرف کتب پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ مجھے وہ
 کتب دے دیں۔"

میں نے کہا "لی بی آپ کے کراچی والے اکل کرے گا۔"

کہنے لگی "ان کا اپنا بزنس ہے۔"

راولپنڈی میں ہم تین چار سال اٹھتے رہے تھے، لیکن قدرت نے کبھی امام بری کی بات نہ

کیلہ ہماری تو تنخواہ کٹوتیوں کے بعد اس قدر قلیل رہ جاتی ہے کہ مشکل سے دہل روٹی چلتی

[illegible]

انہیں اندر داخل ہونے نہ دیتا تھا۔ ذات سے بہت کر خواہشات پوری نہ ہوتیں تو یہی اسے دھچکا نہیں لگتا تھا۔ قدرت اللہ نے پاکستان کے قیام اور استحکام کے متعلق صدر ایوب سے بڑی امیدیں استوار کر رکھی تھیں۔

لیکن جب وہ صدر صاحب سے ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ سامنے ہوتل اور گلاس رکے بیٹھے ہوئے تھے۔

مجلد

پھولی کے انعام پر جب قدرت جانے لگا تو میں نے کہا چند ایک باتیں جانتا ہوں۔

کیا جانتا ہے؟ میں آپ اس نے پوچھا۔

اس لیے جانتا ہوں کہ مجھے آپ سے دلچسپی ہے۔ دیکھیے شاب صاحب آپ میری عقیدت کا ذائقہ اڑایا کریں۔

میں مذاق نہیں اڑاتا، وہ بولا، آپ عقیدہ ہالے عقیدت ایک پھولی چیز ہے۔

میں ایک چھوٹا آدمی ہوں، بڑی باتیں ہوں۔ میرے اندر عقیدے کا غلغلہ تھا ہے۔ لیکن میری عقیدت میں غلوں سے۔ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میری غلوں میری عقیدت کا ذائقہ اڑائیں۔

میری بات اسے لگی۔ بری طرح لگی، بولا، ہاں پوچھئے۔ آپ کیا جانتا ہے؟ میں۔

ایک شرط ہے، میں نے کہا، مجھے ہالے نہیں۔

یہ بتائیے کیا آپ نے انڈیا میں بیٹھنے کی کوشش کی تھی۔

ہاں، اس سے سرکشت میں بلا دیا۔

اس لیے کہ آپ کو وہیں مجلہ کرنے کا موقع ملے۔

ہاں وہ بولا۔

آپ مجلہ کیوں کرنا چاہتے تھے۔

مجلہ ایک دھولی ہے، وہ بولا، وہ آپ کو زمین پر بیٹھ کر دھو دیتا ہے۔

میں اپنی شکست کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔

نے کبھی لام بری کی یاد میں کے مزار پر جانے کی بات نہ کی تھی۔

یہ آپ کو نصیحت، لام بری کی حاضری دینے کی بات کیجئے سو مجھے، میں نے قدرت اللہ سے

پوچھا۔

کہنے لگا، بیٹھ میں اسلامی کتابوں کی دنیا بھر میں سب سے بڑی لائبریری ہے۔ اس لائبریری میں بے شمار قیمتی مسودات ہیں۔ اشفاق سے ایک قیمتی مسودہ دیکھنے میں آیا، جس میں لکھا تھا کہ لام بری نے فرمایا تھا کہ ہمارے علاقے میں ایک اسلامی شر آپد ہو گا، جو دنیا کے اسلامی ملکوں کا مرکز بنے گا۔

وہ کلی کتاب کب کی لکھی ہوئی تھی میں نے پوچھا۔

وہ ڈھائی سو سال پہلے کی، وہ بولا۔

میری ہنسی نکل گئی۔

آپ فہم رہے ہیں۔ آپ کو یقین نہیں آیا، اس لیے پوچھا۔

یقین کی بات نہیں، میں نے کہا، اسلام آپ کی بات ہے جو اس وقت زیرِ حیر ہے۔

اسلام آپ کی کیا بات ہے اس نے پوچھا۔

اسلام آپد بیگلوں کا شہر ہے جس کی حیرتیں نہ اسلامی رنگ سے، نہ پاکستانی۔

اسلام آپد نے لام بری اور ان کے نور پور شاہوں کو آؤٹ آف پورٹ قرار دے دیا ہے۔

اشفاق نے لام اور ان کی درگاہ پر شرم ساری محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے ان تمام سڑکوں کو توڑ دیا ہے۔ جو نور پور جاتی تھیں اور نور پور کو جانے والے گاؤں کو اسلام آپد شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

وہ مسکرایا، کہنے لگا، بزرگوں کے ساتھ بڑے کئے لوگ ایسا ہی بڑا کیا کرتے ہیں۔

قدرت اللہ کی رخصت کے دوران انکی ایک مجلس ہوئیں۔ انہیں کے گھر جلی وہ گھر سے

ہوئے تھے۔ اشفاق احمد کے گھر مزار پر، دربار میں۔

یہ انوکھا کرم تھی کہ قدرت اللہ کو روک لیا جائے گا۔

قدرت اللہ کے کردار میں ایک بات واضح تھی۔ وہ ذاتی خواہش کو دل میں رکھنے سے

انحراف کرتا تھا۔ سرسری شرم کی خواہشات آتی تھیں، اس کے دل کا دروازہ کھلتا تھا، لیکن وہ

آپ صدر ایوب سے بات کیوں نہیں کرتے 'میں نے پوچھا۔
'میں وہ بولا' اگر میں واپسی کے لیے کوں تو ذات کا مسئلہ بن جائے گا۔ ذات کا مسئلہ
نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہیں دیے ہی کریں۔
دیے مفتی صاحب' وہ بولا' اگر میں 'ول' کروں تو وہ مجھے بلانے پر خود کو مجبور نہیں کے' لیکن
میں 'ول' کیوں کروں۔

پھر مس یوں

میں نے کہا یہ بتائیے کیا اب بھی ریک میں چنگاوریں بجز بڑاتی ہیں۔ 'میں' وہ مسکرایا'
'چنگاوریں ختم ہو چکی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔
کس سوچ میں پڑ گئے 'آپ' میں نے پوچھا۔
'بولتا' پر 'ول' بات یاد آگئی۔ آج سے آٹھ دس سال پہلے میں نے رمضان مبارک کی
انائیسویں کو جانگنے کا پروگرام بنایا تھا۔

میں موقع پر مس یوں کا فون کیا کہ 'لچ میرے ساتھ کھانا کھاتے ہو' وہ کہہ کر وہ نہ رکا۔
'اب روزہ ہی نہ رکھا تو رات جانگنے کی بات ہے مفتی ہو گئی۔ پچھلے رمضان ایڈن سٹائیسویں
کو شب بیداری کا پروگرام بنایا۔ اسی روز فون آیا۔ 'مس یوں نیوڈارک سے ہل ہی تھی۔ کہنے
گئی 'میں آ رہی ہوں' مجھے پیرس میں ٹیلے اور پھر اپنے ساتھ ریک لے جائیے۔ میری والدہ
میرے ساتھ ہو گئی۔

دس سال کے بعد بھر دی بات۔ مقدمہ سٹائیسویں شب کا پروگرام منع کرنا تھا۔

کیا 'مس یوں' کو اس بات کا شعور تھا' میں نے پوچھا۔

'میں' قدرت نے کہا 'اے ہمارے چارے کو کیا پتہ کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔

کون استعمال کرتا ہے' میں نے پوچھا۔

بتائیں 'کون' شرکی توہین اور کون۔

شرکی توہین آپ کو پتہ کیوں نہ پاتی ہیں۔

صرف مجھے ہی نہیں۔ کوئی بھی ہو' جو راستے پر چل نکلے جس کے پہنچ جانے کا شعور ہو۔

آپ یہ بھی مجاہد کر سکتے تھے۔

'میں' وہ بولا' میں کئی ایک باتیں ممکن نہ تھیں۔ یہاں کم کھانا کم سوؤ تو ممکن تھے کم بول
ممكن نہ تھا۔ مجاہد سے فرات بڑھ جاتی ہے۔ مجھے کلف پسند نہیں وہ ایک چھوٹی چیز ہے۔

فرات سے کیا ہوتا ہے' میں نے پوچھا۔

لوگوں کے اندرونی اوصاف نظر آنے لگتے ہیں۔ جب مفت کا بھائی فوت ہوا' تو مفت کو بڑا

مذہب ہوا۔

'ایک دن اتفاق سے میری نظر پڑ گئی۔ دیکھا کہ مفت کے اندر قصائی چمرا چکے گوشت
کٹ رہا تھا۔ مجھے مفت پر ترس آنے لگا۔

دیکھیے مفتی صاحب' وہ بولا' مجاہد سے یہ کچھ نہیں ہوتا۔ باہر کی دنیا جیسے دے دیے ہی
رہتی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ تقدیر بھی وہی رہتی ہے' بدلتی نہیں' صرف
زاویہ نظریں بدلتے جاتا ہے۔ دکھ ویسا ہی رہتا ہے' لیکن اس کی دھار کاتی نہیں۔ باتیں وہی رہتی ہیں
لیکن باتوں کی وہ اہمیت نہیں رہتی۔ ذات سے اخراج ہو جانے تو واقعات اور اسامات پر سر
نہیں رہتے۔

میری زندگی عمل طور پر بدل چکی ہے اس نے کہا۔ یوں ہی یہ ہم آہنگی زیادہ ہو گئی ہے۔
ذات کافی پیچھے ہٹ گئی ہے۔ پہلے صدر ایوب کو مٹل سمجھ لیا تھا مٹل کہ وہ راستے کا ایک سنگ
مٹل تھا۔ اب وہ بات نہیں دی۔ اگرچہ میری مٹل 'مٹل' صدر ایوب پاکستان کی جڑ کو کیے کر پار کا
سنگ ہے۔ دوسروں کی بہت اس میں زیادہ صلاحیت ہے۔ فکر کے سامنے ہتے بھی لوگ ہیں' ان
مٹل میں صدر ایوب بھرے' لیکن صدر میں دین اور اللہ کا جذبہ بڑھ نہیں پایا۔ فقط نظریں
مزید وسعت پیدا نہیں ہوئی' بلکہ محدود ہوتا جا رہا ہے' دنیاوی ہوتا جا رہا ہے۔ وہ عقلت نہیں
دی۔ جمور کی بجائے ڈیڑے کی طرف رغبت ہو گئی ہے۔ ممکن ہے' سنگا بات رکھو بن گئی
ہو۔ سوئیے اللہ بھر جاتا ہے۔

آپ کی واپسی کی کیا صورت ہے' میں نے پوچھا۔

کہنے لگا' وہ صورتیں ہیں۔ یا تو میری شرائط پر مجھے واپس بلایا جائے۔ اور یا واپس ایوب کے

بعد عمل میں آئے۔

اس مطلق صاحب 'شاید آپ نے صدر صاحب کو مناسب طور پر نہ پایا ہو۔

بھائی جان آپ دیکھ رہے ہیں۔ 'ہاں میں نے کہا' راتوں رات عوام کا کلب بدل گیا ہے۔
 عوام کے بعد پہلی مرتبہ ہم نے محسوس کیا ہے کہ یہ ایک اسلامی ملک ہے، لیکن بھائی جان 'صدر
 صاحب کا رویہ عوام سے ہم آہنگ نہیں تھا۔

مطلق ٹھیک کہتا ہے 'وائی والا' صدر کی تقریر میں وہ جوش نہ تھا جو عوام میں دھڑکتا جاگ
 اٹھتا ہے۔

بھائی جان بولے، 'بھئی ہم تو حکم کے پابند ہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ صدر ایوب کو سپورٹ کرنا
 ہے' 'لفظ صدر کو توفیق عطا فرماتے۔

انواہیں یا خبریں

پیر انواہوں کا ایک وطن چل پڑا۔

اگر میں مروتقدّر کے دربار پر جا کر دوا کرکٹ اگر مجھ پر دلت طاری نہ ہوتی۔ اگر میں
 بھائی جان سے عقیدت نہ پالیتا، اگر مجھے قدرت اللہ شہاب نے بے گناہتہ نہ ملتا تو میں بھی ان
 لوگوں کو انواہ سے زیادہ شہیت نہ دیتا۔

جو بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، جو بات قدرت کے ظاہر اصولوں سے ہٹ کر ہوتی
 ہے، جس بات کا سائنس کی لب کی تجزیہ نہیں کیا جاسکتا، اس کو ہم دانش ور انواہ سمجھتے ہیں۔
 جہاں کہ ہم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری عقل محدود ہے کہ قدرت کے کچھ
 اصول ایسے بھی ہیں جن کا ہمیں اور ادراک نہیں ہے اور صرف چند ناقص ایسے ہیں جن کا سائنسی
 لب کی تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ دانش ور ہر اس بات کو 'نہ' وہ سمجھ نہیں سکتے انواہ کہ کمال دیتے ہیں۔

بہر حال اب ان مشاہدات کے بعد میرے لیے وہ انواہیں نہیں کہ خبریں تھیں۔

لاہور کا ایک مسٹ جو کبھی نہیں بولا تھا، وہ نے لوگ چپ لٹے تھے، کبھی کبھی کچوں میں

جنگ

وائی کے خواب کے ایک پتے کے بعد بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔

یہ حملہ اتنا ہلکا تھا کہ سارا پاکستان سناٹے میں آ گیا۔

چھ جنوری کی رات کو سارے لاہور کو چکا دیا گیا، اعلان کر دیا گیا کہ ایشیائی بغض کی روپ رٹ ہے
 کہ کل صبح بھارت لاہور پر حملہ کرے گا۔ اس لیے لاہور کے عوام کو خبردار کیا جاتا ہے کہ جہاں
 بچا دو، گھروں سے باہر میدانوں میں نکل آؤ، تاکہ ہم باری سے جانی نقصان نہ ہو۔ اس اعلان کو
 سن کر لاہور والے ڈر کر پناہ لینے کی بجائے جہاز کے نعرے لگاتے گئے۔

لاہور پر بم باری ہوئی تو لارہیں شہر قوں میں پناہ لینے کی بجائے چھتوں پر چڑھ گئے اور
 بھارتی ہوا بازوں کو نکلے رکھنے لگے۔ یوں لگتا تھا جیسے میں میں کسے دالوں کے دلوں سے
 یوں مدد ہو گئی ہو اور پاکستان کی محبت از سر نو جاگ اٹھی ہو۔ چاروں طرف سے پاکستان کا مطلب
 کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے گونج رہے تھے۔ پاکستان اور اسلام کا تعلق جو گرد آلود ہو چکا تھا، پھر
 سے ابھر آیا تھا۔

پاکستانی افواج میں تو یہ جذبہ بھی گرد آلود نہ ہوا تھا۔ ان میں شہادت کے لیے تازہ ترپ پیدا
 ہو گئی تھی۔

جب صدر ایوب نے ریڈیو پر بھارت کے حملے کا اعلان کیا حیرت سے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ
 گیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ صدر ایوب بول رہے ہیں۔
 ان کے انداز میں کج گہرا تھی، لچکاتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان کے کھلے قہر قہر کاپ
 رہے تھے۔ وہ جہاز کی بات نہیں کر رہے تھے، جنگ کی بات کر رہے تھے۔ وہ مملکت خدا وادی
 بات نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ ملک کی بات کر رہے تھے ان کے لیے یہ اسلامی جوش نہ تھا۔

میں نے بھائی جان سے بات کی 'میں نے کہا' بھائی جان ساری امیدیں جو میں نے صدر
 ایوب سے استوار کر رکھی تھیں، خاک میں مل گئی ہیں۔ لگتا ہے وہ عقلیت جو پاکستان کے کسی
 ایک سربراہ کو ملنے والی ہے، صدر ایوب کے نصیب میں نہیں ہے۔

سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ بولے، وہ ملک ہے جو چاہے کرے۔ ہم تو اس کے چاکر ہیں۔

پاکستان اور دعا

ہم نے قاضی صاحب سے عرض کی کہ پاکستان کے لیے دعا کریں۔ قاضی صاحب بولے 'مفتی صاحب میں آپ کے لیے دعا کر سکتا ہوں۔ دو سوں کے لیے دعا کر سکتا ہوں پاکستان کے لیے دعا کرنے کی میری کوئی حیثیت نہیں ہے پاکستان کے لیے بڑے بزرگ کام کر رہے ہیں۔ میں تو آج صبح آدی ہوں۔ بڑے کام ہوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں بڑے بزرگ میدان جنگ میں پاکستان کی حفاظت کر رہے ہیں ورنہ یہ بے ہوا کہ چڑی میں اوہم گرائے جائیں اور ان میں سے صرف پانچ بچیں۔'

مکرم بھر کر چلانے لگا لوگو! دیکھو اللہ تعالیٰ کیا کیا مجھے دکھاتے ہیں۔ ڈرو نہیں فتح ہماری ہوگی۔ سیالکوٹ سے آنے والے لوگوں نے بتایا کہ ہم نے سینکڑوں سفید گھڑ سوار دیکھے جو سفید وردیاں پہنے ہوئے تھے 'ہاتھوں میں کھواریں تھیں۔ کہتے تھے کہ ہم علف پر جا رہے ہیں۔ روزنامہ جنگ کو دیندہ منورہ سے خط موصول ہوا۔ لکھا تھا 'جس روز لاہور پر حملہ ہوا۔ اسی رات دیندہ منورہ میں مقیم دو افراد نے خواب میں دیکھا کہ حضور اعلیٰ معلّم گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے ہیں۔ پوچھا حضور! اتنی جلدی میں کہاں جا رہے ہیں فرمایا 'پاکستان میں جلو کے لئے جا رہے ہیں۔'

۱۰ اکتوبر ۱۹۷۵ء میں قدرت اللہ کا ناہنجہ انصوں نے ۲۰ کو لکھا تھا۔ اس خط میں قدرت اللہ نے جنگ کے متعلق افسانہ خیل کیا۔ انہی ملاحظہ ہو۔

آزمائش کا دور

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو فضل کیا ہے۔ وہ مقام شکر بھی ہے اور مقام عبرت بھی۔ ہم لوگ جیسے جیسے مسلمان ہیں وہ تو ظاہر ہے۔ اس پر بھی خدا نے ہمارے فرائض ایمان کی لاج رکھا۔

آزمائش کے وقت جو غرائز وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ مسلط ہوتے ہیں۔ عداوت، ہنس، اس لیے فن پر ٹھانے بنانا یا اسلحہ کے لیے ان پر بھی کرنا مناسب نہیں۔ اصلی چیز تو تبادلی ہے۔ اللہ کی عداوت ایمان کی تبادلی بھی۔

۲۔ افراد اور قوموں کی زندگی میں دعا بھی بڑا اثر رکھتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے لیے دعا کرتے ہیں، اور کچھ دوسروں کے لیے یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ چاہتے ضروری اور موثر ہیں، لیکن کچھ دلوں کے لیے یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ چاہتے کے لیے اس کی محبت کرتے ہیں، جب تک کسی ملک یا قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں، اس ملک پر مسیت تو آئے گی، لیکن چاہی نہیں، دعا اور کوشش کریں کہ پاکستان میں ایسے لوگ پیدا ہوں۔

۳۔ ہندوستان کے تئیں دعا نہیں ملے۔ بین الاقوامی منڈی میں بھی انصاف اور ایماندار ہمت کم یا کم ہے۔ اسی آزمائش کا دور شروع ہوا ہے ختم نہیں ہوا۔

قدرت اللہ اپنے خطوط یا بیانات میں سب سے کام لینے کا دعویٰ تھا۔ اس نے کبھی بڑھا چڑھا کر بات نہ کی تھی۔ اس کی بات غلطی، غیر ضروری تھیلیات کو قدرت عذاب کر دیتا تھا۔

دلوں کے بل کو چھ کرنے کے لیے آیا تھا۔ دریا پر پہنچا تو کیا دیکھا ہوں کہ دریا پر ایک عظیم جگہ چل رہی ہیں۔

ایک اور پائلٹ قیدی نے بتایا کہ ہم دو دریا پر حملہ کرنے آئے تھے۔ مطلع پاکل صاف تھا۔ حالات سازگار تھے لیکن جو سی ہم دو دریا کا پیچھے تو پیچ نہیں ایک گاڑھا ہادل کہیں سے آگیا اور اس نے دو دریا کو چھالیا۔

پاکستان کے صحافی اور لویہ جو مختلف محاذوں کا دورہ کر کے آئے تھے انہوں نے بتایا کہ جس بھی بھارتیوں نے ہتھیار ڈالے، وہ محض غلط فہمی کی وجہ سے ڈالے چونکہ پاک فوجیوں کی تعداد بہت کم تھی، لیکن بھارتی فوج نے سمجھا کہ پاک فوج تعداد میں بہت زیادہ ہے۔

سیر فائر

جنگ ۶ جنوری سے شروع ہوئی تھی۔ ۲۳ کو سیر فائر ہو گئی۔

سیر فائر کے احکامات سن کر فوجی کمانڈر بہت سچے آئے، اس لیے کہ پاکستان کی فوجیں جگہ جگہ بھارت کے علاقے کے اندر دوڑ نک پش قیدی کر چکی تھیں۔ ان کے تشدد نظر کے مطابق سیر فائر منظور کر لیا۔ سخت حفاظت تھی چون کہ سیر فائر کا فیصلہ دہوکے تحت کرنا پڑا تھا۔

ظہور ایڈووکیٹ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ جنگ میں میری ڈیوٹی سرگودھا پر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے نقصان ہونے نہیں دیا، اللہ احسان ہے۔

کہنے لگے میں نے بروقت صدر صاحب کو خط لکھ کر بتایا تھا کہ سیر فائر کے لئے دہوکے کا آپ جانتے رہے۔ اگر آپ کو تسلیم کرنا پڑے تو بے شک منہ ڈھانی تسلیم کر لیں۔ عمل کرنے میں تاخیر کریں اور فرض کیجیے سیر فائر عملی طور پر کرنا پڑے تو صرف دو یا تین گھنٹے کا ہو، لیکن صدر صاحب نے اس چیز کے کسی حصے پر بھی عمل نہ کیا۔

بزرگوں کا خیال تھا کہ اس جنگ میں پاکستان کا پلہ ہماری تھا۔ پاکستان کو ٹیپی امداد حاصل تھی۔ لیکن صدر صاحب میں جذبہ جلا نہیں تھا، اس لیے بات بن کر جھگڑ گئی۔

ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے سپرہاں جب تک اسلام اور جملہ کے لیے جذبہ نہ ہو گا کچھ نہ ہو سکے گا چون کہ پاکستان کی تمام تر اہمیت صرف اسلام کے حوالے سے ہے۔

اس کا کتا تھا کہ شدت اور جذباتیت روحانی دنیا میں DISQUALIFICATION بھی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس غفور صاحب مکمل کرپا کر دینے کے عادی تھے اور ان کا انداز جذباتی تھا۔

غفور کا خط

غفور صاحب کا کتا تھا کہ یہ جنگ پاکستان کے لیے ایک درس موقع تھا جو صدر صاحب کی بے حس کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔

۲۱ فروری ۲۰۱۱ء کو غفور صاحب نے قدرت اللہ شاہب کو ٹیک میں ایک خط لکھا۔ اس خط کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

”ہمارے حکمران طبقے کو یہ علم نہیں کہ ملک میں روحانی انقلاب آ رہا ہے جس سے صرف پاکستان اور ہندوستان ہی متاثر نہ ہوں گے بلکہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ملک میں درویشوں کی تعداد کثرت سے ہے یہی ایسے لوگ ہیں جو چشمِ دزدان میں ہندوستان تو کیا ان ملکوں میں انقلاب لا سکتے ہیں جہاں اسلام کا نام و نشان نہیں۔“

سزا و دوزخ جنگ ہندوپاک کے واقعات کو اگر آپ غور سے مطالعہ فرمائیں تو انسانی عقل و فکر حیران رہ جاتی ہے۔

میرے بہت سے فوجی دوست کہتے ہیں کہ اس جنگ نے انہیں صحیح اور سچا مسلمان بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازی اور نبی آخر الزماں کی کرم فواہی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اتنی شدید فوجی اور جنگی تعلیمیں کر کے حق حاصل کیے۔ یہ جنگ درویشوں کی کمانڈ کے تحت روحانی انٹی قوت سے لڑی گئی۔

تم بزدل ہو

۲۸ اگست ۲۰۱۱ء کو غفور صاحب راولپنڈی تشریف لائے۔ مجھ سے ملنے کے لیے میرے گھر

۷۱۰ نمبر میں اصل تفصیل ملاحظہ کریں۔ خط نمبر ۷۱

UrduPhoto.com

آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا: ”کتنے گئے“ صدر ایوب سے ہم نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں، چوں کہ صدر ایوب کے کردار میں کئی ایک خوبیاں ہیں۔ وہ ظلم نہیں، ٹیک نیت ہیں۔ لوگوں کی بھلائی چاہتے ہیں، خود پسند نہیں، ذاتی مفاد کے قائل نہیں، لیکن ”جھا“ وہ سپیکلر ہیں۔ ان میں اسلامی رتھان نہیں ہے اور وہ کچھ زیادہ ہی ریشل ہیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ قدرت اللہ انہیں گائیڈ کرتے رہیں۔ اب شاہب صاحب کے جانے کے بعد وہ چند ایسے لوگوں کے زیر اثر آ گئے ہیں جو انہیں صحیح مشورہ نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا اسی وجہ سے میری ڈیوٹی گت بھی تھی کہ میں انہیں باقاعدہ خط لکھوں۔“

غفور صاحب نے بتایا کہ جنگ کے بعد میں مکہ معظمہ میں تھا۔ مکہ شریف کے ایک کھڑاب نے مجھے ایوب کے پیام سے پکارا۔ میں نے کہا میں ایوب نہیں ہوں، غفور ہوں۔ اس نے میری بات پر توجہ نہ دی اور مجھے ایوب کہنے پر مصراہ۔ پھر اس نے مجھے کچیاں دینی شروع کر دیں۔ بولا ایوب تم بزدل ہو۔ تم بھلو کر گئے، ڈرتے ہو۔ کافر تھے، جہلو نہیں کرو گے، بولو۔ غفور صاحب نے کہا میں نے اس واقعہ کی خبر ذریعہ خط صدر پاکستان کو پہنچادی تھی۔

بزرگوں کی مینٹنگ

پھر مکہ معظمہ میں بزرگوں کی ایک مینٹنگ ہوئی۔ اس مینٹنگ میں زیادہ تر بزرگ صدر ایوب کے خلاف تھے۔ دو جن ایسے بھی تھے جو صدر ایوب کے حق میں تھے۔ اور چاہتے تھے کہ انہیں ایک اور موقع دیا جائے۔

غفور صاحب نے کہا کہ میں نے اس واقعہ کی صدر ایوب کو اطلاع دی۔ میں نے صدر صاحب کو لکھا کہ اگر آپ کو ان باتوں کا نتیجہ نہیں آتا تو فی الفور اپنا کوئی الٹریٹیو پیش کیجیے تاکہ وہ خود آکر دیکھ لے کہ یہاں نقصان کے خلاف ہے۔

غفور صاحب نے کہا انیسویں صدی کے صدر ایوب نے اپنا الٹریٹیو میں بہت دیر کر دی۔ انہوں نے اعوان صاحب کو بھیجا۔ اعوان صاحب جب مکہ معظمہ میں پہنچے تو میں وہاں سے آچکا تھا۔ غفور صاحب نے کہا کہ مکہ شریف سے آنے سے پہلے مجھے کہہ کے ایک بزرگ نے تعویذ دیا کہ ایوب صاحب اسے پتے نہ رکھیں۔ پاکستان میں آکر میں نے بہت کوشش کی وہ تعویذ صدر



دکسٹری
اپنے بے گانے



مفسر



مقبول قریشی



مباح مفسر



ڈاکٹر انست مفسر



انجمن برادران



امجد مفسر

مگو کے عالم میں قلم اس صورت حال میں لکھنے کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔

پہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے مگر ایسے ہوتا ہے کہ کوئی پرانی عادت یا نشہ جو آپ چھوڑ چکے ہوں، وقتوں کے بعد پھر سے آپ پر حملہ کر دیتا ہے۔ اس کیفیت کو ایک شاعر نے خوب بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وہ شیشہ ہائے مے کشی کہ معلوت اسی میں حتی
جنہیں وہیں پڑے پڑے۔ وہیں کی غاک کھا گئی
پھر ان کو دھو رہا ہوں میں
یہ کیا بنا رہا ہوں میں

کبھی کبھار شیشے بھٹائے بھٹے پر ابلی حملہ کر دیتا تھا۔ وہ میرے دور دورہ آکر کھڑا ہو جاتا۔ مجھ سے کہتا: یہ تو کیا کر رہا ہے۔ یہاں سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ یہ ظلماتی دنیا جس میں تو بی رہا ہے، یہ تجھے کبھی کبھہ میں نہیں آئے گی۔ یہ تیری دنیا نہیں ہے۔ یوڈنٹ بلاگ ٹوٹ۔ تو تو فکری پر رہنے والا ہے۔ کیوں خواہ تو خود مگرے پائوں میں غوطے کھا رہا ہے۔ تجھ میں بزرگ بننے کی خواہش نہیں ہے، ملاحیت نہیں ہے۔ تیرے کردار میں استقامت نہیں ہے پھر تو یہاں کس امید پر بیٹھا ہے۔ صرف اس لیے کہ اپنی CURIOSITY کی تسکین کر سکے۔ صرف جاننے کی خواہش کی محفل تو متعدد حیات نہیں بنائی جاسکتی۔ آج تجھے اس ماحول میں جیتے ہوئے دس گیارہ برس ہو چکے ہیں، لیکن روحانی دنیا کے متعلق تو کچھ بھی نہیں جان سکتا۔

قدرت اللہ شہاب ایک وسیع سمندر ہے، جس کی نہ کوئی سمت ہے نہ کنہار۔ تجھے آج تک کبھی نہیں آیا کہ وہ کون ہے کس کام پر مامور ہے۔ چھوڑا۔ اسے اپنا کام کرنے دے تو اپنا کام کر۔ تو تو ذات کا ابلی ہے۔ "ذات دی کو بزرگی، ہتھیاریاں مل جائے"۔ چل کی غفلت کے در پر جا کر بیٹھ۔ یہی تیری اصلیت ہے۔ یہی تیری منزل ہے گزشتہ تین سال میں ابلی نے دو تین بار مجھ پر حملہ کیا تھا اور اس وقت پھر وار کیا تھا کہ میں کئی دن ڈھمی پر بندے کی طرح خرچ رہا تھا۔

بھائی جان سب میری عقیدت کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ اگرچہ دل میں ان کا احترام جوں کا توں قائم تھا، مگر قدر کی خدمت میں میں باقاعدہ حاضر ہونا دیکر تھا، لیکن دل میں اک خوف سا رہا تھا۔ کیا قلم بھائی جان کے الفاظ میں وہ بہت ڈانڈے ہتھے۔ طاقت ور تھے اور کوئی کس پر دراست

اُس کرتے تھے۔ قدرت اللہ کا عظیم کردار اور وسعت دل کی وجہ سے میری زندگی کامرکزیں
ہو گیا اور اس جذبہ عقیدت و ثبات کا مضرب ثبات ہو گیا تھا۔

آ رہے ہیں

پھر ایک دم قدرت اللہ کی اُن کی خبریں آنے لگیں۔

دو ایک سناؤں نے مجھے کہ ہمارے اخبارات میں ان کے آنے کی خبریں چھپی ہیں۔

راجہ شیخ دوڑا دوڑا میراں کیا کہنے کا شلب صاحب واپس آ رہے ہیں۔

وائی نے مجھے فون کیا کہنے اہللی یہ کسی خبریں سن رہا ہوں۔

مری سے بھائی جان کا ڈاکہ کہ سننے میں آیا ہے کہ ستارا واپس آ رہے ہیں۔ اس کے
مطلق معلومات حاصل کر کے آ گئیں۔

سائیں کرم دین بولے "ایک" واپس آئیں گے" انہوں نے اُنیں ملک سے باہر بھیج کر
لال قلی کی حتیٰ اب بھگت رہ ہیں۔

میرے دوست شیر شاہ گما مبارک کو شلب صاحب آ رہے ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ وہ
وزارت تعلیم کے سیکرٹری کی جگہ سے کام کریں گے۔

پھر فخر صاحب کا خط ہوا لکھا تھا

شلب صاحب کی واپس آئی اشکات عینہ منورہ سے چھ ماہ پہلے جاری ہو چکے ہیں۔ کچھ
میں مہین آ رہا کہ وہ کیوں نہیں آ رہے۔ آنے میں کیوں تاخیر کر رہے ہیں۔

آخر میں قدرت اللہ کا خط ہوا لکھا تھا "اشکان غالب ہے کہ ہم واپس آ رہے ہیں۔ اب
کی ہر شاید وزارت تعلیم تینا آؤ گی۔

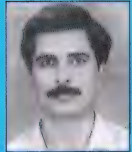
لیکن قدرت اللہ کی آوا پہلے ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے میرے ذہن کا لیڈر اڑا
کر رکھ دیا۔ میرے ہاتھ پاؤں ہل گئے۔ یہ کیا ہوا۔

یہ ۱۹۹۹ء کی بات ہے۔ میلازات سے ریٹائر ہو چکا تھا۔ میں نے سرکاری گھر نکالی کر دیا تھا
نور قریب ہی ایک مکان کرائے لے لیا تھا۔

اس مکان کی ایک سٹ بیٹل پر تین کمرے تھے جن کے ساتھ ساتھ ایک لمبا برآمدہ



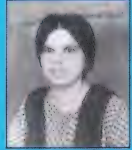
تسکینہ مصفیٰ



کوہ برت



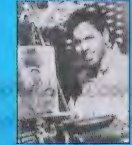
سویلا



فریدہ رحمانی



نقش اور نیو



عسکری تصویر بناتے ہوئے



لہذا اس کا ایسی حقا کہ عقل و خرد روحانیت کے لیے باعث تقویت ہیں۔

اس لیے میں قدرت اللہ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

مکس کی زندگی خلیب و فراز سے بھری ہوئی تھی۔

جب وہ دو سال کا ہوا تو اس کا باپ گھر چھوڑ کر چلا گیا۔

جب وہ چار سال کا ہوا تو اپنی بیٹھ کے لیے چھوڑی جلی مٹی، پھر باپ پتہ نہیں کہیں سے آ

گیا۔ وہ مکس کو اپنی لگا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

نوف زوہ چھ

اسے بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کئی کوئی چھوڑ جاتا ہے کبھی کوئی آ جاتا ہے۔ اسے لوگوں پر بھروسہ نہ رہتا۔

مگر میں صرف ابا تھے اور بوڑھی دادی اباں۔ وہ باہر کھیلنے نہ جاتا تھا کہ کہیں وہ دونوں اسے چھوڑ کر نہ چلے جائیں۔

باپ سکول لائٹ تھا۔ جب وہ پڑھانے کے لیے سکول جاتا تو مکس ضد کر کے باپ کے ساتھ جاتا۔ جتنی دیر ابا پڑھاتا رہتا، مکس دیوار سے لگ کر کھڑا رہتا۔ جب ابا شاف روم میں جاتا تو

مکس ساتھ جاتا اور وہیں کرسی سے لگ کر کھڑا رہتا۔

مکس ایک اکیلا اور خاموش بچہ تھا۔

پھر گھر میں ایک ابا آگئی۔

یہ وہ ابا نہ تھی۔ پتہ نہیں کون سی ابا تھی۔ وہ اور بھی گمراہ گیا۔

۱۹۵۱ء میں جب وہ چھٹی آگے تو مکس کو اینٹ میری سکول میں داخل کر دیا گیا۔

جس گھر میں مکس پرورش پا رہا تھا وہاں لکھتے لکھتے تھیں، پھیلنے لگیں۔ باپ سارا

دن پڑھائی پر بیٹھ کر سکھاتا تھا۔ پاس پر بیٹھ کر دھرا ہوتا جو ہر وقت چلاؤ رہتا کیوں کہ ابا موسیقی کے بغیر لکھ نہ سکتا تھا۔ گھر میں کوئی قانون نہ تھا اصول نہ تھا پابندی نہ تھی۔ گھر میں

فریت تھی اور آزادی تھی۔

باپ کے چند ایک دوست تھے وہ سب بیڑی میں ملازم تھے۔ عمر تھا، مسعود تھا، مرزا تھا، ہار

پند کرتی ہے۔ دونوں آپس میں ملا کرتے تھے۔ پھر مکس کو پتہ چلا کہ گھر والے لڑکی کی شادی کر رہے ہیں۔ اس پر مکس ان کے گھر چلا گیا اور لڑکی کے عزیز و اقارب سے، جو فوج میں افسر تھے، بات کی۔ جواب میں لڑکی کے بھائی اور باپ نے مکس سے بد کلامی کی اور تحلیل کر کے اسے گھر سے نکال دیا۔ اس شاک سے مکس کے ذہن کا توازن قائم نہیں رہا۔

میں اس لڑکی سے مل چکا تھا۔

ایک اے کے بعد میں نے مکس سے صاف کہہ دیا تھا کہ اب تماری شادی ہو جانی چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنا بیٹن ساتھی خود تلاش کرو۔ تلاش کرنے کے بعد مجھے بتا دینا۔ پھر میرا کام شروع ہو جائے گا۔ اس کے لواحقین سے میں خود جا کر ملوں گا۔ ختمیں کروں گا ہاتھ جوڑوں گا

اگر پھر بھی وہ راضی نہ ہوئے تو ہم لڑکی کو انوکھا کر لیں گے۔

ایک دن مکس میرے پاس آئے کہنے لگا: اب آپ فارغ ہیں کیا۔ اگر فارغ ہیں تو ذرا باہر آئیے۔ میں آپ کو اپنے ایک دوست سے ملانا چاہتا ہوں۔

جب میں ڈرائیگ روم میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ صوفے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ ایک بھرے جسم کی سنجیدہ چٹ کپڑی لڑکی تھی۔

میں نے زندگی میں چٹ کپڑی خواتین تو دیکھی تھیں۔ لیکن چٹ کپڑی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ لڑکیاں تو رنگ دار ہوتی ہیں، دھاری دار ہوتی ہے۔

چٹ کپڑی سفید اور سیاہ لباس پہنتی ہے۔ بظاہر لگتا ہے جیسے وہ سنگار سے بے نیاز ہو۔ دراصل چٹ کپڑی سنگار کرنے میں درجہ مکمل حاصل کر چکی ہوتی ہے۔ وہ اس انداز سے سنگار

کرتی ہے کہ تاثر "سلوکی" کا قائم رہتا ہے اور یوں نظر آتا ہے جیسے وہ سنگار سے بے نیاز ہو۔ کہتے ہیں کہ چٹ کپڑی کا ڈھاپائی نہیں لگتا۔ اور وہ مہربان ہو جائے تو جنت میں جالے کی

آرہو نہیں رہتی۔

کئی ایک دن میں نے متوجہ نہیں کرنا دے۔ میں یہ جانتا چاہتا تھا کہ آیا یہ محبت میں تحلیل کا نتیجہ تھا یا واقعی مکس کو کوئی مشاہدہ ہوا تھا۔ اس معاملے میں میرے حلقہ ارباب میں قدرت اللہ

کے سوا کوئی شخص نہ تھا جو میری راہ فرما کر سکھ میرے جاننے والوں میں قدرت اللہ ہی ایسا مرد تھا جو روحانیت اور عقل و دانش کو ہم آہنگ سمجھتا تھا۔ میری طرح انہیں متعلق نہیں سمجھتا

ہر ایک روڈ ایک عجیب بات عمل میں آئی باپ لکھنے میں مصروف تھا۔ بیچ جل رہا تھا۔
 ابا کی طبیعت ہو رہے تھے۔ کسی چپکے سے تپا اس نے ریڈیو کی سوئی گھما کر آگ لگا دی۔
 ابا نے جیت سے کسی کی طرف دیکھا۔ یہ کیا ہوا۔ پھر اسے خیال آیا کہ شاید مجھے خوش کرنے
 کے لیے کسی نے آگ لگا دی ہے۔

لیکن چند ایک دنوں میں بات کھل کر سامنے آ گئی۔ کسی کی بہنوں نے باپ سے شکایت
 لی کہ بھائی انیس قلمی موسیقی سننے نہیں دیتا، سوئی گھما کر آگ لگا دیتا ہے۔ باپ کو یہ سن کر
 ہلائی جیت ہوئی، لیکن اس نے بات کو زیادہ اہمیت نہ دی، چونکہ کسی کے جسم و خصل اور طور
 و طریقے سے یہ کسی ظاہر نہ ہوا تھا کہ وہ ایک ذہین لڑکا ہے یا اس میں فکار و سمایت ہے۔
 لیکن وہ ایک میڈیا کر لڑکا تھا، ایک لڑکا تھا پیسے سے حس ہو۔

اب کسی کی جوئر کیمبرج میں پچھلا تو باپ نے فیصلہ کر دیا کہ سینٹ میری سکول چھوڑ دے
 اور انٹر کولیشن کی تیاری کرے۔ سینٹ میری کے ڈائریکٹر نے کسی کو سرٹیفکٹ دینے سے
 انکار کر دیا اور کہا کہ اپنے ڈیڈی کو میرے پاس بھیجو۔

ڈائریکٹر نے کہا یہ بچہ سینٹر کیمبرج کرے گا۔

نہیں یہ بچہ میٹرک کرے گا، باپ نے جواب دیا۔

نہیں ڈائریکٹر بڑ بولا، یہ میرا فیصلہ ہے۔

آپ فیصلہ کرنے والے کون ہیں، باپ نے پوچھا۔

میں اس کا ٹیچر ہوں، وہ بولا۔

میں اس کا باپ ہوں۔

آپ نیچر کی اہمیت کو نہیں جانتے، بڑ نے کہا۔

جانتا ہوں، باپ بولا، میں نے بارہ سال بچوں کو پڑھایا ہے۔

جیت ہے، ڈائریکٹر بڑ بولا کہ پھر بھی آپ بات نہیں سمجھتے۔

کوئی نیچر بھی بات نہیں سمجھتا، چوں کہ وہ کتابی دنیا میں جیتا ہے۔ مسٹر بڑ نے بھی کتابی دنیا

میں جیتے ہیں۔

بہر حال ہم اس سچے کارٹیلیکٹ اٹو نہیں کریں گے، ڈائریکٹر نے کہا۔

تھا، بس غصہ تھا، وہ اکثر گھرا آ جاتے۔ آتے ہی چیخنے چلاتے، غصے مارے، قہقہے لگاتے، مذاق
 اڑاتے یا تاش کی بازی لگے لیتے۔ ہارنے والے سے جہاد وصول کرتے اور جب جہاد کی رقم
 کافی ہو جاتی تو وہ کسی کو لکھاتے اور اسے کلفہ خریدنے کے لیے بازار بھیج دیتے۔ پھر کسی
 منڈلی میں کلفہ کی سروس کرتا۔ کہاں ہی کر دے سب غصے لگاتے ہوئے چیخنے چکارتے ہوئے چلے
 جاتے اور اب پھر سے پٹائی پر بیٹھ کر لکھنے لگا تھا۔

چھوٹا

کسی کا کوئی اپنا دوست نہ تھا، اس لیے وہ ابا کے دوستوں میں بیٹھا رہتا تھا۔ اسے ابا کے
 دوستوں سے سخت شکایت تھی کہ وہ اس سے سارے کام کرایا کرتے تھے۔ کسی چائے لگاؤ۔
 کسی پانی۔ کسی تاش کہاں ہے، لیکن انہوں نے بھی کسی کو دوست کی حیثیت نہ دی تھی۔ ان
 کے نزدیک وہ محض ایک چھوٹا تھا۔ کوئی ایک آٹا آکر باری باری سب سے ہاتھ ملاتا، لیکن کسی کو
 چھوڑ دیتا۔ اس پر کسی سخت احتجاج کرتا کہ اسے اہمیت نہیں دی، پھر جب کسی کے احتجاج میں
 غم و غصے کا عنصر پیدا ہو گیا تو انہوں نے کسی کو کچھ کچھ اہمیت دینا شروع کر دی۔

انہی دنوں کسی میں بیداری کی پہلی کرن پھوٹی۔

اگرچہ اس کے باپ کو کچے داگ کی پہچان نہ تھی۔ موسیقی کے محقق صرف کتابی علم
 حاصل تھا۔

..... نہ مجھے میں داگ تھا، نہ کان میں وہ خصوصی حس تھی جو موسیقار کے لیے از بس
 ضروری ہوتی ہے۔ لیکن ایک بات ضرور تھی۔ پکا داگ سن کر اس کے باپ پر ایک عجیب سا بے
 یام اثر ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہ جب بھی لکھتے بیٹھا ریڈیو پر موسیقی لگاتا، کوئی ایسا شیش جہاں
 سے ایسا گانا نکلے رہا ہو، اس میں کچے داگ کی آغوش ہوتی۔

پہلی بیداری

کسی کو اس کی دونوں بہنوں کو کچے داگ سے چڑ تھی۔ جب بھی اسے موقع ملتا وہ شیش
 جہاں دتا اور لکھی جگہ ریڈیو لگا دیتا جہاں سے قلمی گانے نکلے رہے ہوتے۔

ٹھیک ہے، باپ نے کہا کل سے تھکی سکول میں آئے گا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے میٹرک لیٹن پاس کر لیا۔
اس زمانے میں باپ کی زندگی میں انقلاب آیا تھا اور وہ مرد قلندر کے مزار پر جانے لگا تھا۔
تھکی بھی اس کے ساتھ باقاعدہ مزار پر حاضری دیتا تھا۔ راجہ شیخ نور دانی اس کے دوست بن گئے
تھے اور بھائی جان اس پر شفقت کی نظر رکھتے تھے۔ پھر وہ کراچی چلے گئے۔
طبلہ

چند ایک ماہ دھارے راستے اگے رہے، پھر ایک روز میں نے دیکھا کہ وہ گھر کے باہر اپنی
لگائے کیوس پر چاقو سے رنگ توپ رہا تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ ظاہر تھا کہ وہ وہاں خانے
بجائے۔

تصویر بنا رہے ہو، میں نے پوچھا۔

بانتھ آنا رہا ہوں، وہ بولا۔

میں حیران ہوا، یہ لڑکا موسیقی سے پیشکش کی طرف کیسے آگیا۔

پانچ چھ مہینے وہ بانتھ آنا نے میں لگا رہا اس دوران میں گھر میں سات آٹھ کیوس آکٹھے
کئے، محض دو ایک ڈیمر، درختوں کا ایک جھنڈ، قلعے کا بیوی منظر، مری کا شرو و سوپ چھٹاں میں۔
مری کا لینڈ سکیپ قدرت اللہ شہاب کی بیوی ڈاکٹر عفت کو اس قدر پسند آیا کہ وہ اٹھا کر
لے گئی۔

پھر وہ کسی سے کہنے لگی، چھوڑ لاؤں کوئی اے ایم اے میں کیا رہا ہے۔ آؤ ہم طرا
بھینٹنٹر کا روپار کرتے ہیں۔ تو تصویریں بنانا چاہیں چھٹی جاؤں گی۔ تھی اس تصویر کو بڑا
کمرت سی میری لئے والیاں خرید رہی ہیں۔ پانچ سو روپے میں ایک تصویر بچوں کی۔
پھر دھنا، پیشکش کرنے کا تھار اتر گیا اور تھکی کاٹی کی لیکنو دینیز میں حصہ لینے لگا۔

DECLAMATION پھر بحث۔ پھر وہ کرکٹ کھیلنے لگا اور کھلے گیند بھینکنے میں خاصی شہرت
میں پھر یہ فٹس کیا ہوا۔ دھنا، اسے سٹیج لے کر گھن گئی اور اس نے کئی ایک ماہ کی
کے بعد ایک پبلک سٹیج لے کر ڈالا۔

اسٹیج لے کے بعد اس کی توجہ آڈیو اور ویڈیو کی طرف مبذول ہو گئی۔ وہ سارا سارا
کباڑیوں کی دکانوں پر چمک میں پرندوں کو تلاش کرتا اور پھر آکر مجھے کہتا ہوا، جڑاروں کا دیکھا۔

کراچی میں تھکی باپ کے ساتھ دلچ ایڈ کے دفتر میں چلا جاتا دفتر میں ساز تھے، پرو بیکڑے،
کیمرے تھے، ٹیپ ریکارڈر تھے، اندر بشیر تھا، این انشا تھا اور حفیظ جالندھری تھا۔
دفتر کے باہر قیصر تھا، جس کے ساتھ باپے چٹا دولوں سارا دن کراچی میں آوارہ گردی کرتے
تھے۔ شام کے وقت اندر بشیر کے گھر محفل موسیقی لگتی تھی۔

پیارنگ سے شدہ موسیقی سن کر یہ نہیں کیا ہوا۔ ایک روز جب طبلہ نہ آیا تو کسی
نے اٹھا کر طبلہ بھانا شروع کر دیا۔ یہ ایک حیران کن بات تھی۔

کسی کی ملاجیت کو دیکھ کر پیارنگ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے تھکی کو طبلے کے متعلق
ترتیب دینا شروع کر دیا۔ چھ مہینے تھکی طبلہ بھانے کے محفل میں لگا رہا، پھر اس نے طبلہ بھانا
چھوڑ دیا۔

ایک دن میں نے پوچھا، تم نے طبلہ بھانا کیوں چھوڑ دیا کہنے لگا، ابو طبلہ بھانا مقصود نہ تھا۔
تلی کہتا چاہتا تھا سو سمجھ گیا ہوں، تلی کا بھید مل گیا ہے، اور وہ اندر دھج رہی ہے۔ بس میں چاہا
تھا اب طبلہ بھانا وقت ضائع کرنے کے برابر ہے۔

پھر کراچی سے ہم واپس پٹنڈی آئے اور تھکی گاڑوں کاٹیج میں داخل ہو گیا۔
اس کے بعد تھکی میں ایک تبدیلی واقع ہوئی۔ پہلے وہ سارا وقت میرے ساتھ گزارتا تھا۔

اب زیادہ وقت گھر کے باہر گزارنے لگا۔

پیشکش

ایک روز میں نے پوچھا آج کل کہاں رہتے ہو۔

اٹھے کہوں سے پاس ہو جاتا تھا اور پڑائیں حاصل کرتا تھا وہ کہا کرتا تھا ابو احمق نہ تو مطالعہ سے پاس ہوتا ہے نہ محنت سے۔ احمق سوچہ بوجہ کے دور پر پاس ہو تا ہے۔
ایک سال کے بعد مکی میرے پاس آیا کئے گا ابو میں نے سی لائیں کی تیاری مکمل کر لی ہے۔ میں ابھی پڑائیں حاصل کروں گا۔
بڑی خوشی کی بات ہے میں نے کہا۔
لیکن وہ بولا میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔

پوچھو۔

کئے گا کیا یہ ضروری ہے کہ میں سی لیں لی بنوں۔
میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور کہا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم عزت کی نوکری کرو۔

ابو میں سی لیں ہی کی عزت کی نوکری نہیں سمجھتا۔

میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

میں سی لیں ہی بننا نہیں چاہتا وہ بولا۔

تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا میں نے پوچھا۔

اس لیے اس نے جواب دیا کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں محنت سے ہی چراتا ہوں۔ اب فیصلہ آپ پر ہے اگر آپ چاہیں کہ میں سی لیں ہی بنوں تو میں احمق نہ دوں گا اور نہ نہیں۔

میرا ایسا یہ ہے کہ میں نے اپنے بچوں کو یہ خوش فہمی دے رکھا ہے کہ میں وسیع القلب باپ ہوں اور ان کی رضامندی کے بغیر کوئی بات ان پر ٹھوسا پسند نہیں کرتا۔

بسرمل اس روز میرا بی چاہتا تھا کہ فرائز دلی کا وہ ڈھنگ چاک اپ کر کے دوں لیکن مجھ میں جرأت نہ ہوئی۔ میں نے بیٹے پر جبر رکھ کر کسی سے کہا کہ کوئی ان نہیں۔ اگر تم سی لیں ہی کی عزت کی نوکری نہیں سمجھتے تو نہ کسی ٹھیک ہے۔

ان دنوں مکی کی کئی ایک سیلیبھن تھیں یہ نہیں وہ اس کی ہا تھیں دوست تھیں یا محبوبائیں تھیں۔

میں نے ایک دن مکی سے کہا کسی اب تجھے شادی کر لینی ہے مگر ہے کہ تو اپنا جیون

تیمیں میں یک رہا ہے اور ابو کہا ہے کہ پتہ ہی نہیں کہ اس کے جبک میں کچھ ساڑسکس چلا ہوا ہے۔ جو کوڑیوں کے مول بک جائے گا۔ اس زمانے میں مکی نے شہت سے محسوس کیا کہ اس کا باپ ایک غریب آدمی ہے اور وہ ایسی چیزوں کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود مکی کی ایک مٹھیں آگئیں ریکارڈر انیس جینز لکڑی پتیکر۔
پھر ایم اے میں تعلیمات کے پریکٹیکل کے لیے اسے چھ ماہ کے لیے لاہور گورنمنٹ کالج میں جاتا پڑا۔

چھ ماہ وہ اشفاق اور پاؤ کے گھر رہا۔ وہاں اس نے اشفاق سے بہت کچھ سیکھا چونکہ اشفاق کی جملہ قابلیتوں میں مسز کی قابلیت بھی موجود ہے۔ وہ مٹھوں سے کھیلا رہا ہے۔ بڑے پیار سے انہیں ہاتھ لگاتا ہے۔ اپنے بیٹوں سے کہتا ہے 'خالوں اس مٹھی سی جان پر کیوں ظلم کرتے ہو۔ دیکھتے نہیں کہ وہ اتنی سی ہے لیکن اتنا بڑا کام کر رہی ہے۔
پاؤ نے مکی کے گرد مٹا کے ڈھیر کا دیئے اور اسے لت پت کر دیا۔ اشفاق کے گھر نے مکی کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔
پھر وہ گاؤں کالج میں پیکرار ہو گیا۔

سی لیں ہی

انہی دنوں میں نے مکی سے کہا ایک بات پاؤ کے۔
کئے گا کہیے۔

میں نے کہا پہلے وعدہ کرو کہ تم زندگی بھر گورنمنٹ کی نوکری نہیں کرو گے۔

کیوں اس نے پوچھا۔

اگر گورنمنٹ کی نوکری کرتی ہے تو سی لیں ایس ایس کرنا لازم ہو گا سی لیں ایس کے بغیر گورنمنٹ کی نوکری کرنا ہے عزتی ہے۔

اچھا وہ بولا اگر آپ چاہتے ہیں تو میں سی لیں ایس کروں گا۔ اس کے بعد وہ سی لیں ایس کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

مکی کو مطالعہ عاشق نہ تھا لیکن اسے احمق پاس کرنے کا اگر آتا تھا نتیجہ یہ کہ وہ بیسٹ

ملک کا مضر موجود نہیں ہے، محبت کا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کسی روز اگر آپ کے میاں کی آزادی ترقی نظر مجھ پر پڑ گئی تو میں پانگوں کی طرح بازاروں میں گھوم پھر رہا ہوں گا، چڑا سو جا ہو گا، منہ سے دال نکھ رہی ہو گی۔

میں نے یہ سب

ساتھی خود تلاش کرے، مجھے اس کا بیہوش دے باقی میرا کام۔

اس کے کچھ دیر بعد وہ پٹ کپڑی کو گھر لے آیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ ابو اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے ایک دوست سے مل لیں۔

میں نے اس کے

انے کے لیے بھی کچھوں کچھوں گھومنا پڑے گا، ان کھڑکیوں جو شہروں سے دور واقع ہیں، جن پر اسی شہری اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ وہاں جانے والے مقامی لباس پہننا ہو گا اور ٹرک وہاںوں میں قیام کرنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔

آجہ دان عیسی میر ٹیکب کو نرسنگ دیتا رہا۔ ہانڈل کے ایکسپرت کے لیے یہ ایک انوکھی نرسنگ تھی۔

پھر وہ دونوں سندھ، بلوچستان، قباقر، مکران اور بعد کے دور اقلہ گاؤں کی جانب نکل گئے، جس مظلوم پاکستانی پتھر مغرب زدہ شہروں، کلاں، ماب اور جدیدیت کے حملے سے ابھی بچا ہوا اچھا ہے۔ جہاں لوگ ساز و داروں پر لگے لگے لڑ رہے ہو چکے ہیں۔

پتہ نہیں تھی کہ وہاں کیا دیکھنا۔ ہر حال چند ماہوں کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس پر لوگ درخت کا جنون سوار تھا۔ چیکو سلائیہ میں اس کی باگی کا مرکز مطالعہ تھا، اب لوگ ورڈ ہو گیا۔

جہانگیر

تھی کا ایک لنگو تہہ دوست تھا۔ جہانگیر۔

جہانگیر ایک کمزور بچہ تھا۔ بچپن سے ہی اسے لپٹائی لگی ہوئی تھی۔ اس کا بچپن اور جوانی اس بیماری کے خلاف مسلسل جدوجہد میں گزرے تھے۔

جہانگیر والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، اس کے والدین آجپے سے والدین محبت تھی۔ میں نے زندگی بھر اس قدر پیار کرنے والے والدین نہیں دیکھے، جہانگیر سے پیار ان کا واحد مقصد حیات تھا۔ وہ اپنے بچنے کے لیے بڑی قربانی کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

جہانگیر کا والد آری میں مولیٰ تھا۔ لیکن اس زمانہ کی چھاپ نہیں لگی ہوئی تھی۔

اس کی آنکھوں سے ہلاکت کے چھینٹے اڑتے رہتے تھے۔ اور وہ ہر وقت ہذبہ محبت سے بھٹی بلکہ جھلکتی رہتیں۔ اس کے انداز میں ایک عام لڑائی تھی۔ مزاح کی حس تھی اور خدمت کا جذبہ تھا۔

جہانگیر بھی عام نوجوانوں جیسا نہیں تھا۔ اس کی طبیعت میں تین صلاحیتیں نمایاں تھیں۔

رہی۔ بس غلامیں ٹنگا ہوا ہوں اور خود بھی ایک غلام ہوں۔

میر ٹیکب

پھر یہ غلام میر ٹیکب کی آمد پر ہو گیا۔

میر ٹیکب ایک معری نوجوان تھا، خوش شکل، رنگین مزاج، جس کھ۔ وہ یوٹیکو کا ایک ایکسپرت تھا۔ جسے پاکستان کے لوگ گیت اکٹھے کرنے کے لیے یہاں بھیجا تھا۔

یوٹیکو وزارت تعلیم سے اکثر مطالبات کیا کرتی تھی، یوٹیکو کا ذہنیت کے ہوتے تھے اور جنہیں پورا کرنے میں کوئی وقت محسوس نہ ہوتی تھی۔ یوٹیکو کا یوں ایک جیسے چاہتے آوی کو لوگ گیت جمع کرنے کے لیے بھیج دیا ایک غیر معمولی بات تھی۔

وزارت تعلیم کو کیا پتہ کہ گیت کیا ہوتا ہے، سر کیا ہوتی ہے، تل کیا ہوتی۔ میر ٹیکب کی آمد پر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

ہر حال انہوں نے میر کو انٹرکون میں غصا دیا۔ بولے، ہم چند روز میں لوگ گیتوں کا انتظام کر دیں گے، آپ انتظار کریں۔

دیر تک وہ بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ پھر آخر کے باہر نکل گیا۔ کسی سے کہیں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے چاروں کا پتہ نہ دیا۔ میر ٹیکب کو چارے بہت پسند آئے، وہاں مشریت کی جھلک تھی۔ وہ دیکھتے میر ٹیکب بائیں سے گیت ستارہ چٹکائی جاتا رہا۔

پھر کسی نے میر کو بتایا کہ یہ گیت تو چارہ گیت ہیں، لوگ گیت نہیں ہیں۔ اس کا دل ٹوٹ گیا، وہ سیدھا سیکرٹری تعلیم کے پاس پہنچا۔

لوگ ورڈ

الحق سے ان دنوں قدرت اللہ پکڑی تعلیم تھے۔ انہوں نے تھی کو میر کا معلوم مقرر کر

تھی کے میر ٹیکب کو اچھا لگا، بھائی پاکستانی لوگ گیت اکٹھے کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، لوگ گیت بائیں کے چاروں میں نہیں ملتے، نہ ہی آرٹ کونسلوں میں ملتے ہیں۔ انہیں جمع

© Oneurdu.com

مقبول قریشی میرا دلدادہ ہے۔ میری بڑی بیٹی سویرا کی مقبول قریشی سے شادی ہوئی تھی۔

جب اس کی چاہب سے شادی کا پیغام آیا تھا۔ ان دنوں وہ سی۔ اے کی ٹینک حاصل کر رہا

تھا۔ ان دنوں قدرت اللہ شاپ ملک سے باہر تھے۔

میں نے انہیں خط لکھا جس میں مقبول قریشی کے کواٹک درج تھے اور ساتھ ہی ایک نوٹ
کرافٹ لکھوا تھا۔

قدرت اللہ نے جواب دیا کہ میں نے مقبول قریشی کو غور سے دیکھا ہے۔ لگتا ہے کہ وہ اچھا
آدمی ہے اور انشاء اللہ موزوں رہے گا۔ آپ معاملہ اللہ پر چھوڑیں اور مقبول قریشی کا پیغام منظر
کر لیں۔

مقبول قریشی ایک خوش مزاج خوش پوش نوجوان تھا۔ اس میں مزاج کی حس موجود تھی
لیکن بنیادی طور پر وہ ایک عقیدہ اور عقیدہ نوجوان تھا۔ سواٹ روپیہ کو بچانے کرتا تھا۔

انکوائٹس میں ہونے کی وجہ سے وہ جذباتی روپیہ کا قائل نہ تھا۔ وہ بڑی صریحی کو بچانے
کرتا تھا۔

مقبول قریشی عام طور سے خواب نہیں دیکھا کرتا تھا۔

نہ چاہتے تھے نہ سوتے تھے۔

ایک روز وہ سخت گھبرایا ہوا میرے پاس آیا۔ کہنے لگا میں نے ایک عجیب سا خواب دیکھا
ہے۔ عام طور پر مجھے خواب نہیں آتے۔ کبھی کبھار آتے بھی تو وہ بامعنی نہیں ہوتے۔

کنفیوزڈ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ خواب بالکل واضح تھا۔

میں نے پوچھا کیا دیکھا تم نے۔

بولاد۔ دیکھا ہوں کہ ایک بہت بڑا جھوم ہے۔ وہ سب کسی تقریب پر جا رہے ہیں۔ ان میں

بڑا جوش و خروش ہے۔ میں بھی اس جھوم میں شامل ہو جاتا ہوں۔

ہم در یک چلتے رہتے ہیں۔

آخر ہم ایک بہت بڑے عظیم الشان قلعے میں پہنچتے ہیں۔ قلعے کے اندر داخل ہوتے ہیں

ایک بہت بڑے ہائی کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ سامنے ایک اونچا

سیج بٹا ہوا ہے۔ اس پر ایک تخت بچھا ہوا ہے۔

میں کوئوں سے پوچھتا ہوں 'یہاں کوئی تقریب ہو رہی ہے۔

وہ کہتے ہیں 'تم دیکھ نہیں رہے سامنے تخت بچھا ہے۔

یہاں تاج پوشی ہوگی۔

اس کی تاج پوشی۔

وہ جواب دیتے ہیں۔ جن کی تاج پوشی ہوئی ہے۔ وہ ابھی نہیں آئے

اتنے میں پہنچ پر ایک شخص نمودار ہوتا ہے۔

یہ کون ہے 'میں نے ان سے پوچھتا ہوں۔

یہ اس تقریب کا ناظم ہے وہ جواب دیتے ہیں۔ یہ آنے والے بادشاہ آگاہ پرتانے گا۔

پھر وہیں دیکھا ہوں تو ناظم نے دونوں ہاتھوں میں تاج اٹھا رکھا ہے۔ اوسے

سے میری چٹخ نکل جاتی ہے۔ یہ تو قدرت اللہ شاپ ہے۔ ساتھ نہایت آنکھ کھل جاتی

بڑا عجیب و غریب خواب ہے۔ میں نے کہا۔

ایسا خواب مجھے کبھی نہیں آیا۔ مقبول نے کہا۔

تم قدرت اللہ کے حلق سوچتے رہتے ہو گے 'میں نے کہا۔

قلعی نہیں 'وہ بولا۔ میں نے ان کے بارے میں کبھی نہیں سنا تھا۔ میں انہیں سرسری طور

جانتا ہوں۔

دوسری شادی

شہزاد کی وفات کے بعد میں دوسری شادی کرنے کے حق میں نہ تھا۔ مجھے کثرت ازدواج سے نفرت تھی، چونکہ میری زندگی والد صاحب کی کثرت ازدواج کی وجہ سے تباہ ہو چکی تھی۔

ابن نے مجھے دوسری شادی کرنے پر مجب کر دیا تھا۔

ابن کہتی تھی۔ دیکھو ممتاز بے شک اپنے لیے دوسری شادی نہ کرو، لیکن اس بچے کی طرف دیکھو۔ کیا بچہ اکیلا تنہا لاوارث دنیا گزارے گا اسے مگر نصیب نہ ہو گا۔ مجھ پر بھروسہ نہ کرو، میں تو جانے والی ہوں۔ قہر بڑا نہیں لٹکائے بیٹھی ہوں۔ اس بچے پر رحم کرو۔

شادی سے پہلے میں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ جس روز میری بیوی نے نکاح سے بدسلوکی کی، اسی روز میں علیحدگی اختیار کر لوں گا۔ میری بیوی اقبال بیگم کا پر مجھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے گھر میں سوسیلے پن احساس تک نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ جب اس کی اپنی بیٹیاں بڑی ہو گئیں تو ایک دن اس کو خودی میں میرے منہ سے نکل گیا کہ جب نکاح کی بات فوت ہوئی تو۔

ٹریکیں یہ سن کر حیران رہ گئیں۔ دادا سے پوچھنے لگیں۔ کیا نکاح ہمارا بچہ بھائی نہیں ہے۔ جب انہیں حقیقت حال کا پتہ چلا تو وہ ان روٹی رہیں۔

میں خوف زدہ تھا کہ دوسری شادی مجھ پر ایسے اثرات پیدا نہ کرے جو والد صاحب کی دوسری شادی نے مجھ پر کیے تھے۔ میری زبان کے دھارے کا رخ ہی بدل دیا تھا۔

ابا کی دوسری شادی کے بعد دفعتاً میں اپنے ہی گھر کی نوکرانی بنادی گئی تھی۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب میں وصال سال کا قادیب میں نے ہوش سنبھالا تو میں ایک نوکرانی کا بیٹا تھا۔ گھر میرا اپنا گھر نہ تھا۔ لہذا گھر مجھے کبھی نہیں نہ ہوا۔

دوسری امی نے ہم سے بڑی بدسلوکی کی۔ جس کی وجہ سے احساس کتبی میرے بندہ نہ میں رنج گیل۔

میری دوسری امی سالکوت کی شیار تھیں۔ بڑی خوبصورت عورت تھی۔ وہ میری آئیڈیل بن گئی۔ اس لیے عورت کے ساتھ میرا دل (LOVE HATE) تعلق قائم ہو گیا۔

اپنے بے گانے

برصغیر کی تقسیم کے وقت پاکستان اور بھارت کے درمیان بلوچستان لائن مقرر کرنے میں بڑی بے انصافی کی گئی تھی۔

ضلع گورداسپور جو مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ تھا، بھارت میں شامل کر دیا گیا تھا۔ جاناں کے مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔

منہیں محلے میں رہنے والے عزیز و اقارب اور برادری کے تمام لوگ پاکستان میں چلے ڈھونڈنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ قافلے کی صورت میں پاکستان پہنچے تھے۔ کچھ راستے میں شہید کر دیئے گئے جو پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوئے وہ جگہ جگہ بکھر گئے۔

ہمارے چند ایک قریبی عزیز لاہور میں مقیم ہو گئے۔

جب نکاحی اور میں پاکستان میں پہنچے تو ہماری حیثیت لاوارثوں کی تھی۔ رشتے وادوں سے میل ملاپ کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ کوئی ہمیں منہ لگانے کے لیے تیار نہ تھا۔ ہم ان کے دل میرے خلاف غم و غصہ اور نفارت کے چند بلب سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے ملنے کے دواوا نہ تھے۔ چند ایک جو ملے تھے بہت تھکے رہتے۔ چوری چوری ملنے لگے تاکہ کسی کو پتہ نہ چل

کے شاعر لیب فن کار اور دانش ور سوار تھے۔

مجھے والد صاحب کی وفات کی خبر گاڑی میں ملی تھی، لیکن میں نے اپنی نہاداری رکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں کرائس کا آدمی نہیں ہوں۔ کرائس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بھاگ جانا ہوں۔ دوسرے میں نہیں چاہتا تھا کہ لوگ یہ کہیں کہ باپ کی وفات کے بعد بڑا بن کر آجینا ہے۔

امجد مفتی، مسلمان مفتی

وفات سے پہلے والد صاحب نے ایک دن مجھے پاس بٹھا کر بڑی سنجیدگی سے کہا تھا ممتاز میری ایک بات مان لو۔ تم باقی بہن بھائیوں سے تعلق رکھو یا نہ رکھو یہ تمہاری مرضی ہے۔ لیکن امجد سے ضرور تعلق قائم رکھنا۔ وہ بڑا اچھا لڑکا ہے۔

سارے بہن بھائیوں میں امجد واحد بیٹا تھا جس نے اپنے عہد کی قربانی کی تھی۔ اس بات پر مجھے خوشی محسوس ہوتی تھی کہ لہذا امجد سے محبت کرنے کے لیکن ان کی محبت کا انداز مجھے پسند نہ تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے وہ امجد کو اپنا بچہ سمجھتا رہا ہے۔

دو اسے اپنے بیٹا بنا رہے تھے۔ اس کی صلاحیتوں کو اپنے سانچے میں ڈال رہے تھے۔

اس پر میں نے کئی بار احتجاج بھی کیا تھا۔

میں کہتا تھا۔ اب امجد نے اپنے دور میں زندگی بسر کرنا ہے۔ اسے جدید کے مطابق تربیت دیجئے۔ اسے اپنی کاروبار بنانی نہ پڑے۔ ایسا کرنے میں لاپرواہی کا رنگ ہے۔

اس بات پر لہذا مجھ سے متعلق نہ تھے۔

امجد ہر بات میں اپنی بات کی بات مانتا تھا۔ میرے خیالات اس کے لئے اہل قبول نہ تھے۔

پھر اس کی شادی کی بات چل نکلی۔

ابا چاہتے تھے کہ امجد کی شادی اپنے رشتے داروں میں کریں۔

مجھے یہ بات پسند نہ تھی۔ اس لیے کہ ابا کے رشتے دار دور دریدہ سے اس پر بے گانہ تھے۔

جب امجد کی شادی کی بات طے ہو رہی تھی تو میں ابا سے جا کر ملا۔ ابا نے کہا ابا اللہ کے واسطے امجد کی شادی اپنے رشتے داروں میں نہ کریں۔

میری بیٹی بھڑکتی پریس (SUPPRESS) ہو کر رہ گئی۔

میرے دل میں قادر ہو سنبلیلی کا بندھ کر گر گیا۔

یہ تمام بھڑکتی وحشت کرتے تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ میری ساری زندگی میں جس کا زہر حمل گیا۔ یہ تھکات میں علی پر کے ایل

میں قلم بند کر چکا ہوں۔ یہاں صرف حوالے کے طور پر انہیں دہرانے پر مجبور ہوں۔

والد صاحب

میری دوسری اہلی کی حکومت نو دس سال چلی۔ اس کے گھر کوئی بچہ نہ ہوا۔ اور وہ وفات پا گئیں۔

اس کے بعد والد صاحب نے دو اور شادی کیں۔ اس وقت میں دسویں پاس کر چکا تھا۔ ان

شادیوں کا مجھ پر کوئی خاص اثر مرتب نہ ہوا۔ پھر یہ بھی ہے کہ میری تیسری اور چوتھی والدہ کے

بچوں سے خوش گوار تعلقات رہے۔

والد صاحب بھی میری جانب مہلت رہے۔ لیکن اس کے باوجود میں ان کے گھر کو اپنا نہ

سمجھ سکا۔

اس گھر پر بیچ بگلی کی مرگ جکی تھی وہ جوں کی توں قائم تھی۔

والد صاحب سے میں نے زندگی بھر اچھا سلوک نہ کیا۔ اب سوچتا ہوں تو مجھ پر شرمندگی

طاری ہو جاتی ہے کہ والد صاحب کی جو جو باتیں مجھے نا پسند تھیں، لہذا میرے بعد وہ اب

عالمیں ایک ایک کر کے مجھ میں پیدا ہوئی گئیں اور میری کوششوں کے باوجود تقویت پاتی گئیں۔

چونکہ والد صاحب کے گھر کو گھر نہ سمجھا اس لیے اس کے افراد خانہ کو بھی نہ اپنا لیا۔ بھائی

بھنوں کو بیگنے سمجھا۔

تیسری والدہ سے میری دو بیٹیاں تھیں۔ کشور اور انور۔

چوتھی والدہ سے تین بھائی تھے۔ امجد، ارشد اور سلمان۔

۱۹۶۶ء میں جب میرے والد فوت ہوئے تو اس وقت میں اس سیشن گاڑی میں سوار تھا، جو

صدر ایوب کو حصار ف کرانے کے لیے کراچی سے پشاور تک چلائی گئی تھی اور جس میں ملک بھر

کرامت کی رنڈا منٹ کے بعد اس کی بیوی نے اس سے اچھا سلوک نہ کیا اور وہ باطرح دربر ہوا۔ آخری ایام میں وہ اپنے بیٹے کے پاس آگیا۔ بدروہائی فوج میں اونچے عہدے پر فائز تھا اور لالہ دار راولپنڈی میں مقیم تھا۔ میں کرامت کو ملنے جایا کرتا تھا۔ چونکہ میرا لنگو بیہ تھا۔ میں اکثر اسے کہتا تھا کہ کرامت تیری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ تو سب کو پرا دیتا ہے۔ سرگت اور چائے پتا دیتا ہے۔ شراب کی بندش ہو چکی ہے۔ اب تو کسرا یہ پر زندگی سے چٹا ہوا ہے۔ اب بس کر معافی دے اور رخصت ہو۔

جواب میں وہ مسکرا کر آگتا ممتاز تو مجھ سے چھ ماہ بڑا ہے۔

عرصہ درواز تک ہماری نوک جھونک چلتی رہی۔

پھر ایک روز وہ رخصت ہو گیا۔

میں نے میت کے بھن میں کہا کیوں ہے تو تو کتا تھا میں تجھ سے چھ ماہ مینے بڑا ہی اب بول۔

مجھے جھوس ہوا جیسے اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں کھل گئے۔ اس مسکراہٹ میں بی بی جی تھی۔

ڈاکٹر اہلت مفتی اپنے باپ پر گیا تھا۔ اس کا باپ مبارک علی ہمارے محلے میں واحد برگ تھا۔ آخری ایام اس نے مسلسل عہدات اور تزکیہ میں گزارے تھے۔

میں اسے دیکھ کر حیران ہوا کہ آقا تھا۔ اکثر اہل سے کہتا اہل یہ حیرا بھائی کیسا افسانہ ہے۔ بالکل بے چارہ ہے۔ جیسے پانی ہو۔ اسے گھاس میں ڈال لو یا کنورے میں۔

ڈاکٹر اہلت بھی اپنے باپ کی طرح بڑا عہدات گزارا تھا۔ بڑا بڑا فنی۔ اس کا کراہیے کی طرح روشن تھا لیکن اس دیکھتے تھے اندھا آقا بھر میں وہ چڑھانے بھونٹ رہا تھا۔

میں اسے دو ایک بار قدرت اللہ کے پاس لے گیا تھا۔

میں قدرت سے کہا کہ یہ کیا گورکھ دھندلا ہے؟ شخص جو گرد و پیش کو دھندلا اور خدمت سے روشن کیے رکھتا ہے اس کے اپنے گھر میں کیوں اندھا رہا ہے۔

جس کا مسلک لوگوں کو تسکین دیکھتا ہو۔ وہ خود کیوں ہے جین رہے۔ کیوں اضطراب زدہ رہے۔

جیسے کیوں اضطراب ہے؟ ہائے کہا وہ لوگ میری بہت عزت کرتے ہیں۔

میں نے کہا کیا ابھد کی شادی آپ اس لیے کر رہے ہیں کہ آپ کی عزت بڑھے۔ یہ تو انا پسندی ہوئی آپ کو چاہیے کہ ابھد کی شادی ایسی جگہ کریں جو اس کی زندگی کے لیے باٹ خوشی ہو۔

آپ اس کی شادی کسی تعلیم یافتہ لڑکی سے کریں۔ کسی ملازم گھرانے میں کریں۔

کسی ملازم گھرانے میں رشتہ کرنا مجھے منظور نہیں انہوں نے کہا۔

اب سے بائیس ہو کر میں نے ابھد کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن ابھد نے میری بات کو اہیت نہ دی۔ انا اس نے سمجھا کہ میں اس کی شادی میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

ابا کی وفات کے بعد ابھد نے اپنا رنگ انقلاب اس کی شخصیت میں اتنی مثبت خصوصیات پیدا ہو گئیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

اس میں فنا کا وصف اس شدت سے پیدا ہوا کہ اس نے ہر شخص کی خدمت کرنے کو اپنا شعار بنا لیا۔ ابھد کے جھ پر بڑے احسانات ہیں۔ اس نے زندگی بھر مجھ سے محبت کی ہے۔

سلمان مفتی بچپن میں ہی پولیو کا شکار ہو گیا تھا۔ ۱۹۸۵ میں سلمان فوت ہو گیا۔ میری طبیبی فطرت کی وجہ سے میں نے میرا رابطہ نوٹ کیا۔

حکایت کرامت اہلت

بھائی بہنوں کے ہیں۔ میرے کزن تھے۔ ماہوں دار۔ پھوپھی زلو اور خالہ زلو۔

سب سے زیادہ زلو رابطہ ماہوں زلو بھائیوں سے تھے۔ وہ میرے دوست بھی تھے اور رشتہ دار بھی۔

تقسیم کے بعد حکمت لاہور آگیا تھا۔ کرامت ریلوے میں ملازم تھا اور ان دنوں ملتان میں متعین تھا۔ اہلت جو ڈاکٹر بن چکا تھا وہ فیصل آباد میں مقیم ہو گیا تھا۔

مکے میں مقیم ہونے کے باوجود میرے کزن میرے ساتھ رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے۔

پھر حکمت پر اللہ آپڑی۔ اسے جوڑوں کا عارضہ لاحق ہو گیا اور وہ معذور ہو کر صاحب فراش ہو

©Oneurdu.com

میں ہر ایک کو سب سے زیادہ ہے۔ میں جواب دیتا۔

ہر ہم ایک تاریخ مقرر کر لیتے۔

اور اہل آنکھ دن پہلے ریلے پلٹ فارم پر جائیں۔

تو رت مجھے کتہ میں بھی نہیں سمجھ پاتا کہ یہ کیا گورکھ دندا ہے۔

ایسا ہونا نہیں چاہیے مگر ایسا ہوتا ہے جو کچھ ہانتا ہے خود کسی نہیں دیتا بلکہ یوں کہنا

کئے گی، ممتاز تو نے سارے رشتے داروں سے جملہ تو لیا ہے۔

میں نے کہا، نہیں لیں، میں نے نہیں توڑا۔ ٹوٹ گیا ہے۔

چاہے کچھ بھی ہے، وہ بولی فریہ سے تعلق نہ توڑا۔ میرے لیے۔

فریہ میری، بشیرہ کی بیٹی ہے۔

فریہ سے تعلقات قائم رکھنا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ اس لیے کہ فریہ میں وہ تمام عیب موجود ہیں۔ جو مجھ میں ہیں۔ مثلاً، میری طرح وہ ایک ہڈی لڑکی ہے۔ میری طرح اس کے ہڈیات کا شیرہ بڑا گاڑھا ہے۔ میری طرح وہ بھی فیمل ہے۔ اس کا قصہ بھی بھڑبھڑا ہے۔ میری طرح وہ بھی منہ پٹ ہے۔ میری طرح وہ بھی ایکسپریز پاؤں رکھ کر زندگی گزار رہی ہے۔ میری طرح اس کی بریک بھی کام نہیں کرتی۔

میں نے کتنے ہی ایک جیسے پرغصہ ایک ہی درخت پر بیٹھ جاتے ہیں۔ انسان کی بات اور ہے۔ ایک جیسی خواہشات کے لوگ تو مل بیٹھے ہیں لیکن ایک جیسے اوصاف کے لوگ مل بیٹھ نہیں سکتے۔ سرحال میں اور فریہ، لیڈ لائی ایام میں لڑاؤ اور جھگڑا جھگڑا کر تک گئے تو مل بیٹھے ہیں۔ فریہ نے میری بڑی عزت کی ہے۔

پھر فریہ کے میاں ہیں پرغصہ نڈر احمد۔

نڈر احمد حقیق اور تنقید کے آدمی ہیں۔ وہ CREATIVE CRITICISM کے قائل ہیں اور اس قدر عقلی لکھتے ہیں کہ ہماری خبروں میں بعد االشرقین ہے۔ اس کے باوجود میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں ان کا مداح ہوں۔

لطیف، منظر مفتی

پھر میری پوجی زاکرن لطیف تھی۔ وہ بڑی بارغ و بہار خاتون تھی۔ لطیف نے مجھ سے بہت محبت کی۔ ہم دونوں یوں اکٹھے رہتے تھے، جیسے لگو ہے ہوں۔

لطیف، شہزاد کی پڑوسی تھی۔ دراصل وہ دونوں ایک ہی مکان میں رہتی تھیں۔ درمیان میں کوئی دواغ نہ تھی۔ اسے علم تھا کہ میں شہزاد کے گرد کیوں پیچھے لیتا رہتا ہوں، لیکن اس نے کبھی مجھے ٹوکنا نہ تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بات اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ ٹوکنا بیکار ہے۔ اس

وہ ایک بہت دوست تھی۔

لطیف ایک بڑی دھکی خاتون تھی۔

اس کا میں جو میرا غلط زانو تھا، ایک ڈاکٹر تھا۔ اسے مغربی طریق زندگی اس قدر پسند آ گیا کہ وہ شادی کے دو ایک سال بعد مگر چھوڑ کر چلا گیا۔ بس لطیف کا ساگ، دو ایک سال قائم رہا۔ پھر اس پر زندگی بھر کی تعلق مسئلہ کر دی گئی۔

میاں جانے سے پہلے اسے اپنی نکلی کے طور پر ایک بیٹا دے گیا۔ زندگی بھر منظر مفتی میں کا واحد سہارا رہا۔

بچپن میں مغرب شہزاد اور میرا راز دان اور پیچھے بردار تھا۔ بڑا ہو کر وہ میرا دوست بن گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ بے تو جی اور علیحدگی کے باوجود وہ بچہ منظر کا آئینہ مل رہا۔ ۱۹۷۳ء میں منظر کا باپ دہلی کا ہائیڈ آفیسر تھا، لکھنؤ کے دوران وہ پھانسیج میں اپنی ڈیوٹی ادا کرتے کیا تو بند ہو جائیں گے اسے شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ایسی دردنگی کا غماز تھا کہ گاندھی نے خود اعلان ہمدردی کیا۔ منظر جان ہوا تو وہ بھی باپ کی طرح انگریز تھا۔ اس میں بڑی ملاحظتیں تھیں، مگر وہ بڑے کار نہ آ سکیں، سرحال منظر نے مجھ سے بڑی محبت کی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے متاثر رہے۔

تمکینہ، صبا مفتی

دیے تو شہزاد کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔

لیکن ہم دونوں کی محبت کی وجہ سے ان کی زندگیوں ایک الیہ میں بدل گئیں۔

انوار سے پہلے میں نے شہزاد کو بہت سیکھا تھا کہ بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں لیکن وہ نہ لائی۔

میں نے کہا، دیکھ جلی مشکلات ہوں گی جنہیں بچے برداشت نہیں کر سکیں گے۔

آخر میں فیصلہ ہوا کہ بچے، بچے نہیں جو ان ہیں، اپنا اچھا برا بیکھتے ہیں۔ لہذا ان سے پوچھ لیا جائے۔

بچوں نے ایک زبان ہو کر کہا ہم میں کے ساتھ رہیں گے چاہے کچھ بھی ہو۔

© Oneurdu.com

پھر ایسے حالات پیش آئے کہ بچے دل گئے۔

شہزاد کا بیٹا قیس بڑی صلاحیتوں کا مالک تھا لیکن اس میں بے پرواہی تھی۔ آوارگی تھی جب میں راولپنڈی پہنچا تو شہزاد کی سب سے چھوٹی بیٹی نمکینہ کامیاب پنڈی میں ملازم تھا۔

نمکینہ کی شادی بہت چھوٹی عمر میں کر دی گئی تھی۔

نمکینہ کامیاب مجھے پسند نہیں کرتا تھا وہ مجھ سے کیل میل آپ رکنا نہیں چاہتا تھا۔

اس لیے نمکینہ چوری چوری مجھ سے ملتی تھی۔

نمکینہ کو مجھ سے بڑی محبت تھی۔

کئی ایک سال ہم چوری ملتے رہے، پھر وہ بندش ٹوٹ گئی۔ جب نمکینہ کے بچے جون ہو گئے تو وہ مجھ سے ملائیے لے گئے۔ اس کا بیٹا مباح مفتی پیش پیش تھا۔

آخری ایام میں میرے رشتے داروں نے صدق دل سے مجھے معاف کر دیا۔ لیکن وہ عجیب جو قائم ہو چکی تھی نہ گئی۔

رفیق و ہرو

رفیق و ہرو دو واحد رشتہ دار تھا جس نے ہم سے زندگی بھر رابطہ قائم رکھا۔

رفیق اقبال بیگم کا بھائی تھا۔

اقبال بیگم کے تین بھائی تھے۔ عبدالغفور، عبدالجبار اور عبدالرفیق۔

عبدالغفور جہلم میں مقیم ہو گیا تھا۔ عبدالجبار نے تحصیل علم کے بعد فوج میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔

تقسیم کے بعد اٹلن آباد کے شیخ کراچی مراعت کر گئے تھے اور انہوں نے موٹر پارش بزنس کو اپنا لیا تھا۔ چونکہ کاروباری اہلیت پڑی میں رہتی ہوئی تھی اس لیے بہت جلد انہوں نے موٹر پارش بزنس میں ایک مقام پیدا کر لیا۔

اقبال بیگم کے والد یوسف دہرو تقسیم سے پہلے جہلی بند میں بیجمری میں جھکے داری کا کام کرتے تھے۔

تقسیم کے بعد یوسف دہرو بھی اپنے بیٹے عبدالرفیق کو ساتھ لے کر کراچی چلے گئے۔



میرزا اسف علی خان



میرزا حسین (شہاب کا بھائی)



میرزا اسف علی (قدرت اللہ کا بھائی)

آج پشہ ہونے کے باوجود دیانت دار آدمی تھے۔ کراچی میں کھیلانی نام کرنے کے
 لیے ہر حربے استعمال کیے جاتے تھے وہ یاسف وہوہ کے لیے قاتل قبول نہ تھے، بچے رفیق کو
 اور وار جانے کے لیے راولپنڈی آنا پڑا یوں ہمارا رابطہ قائم رہا۔
 رفیق میرا سلا بھی تھا دوست بھی اور بھائی بھی۔
 ان کے وقت وہ ہمیں سارا دیا تھا۔
 عام حالات میں وہ میرا ساتھی تھا۔



ممتاز مفتی، پروین عافت، موی ہستہ (الندن)



ممتاز مفتی، گلن، نجمینہ، نسکی، والدہ نجمینہ

وہاں پہنچنے کے اظہار دی کہ وہ لاہور سے پنڈی پہنچ رہی ہے۔ ڈاکٹر عفت اپنے عزیز
 بھائی لاہور گئی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا چلو میں بھی عفت سے مل آؤں۔ اس لیے اپنا
 کپڑا پہنے کر میں ایئر پورٹ پہنچ گیا۔ جہاز لیٹ تھا اس لیے میں ایئر پورٹ کی کنٹین میں
 بیٹھا۔ اس زمانے میں ایئر پورٹ کی کنٹین ایئر پورٹ سے ملحقہ ایک عمارت میں تھی۔
 پچھ درے کے بعد شباب کی بھینہ اور بچے کنٹین میں داخل ہوئے۔ ان کے رنگ اڑ
 گئے تھے۔ سانس گویا اکھڑے ہوئے تھے۔ وہ انتہائی خوف زدہ کیفیت میں تھے۔
 گویا کہا ہوا میں نے نہ سمجھا۔

محمد ہد

یہ نہیں ہیں مجھ میں قدرت اللہ سے بہت کرنے کی ہمت نہ پائی۔
پھر امین صاحب اٹھے اور قدرت اللہ کے سامنے جاکر بے ہوشے اور تشدد بھرے ہنسنے سے
چلا گئے۔

وہی ڈاؤن ڈاؤن۔ وہی۔ وہی بچ و راز ڈرک۔ قدرت اللہ کا سر جھکا ہوا تھا وہ ڈائینگ
نیشنل پر نظرس ہائے بیٹا رہا۔

امین نے پھر اسے لٹکا کر جواب دیا۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔

قدرت اللہ نے سر اٹھایا اور امین کی طرف بڑی معذرت اور بے بسی سے ہنسنے لگا پاندھ کر
دیکھنا شروع کر دیا۔

پھر اس کی دائیں آنکھ سے ایک آنسو اٹھکا اور گل پر رک گیا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ
وہی نشہ ہے۔ وہی پرانی آکسیسی۔ جس میں چٹکن عمل میں آتی تھی۔ کیا پابینڈ کے چاہدے
میں وجدان میں اس قدر شدت پیدا ہو سکتی تھی۔

قدرت اللہ ایک تن خلد آیا اور قہار گھر میں عفت کے سوائے کوئی نہیں چاہتا تھا۔ کوئی
اس کی کیفیات سے واقف نہ تھا۔ ہشیوہ نہ ہونی نہ ان کے بچے۔ دفتر میں کسی کو۔ انہ قہار کہ یہ
فرض صاحب کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔

محمد امین

عفت کی پوزیشن بھی بڑی میٹرمی تھی۔ وہ جانی تو تھی، لیکن تھلے پڑ پانی تھی۔ نہ گھر
والوں کو تا سکتی تھی نہ میاں سے کھل کر بہت کر سکتی تھی۔

قدرت کا بہنوئی تنہی کی قہار وہ ایک صراط مستقیم فی فرد قہار ٹیک دل تھا۔ خلی قہار
نہجی قہار۔ پنڈائی قہار شدت کا بار ہوا قہار۔ اور بے حد فسیل قہار وہ خود جھوٹ بولنے سے گریز
کرتا قہار۔ جھوٹ بولنے والے کو سخت چپنہ کرتا قہار۔ منہ پست قہار۔ اصولوں کا پابند قہار۔ پکا
مسلط قہار۔ صوم صلوٰۃ کا پابند قہار۔ دفتر میں وہ اپنی دوائے کا بڑا انکار کرتا قہار کسی قسم سے
فیورزم کو گوارا نہ کرتا قہار۔ حکومت کے اکاؤنٹس بھی اگر اصول و قانون سے بہت کر ہوتے تو وہ
ان کی قہیل سے بڑا انکار کرتا قہار۔

حاجی عبدالعزیز

ایک روز قدرت کئے لکھنوی صاحب میں چار ایک دن کے لیے لاہور جا رہا ہوں۔ اگر آپ
کو فرصت ہو تو آپ بھی چلیے۔

آپ دوسرے پر جا رہے ہیں کیل میں نے پوچھا۔

نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ ایک ذاتی کام ہے۔

کوئی چھوڑ رہے کیل۔

وہ مسکرایا۔ چھوڑیں تو ختم ہو گئیں۔ پابینڈ میں ایک کرم نوازی یہ ہوئی کہ چھوڑیں ختم ہو
گئیں۔

تو پھر لاہور میں کوئی سزا ذاتی کام ہے۔ میں نے پوچھا۔

ایک بزرگ سے ملتا ہے۔ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ چلیے آپ بھی مل لیجیے۔ دراصل عفت
کے ایک چٹکی دیرینہ خواہش ہے کہ حاجی صاحب انہیں بیٹ سے لیے قبول کر لیں۔

آپ کی سفارش مان لیں گے کیا؟

نہیں نہیں وہ گھبرا کر بولا۔ وہ تو بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میری کیا حیثیت ہے کہ سفارش
کروں۔ آپ کے دوست فقور صاحب ایڈووکیٹ ہیں نا وہ بھی خواہش مند ہیں کہ حاجی صاحب
انہیں بیٹ کر لیں۔

دھن۔ میرے ذہن میں حاجی صاحب کی بیٹائی کا احساس اچانک ہوا۔ اچھا۔ اتنے بڑے ہیں
وہ میں نے پوچھا۔

۸۸۵ کے گھر میں حاجی صاحب نے شرکت کی تھی اس وقت وہ نوجوان تھے۔ اب ان
کی عمر ۳۰ کے قریب ہو گئی۔

بیٹائی بالکل ٹھیک ہے۔ دانت دوبارہ اگے ہیں بل سفید ہو کر دوبارہ کالے ہو گئے ہیں۔ ۵۵
بغ کر چکے ہیں۔ اب ۵۵ ویں بچ پر جا رہے ہیں۔

یہ کوانٹن سن کر میرے ذہن کا لیوڈ اڑ گیا۔

اپنے بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے پوچھا۔
جناب مہاجر کی کی نسبت ہیں؟ وہ بولا۔ مہاجر کی صاحب بہت بڑے بزرگ تھے۔ ۱۸۵۷ء

کے فدر میں انہوں نے ہندوستان میں پہلی اسلامی ریاست قائم کی تھی۔ جو چند ماہ چلی، پھر
انگریزوں نے اسکو اور کلک حاصل کر لی اور اس اسلامی ریاست کو تخریب کر لیا۔
کہتے ہیں قدرت اللہ نے کہا کہ اس وقت جناب مہاجر کی کو ایک مجذوب مست نے خبر دی
تھی کہ تمہارے خواب کی تعبیر آج سے نوے سال کے بعد نکلے گی۔

اچھا پھر میں نے پوچھا۔
انگریزوں نے مہاجر کی صاحب کو قید کر لیا۔ قدرت نے کہا لیکن ایک روز انہوں نے دیکھا
کہ جیل کے تمام دروازے کھلے ہیں۔ اس لیے جیل سے باہر نکل آئے اور سیدھے کراچی کی
طرف پیدل چل پڑے۔ بیٹھوں پہلے پھر جہاز میں سوار ہو کر مکہ کمرہ پہنچے اور پائی زندگی
وہیں بسر کی اسی وجہ سے انہیں مہاجر کی کہتے ہیں۔

یہ حلقی صاحب مہاجر کی صاحب کے مرید ہیں؟ میں نے پوچھا۔
ہاں، شہاب نے جواب دیا۔ ان کے چار مرید تھے صرف حلقی صاحب پیچیدہ حیات ہیں۔
حلقی عبدالمعبود کے کو انک جان کر میں بے حد متاثر ہوا اس لیے قدرت اللہ کے ساتھ
لاہور چلا گیا۔ شہاب نے مجھے بتایا کہ حلقی صاحب چھوٹی میں انگلیں روڈ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔
انگلیں روڈ پر غنت کے عزیزوں کی بہت بڑی کوٹھی تھی۔ جو اب خستہ حالت میں تھی۔
صرف دو ایک کمروں میں رہا کرتی تھی۔

ساری کوٹھی ویران پڑی تھی۔ آباد کمروں میں دو ایک خستہ حال بوڑھی خواتین بیٹھی ہوئی
تھیں۔
شہاب نے پوچھا وہ بزرگ کہاں ہیں۔
ایک خانقہ نے جواب دیا۔ وہاں جہاں کمرے میں ہیں۔ دو ایک بار آپ کا پوچھ بیٹھے ہیں۔

UrduPhoto.com
حاضر یازیارت
UrduPhoto.com

ہاں کرا بڑا غل اور اندھیرا تھا۔ اس کے ایک پرے سرے پر چار پائی بچھی ہوئی تھی۔
اپنے بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے پوچھا۔
جناب مہاجر کی کی نسبت ہیں؟ وہ بولا۔ مہاجر کی صاحب بہت بڑے بزرگ تھے۔ ۱۸۵۷ء

کے فدر میں انہوں نے ہندوستان میں پہلی اسلامی ریاست قائم کی تھی۔ جو چند ماہ چلی، پھر
انگریزوں نے اسکو اور کلک حاصل کر لی اور اس اسلامی ریاست کو تخریب کر لیا۔
کہتے ہیں قدرت اللہ نے کہا کہ اس وقت جناب مہاجر کی کو ایک مجذوب مست نے خبر دی
تھی کہ تمہارے خواب کی تعبیر آج سے نوے سال کے بعد نکلے گی۔

اچھا پھر میں نے پوچھا۔
انگریزوں نے مہاجر کی صاحب کو قید کر لیا۔ قدرت نے کہا لیکن ایک روز انہوں نے دیکھا
کہ جیل کے تمام دروازے کھلے ہیں۔ اس لیے جیل سے باہر نکل آئے اور سیدھے کراچی کی
طرف پیدل چل پڑے۔ بیٹھوں پہلے پھر جہاز میں سوار ہو کر مکہ کمرہ پہنچے اور پائی زندگی
وہیں بسر کی اسی وجہ سے انہیں مہاجر کی کہتے ہیں۔

یہ حلقی صاحب مہاجر کی صاحب کے مرید ہیں؟ میں نے پوچھا۔
ہاں، شہاب نے جواب دیا۔ ان کے چار مرید تھے صرف حلقی صاحب پیچیدہ حیات ہیں۔
حلقی عبدالمعبود کے کو انک جان کر میں بے حد متاثر ہوا اس لیے قدرت اللہ کے ساتھ
لاہور چلا گیا۔ شہاب نے مجھے بتایا کہ حلقی صاحب چھوٹی میں انگلیں روڈ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔
انگلیں روڈ پر غنت کے عزیزوں کی بہت بڑی کوٹھی تھی۔ جو اب خستہ حالت میں تھی۔
صرف دو ایک کمروں میں رہا کرتی تھی۔

قدرت اللہ نے مجھے اشارہ کیا کہ ہمارے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔

شپ ہوائے

قدرت نے کار کا دروازہ کھولا اور آگلی سیٹ پر حاجی صاحب کو بیٹے اور احترام سے بٹھایا۔ بھر پور سیٹ کا دروازہ کھول کر اشارہ کیا۔ بیٹہ چلا، بیٹہ چلا، بیٹہ بیٹہ گیا۔ گاڑی چل پڑی۔

حاجی صاحب قدرت سے مسلسل باتیں کرتے رہے۔ ان کی باتوں سے پتہ چلا کہ قدرت اللہ نے کلینڈر میں حضرت مہاجر کی صاحب سے رابطہ پیدا کیا تھا۔ اور وہ رابطہ اس قدر گہرا ہو گیا تھا کہ دو بیٹہ کر بات کرنے کی صورت پیدا ہو گئی تھی اور قدرت اللہ کو ان کی خوشنودی میں آگئی تھی۔

انار کلی میں جاکر گاڑی رک مگنی ریل جس سوسائٹی کے منتقل انار کلی سے باہر ایک معمولی سی چائے کی دوکان تھی۔

ایک طرف چائے کا بنیادی دیکھ چمے پر چڑھا ہوا تھا۔ جس میں کڑک چائے گرم ہو رہی تھی۔ دوسری جانب چار ایک بچے رکھے ہوئے تھے۔ جن پر چند ایک لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ دوکان میں صرف ایک لڑکا تھا۔ جو سرویس پر مامور تھا۔

یہ لڑکا جسم کا بھرا ہوا تھا۔ قد چھوٹا تھا۔ لباس میلہ تھا۔ ہل کھڑے کھڑے تھے۔ چہرے کا ایک بے نام سی بے حسی طاری تھی۔ ایک آنکھ میں پھولا تھا جس کی وجہ سے چہرہ اور بھی بد نما ہو گیا تھا۔

حاجی صاحب لاہور چھانچل کی ایکٹن روڈ سے روز میں بیٹہ کر اس چائے خانے پر آئے تھے۔ ایک پیالہ چائے کا پیئے اور پھر اس لڑکے کو چہرے کے آگے اپنے دے کر واپس چلے جاتے تھے۔

تین مرتبہ شباب طور میں حاجی صاحب کے ساتھ اس دوکان میں گئے۔ وہاں چائے پی اور پھر حاجی صاحب کو ایکٹن روڈ پہنچا کر واپس آ گئے۔

میں نے قدرت سے پوچھا۔ میں نے کہا یہ حاجی صاحب اس ہوٹل میں آئے چہرے کے لیے کیوں آتے ہیں۔

اگر بچے کو رقم دینی مقصود ہے تو ایک دم پانچ دس روپے کیوں نہیں دے دیتے۔

پتہ نہیں وہ بولا۔ بہت بڑے بڑگ ہیں۔ بڑے بڑگوں کے بھید وہی جانتے ہیں۔

یہ ایک معمولی سی بات ہے، اس میں کیا بھید ہو سکتا ہے بھلا، میں نے کہا۔

میں نظر نہیں آتا۔ کچھ نامکھ مقصود تو ہو گا۔ کوئی مصلحت ہو گی۔ کوئی حکم ہو گا۔ آپ اور میں ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔

انوکھا اعزاز

اچھا ایک بات بتائے، میں نے کہا۔

وہ میری جانب متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔

گذشتہ تین ماہاتوں کے دوران میں نے حاجی صاحب کو چھ بار سلام کیا ہے۔ تین بار آپ نے میرا تعارف کرایا، یہ میرے دوست ہیں۔ ہے نا۔

اس نے سر ہلٹ میں ہلکا سا۔

لیکن انہوں نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر میری جانب نہیں دیکھا۔ شاید آپ نے نوٹ نہ کیا ہو۔

کیا تھا وہ بولا۔

اتنی بے اشتعال بھی تو نہیں ہوتی چاہئے۔ ہانک میں ایک عام آدمی ہوں۔ منہ زبانی مسلمان ہوں۔ پائیکیز کی سے محروم ہوں، لیکن آخر ایک انسان ہوں۔

وہ چاہے تو جہ کریں یا نہ کریں۔ قدرت نے کہا۔ ان کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے زندگی میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

کیا وہ واقعی بڑے ہیں۔ میں نے پوچھا۔

بہت بڑے، وہ بولا۔ عالم ہیں، شاعر ہیں۔ ان کی نوٹ تک میں ساتھ ہزار شعر کہے ہوئے ہیں۔ ۲۰ ہزار شعر انہیں زبانی یاد ہیں۔ قادی اور عربی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ مومل کے رہنے والے ہیں۔ یہاں آکر غیر ملاتے میں بس گئے ہیں۔ چار ایک دن کی پیدل مسافت کے

بعد سڑک پر پہنچتے ہیں۔ ہر سال حج پر جاتے ہیں۔ سارے یورپ میں گھومے اور لکھنؤ میں آئے۔
اسنے بڑے ہیں، میں نے کمال
ہاں وہ بولا بہت بڑے۔

ایک روز قدرت نے مجھ سے پوچھا آپ کا کوئی عیسا دوست ہے کیا جو عربی دان ہو۔
آپ کا مطلب ہے کوئی عالم دین ہو، میں نے پوچھا۔
نہیں، نہیں، وہ بولا، ملائیں سے نہیں دیکھیں وہ عربی دان ہو۔
میں نے کہا بتائیے بات کیا ہے۔

کہنے لگا، حلی صاحب کی ایک غزل ہے۔ عربی میں ہے اس کا ترجمہ کرنا ہے۔
دکھائیے تو میں نے کہا۔
اس کے بعد حلی صاحب کا قدرت اللہ سے رابطہ پیدا ہو گیا۔ جب بھی حلی صاحب حج پر جاتے تو راستے میں ایک رات قدرت اللہ کے پاس رکھتے، قدرت فرما، مجھے اور لکھی کو فون کرتے آجائے، آجائے۔ حلی صاحب آئے ہوئے ہیں۔

ہم دونوں مودبناہ سلام کر کے حلی صاحب کے پاس جا بیٹھے۔ حلی صاحب ہم سے مخاطب ہوئے بغیر قدرت اللہ سے باتوں میں مصروف رہتے ہوں جیسے قدرت کے علاوہ کوئی اور کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔

ہر باغ دس صفت کے بعد جب بھی موقع ملتا۔ قدرت حلی صاحب سے کہتے۔ یہ میرے دوست ہیں ممتاز مفتی، ساتھ ہی میری جانب اشارہ کرتے۔ حلی صاحب میری جانب دیکھے بغیر سرسری طور پر اچھا اچھا کر کچھ سے قدرت سے باتوں میں مصروف ہو جاتے۔

اگلی مرتبہ جب حلی صاحب پھر تشریف لاتے تو قدرت پھر مجھے فون کرتے۔ اس وقت ان کے انداز میں اس قدر معصوم خوشی ہوتی جیسے کوئی بچہ اپنے کسی ساتھی کو لٹو کھلانے کے لیے بلا رہا ہو۔

ایک دفعہ میں نے قدرت سے کہا چھوڑ دو یہاں آنے کا فائدہ آپ کے حلی صاحب تو کچھ افکار بھی میں دیکھتے، بات کرنا تو الگ بات ہے۔

یہ سن کر قدرت گھبرا گیا کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں، وہ بولا ہے شک حلی صاحب متوجہ نہ ہوں۔ ہمارے لیے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ ان کے قریب بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔

ایک روز میں نے شے میں کمال شائب صاحب سے کہیے بزرگ ہیں۔ اس پر قدرت گھبرا گیا بولا، نہ لکھی بات نہ کہیے مفتی صاحب بزرگی لٹو کا ایک کٹھ ہے وہ مجھے چاہیں عطا کر دیں۔
چاہے کالے چرو کو عطا کر دیں۔ بزرگ کو کچھ کرنے والے ہم کون ہیں۔ بچ کرنے کی عادت اچھی

سید فیضی

قدرت نے میز پر پڑا ہوا ایک کٹھ اٹھایا اور مجھے تھما دیا۔ مجھے ایسے لگایا جیسے کٹھ پر قرآن کریم کی آیت لکھی ہوئی ہو۔ دونوں میں سوچنا رہا کہ میرا ایمان کون دوست ہے جو عربی دان ہو۔ میں نے مسودے سے پچھا مرے سے پچھا عوا سے پچھا کسی نے حلی نہ بھری۔ پھر میں نے ریڈیو نشین پر مذہبی پروگرام کے نیشن کو فون کیا تو جواب میں فیضی بولا۔
فیضی، میں نے پچھا تو تمہیں کیسے آگیا۔

فیضی ہنس کر لگا ریڈیو والوں نے ایک ٹاک کے لیے بلایا ہے۔

سید فیضی میرا پرانا دوست قلم پیور آف ریفرنس اینڈ ریسرچ میں ہم دونوں اکٹھے کام کیا کرتے تھے۔ وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں دسترس رکھتا قلم فارسی کا شعر پڑھتا تو ایسے لگتا جیسے ابھی ابھی ایران سے آیا ہو۔ عربی بولتا تو لگتا جیسے قرآن کریم پڑھ رہا ہو۔

اسلامی تقریبات میں دوسرے علماء کے ساتھ فیضی کو بھی مدعو کیا جانا قلم وہی شیخ پر کھڑے ہو کر جب وہ تقریر کرتا تو ایسے لگتا جیسے حلق کے تمام پردے بدل گئے ہوں۔ سننے تو یقین نہ آتا تھا کہ فیضی بول رہا ہے۔ فیضی کی شخصیت میں بڑے تعلقات تھے۔ وہ ایک وقت عالم بھی تھا، ادیب بھی، مولوی بھی اور مذہبی قلم۔ اس میں رنگین مزاحیہ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہر بات پر ہنستا ہنستا ہوتے رنگین پلو کی طرف متوجہ ہو جاتا، ہر نئی آواز پر کان کھڑے ہو

Oneurdu.com

ہاتھ بچھیں اور سے بھگ جاتیں۔ پتلیاں لیٹیں مارتیں۔
میں نے چاکر کما یا رفیض میں تو تجھے ڈھونڈ رہا ہوں۔
بولتا مجھے ڈھونڈنا بہت مشکل ہے۔
مشکل کیوں ہے۔

۵۔ کوئی بلندی نہیں جو اس کی وجہ سے اپنے کمال پر نہ ہو۔ دسترس سے زیادہ بلند ہے۔
۶۔ پابند میں حسن و سرور غشی سے اس نے نیا پانی ہے ہانگ پورے چاند کی مانند جو کبھی ڈوبنے والا نہیں۔

۷۔ یہ سلام ایک خاص بندے کی طرف سے ہے جو دینے کا رہنے والا ہے اور وہ سب سے بہتر دینے والے اللہ کے رسول کا قربت دار ہے۔
۸۔ وہ حیرتی خدمت میں بے زبہ ملاقات حاضر ہوا اور اس نے حیرتی ذلت سے انفاق کے مجھے جھٹے ہتے دیکھے۔

۹۔ ایسی ایسی باتیں ممدوح سے منسوب ہیں کہ خلق خدا اس کا ذکر کرتی ہے اور لوگ جن باتوں کو نقل و حکایت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔
۱۰۔ اگر تم کو مہمانیت کا میرے ساتھ سلوک کرو تو تم اس کے لال ہو اور غویوں والے انسان ہو۔

۱۱۔ درنہ میری بد قسمتی ہو گئی اور میں محروم رہ جاؤں گا۔ ایک کریم النفس انسان کی دریاہی اور بخشش سے۔

انجام بخیر

اس قصیدے کو چارہ کرہات ہانگ ہی واضح ہو گئی کہ حضرت ماجر کی نے حاجی عبدالعزیز کو شہاب صاحب سے ملوایا تھا اور حاجی صاحب ان سے فیض یاب ہونے کے حتمی تھے۔ یہاں تک تو بہت واضح تھی۔ پھر خیال آتا کہ شہاب کون ہے۔ یہ عید نہیں ملتا تھا۔
پھر آخری ایام میں قدرت کی وفات سے چند ایک سال پہلے۔ میرے ایک دوست نے مجھے

کس نے لکھا ہے اس نے پوچھا۔
دفتار میں سے کاندہ پر نظر دوڑائی دیکھا تو قدرت اللہ نے پہلے ہی حاجی عبدالعزیز صاحب کے دستخط کاٹ رکھے تھے تاکہ کسی کو یہ علم نہ ہو قصیدہ کس نے لکھا ہے۔
ڈاک سے موصول ہوا ہے۔ میں نے جھوٹ بولا۔

فیضی چاہا بولا کسی نے شہاب صاحب کی سفارش کرانی ہو گی۔ جہی توہینوں کے چٹکے لگائے ہیں۔ ہاں اندازہ روایتی ہے۔
چلو کسی کا کلام ہو جائے گا۔ تو کیوں اعتراض کرتا ہے۔ میں نے کلمہ

لوہوں، فیضی بولا شہاب صاحب بڑے نکالیں ہیں وہ کلام کر دیں گے لیکن اس قصیدے کے قریب میں نہیں آئیں گے۔
فیضی کا ترجمہ چارہ کرہ میں پھر سے سوچ میں پڑ گیا لکھا تھا۔

قصیدہ

۱۔ بہترین سلام ہو ان غویوں پر جو اس کی فطرت میں شامل ہیں اور اچھی عادتیں ہی قبولیت کی نکلیں ہو اگر گئی ہیں۔

۲۔ عزت اور وقار کو اس کی ذلت سے تخلیق حاصل ہے کیونکہ وہ شہاب جیسی منزلت رکھتا ہے اور کوئی ایسی فعالیت نہیں جس میں وہ بیضا ہوا نہ ہو۔

بتایا کہ حاتی صاحب اسلام آباد کے ایک پتھر میں مقیم ہیں۔
شام کو قدرت سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا آپ کو پتہ ہے کیا کہ حاتی عبدالعزیز
صاحب آجکل اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ ان کے ۳۳ ج عمل ہو چکے ہیں اور اب وہ مشکل
طور پر اسلام آباد میں سکونت رکھتے ہیں۔

محمد علی شاہ

جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہو تا تو میرے دل میں یہ سوال ابھرتا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ کیا وہ
کسی کلام پر مہور ہے۔ کوئی فیصلہ آئینہ ہے یا سیکرٹ ہے۔ تعلق رکھتا ہے۔ چاہے وہ کالی تھا یا
افرقہ۔ میرے لیے اس بات کا کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ اس کے عہدے کی فضیلت سے میں کبھی
متاثر نہیں ہوا تھا۔ مجھے بزرگ بننے کی خواہش نہ تھی۔ نہ ہی میں بیعت کرنے کا متمنی تھا۔
انہیں تو خوف زدہ تھا کہ کبھی قدرت اللہ مجھے ایسا رخ نہ بخش دے جو مجھے کہیں اور لے
جائے۔

میں تو اس کے کردار سے متاثر ہوا تھا۔ اس کے کردار کی عظمت نے مجھ پر گہرا اثر کیا تھا۔
اس میں بلا کی وسعت قلب تھی۔

تکسی نے چنگی سلاو کیے سے واپس پر مجھے دو ایک بار کھانے کی کوشش کی تھی کہنے لگا بھیا
آپ خواہ مخواہ اچھا نہیں پڑے ہیں۔ سیدھی بات ہے۔ شاب صاحب کا مسلک محمدیہ ہے۔ وہ
حضورؐ کے عقلی قدم پر چلنے کو شش کرتے ہیں۔ ہر بات پر وہ سوچتے ہیں کہ ان حالات میں حضورؐ
کا طرز عمل کیا ہوتا۔

تکسی کہنے لگا میں نے شاب صاحب سے پوچھا تھا کہ یہ بتائیے کہ افضل ترین مہربان کون
کی ہے۔ انہوں نے کہا میری دانست میں افضل ترین مہربان ہے۔

IDENTIFICATION WITH MOHAMMAD
خصوصی حالات میں ان کا رد عمل کیا ہوتا۔ ان کے جذبات کیا ہوتے محسوسات کیا ہوتے۔ تکسی
نے کہا بھیا آپ کو بھی انہوں نے بتایا ہو گا۔ میں مجھے بھی یہی بتایا تھا میں نے جواب دیا۔

وفات

ایک روز قدرت اللہ نے مجھ سے کہا ایک خبر آئی ہے۔ آپ نے سنی ہے کیا۔

ایک روز میں نے قدرت کو پکڑ لیا میں نے کہا دیکھیے جانے کا کیا مطلب ہے۔ میں تو حاتی
صاحب سے ملنے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میں تو آپ کے لیے کہ رہا ہوں۔ اگر آپ ان سے
میں ملنا چاہتے تو صاف انکار کر دیجیے۔ جانے کا مطلب۔

میری بات سن کر وہ سنجیدہ ہو گیا کہنے لگا حاتی صاحب اب حاتی صاحب نہیں رہے۔
حاتی صاحب حاتی صاحب نہیں رہے میں نے حیرت سے دہرایا۔ کیا مطلب ہے آپ کا۔
ہاں وہ بولا۔ وہ سیناٹس ہو گئے ہیں۔

پھر وہ ہمدردی کے مستحق ہیں میں نے جواب دیا۔
ہاں ہمدردی کے مستحق ہیں۔ وہ بولا۔

وخت میں نے محسوس کیا کہ حاتی صاحب سیناٹس ہونے کے علاوہ کچھ اور بھی ہو گئے

UrduPhoto.com
ایسی کیفیت میں ہمدردی کلم نہیں آئی کیا میں نے پوچھا

نہیں تو میں نے جواب دیا۔

کئے گا غفور صاحب وقت پات گئے۔

مجھے بری طرح دھچکا لگا۔ میں ایک دم چپ ہو گیا۔

کچھ دیر ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

ہاں وہ بولا مجھے بھی یہ خبر سن کر صدمہ ہوا اقلہ میرا ذہن دھندلا گیا اقلہ اسی روز مجھے صدمہ ایوب نے بڑا سمجھا۔ مجھے دیکھ کر صدمہ صاحب بولے 'شواہب خیر تو ہے۔ تم آج اکڑے اکڑے کیوں ہو۔'

میں نے کہا 'جناب میرے ایک محسن انتقال کر گئے ہیں۔'

کون۔ انہوں نے پوچھا۔

میں نے کہا 'جناب وہ میرے ہی محسن نہیں تھے۔ آپ کے بھی محسن تھے۔ پاکستان کے خیر خواہ تھے۔'

کون تھے وہ 'صدمہ نے پوچھا۔

میں نے کہا 'جناب وہی جو آپ کو خط لکھا کرتے تھے اور آپ ان خطوں پر بہت جھنجھکیا کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کو کئی ہدایت نامے بھیجے تھے کہ 'تشدد خود تحریف نہ لے جائیے گا۔ پریشر نہ لے گا۔ لیکن سیر فائر میں التوا کیجئے گا۔'

ہاں ہاں 'صدمہ بولے 'مجھے یاد ہے۔'

میں نے کہا 'اگر آپ ان کی ہدایات پر عمل کرتے تو آج نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور آپ پاکستان کے مردِ عالمہ کا نام پاتے۔'

ان کے خطوط مکمل ہیں میں انہیں دیکھتا ہوں گا۔ صدمہ نے کہا۔

اب کیا قاعدہ سے اب تو حیران کن ہے جھوٹ چکا ہے۔

شباب نے کہا 'اس وقت صدمہ صاحب کی حالت قابلِ ترس تھی۔ تھکا ہوا، ہارا ہوا، ٹوٹا ہوا۔ کئے گئے 'شواہب عقل سے مٹ کر باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں کوشش کے باوجود میں

UrduPharm.com

یہ ہماری عقل ہے 'شباب نے کہا۔ جگ کی بد قسمتی ہے کہ آپ کو یقین نہ دلا سکے۔

میں نے پوچھا 'شباب جی یہ آپ کو خبر کیسے ملی۔'

قدرت نے کہا 'انتقال کے دو ایک دن پہلے انہوں نے مجھے ایک خط لکھا تھا۔ انہوں نے لکھا کہ لاہور سے رخصت ہونے سے پہلے میں نے داتا صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ داتا صاحب نے فرمایا کہ ہمارا پیغام شباب کو پہنچا دو۔ انہوں نے پیغام دیا۔ میں نے عرض کی کہ جناب فرشتہ پہنچ کر انہیں خط لکھ دوں گا۔ داتا صاحب نے فرمایا 'تاخیر نہ کرنا۔ زندگی کا کوئی مجرورہ نہیں۔'

ان کے فرماں کے مطابق آپ کو خط لکھنے بیٹھا تو محسوس کیا کہ یہ پیغام خط میں لکھنے والا نہیں۔ اس لیے جلد خود آکر عرض کروں گا۔

مجرورہ آپ سے آکر لے 'میں نے پوچھا۔

نہیں قدرت نے کہا 'انہیں اتنی صلت نہ ملی۔ غالباً انہوں نے داتا صاحب کے اشارے کو سمجھا نہیں۔'

حیرت کی بات ہے۔ میں نے کہا 'اب آپ کو پیغام کے بارے میں کیسے پتہ چلے گا۔ بٹیلے لاہور جا کر داتا صاحب کی حاضری دیجیے۔'

قدرت نے نفی میں سر ہلا دیا۔ یہ پروتوکول کے منافی ہے 'پھر قدرت نے ایک دم بات بدل کر کہا 'غفور صاحب نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ انہیں آپ کو بھی ایک پیغام دینا تھا۔'

میرے نام پیغام میری نفسِ نکل گئی۔ شباب صاحب میری کیا حیثیت ہے کہ کوئی بزرگ مجھے پیغام دے 'کیوں میرا لائق اڑاتے ہیں آپ۔'

قدرت ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ کئے گئے 'مجھ کی سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ کے نام کسی بزرگ کا پیغام نہیں تھا۔ داتا صاحب کی بات نہیں۔ غفور صاحب نے اپنی جانب سے آپ کو پیغام دینا ہو گا۔ انہوں نے خط میں لکھا تھا کہ اسلام آباد آؤں گا تو مجھے مفتی صاحب کو بھی ایک پیغام دینا ہے۔'

وہ آپ کے دوست تھے 'تا قدرت نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ شاید وہ دوست کی حیثیت سے پیغام دینا چاہتے ہوں۔'

تزوٰخ، الربیع

ایک روز راجہ شفیع آگیا۔ کہنے لگا، تجھے صاحب دار ہے ہیں۔

کیا کہتے ہیں، میں نے پوچھا۔

بولے، کہتے ہیں انہیں، کہنے اگر فرمت ہو تو آجائیں۔

تو کیا تھا کیا ان کے گھر یا وہ تجھے ملے تھے۔

ہاں وہ بولا۔ میں عفت سے ملے کیا تھا۔ وہاں پہاڑ پہ چلا کہ عفت لاہور بھی ہوئی ہے۔

شب آگیا ہے کیا۔

بالکل، دو بولا۔

میں شب کے گھر پہنچا تو وہ بیٹھا ملاوت کر رہا تھا اس روز رمضان کی ستائیسویں تاریخ

تھی۔

دعوت، مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی۔ ماویں کو مجھے شب کے ہاں نہیں جانا

چاہیے تھا چونکہ رمضان کی ستائیسویں۔ شب کا عفت لاہور تھا اور میری موجودگی ماحول کی

ایکڑی کے ملتی تھی۔

ایک تو میں روزے سے نہیں تھا۔ دوسرے میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ میرے

کپڑے اور جسم کبھی پاک نہیں ہوئے تھے۔ چوں کہ جوانی سے ہی مجھے **Confounded** کا لفظ یاد تھا کہ ان گیتوں میں جبکہ غلام محمد کے چچو مرشد کا نام لکھا ہوا تھا۔ ایک روز میں نے غلام محمد سے کہا 'یار اگر جو تو اپنی ٹوٹ بک مجھے دو دن کے لیے دے دے تو میں اس میں سے کچھ گیت لکھ لوں' پھر میں کاپی تجھے لوٹا دوں گا۔

غلام محمد نے میری بات مان لی اور کاپی مجھے دے دی۔

اسی رات دو بجے کے قریب میرا دروازہ بجنا پڑا۔ میں گری قیام سویا رہا۔

پھر میری دو پسوں نے دروازہ پر چڑھ کر مجھے آواز دیں۔

کہنے لگے 'باہر آپ کا کوئی مسافر دیر سے دروازہ کھٹکنا رہا ہے۔

میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

باہر غلام محمد کھڑا تھا۔

میں نے کہا 'تو غلام محمد۔ اس وقت خیر تو ہے۔

بولتا بالکل خیر نہیں۔ تو مجھے میری گیتوں والی کاپی دے دے۔

میں یہ سن کر حیران ہوا۔ کیا رات کے دو بجے تو اپنی ٹوٹ بک لینے آیا ہے۔

بولتا 'سرکار قبلہ مجھے سوئے نہیں دے رہے۔ بہت ناراض ہیں۔ کہتے ہیں تو نے ہماری کاپی

وٹاب کے سٹک میں ڈال دی ہے۔ ابھی جا اور کاپی لے آ۔

اس روز بجلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ میں پیشاب کا حکم ہوں۔ ٹیاگ ہوں۔

پہلے یہ احساس صرف جسم تک محدود تھا۔

پھر ۱۹۵۶ء میں جب میں بمبائی جان سے ملا تو مجھے اپنی ذہنی ٹیاگری کی کا احساس ہوا۔ مجھے پتہ

چلا کہ ذہنی طور پر میں کس قدر ٹیاگ تھا۔ جسمانی طاقت سے کہیں زیادہ ٹیاگ۔

آج تک کوششوں کے باوجود۔ میں ان غلطیوں کو دور نہیں کر سکا۔

ہاں تو اس روز شباب کے گھر پہنچا تو مجھے شدت سے احساس ہوا کہ آج مجھے اس کے ہاں

نہیں آنا چاہیے تھا چوں کہ اس روز ایک تو رمضان کی ستائیسویں تھی اور دوسرے جمعہ کا دن

تھا۔

پھر خیال آیا شاید شباب نے مجھے کام سے بلایا ہو۔ شباب نے مجھے دیکھتے ہی کہا 'یو! اچھا ہوا

اب آگے' عفت لاہور گئی ہوئی ہے اور میں آگیا ہوں! اس لیے میں نے آپ کو بلا لیا کہ گپ

ستار دعا

تقریباً ۱۹۳۰ء کی بات ہے جب میں شگری کے گورنمنٹ سکول میں پڑھتا تھا۔ تو میرا ایک

دوست غلام محمد نے جو ان دنوں سبکی میں آٹا کھانڈتا تھا مجھے احساس دلایا تھا کہ میں ایک ٹیاگ

مفتض ہوں۔ غلام محمد میں دو خصوصیات نمایاں تھیں۔ ایک تو وہ سختی سے شریعت کا پابند تھا

دوسرے وہ ستار بچائے کا ریا تھا۔

نماز پڑھنے لگتا تو جائے نماز کے ساتھ ستار رکھ لیتا۔ نماز پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر مسطح

بیٹھے بیٹھے ستار بچائے لگتا۔

ایک دن میں نے غلام محمد سے کہہ دیا ابھی جواب نہیں مسطح پر بیٹھ کر ستار بچاتا ہے۔

وہ بولا 'میں ستار نہیں بچاتا۔ دعا مانگتا ہوں۔

میں نے کہا 'دعا مانگنے کا یہ طریقہ ہے کیا۔

بولتا 'تجھے نہیں پتہ۔ ستار مجھ سے بہتر دعا مانگتی ہے۔ اللہ کی قسمیں کرتی ہے۔ ہاتھ جوڑتی

ہے 'پاؤں پڑتی ہے میں اپنا سارا دلکہ درد اپنے ترے' ہاتھ ستار میں خفگی کر دیتا ہوں اور وہ اللہ

کے حضور میں فریادی بن جاتی ہے۔ غلام محمد اللہ سے یوں باتیں کیا کرتا تھا جیسے اللہ اس سے

سامنے بیٹھا ہو۔ اسے اللہ سے بہت پیار تھا۔ ایسا پیار جیسے بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے۔

ایک دن میں نے کہا 'غلام محمد تجھے اللہ کیسے مل گیا۔

کہنے لگا 'یہ میرے مرشد سرکار قبلہ کی دین ہے۔ وصال کے وقت وہ فرماتے تھے غلام محمد

تجھے کون سا عقد دیں ہمارے پاس تو صرف ایک ہی چیز ہے۔

انہیں پھر خاک کرنے کے بعد جب میں گھر آیا تو دیکھا کہ اللہ صوفے پر بیٹھا ہے۔

پیشاب کا منکھ

غلام محمد کے پاس ایک ٹوٹ بک تھی جس میں گیت غزلیں اور عمروں کے ہول لکے 'و

Oneurdu.com

شب رہے گی۔

میں نے کہا آج تیسویں ہے۔ آپ کے لیے عہد کا دن ہے۔

عبادت

ہاں ہاں وہ بولا 'عبادت اپنی جگہ ہے کپ شپ اپنی جگہ۔ یوں کرتے ہیں کہ چند شہ بڑی لطف کی مسجد میں جا کر پڑتے ہیں' پھر وہیں ادھر ادھر پکڑ لگاتے ہیں۔ انظار کر کے مغرب کی نماز پڑھ کر واپس گھر آجائیں گے' پھر بے شک آپ چلے جائے۔
پھر گرام کے مطابق شہاب نے شہ بڑی کے چاول کھا کر انظار کیا۔ مغرب کی نماز لڑائی اور گھر آ گئے۔

راستے میں میں نے پوچھا 'آپ عبادت کیسے کرتے ہیں۔

بولے 'بس اللہ کا نام لیتے ہیں۔ چاہے کیسے بھی لو۔ قرآن کریم کی تلاوت کرو یا کلام پڑھو۔

آپ کیا پڑھتے ہیں' میں نے پوچھا۔

بولے 'میں تو نفل پڑھ لیتا ہوں۔

میں نے کہا 'اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔۔۔۔

تو کیا' میں نے پوچھا۔

میں دیکھتا چاہتا ہوں کہ آپ کیسے عبادت کرتے ہیں۔

نوبہج کشن 'وہ بولا۔ بے شک دیکھ لیں۔

عشاء کی نماز کے بعد ایک بڑے کمرے کے ایک کونے میں اس نے جائے نماز بچھالیا۔

آپ بھی نفل پڑھیں گے' اس نے پوچھا۔

نہیں میں نے جواب دیا 'میں دیکھوں گا۔

کمرے کے دوسرے کونے میں میں بیٹھ گیا۔

شباب بیت اللہ لڑکھڑائی کر رہا تھا۔

اس کا کمرہ ہونے کا انداز ہی انوکھا تھا۔ یوں نہیں جیسے نمازی کمرے ہوتے ہیں' بلکہ یوں

جیسے اللہ تعالیٰ اس کے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں۔ وہ سرپا بزمین کرکھڑا تھا۔

UrduPhoto.com

میرا خیال تھا کہ ابھی وہ رکوع میں جائے گا۔ لیکن وہ جن کا توں کھڑا رہا ہے جس وحرت لڑا رہا۔ اس کے جسم کا بند بندہ مجھ سے بھیگا ہوا تھا۔

دل تھا' مجھے خیال کیا کہ میں اپنی موجودگی سے فضا کو ہلکا کر رہا ہوں۔ مجھے بھی کچھ پڑھنا تھا۔ مجھے صرف درود کج یاد تھا۔ یہ جنت اللہ بخش صاحب کی دین تھی۔ میں نے درود کج یاد شروع کر دیا۔ ساری رات شہاب مجھ سے بری طرح لٹ پٹ کھڑا رہا۔ رات بھر میں اس نے ہند ایک بار رکوع اور تھوڑا سا کھڑا ہو گا۔ پھر پچھلے پھر وہ دھڑام سے چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔

تو

اس نے دو ایک بار میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا' لیکن میں اس کے اشارے کو سمجھ نہ سکا۔ مجھے سمجھ میں آیا کہ وہ مجھے بلا رہا ہے۔ قریب گیا تو اس نے لیلی فون کی جانب اشارہ کیا۔ میں نے فون اس کے قریب رکھ دیا۔ اس نے ڈائل کیا' پھر مدھم آواز میں 'میں کیا کیا۔ اور پھر بار بار لڑکھڑائی کر پڑ گیا۔

میں حیران کھڑا تھا یا اللہ یہ کیا بات ہے قدرت مجھ سے بات کیوں نہیں کرتا۔ کیا یہ بھی عبادت کا حصہ ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کریں۔

اسنے میں دروازے کی کھنٹی بجی۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا۔ موٹر اندر داخل ہوئی۔ ایک صاحب 'بارنگلے بولے 'شباب صاحب کھلی ہیں۔

میں نے پوچھا 'آپ کی تعریف۔

بولے 'میں صدر کامیڈین کی آفیسر ہوں۔

میں اسے شہاب کے کمرے میں لے گیا۔

ابھی وہ معائنہ کر رہا تھا کہ ایک اور گاڑی پچھلے میں داخل ہوئی۔ میں نے نیچے جھانک کر دیکھا۔ منت کو دیکھ کر مجھے حوصلہ ہو گیا اور میں بھاگ کر نیچے گیا۔

ایک نہیں سب

منت نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا 'شباب تو خیریت سے ہیں' دل تھا' بات سمجھ میں آگئی کہ

شاب تیار ہے۔ اس نے فون کر کے ڈاکٹر کو بلایا ہے، لیکن عفت لاہور سے لیے گئے۔
عفت نے ڈاکٹر سے ہلت کی تو پتہ چلا کہ شاب کو دل کا دورہ پڑا ہے۔

عفت فارغ ہوئی تو میں نے پوچھا، آپ لاہور سے کیسے آئیں گی۔
میں نے جواب دیا کہ کوئی تکلیف ہونے والی ہو تو مجھے چار دن پہلے پتہ چل جاتا ہے۔ لاہور میں میں نے محسوس کیا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ میں نے ایک کھرا حال گروہ کے گوشت بھنایا، پھر لی آئی اسے کھا کر حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کل رات کے چھ بجے میں ایک کن کنڈر سیٹ کے لیے میں ایئر پورٹ پر انتظار کرتی رہی، لیکن بات نہ بنی۔ البتہ کچھ صبح کی فحاشیت میں سیٹ مل گئی۔

ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ عفت نے ایک طبیسی داخل ہوئی اور قدرت کا چہرہ بھائی جیب کراچی سے آگیا۔ آتے ہی بولا۔ قدرت خیمت سے ہے۔
قدرت اللہ سے مل کر جب جیب باہر نکلا تو میں نے پوچھا، آپ کیسے آئے۔
میں نے کہا، کل دوپہر سے میری طبیعت خراب ہوئی شروع ہوئی۔ ایک بے عام ہے چینی۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا، شام کو بے چینی اور بھی بڑھ گئی۔ میں نے ایک ٹرانسکوپیلانٹزر کھایا اور لیٹ گیا۔ لیکن بے چینی کم ہونے کی بجائے عذاب بن گئی۔ میں کچھ کیا کہ قدرت کا معاملہ ٹھیک نہیں۔ میں نے پی آئی اے کو فون کیا۔ خوش قسمتی سے ٹائٹ اس میں ایک سیٹ مل گئی اور میں چلا آیا۔ جب بھی قدرت کو کوئی تکلیف ہونے والی ہوتی ہے تو میرے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک بے چینی لگ جاتی ہے پھر وہ اس قدر شدت اختیار کر لیتی ہے کہ عذاب بن جاتی ہے۔

جیب شاب

پھر مجھے وہ رات یاد آگئی جب جیب کو گروسے میں پتھری کی تکلیف تھی۔ ناقابل برداشت تکلیف اور دونوں بھائی ڈرتے تھے کہ کیس میں بی کو پتہ نہ چل جائے۔ وہ پریشان نہ ہوں۔
اس وقت دروازہ ہوتا تھا اور ایک صاحب نے دروازے میں کھڑے کھڑے کہا تھا انیس نمبر چلاؤ۔

قدرت اسے نہ پلاتا رہا۔ قلم درہ منٹ کے بعد جیب غسل خانے کی طرف بھاگا۔
چیشاب میں پتھری کے دو ٹکڑے نکل کر باہر گرے۔

دونوں بھائی بہت خوش تھے کہ بی بی کو پتہ چلا۔ اتنے میں بی بی داخل ہوئیں۔
جیب سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں، شکر ہے، دونوں چکر نکل گئے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ یالہہ یہ کیا خاندان ہے۔ ایک قدرت ہی نہیں۔ سارے افراد ہی کسی ان جانی طاقت کے زیر اثر ہیں۔
اس روز میں نے محسوس کیا کہ قدرت اللہ گھر والوں کا مرکز قلم۔

بزرگ کہاں دعا کرتے ہیں جو راضی بہ رضا ہوں وہ کیوں دعا کریں گے؟ www.urdudownload.com مست خود آکر میری دلخیز نہیں بیٹھا بلکہ ٹھٹھا کیا ہے تاکہ میری الرئی سلب کر یوں میرا لاہور چالے گا پھر وگراں ختم ہو گیا۔

مست

ان دنوں میں سبب لاپتہ جان کے ڈی جاک میں رہتا تھا۔ اگلے روز ہمارے گھر کی دلخیز ایک مست آ بیٹھا اس کا چہرہ ڈراؤنا تھا۔ کپڑے نیلے کپیلے۔ اسے دیکھ کر کہن آتی تھی۔ پتہ نہیں اسے کیا بیماری تھی۔ ہر دو کھٹے کے بعد وہ چلا آتا روٹی روٹی۔ اسے جو بھی دیتے کھا لیتا پھر دو کھٹے کے بعد چھین مارنے لگتا روٹی روٹی۔

میری بیوی کہنے لگی 'یہ کیا مصیبت آپڑی ہے۔ اسے یہاں سے اٹھو۔ میں نے دو ایک بار مست سے بات کرنے کی کوشش کی کہ پاپا اور بیٹھ جا کہ۔ تو نے تو ہمارا راستہ روک لیا ہے۔ اس نے میری بات کی طرف توجہ نہ کی۔

چند ایک دنوں کے بعد مست نے کھانا شروع کر دیا۔ اس کے جسم پر ہنسے ہنسے چھالے لگ آئے، کھانا کھا کر چھالے زخم بن گئے۔

ہم سب خوف زدہ ہو گئے کہ مست کی کھلی گھر کے اندر آجی تو سب گل جاتیں گے، لیکن کوششوں کے باوجود ہم اسے اپنی دلخیز سے اٹھا نہ سکے۔ ایک دفعہ وہ کھٹے داروں نے اسے سمیٹ کر سامنے بند درواں کے پیچھے تھلا دیا، لیکن اگلے صبح جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ وہ پھر بیماری دلخیز پر آ بیٹھا ہے۔ یوں دس چودہ دن گزر گئے۔

دفعہ مجھے خیال آیا کہ ان دنوں کے دوران مجھے الرئی کا دورہ نہیں ہوا تھا۔ شباب کی طرف گیا تو ہر سبیل تکرار، مست کی بات کر دی۔ میں نے کہا 'حیرت کی بات ہے کہ ہم تو اڑتے تھے کہ مست کی کھلی گھر میں داخل ہو جائے گی، لیکن اس کے برعکس اس ہفتے مجھے الرئی کا دورہ نہیں پڑا۔ قدرت نے مست کی بات سن کر اس میں دل بستی لینی شروع کی۔ مست کے حلق کی ایک سوال پوچھتے میری الرئی کے حلق وہ غیر معمولی دلچسپی لیتا رہا۔

میں نے کہا 'شباب ہی مجھے فلک پڑتا ہے۔

کیا فلک پڑتا ہے اس نے پوچھا۔

UrduPhoto.com

ہاں وہ بولا 'ہو سکتا ہے۔ شاید بھائی جان نے ٹھٹھا ہو۔

اونہوں میں نے جواب دیا۔ بھائی جان ایسے کتب نہیں کرتے وہ تو عموماً مستی ہیں۔

شاید آپ کے سر پر قبضہ سائیں لٹہ بٹھک رہے ہیں؟ وہ بولا۔

ہاں ہو سکتا ہے۔

آپ بھائی جان سے پوچھیں 'قدرت نے کہا۔

پوچھوں گا۔ مجھے بتائیے کیا یہ لوگ اسے طاقت ور ہوئے ہیں۔

ہاں وہ بولا۔ سنا ہے یہ لوگ بہت طاقت ور ہوئے ہیں۔

یہ تو بڑی زیادتی ہے 'میں نے کہا کہ ایک شخص کو بچانے کے لیے دوسرے کو روگ لگا دیا جائے۔

جب میں رخصت ہونے لگا تو وہ بولا 'میری بھئی بھی شہر چلا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ موٹر سائیکل میں رہنے دیں۔ آپ کے گھر جا کر میں بھی مست کو دیکھتا چاہتا ہوں۔

اس روز خیر از معمول دو میرے گھر کی فلو ڈمچی میں در تک بیٹھاست کو دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر دلی دلی مسکراہٹ تھی۔ اس کے بعد بھائی جان سے ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں مست کی بات سنا لی۔ میں نے کہا 'بھائی جان ایک بیٹے سے وہ بیٹھے گھر کی دلخیز پر بیٹھا ہے۔ اس دوران میں مجھے الرئی کا دورہ نہیں پڑا۔ لگتا ہے جیسے میری الرئی اس نے سلب کر لی ہے۔ کھانا کھا کر اس کا جسم زخموں سے بھر گیا ہے۔

آم اور درشت

بھائی جان میری باتیں غور سے سنتے رہے۔

میں نے کہا 'جب ایسے لگتا ہے جیسے وہ خود میری دلخیز آکر نہیں بیٹھا بلکہ اسے بیٹھا گیا ہے۔

ہے۔

شاید وہ بولے 'ہو سکتا ہے۔

میں نے کہا شاید سرکار قبلہ کا کرم ہو۔

بھائی جان سوچ میں پڑ گئے، پھر پوچھنے لگے، کیا آپ نے سرکار قبلہ کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ مجھے الٹی سے بچانے کے لیے دعا کیجیے۔

نہیں، میں نے جواب دیا۔

سوچ کچھ وہ بولے شاید۔

بقی نہیں میں نے ان کی خدمت میں کبھی گزارش نہیں کی۔

یہ سن کر وہ پھر خاموش ہو گئے۔ دیر تک خاموش رہے پھر سر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے

مفتی بی، آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ آپ آم کھا لیے۔ بیڑ کیوں منگتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ

آپ پر لوگ صبر کرتے ہیں۔ کرم لوانا میں ہو رہی ہیں۔

اگلے روز راجہ شفیع آگیا۔ اس نے مجھے ڈانڈا شروع کر دیا۔ کہنے لگا، مفتی یہ کیا بری عادت

ہے تجھے۔ چھوڑ اسے تو آم کھا بیڑ کیوں منگتا ہے۔

یہ میرے بس کی بات نہیں راجہ، میں نے جواب دیا۔

بھائی جان تجھ سے ناراض ہیں۔ کہتے ہیں اسے سمجھا جا کر کہ ہاں کی کھل اتارنے کی عادت

چھوڑ دے۔

دراصل راجہ شفیع ایک سچا مرد تھا۔ وہ جانے بغیر سامنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ مجھ میں جاننے

کا جو نہ تھا سامنے کی توفیق نہ تھی۔

اس کے بعد جب بھی میں شاب سے ملتا تو وہ پوچھتا، مست کا کیا حال ہے کیا ابھی بیٹھا ہے۔

کیا آپ کو الٹی کی شکایت ہوئی۔

چار ایک بار مجھے خلک پڑا کہ شاید یہ شاب کی شرارت ہو۔ لیکن دل نے کہا نہیں۔ شاب

اس قسم کی شیعہ بازی کو پسند نہیں کرتا۔

UrduPhoto.com

پھر ایک دن میں جو کمرے باہر نکلا تو دیکھا کہ مست موجود نہیں۔

میں نے لوگوں سے پوچھا، جو کھلی میں کھیل رہے تھے۔

UrduPhoto.com

کے تھوڑے پر چار بیٹے پڑا تھا۔

اگلے روز علاقے کی پولیس نے آدراڑھ کھٹکھٹایا۔ کہنے لگے، آپ کے بیانات لیجئے ہیں۔

میں نے پوچھا، کس سلسلے میں۔

بولے، اس مت کے بارے میں جو آپ کی دلیلیز پر بیٹھا رہتا تھا۔

اسے کیا ہوا، میں نے پوچھا۔

وہ فوت ہو گیا ہے۔

اگلے دن میں شاب سے ملا تو میں نے کہا، بڑا ظلم ہوا۔

کیا ہوا، اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، مست فوت ہو گیا۔

یہ تو قسمت کی بات ہے، وہ بولا، اس کا وقت آگیا ہو گا۔

میں نے کہا، پچ نہیں کیوں۔ لیکن میں کھلی محسوس کر رہا ہوں۔

وہ کیوں؟

اس مت نے میری الٹی سلب کر لی اور اپنی جان کر قربانی دے دی۔

شاب نے جواب نہ دیا۔

آخر دس ماہ کے بعد مجھے پھر سے الٹی کی پھینپیں نکل آئیں۔

شاب اس پر مسکرایا۔ بولا، سائیں جی سے کو شاید وہ کوئی اور مت بھیج دیں۔

میں نے کہا، شاب جی۔ یہ تو بڑا منگکا سودا ہوا کہ ہر دس ماہ کے بعد ایک مت کی قربانی

دے دو۔

جواب ہے کہ ہر کرپولا 'انہوں' تو چاہے نہ چاہے یہ تو ہوا کر ہونا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ ایک بار شباب نے بھی مجھ سے پرکھ لیا کہ کیا تھا 'انشاء اللہ ہم انکسے جچ پر جائیں گے۔ آپ جچ پر جانے کی عرضی دے دیں۔

پھر وہ تین سال میں باقاعدہ جچ پر جانے کی عرضی دیتا رہا، لیکن قریب انداز میں میرا نام نہ لگا۔ اس انڈیا میں شباب کا چھوٹا ہو گیا اور وہ پینڈ چلا گیا۔

جچ کا پروگرام

میں نے خط میں اسے اطلاع دی کہ اس سال بھی میرا نام نہیں نکلا۔ جواب میں اس نے مجھے ۳۰ دسمبر ۱۹۵۸ء کو خط لکھا جس میں جچ کا پروگرام لکھا تھا۔ مجھے اس قسم کی ہدایات دی گئی تھیں۔

۱۔ جچ کے لیے درخواست دے دیں۔ اگر نام نکل گیا تو خوب۔

۲۔ اگر نام نہ نکلے تو آپ ہیرو آجائیں۔ امریکی ایکسپریس سے کہیں کہ وہ ٹکٹ بنا دیں۔

کراچی سے ہیرو

ہیرو سے ہیرو

ہیرو سے ہیرو

ہیرو سے ایسٹریٹم ————— لندن ————— ہیرو

ہیرو سے ایسٹریٹم

ایسٹریٹم سے کراچی

۳۔ کراچی سے یوں روانہ ہوں کہ ۳۱ یا ۲۷ کو ہیرو بننے جاتیں باقی جنگ لوہن کر لیں۔

۴۔ ہم انشاء اللہ ۱۹۵۷ء مارچ کی شام کو ہیرو بننے جاتیں گے۔

میں اس پروگرام کے مطابق تیاری کر رہا تھا کہ آخری ایام میں۔ غفور صاحب میری گھر آ گئے۔ ان کی آمد میرے لیے حیرت انگیز تھی چون کہ انہیں میرے گھر کا پتہ معلوم نہ تھا۔ کہنے لگے 'میں راولپنڈی کسی کام سے آیا تھا۔ سوچا آج سے ملتا جاؤں۔

میں نے جچ کی تیاری کے متعلق بات کی تو کہنے لگے 'کیا آپ کو شباب صاحب نے اطلاع

جچ، ہارٹ اٹیک، مکان،

پھر جچ کی بات چل نکلی۔

دراصل جچ کی بات کئی ایک سال سے چل رہی تھی۔

جچ کے متعلق میں نے تمام تفصیلات اپنی کتاب لیک میں درج کر دی ہیں۔ جنہیں یہاں درج کرنا مناسب نہیں چند اہم باتیں یہ تھیں کہ

جچ پر جانے کی خواہش میرے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ سب سے پہلے جچ پر جانے کی خبر مجھے راجہ بازار کے فوارہ چوک میں کھڑے ایک مست نے دی تھی۔ پھر لاہور چھوٹانی کی ایجنٹ روڈ کی کوٹھی میں ایک نوجوان مست نے اس کی تصدیق کر دی تھی۔ شباب اور میں برآمدے میں بیٹھے تھے۔ دفعتاً باہر ایک شور مچا ہوا بگبگ بستی عورتیں ہاتھیں کر رہی تھیں۔ ان میں ایک مرد کی آواز بھی تھی۔ وہ جچ رہا تھا چلا رہا تھا۔

پھر وہ دھڑکی جانب آگیا۔ آتے ہی شباب سے بولا تو اسے جچ پر کیوں نہیں لے جاتا۔ لے جانا پھر اس نے مجھے بہت سا کرنا نہ کھلایا۔ لے وہ بولا 'رکھ لے یہ تیرا خرچہ ہے۔

پھر وہ شباب کی طرف اشارہ کر کے بولا 'چچ نہیں ایمان والا ہے۔ عمل والا ہے۔ یہ پانچ جچ کرے گا اس کی گاڑی پر بمبڑا لگے گا قاضی بنی ہوئی ہے۔' صرف دھچکا دھچکا پاتی ہیں پھر وہ

© Oneurdu.com

رکلوئیں

ج کے دوران مجھے چار ایک پاؤں کا پتہ چلا۔

کہ کمرہ میں شباب کو چار ایک بار اٹھایا سنا کا دورہ پڑا۔ دو تین بار اس کے جسم کے جوڑا کڑھ کر حرکت کرنا ممکن نہ رہا۔ جب بھی کوئی اہم مقام آتا تو اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی ہوتی۔

ج سے واپسی کے بعد میں نے اس حصے پر چھل کہ مکہ معظمہ میں ایسے علاج کیوں نہیں آئے تھے۔

مجھے نہیں پتہ وہ بولا، بس میرے راستے میں رکلوئیں کھڑی کر دی گئی تھیں۔

کس نے رکلوئیں کھڑی کیں، میں نے پوچھا۔

بولا، پتہ نہیں غالباً، دی فور سزنی پوچھو۔

وہ خیر کی طاقتیں تو نہیں ہو سکتی تھیں۔

اس نے سرنگی میں ہلا دیا۔

ایک بات بتاتے ہیں میں نے کہا، آپ کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی۔ آپ خود ہی کہا کرتے ہیں کہ رکلوئیں سے گھبراہٹیں چاہیے۔ صرف اس کا راستہ روکا جاتا ہے جس کے پیچھے چاہئے کا خلعہ

-۱۱-

ہاں، وہ بولا، ہونا تو ایسا ہی چاہیے لیکن۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

ایک بات اور ہے، میں نے کہا یہ رکلوئیں صرف مکہ معظمہ میں پیش آئیں۔ مدینہ منورہ میں نہیں۔

توجہ اور مرکز

مدینہ منورہ تو رحمت ہی رحمت ہے، اس نے جواب دیا۔

ج کے دوران قدرت اللہ بار بار مجھے ایک بات سمجھا رہا کہ دیکھو یہی توجہ مرکز سے نہ

میں دی کہ اس سال آپ ج کے لیے نہیں جائیں گے۔ مدینہ شریف سے منع رہیں، میں نے کہا۔
چند ایک روز کے بعد شباب صاحب کا خط ملا لکھا تھا پادشہ اس سال ہم ج پر نہیں جائیں گے۔

۱۹۶۶ء کے آخر میں شباب واپس پاکستان آگیا اور اس نے مرکزی وزارت تعلیم کے سیکرٹری کا چارج لے لیا اور ۱۹۶۸ء میں ہم دونوں ج پر ملے گئے۔

مرد قدیم

ج میں میرا سب سے بڑا مشاہدہ مرد قدیم تھے۔ مسجد نبویؐ میں جب ہم فجر کی نماز کی تیاری کر رہے تھے تو مرد قدیم اس جانب سے تشریف لائے جہر مسجد کا یہ آمدہ تھا۔ اوپر سے مسجد میں داخل ہوئے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

ان کے بڑے کی طرف دیکھ کر میں حیران ہوا۔ ان کے چہرے پر اتنی عزم اور سنجیدگی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لوہے کے بنے ہوئے ہوں اور اس قدر قدیم ہوں کہ تاریخ کے کسی دور سے نکل کر آئے ہوں۔

برآمدے سے وہ سیدھے ہماری جانب آئے۔ اس وقت ہم فجر کی نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے۔ پیچھے سے آکر انہوں نے ہم دونوں کو الگ کیا اور ہمارے دو میان آکھڑے ہوئے۔

اس بات پر مجھے بڑا فخر آیا۔ ہمیں الگ کرنا کیا ضرورت تھی۔

پندرہ بیس منٹ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ انہوں نے ہم سے منہ سے کوئی بات نہ کی، لیکن ان کے ہاتھ متحرک رہے اور وہ باتیں کرتے رہے ان کے جسم میں محبت بھری لہریں تھیں۔ اپنی اہمیت تھی، کرم نوازی تھی۔ ان کی شخصیت سے عجیب سی وابہریشنز نکل رہی تھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد میں نے قدرت کی طرف دیکھا وہ مجھ کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔

لیکن اس کی آنکھوں میں دلی دلی پچھڑی چل رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ سمجھتا ہے، چاہتا

ہے۔ گرد و پیش میں چاہے کوئی واقعہ پیش آئے۔ کوئی بھڑکاو یا بحث نہ لڑی کہ **One word at a time** سے پرفائیز تھا کہ یہ تمام مرے دفتر میں بیٹھے بھائے طے ہو سکتے تھے۔

علیٰ کھانے کا مڑا

عینہ منورہ میں وہ روزِ صبح میں پیچھے چھٹے جگہ اور ہم دونوں جہرہ مبارک کے باہر کیو میں
 آئے ہو جاتے۔ جب مسجد نبویؐ کا جہرہ مبارک والا دروازہ کھلتا تو وہ دیکھنے کھاتا ہوا اندر داخل
 ہوا اور جہرہ مبارک میں نفل کی نیت پاندہ کر کھڑا ہو جاتا پھر تہذیب کا رٹا اندر داخل ہوتا
 کرتا تھا کہ وہاں کھڑا کھڑا اور وہ یہاں سے وہاں تک لڑکھٹا جا پہنچتا پھر سے وہاں کھڑا تو وہ فٹ پل کی
 طرف لڑکھٹا ہوا دھڑا پہنچتا جہرہ مبارک میں نوافل پڑھتا پڑے دل گردے کا کام تھا کسی بار وہ
 بار سے جا کر آتا۔ چوٹ لگتی، لیکن اس کی نیت نہ ٹوٹتی۔

ہندو متود میں قیام کے دوران تین مرتبہ پاکستان ڈسٹری کے ڈاکٹر نے قدرت اللہ کو پیغام لیا۔ آج رات کو مسجد نبویؐ خصوصی طور پر قضا اٹھار کے لیے چند گھنٹوں کے لیے کھلے گی۔ آپ چاہیں تو آپ بھی ان کے ہمراہ مسجد میں جا کر نوافل لڑا کر سکتے ہیں۔

قدرت اللہ شہاب نے ڈاکٹر کاظمیے لڑا کیا اور معذرت کر دی کہ میری طبیعت خراب ہے
 اس لیے میں حاضری نہیں دے سکوں گا۔ اس کے باوجود تہجد کے وقت اس سے مجھے آہنچا پولا
 حالہ جزہ مبارک میں جانے کا وقت ہو گیا اور وہ جزہ مبارک میں حسب معمول دنگے کھاتا رہا۔
 اگلی مرتبہ جب پھر خصوصی طور پر مسجد نبویؐ کے کھلنے کی خبر آئی تو عفت گزار تھی۔ کہنے لگی،
 آپ کو دنگے کھانے میں مزا آتا ہے۔ ہمیں آپ جانے سے کیوں روک سکتے ہیں۔ میں روکتا تو
 نہیں اس نے جواب دیا اگر آپ چاہا جتنا چاہتی تو بے شک جائیں۔ میں ڈاکٹر صاحب کو فون کر
 دیا۔ وہ خصوصی پاس بجھاوا دیں گے۔

۶/۱۰/۱۱ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا 'آپ بھی عفت کے ساتھ ہو آئیں۔'

میں نے نفی میں سر ہٹا دیا۔

وقت غصے میں بولی کیوں آپ کو کیا ہے۔

میں نے کہا، انہیں دھکے کھانے میں مزا آتا ہے۔ مجھے انہیں دھکے کھاتے دیکھنے میں مزا آتا

انطلاق سوز واقعہ، کچھ بھی ہو اس کا ٹولس نہ لیں۔ دل آزرہ نہ کریں، غم نہ کھائیں، قصہ نہ کریں۔ مرکز سے توجہ نہ ہٹائیں۔ ایسے واقعات صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ آپ کی توجہ بٹ جائے۔

عینہ منورہ کے ہوٹل میں ایک روز میں غم و غصہ سے بھرا بیٹا تھا۔ اتفاق سے قدرت ا
گیا بھری طرف دیکھ کر بولا کیوں کیا ہوا۔

کچھ نہیں' میں نے اسے ہانپنے کی کوشش کی۔

آپ بڑے ڈسٹرکٹ ہیں وہ بولا۔

میں نے کہا، 'سعودی حکومت نے جو افسر آپ کے ساتھ بھیج کر رکھا ہے، اس کی دیکھ و لیری پر حیران ہوں۔'

اس نے کیا کیا ہے، شہاب نے پوچھا۔

ایک پاکستانی لیڈی ڈاکٹر کو پھنسا لیا ہے۔ دونوں نے یہ سنا کر ایک کر دیا ہے۔ اعلائیہ
اکٹھے رہتے ہیں۔ شہاب صاحب پہلے مدینہ شریف میں الہی اخلاق سوسائٹی حرکت۔

مفتی صاحب اس نے جواب دیا، وہ یہ اختلاف سود حرکت صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ آپ کا جھوٹا کر دیں۔ آپ غم و فساد کا شکار ہو جائیں۔ آپ کی توجہ مرکز سے ہٹ جائے گی۔ آپ کے خلاف ایک سازش ہے۔

عام انسان

حج کے دوران دوسری بات جو قدرت اللہ نے مجھے سکھائی یہ تھی کہ حرمین شریف میں زائر کو عام انسان کی حیثیت سے رہنا چاہیے۔ بزرگی کا احساس پیدا نہ ہو۔ حمدے کا احساس نہ

ہو، پڑائی کا احساس نہ ہو، صرف انسان عام انسان۔

قدرت اللہ اس پر عمل طور پر پابند تھا

جب بھی وہ حج یا عمرہ کے لیے سعودی عرب آتا تو ایک عام زائر کی طرح کیوں میں کھڑا ہو کر
دُعا حاصل کرتا۔ کیوں، کھڑا ہو کر پی آئی، اے کی نکت بنو اور فاران ایسے بیچنے حاصل کرتا۔

©meernurdu.com جس میں ایک جالے پچائے ہوئے انسانہ نگار نے لیک کی رونمائی پر یہ عنوان

سیارہ ڈائجسٹ

نکلا۔

ج کی رونمیا دلکھے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا یہ موضوع اسلام سے تعلق رکھتا تھا۔ اور میں

نے کتب کے جواب میں کتب باندھی۔ جس وجہ سے ممتاز مفتی نے اپنا سڑیہ لکھا تھا اس وجہ سے سید قاسم محمود نے مضمون پندرہ ماہ اور ایک مسلسل پندرہ ماہ کا تھا مفتی صاحب کی کتب سید قاسم محمود کے مضمون کا ابتداء ہے۔ سامعین لائق دق بیٹھے تھے اور سید قاسم محمود روس تھے، یہ خبر آئے آئے انٹرکانٹینٹل کی انتظامیہ تک پہنچی کہ آج ایک ایسے مضمون کا انٹرکانٹینٹل کے بیچ پر آمادہ ہوا ہے کہ دُور کے اوقات اس میں لیٹ ہو جائیں، تو کچھ جھج نہیں، ہم نے دیکھا کہ ہوس کے منتظرین بار بار شاہد مار ہل میں آکر جھانکتے ہیں مگر مدی سے مضمون نگار کو دیکھتے ہیں۔ کتب کے ناشر سیف اللہ صاحب سے سرکشی کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

انہیں یہ شکایت بھی تھی کہ ممتاز مفتی کو صدر گھر میں مرشد کیوں ملا۔ اس کا خبر کے لیے انہیں خائفہوں یا پھر غفلتوں کی جانب رجوع کرنا چاہیے تھا۔ انہوں نے اپنے کالموں میں بار بار اس کا ذکر کیا۔

ترقی پسند

پھر ترقی پسندوں نے اس کتب کے خلاف ایک مہم چلا دی۔ انہوں نے ایک خبر بھیجی کہ ہاسک میں ایک اہلی کانفرنس ہوئی جس میں ممتاز مفتی کے مضمون ”جج بیت اللہ“ پر جو سیارہ احتجاج میں قسط وار چھپ رہا ہے۔ تہہ کیا گیا۔ کانفرنس میں کہا گیا کہ ایسے مضامین لکھے جائیں جو قارئین کو مذہب سے بے زار کریں جیسے کہ جج بیت اللہ۔

اس پر مفتی دُور نے ہفت روزہ ”زندگی“ کے ۳۰ دسمبر تا ۹ جنوری ۶۲ء کے شمارے میں ایک کالم لکھا جس سے اقتباس پیش کرتا ہوں۔

گزشتہ دنوں روس میں امن بذریعہ قلم کار کانفرنس ہوئی۔ اس میں ایشیا اور افریقہ کے ترقی یافتہ اہل لب و دوس کی پدائیات اور غریبے پر غریب عوام اور ممالک کی جبری ترقی کے ذرائع پر غور و فکر کرتے رہے۔ پاکستان اور بھارت کے بہت سے ”اہل دل“ اور ”اہل درد“ بھی دروہانے کے لیے سیر کو گئے۔ پاکستانی کمونسٹوں کے جدِ اعلیٰ جناب سجاد ظہیر اسی کانفرنس میں امن کے بوجھ سے دب کر اس دنیا سے ہل دیے تھے۔ اس کانفرنس میں برصغیر میں پائیدار قیام امن اور بھارت پاکستان کنفیڈریشن کے قیام کے لیے ان لوگوں کو ایک لائحہ عمل دیا گیا۔ اس کی تفصیل

نے کتب کے جواب میں کتب باندھی۔ جس وجہ سے ممتاز مفتی نے اپنا سڑیہ لکھا تھا اس وجہ سے سید قاسم محمود نے مضمون پندرہ ماہ اور ایک مسلسل پندرہ ماہ کا تھا مفتی صاحب کی کتب سید قاسم محمود کے مضمون کا ابتداء ہے۔ سامعین لائق دق بیٹھے تھے اور سید قاسم محمود روس تھے، یہ خبر آئے آئے انٹرکانٹینٹل کی انتظامیہ تک پہنچی کہ آج ایک ایسے مضمون کا انٹرکانٹینٹل کے بیچ پر آمادہ ہوا ہے کہ دُور کے اوقات اس میں لیٹ ہو جائیں، تو کچھ جھج نہیں، ہم نے دیکھا کہ ہوس کے منتظرین بار بار شاہد مار ہل میں آکر جھانکتے ہیں مگر مدی سے مضمون نگار کو دیکھتے ہیں۔ کتب کے ناشر سیف اللہ صاحب سے سرکشی کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

تقریبوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ تقریب کسی نہ کسی منہل پر جا کر ختم ہو جاتی ہے اور مقلد کسی نہ کسی مرحلہ پر پہنچ کر قدام ہو جاتا ہے، یہ مضمون بھی پندرہ ختم ہو گیا اور سامعین نے اس کے ختم کے ساتھ گرم جوشی سے تائیں بنائیں۔

اس تقریب میں ایک مضمون ذوالفقار بٹاش نے پڑھا اور کتب سے گزر کر اس شخصیت کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کی جس نے اس ستر کرے کو بہت روٹتی بخشی ہے۔ یہ قدرت اللہ شاپ ہیں۔ ذوالفقار بٹاش کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس صاحب کرامت بزرگ کے گرد تین درویش اکٹھے ہوئے ہیں۔ ممتاز مفتی، اشفاق احمد، ابن انشاء ہر درویش مرشد کے حقیقی الگ بیان دیتا ہے اور زہلی داستان بناتا ہے۔

افجاز حسین بنامی کہتے تھے کہ ہم نے بھی شاپ کو دیکھا اور جانا ہے پتہ نہیں مفتی صاحب نے انہیں کس آنکھ سے دیکھا اور وہاں کیا جاوہر پلایا۔

اسرائیل کے ایک جریدے JEDI OF AHARONOT میں اس کی جائے والی قرار دو میں کہا گیا کہ "بھگہ دیش" کے قیام کے بعد برصغیر میں عوامی تحریک اور پروتگاری نگر کی کھیلوں کو مزید منظم کرنے کے لیے پاکستان اور بھارت کے درمیان ثقافتی دیواریں توڑ دینا چاہئیں۔ پاکستان اور بھارت میں کنفیڈریشن کا قیام اور پانچواں امن اسی صورت ممکن ہے کہ پاکستان میں جینیاتی اوب اور دہشت پسند تحریروں کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ دہشت پسند کمیتوں اور پرانے ہندی ہنسی انداز کے انسانوں کی تشویر ہے حد ضروری ہے جس میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کا مذاق اڑایا جاتا جائے۔ قرار دو میں کہا گیا ہے، اس سلسلے میں پاکستان میں روسی سفارت خانے کا تعاون بہت ضروری ہے اور امریکی مراکز اطلاعات سے بھی مدد حاصل کرنا چاہیے۔ کراچی سے نکلنے والے دو رسائل "عالمی ڈائجسٹ" اور "سب رنگ ڈائجسٹ" کی خدمات کو سراہا گیا ہے اور لاہور کے رسالہ "سیارہ ڈائجسٹ" کے جنوری ۱۹۹۷ء کے مضمون "ج بیت اللہ" کی تحریف کی گئی ہے۔ برصغیر، فلج کی ریاستوں اور مشرق وسطیٰ کے ترقی پسند مصنفین کو اس محلہ پر فوری جہاد امن شروع کر دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

ایک روز شہاب اور اشفاق بازار سے کچھ کتابیں خرید کر لائے تو اشفاق کئے لگا "یار مفتی جیری کتاب "ایلیک" اولی کتابوں کی دوکان پر نہیں ملتی۔ اسلامی کتابوں کی دوکان پر ملتی ہیں۔ شہاب بولا۔ قرآن کریم اور حدیث کی کتابوں میں رکھی ہوئی ہے۔ حیرت کی بات ہے میں نے کہا "بھرا خیال تھا اس کتاب پر بڑے اشتیاقات ہوں گے۔"

ہاں ہوتا تو کیا چاہیے تو اشفاق نے کہا۔
معلوم ہوتا ہے کسی اللہ کے بندے نے اس کتاب کو پائس کر دیا ہے۔

ساری رات میں سوچا رہا اشفاق کی کتاب ہے۔ یہ کتاب سیری کتاب نہیں ہے مجھے اس کی اشاعت میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔
اگلے روز میں نے پیش کو نسل کے نام پر "کتاب" میں اعلان کر دیا کہ لیک کے حقوق مصنف کے حق میں محفوظ نہیں ہیں۔ جو شخص چاہے اسے مصنف کی اجازت کے بغیر شائع کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر یاربر لیسٹکاف

حال ہی میں ایک امریکی ڈاکٹر یاربر لیسٹکاف نے "ایلیک" پر تحقیق کرنے کے بعد ہندی دار لبریری ٹائمز کیم آسماٹ جون ۱۹۹۰ء کے شمارے میں ایک چار کالی نمونہ شائع کیا ہے جس کا انگریزی ہے۔

"BARBRA METCALF QUESTIONS THE ASSUMPTION THAT ISLAM IS MONOLITHICALLY INTOLERANT OF SATIRICAL TREATMENTS OF RELIGIOUS ORTHODOXY AND EXAMINES THE URDU WRITER MUMTAZ MUFTI'S LABBAIK AN ACCOUNT OF HIS PILGRIMAGE TO MECCA, A BOOK CONTINUOUSLY IN PRINT SINCE ITS PUBLICATION IN 1975."

بارٹ انیک

جج سے واپسی کے چند ماہ بعد مجھے دل کا دورہ پڑ گیا۔ رات کے دس بجے کے قریب مجھے چھاتی میں درد ہوا۔ دل میں سمجھا کہ شاید درد رتج ہے۔ مجھے اکثر ہوا کی شکایت ہو جاتی تھی۔ درد بڑھتا گیا بڑھتا گیا حتیٰ کہ نا قابل برداشت ہو گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ تو بارٹ انیک ہے۔

مشیخ نے دو تین پارکاً میں ڈاکٹر لے آتا ہوں۔ لیکن میں نے (Dr. Farid) صاحب آپ کی ریکوری تو خوب رہی۔ آپ کا تو سکار بھی نہیں رہا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے ہماری دوائیاں بڑے اہتمام سے کھائی ہیں۔

میں نے کہا: جناب میں نے سیانے لوگوں سے مشورہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا: قلب کے لیے بہترین دوا طب میں نے کی۔ اس لیے میں خیرہ مراد یہ کہنا رہا۔ کلور سٹل کے لیے مجھے بانیو کسی میں ایک ایسی دوا مل گئی جو خون نہ تو کاڑھا ہوئے دیتی ہے نہ چٹا کرتی ہے۔

یہ سن کر ڈاکٹر صاحب سخت بھولے ہوئے 'آپ پڑھے لکھے ہو کر کوئی بکس کی دوا کھاتے ہیں۔

میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب ابھی ابھی آپ فرما رہے تھے کہ کمال کی ریکوری ہوئی ہے۔ سکار تک مٹ گیا ہے۔

اس پر دو اور جگہسے 'بولے' آپ علاج کے لیے میرے پاس نہ آئیں۔ آپ انہی سے مشورہ کریں جن کی دوا کھاتے ہیں۔

ہارٹ اٹیک کے بعد ہسپتال میں لوگ مجھ سے ملنے کے لیے آتے رہے۔

مکان

سب سے پہلے میری بیوی آئی۔ کہنے لگی: 'آپ ہارٹ اٹیک کرا کے بیٹھ گئے ہیں اور ہمارے لیے ابھی تمہی نہیں کیا کہ سر پہچانے کے لیے ایک کو فوری بنا دیتے۔ مجھے اس کی بات سن کر بڑا غصہ آیا کہ میں دل کے عارضے سے پرہیزوں اور یہ بی بی گھر کا مقابلہ کر رہی ہیں۔

دیسے اس کی بات کہی تھی۔ لاہور میں جو گھر ہمیں ملا تھا وہ ہم چھوڑ کر راولپنڈی چلے آئے تھے۔

پنڈی میں حکومت نے سرکاری ملازموں کو سیٹلائٹ ٹاؤن میں پلاٹ دینے کی سکیم بنائی تھی۔ میں نے بھی ایک مرضی دے دی تھی۔ میرا کلیم منظور ہو گیا تھا۔ ابھی پلاٹ نام زد نہیں ہوا کہ میرا چاولہ کراچی ہو گیا تھا۔

یوں میرے نام کوئی پلاٹ یا مکان ملا نہیں ہوا تھا۔ میری بیوی کے چلنے کے بعد میرا ایک دوست احسان میری خبر لینے کے لیے آگیا۔ احسان سی ڈی اے میں اکلوش افسر تھا۔ میں

میرا سہا ہے۔ ان دنوں ہم دونوں سیٹلائٹ ٹاؤن میں ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

میرا ج کپڑا گرام بنا تو مشیخ نے مجھے سے کہا کہ تمہارے بچے چلنے کے بعد اقبال اور بچے اکیلے رہ جائیں گے چوں کہ کبھی ابھی چیکو سلاو کر کے واپس نہیں آیا تھا۔

کہنے لگا: ہماری گلی میں ایک مکان خالی پڑا ہے بہتر ہے ج پر چلنے سے پہلے مکان بدل لیں۔ اس کے کہنے پر میں نے مکان بدل لیا تھا۔

مجھے چھاتی میں درد ہوا تو اقبال نے مشیخ کو بلا لیا۔ جب درد نا قابل برداشت ہو گیا تو مشیخ ٹیکسی لانے کے لیے بھاگا۔ پھر دھنم "یوں ہوا جیسے کسی نے پانی کی مٹک بھج پر گرا دی ہو اور میں بے جان ہو کر چار پائی پر گر پڑا۔

ہولی فیل ہسپتال میں انہوں نے مجھے پے پے ڈین کا ٹیکہ لگا کر سلا دیا۔

اگلے روز ڈاکٹر آیا تو میں نے اسے بتایا کہ مجھے دل کا دورہ پڑا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا: 'آپ فکر نہ کریں۔ ابھی پتہ چل جائے گا پہلے آپ چار ایک شٹ کروائیں۔

تین دن میں کیوس کڑے ہو کر شٹ کروانا رہا۔ چوتھے دن میں نے ڈاکٹر سے کہا: جناب میں قلم مزدور آدمی ہوں۔ گھر چلانے کے لیے سکرپٹ لکھتا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ گھر چلا چلوں اور سکرپٹ لکھنے شروع کر دوں۔

ڈاکٹر نے کہا: 'آپ کے دستوں کے نتائج آجائیں گے میں انہیں دیکھ کر آپ کے بارے میں فیصلہ کر سکوں گا۔

اگلے روز دو گھبرایا ہوا آئینے کا 'آپ کو کارڈری انفکشن ہوا تھا۔ بہت شدید ہارٹ اٹیک تھا۔ آج سے آپ بیڈ ریسٹ پر ہیں۔

میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب مجھے آپ پر اعتماد نہیں رہا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ پہلے روز ہی اعتدال کے طور پر مجھے بیڈ ریسٹ کا حکم دیتے۔ اس پر ڈاکٹر ناراض ہو گیا اور میں اس کی اجازت

لے بغیر گھر چلا آیا۔

چھ مہینے کے بعد میں ڈاکٹر کے کلینک میں گیلہ انہوں نے میرا ای سی بی کیا اور خوشی سے

© neurdur.gov

نے کہا تمہارے جیسے دوستوں کا کیا فائدہ ہے۔ دیکھو ابھی ابھی میری بیوی مجھ کو لے کر نکلتی ہے۔ ایک کو غریبی کا انتقام بھی نہیں کیا۔

احسان نے کہا ایک عرضی لکھ دو۔

میں نے کہا 'والہ دل کے مریض سے عرضی لکھواتے ہو۔

اس نے کہا 'اچھا ایک کلمہ پر اپنے دستخط کر دو۔ چہ بیٹے کے بعد مجھے ایک خط موصول ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ تمہارے نام اسلام کلوہ کے ایف۔ ٹیکس سیکڑ میں ایک ۳۰ x ۹۰ کا پلاٹ الٹ کر دیا گیا ہے۔ لہذا پانچ ہزار روپے لوہا کر کے پلاٹ پر قبضہ حاصل کر لیں۔

میرے لیے پانچ ہزار کی رقم بہت بڑی رقم تھی۔ پاکستان میں میری ملازمت صرف چندہ سال کی تھی۔ میری پنشن کمپنیشن کے بعد بے ۲۰ روپے بنی تھی۔ میں نے جوں توں پلاٹ تو حاصل کر لیا، لیکن مکان تعمیر کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

تین سال کے بعد سی ڈی اے کے نوٹس موصول ہونے شروع ہو گئے کہ اگر آپ نے مکان تعمیر نہ کیا تو پلاٹ ضبط کر لیا جائے گا۔

میں سی ڈی اے کے اصرار سے جا مانہ میں نے کہا 'جہاں میں ایک راکٹر ہوں۔ ہم مزدوری کرتا ہوں۔ مکان بنانے کی توقع نہیں رکھتا' اگر آپ لوہب کے حوالے سے مجھے خصوصی اجازت دے دیں کہ جب بھی توفیق ہو، مکان بنوانوں تو شکر گزار ہوں گا۔ انہوں نے میری درخواست کو منظور نہ کیا۔

آفرز

پھر پلاٹ کی آفرز آنے لگیں۔ میں ہزار روپیہ، چھ سو ہزار روپیہ، تیس ہزار روپیہ، جب ۳۵ ہزار کی آفر آئی تو میرا دل ڈل گیا۔

میں پھر سی ڈی اے کے افسروں سے جا ملا۔ میں نے کہا 'علی چاہو' میرا ایمان ڈل گیا ہے۔ پلاٹ کی آفر ۳۵ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

میرا خیال تھا کہ وہ کہیں گے کہ نہیں آپ پلاٹ کو بیچ نہیں سکتے یہ قانون کے خلاف ہے۔

وہ ہم آواز میں بولے 'بیچ دیجیے۔ بس آپ کو برسرِ سنت اتباع دینا پڑے گا۔

یہ سن کر میرے ذہن کا ٹیوڈ اڑ گیا۔

پھر امین صاحب آگئے۔ وہ مجھے میں لال بھجوا کا ہو رہے تھے۔

امین صاحب۔ قدرت اللہ کے بہنوئی تھے۔

امین صاحب کی شخصیت میں تین اوصاف نمایاں تھے۔ ایک تو وہ سراسر مرلا مستقیم تھے۔ دوسرے خدمتِ خلق کے دوانے تھے اور تیسرے بڑے فیصل تھے۔

انہوں نے آتے ہی کہا 'میں نے سنا ہے آپ اپنا پلاٹ بیچ رہے ہیں۔ خیرادر جو آپ نے پلاٹ بیچا۔

میں نے کہا 'امین صاحب مکان تعمیر کرنے کے لیے رقم نہیں ہے۔

کتنے روپے ہیں آپ کے پاس' انہوں نے پوچھا۔

میں نے کہا 'صرف چندہ ہزار روپے۔

کتنے گئے 'چودہ ہزار کا چیک کٹ دیجیے ابھی اس وقت۔

اگلے روز میں نے شاپ سے بات کی۔

شاپ کتنے لگا 'آپ کو مبارک ہو۔ اگر آپ کے گھر کی تعمیر کا زمہ امین نے لے لیا ہے تو

آپ کا مکان بن گیا۔ امین اللہ کو گھر تعمیر کرنے کا ذہن ہے۔ وہ لوگوں کے گھر تعمیر کرتے رہتے ہیں۔

مارا دن ہزاروں کی خاک چھلتے ہیں تعمیر کی سستی ترین چیزیں خریدتے ہیں اور باقی وقت لبر کی

پرویزن میں صرف کرتے ہیں۔ میرا گھر بھی انہوں نے بنایا تھا۔ میرے پاس بھی رقم نہ تھی۔

لیکن شاپ صاحب 'میں نے کہا دو لاکھ روپے آئیں گے کہیں سے۔ امین خاں کو کہیں۔

نہ ہی دو کروڑ پتی ہے۔

وہ مسکرایا 'ہوا' ایسے کاموں میں فیصلہ لارہو جاتی ہے۔ شاپ نے بیچ کا تھا۔ پتہ نہیں کہیں

کہیں سے رقمیں آتی گئیں۔ انہا نے دیکھے پیدا ہوتے گئے۔ انہائی بکوں سے رقمیں آتی گئیں

اور ۶۹ میں میرا مکان بن گیا۔



۱. تنگ دستی، خوف و ہراس
۲. مبینہ جادو
۳. ایٹمی کی واپسی
۴. دو اپناج

تنگ دستی، خوف و ہراس

بھارتی حکومت کے سربراہین نے
انہوں آتے ہی مارشل لا نافذ کر دیا۔

جنرل یحییٰ

انہوں نے نیکرزوں کی ایک بینک بلائی جس میں سب افسروں کو سخت جھاڑ بھڑاکی اور
اپنی حکومت کے حلقہ منہ پھاڑ کر دعوے کیے۔ ہم یوں کر دیں گے، ہم دوں کر دیں گے۔
اس پر قدرت اللہ شاہ نے فیروز محمول مارشل لا کا مذاق اڑایا۔ کہنے لگا، جناب آپ
کے مارشل لا کی کیا بات ہے نمایاں صاف ہو رہی ہے۔ کیا مارلی چاہی ہیں۔ قلعوں کی
دوکانوں پر جامیں گولا کی جارہی ہیں۔ خاک روپ بیکار پر سڑکیں صاف کر رہے ہیں۔
یہ سن کر جنرل کا پارہ چڑھ گیا اس نے نیکرزوں سے کہا اس شخص کا ذہن چل گیا ہے۔
اسے سمجھاؤ۔ ورنہ اسے خیارہ پھینکا دے گا۔

اس پر بعد کر کش نے شاہ کو گھیرے میں لے لیا اور اسے سمجھائے گئے۔
اگلے روز شاہ نے اپنا ایشیے پیش کر دیا۔



اور عمر بھر میں نے شب کے چلنے کے حکامات جاری کر دیے۔ حلقی کو تعلیم کا نیکرٹری ہنر
کر دیا اور شب کو روح نیکو سمجھنا دیا۔ اس کے علاوہ ہنر نے چنیدہ چنیدہ اکوئیں کو ڈیوٹی لکھی کہ وہ
ہادی ہادی شب کو سمجھائیں کہ وہ اپنا اشتغاف واپس لے لے۔ ان میں راجہ محمود آپد بھی شامل
تھے۔

ہنر نے جی جبرجگ حم کا آدمی قتل اسے تین پاؤں سے دلچسپی تھی۔ انکسراز آف پاور۔
شراب نوشی اور موٹی عورتیں۔

رات کے وقت شراب نوشی کا دور شروع ہو جاتا تھا کرے میں مونے گوشت کی دلدل
بجھ جاتی جس میں ہنر یوں لت پت پڑا رہتا جیسے سمندر کے کنارے کچھڑ میں مگرچہ لت پت پڑا
رہتا ہے۔

میں نے شب سے کہا یہ آپ نے کیا کیا۔ خواہ مخواہ ہنروں کے چنے کو چھڑ دیا۔
شب نے جواب دیا "ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم سب ہی حضور صی ہیں"
حکومت کا کوئی بھی سربراہ آئے۔ جائز طریقے سے آئے یا ناجائز طریقے سے۔ حکومت کرنے کی
الیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ چاہے ذلتی ہو، مخوار ہو۔ چاہے جسمانی طور پر مفلوج ہو، صاحب
کر دار ہو یا نہ ہو ہم سب ہی حضور صی ہیں۔ اگر گھبراؤں لیتے ہیں اور ذاتی مفاد کے لیے اس کے
کن گاتے ہیں۔ تفریقوں کے پل پاندھ دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حقائق پس پشت چلے
جاتے ہیں اور فیئینسیسی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

میں نے کہا جناب آپ نے سانپ کی دم پر پاؤں رکھا ہے۔ اب کیا ہو گا؟ آپ کی مدد کو
کوئی نہیں آئے گا۔

خوش قسمتی سے انہی دنوں شب کو یو نیکو سے ملاوا آکریڈ ڈائریکٹروں کی ایک میٹنگ میں
شرکت کے لیے وہ پیرس روانہ ہو گیا۔ کراچی میں وہ حلقی سے ملاوڑ اسے چارنگ دے دیا۔

پیرس سے اس نے ڈاکٹر مفت کو فون کیا کہ "فورا" لندن "چانچو" مفت اور ثاقب چپ چاپ
لندن روانہ ہو گئے۔

بہائی جان نے کہا "انہوں نے اچھا کیا کہ یہاں سے چلے گئے۔ یہاں مفلوج ہتوں کا دور دورہ
ہو گا۔ سب ہی حضور صی گھبراؤں لیں گے۔ نفسا نفسی ہو گی۔ آپا دھاپی چلے گی، لیکن آپ گھبراؤں



مستاز مفتی، محمود ہاشمی، رضا عابدی، افتخار عارف اور دیگر لندن کے جلسے میں



شب اب اور سیری

آئی پہنچ سکا۔ کئے گئے، ہمیں بھی من کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

اسی شام کو راجہ شفیع آکیا۔ دو دست شے میں تھا، آئے ہی مجھ سے لڑنے لگے۔ کہنے لگا، میں اپنی مشکل سے بھائی جان کی توجہ شہاب صاحب کی قینباتی کی جانب مبذول کرتا ہوں تاکہ وہ انہیں جہد میں قینبات کرا دیں، لیکن تم من کی توجہ دوسری باتوں کی طرف الٹھا دیتے ہو۔ میرا کیا لایا بڑا کر دیتے ہو۔

دراصل راجہ یہ سمجھتا تھا کہ بھائی جان شہاب کے روپے کو بدلنے پر قادر ہیں۔ اس کے برعکس میں یہ سمجھتا تھا کہ بھائی جان شہاب کے پروگرام پر پلٹے پر مجبور ہیں، چاہے دولت پسند کریں یا نہ کریں۔

میں نے بہت کوشش کی حتیٰ کہ راجہ کو یہ بات سمجھاواں، لیکن میں بری طرح سے ناکام ہوا تھا۔

راجہ شفیع دراصل رسمی قسم کا مرید تھا۔ وہ ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا کہ چلائی سے بھائی جان کا رخ بدلے اور انہیں اپنی ضروریات کے مطابق استعمال کرے۔ مجھے اس کی روش پسند نہ تھی۔ اس لیے میں محسوس کرتا تھا کہ میں آکیلا رہ گیا ہوں۔ اس کے باوجود میں راجہ کے غلوں کا معترف تھا۔

فینٹسیسی

شہاب کے جانے کے بعد وقتاً بے وقتہ مجھ میں فینٹسیسی کا ایک طوفان جاگ اُٹھا۔ تصویریں، نقش تصویریں، نگلی تصویریں۔

میں جوانی سے ہی فینٹسیسی کی بنیادی کاغذ تھا۔ جب بھی میں فارغ ہوتا تو میرے ذہن میں ایک قلم چلنے لگتا، نگلی تصویریں، ہوس سے بھرے ہوئے مناظر، قتل، اغراض خیالات، نقش پھول، شجر۔

پہلے میں اس صورت حال میں الزماں دیکھی لیتا تھا۔ جب مرد فتنہ ور اور بھائی جان سے متعارف ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ یہ علامت میری ذہنی غلط کاری کو ہوا دیتی ہے۔ میں نے بھائی جان سے بات کی۔ انہوں نے قریباً آپ کلہ پڑھا کریں، پھر میں نے اس کیفیت پر ملاحظہ

نہیں۔ یہ دور صرف ایک یا دو سال چلے گا۔

راجہ نے کہا، جناب ہم سب کے حالات خراب ہو رہے ہیں۔ ہم سب مصائب میں گرفتار ہوئے ہیں۔

بھائی جان بولے جب مصیبت آئی ہے تو ایک فرد پر نہیں آئی، سارے گھرانے پر آئی ہے۔

تین چیل

راجہ نے کہا بھائی جان مصیبت جب بھی آئی ہے ہمارے گھرانے پر ہی آئی ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ آپ کیوں نہیں کوشش کرتے کہ شہاب کی منصب جگہ پر قینباتی ہو جائے۔ بھائی جان مجھے تھکایا کر کے بولے، آپ کو علم ہو گا کہ وہ کس جگہ قینباتی چاہتے تھے۔

میں نے کہا، جناب انہوں نے اس بارے میں مجھ سے بات نہیں کی البتہ راجہ محمود آپا سے کیا تھا۔

کیا کہا تھا، بھائی جان نے پوچھا۔

میں نے جواب دیا، انہوں نے جہد کی سقارت کے لیے کہا تھا۔ راجہ محمود آپا صاحب نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ کہنے لگے، قاتل سروس میں تین مقام جنرل خانے کے حروف کبھی جاتے ہیں۔ جلال آپا، جہد اور جکڑے۔ جہد کی پوسٹ بے لیس کے برابر ہے۔

پھر شہاب صاحب نے کیا کہا، بھائی جان نے پوچھا۔

شہاب نے کہا، مجھے متصور ہے۔

شہاب صاحب جرنیل صاحب کو بھی حضور یوں کی ضرورت ہے، اگر آپ جی حضور یے بننے کے لیے تیار ہیں تو جو چاہیں گے، لے گا۔ اگر جی حضور یے بننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو جو

چاہیں گے اسے کرا کر لے گا۔ راجہ محمود آپا، بھائی جان بولے۔

بھائی جان، میں نے کہا۔ شہاب صاحب کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہتے ہیں چٹنی ہوں اور ایک نہیں دو لوں گا۔ جرنیل کو کمری کمری سٹاؤں گا اور جہد کی پوسٹ بھی لوں گا۔

شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس دہائی بیماری میں تخفیف تو ہو گئی، مگر کچھ عرصہ بعد دوبارہ شروع ہو گیا۔

نکلنے بھی بھلا دورہ پڑ جائے۔ میں نے شب سے بات کی۔ اس نے کہا دورہ پڑتا ہے تو پڑے گا۔ اسے لہجہ نہ تھا۔ وہ اہمیت دے گا تو اسے تقویت ملے گی۔

اگرچہ شب کا جانا ہوا طریقہ مشکل تھا۔ اس کی نسبت لاجول پڑھنا آسان تھا۔ لیکن لاجول پڑھنے میں حقد مقدم کی کیفیت تھی اور اس طرز عمل میں دورے کو خواہ مخواہ اہمیت ملتی تھی۔

بہر حال چار پانچ سال میں فینینسی کے دورے تقریباً ختم ہو چکے تھے۔ لیکن ان ایام میں پتہ نہیں کیا ہوا۔ ایک دم بلا وجہ فینینسی کا ایک طوفان چلنے لگا۔ میں نے لاجول پڑھا۔ پتا لاجول پڑھتا تھا ہی طوفان خیز ہو نہ۔ پھر میں نے اس انکوار کرنے کی کوشش کی، لیکن عیب۔

میں بھائی جان کے گھر کی طرف بھاگا۔ وہاں مکان پر تالہ لگا ہوا تھا۔ پتہ چلا کہ ان کی بیوی بیمار ہے اور ہسپتال میں داخل ہے۔

پھر میں راجہ شفیق کی طرف چل پڑا۔

راجہ فیروز معمول ترک میں تھا۔

میں نے کہا راجہ تجھے کیا ہوا۔

بولا "سب چھوٹ ہو گیا۔"

کیا مطلب۔

بولا "ایز یو ور۔ میں اپنی اصلیت کی طرف مڑ گیا ہوں۔ سارا دان تاش کھینا ہوں۔"

سینکس کے ساتھ۔

منہ ڈبلی نہیں۔ کچھل پھٹے پانچ سو جیتے۔

ارے میں چالایا تمہاری زبان میں لکت کیوں ہے۔

ایک چٹکی لی ہے۔ تم لو گے۔ وہ مڑا لمداری کھپٹ کھولا اور بوتل نکال کر میز پر رکھ دی۔

ایک گھونٹ لی اور۔ وہ بولا "پھر چارے پر جا کر کھائیں گے۔"

وہاں میری ایک پرانی سیکی رہتی ہے۔

راجہ شفیق سے بات کرتا ہے کہ ہر حال اس کی تو اپنی جہتی اپنی چل گئی تھی۔

اور قدرت کے متعلق بڑی پریشان کن خبریں آ رہی تھیں۔ وہ لندن کے مصائب میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہائش پذیر تھا۔ گھڑا بند ہو چکی تھی۔ اسٹیفن منظور نہیں کیا گیا تھا۔ ہیشن کی لوائیج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ کوئی بک انکوائنٹ نہ تھا۔ پرائیویٹ کے بلات اچلاس کے لائوسٹ پر گزر کر رہا تھا۔ یہ لائوسٹ بہت کم تھا۔

قدرت اللہ کا چھوٹا بھائی حبیب شاہب جو سٹین بینک میں پبلک ریلیشنز کا ڈائریکٹر تھا ان دنوں قدرت سے ملنے کے لیے لندن گیا تھا اس کے بیان کے مطابق:

قدرت اس کی بیوی ڈاکٹر عفت نور پٹیا صاحبہ اس چھوٹے سے گاؤں میں

کسمپری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ صبح ناشتہ پر ایک سوکھا نوٹ۔ دوپہر

کے کھانے پر ایک تازہ نوٹ چائے میں بھگو کر اور رات کو ایک نوٹ

آلیٹ کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ ان کے ساتھ کسی ایک روز رہنے کے

بعد جب میں واپس آیا تو مجھے کھانے سے کوئی رغبت نہ رہی تھی۔ ایسا

معلوم ہوتا تھا۔ جیسے دل اور جینٹ میں کافی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔

کیوں کہ کئی تکلیف دہ مقرر دل و دماغ پر ثبت ہو کر رہ گئے تھے۔

سات سالہ صاحبہ پیل یا پائیکل پر سکول جاتا تھا۔ سکول جاتے آتے ہر

بار اس کا سائیکل برف میں پھنس جاتا تھا۔

برف و بارش میں قدرت کا پیل سفر خود سوا لاکھ لائبریری جانا۔ کھینچی

کے گٹے پر کپڑے دھوتا۔

عفت کی پریشان حالی "بے بسی" "آہیدہ" انھیں "گرتی ہوئی صحت۔ ان

سب مصائب کے باوجود قدرت کی منتظر میں نہ تو کبھی تھی اور نہ اس

نے کبھی کسی کے دورہ ان مصائب کا رونا دیا تھا۔

حبیب شاہب

حبیب شاہب "عملاً" قدرت اللہ سے مختلف تھا۔ وہ ایک جرنلسٹ تھا۔ سوشل فوڈ بات

تے دوچار ہوتے ہیں تو حبیب کو پتہ چل جاتا ہے اور آپ کی طرف اٹھ بھاگتا ہے۔

وہ سکرایا بولا، حبیب اور میرے درمیان ایک عجیب تعلق ہے۔ میرے دکھ اور تکلیفیں حبیب کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔

قدرت نے کہا، وہ ہر مشکل میں میرے کام آتا ہے۔

بچپن میں جب ہم گلت میں گورنر گمر میں رہتے تھے، ان دنوں مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا وہاں چھوٹی چھوٹی کتابیں کرائے پر ملتی تھیں۔ میں روز ایک کتاب کرائے پر لیتا تھا حبیب اور میں دونوں گھر سے اپنے اپنے بچے اٹھا کر سکول کے لیے نفلے گاؤں ہاؤسز میں چند ایک کو غریب خلی پڑی تھیں۔ سکول میں جانے کے بجائے میں ایک کو غریب میں گھر جاتا تھا حبیب سے کہتا کہ تو کو غریب کی ماہر سے کٹڑی لگا دے۔ میں وہاں سارا دن کتاب پڑھتا رہتا تھا جب حبیب سکول سے واپس آتا تو کٹڑی سکول گھر بھیجے گا پھر لکھا اور پھر ہم دونوں بچے اٹھا لے کر گمر میں یوں داخل ہوتے جیسے سکول سے آئے ہوں۔ کہنے لگا، میں نے حبیب کو دھوکے دے رکھی تھی کہ اگر تو نے راز فاش کیا تو کتے مار مار کر تیرا بھر کس نفل دن لگا۔

میں نے کہا، شام صاحب یہ بتائیے کہ جب آپ کلک میں باندھ پاؤں کے بدامرواح کی وجہ سے سخت پریشان تھے تو کیا حبیب کو آپ نے بلایا تھا یا وہ از خود آیا تھا۔

از خود آیا تھا، اس نے جواب دیا۔

پابند

میں نے کہا شام صاحب آپ نے جو کلک کے باندھ پاؤں کا نقشہ کھینچا ہے وہ عام باندھ پاؤں سے بہت مختلف ہے میں نے بھی چند ایک باندھ پاؤں دیکھے ہیں، بلکہ ہمارے میں دھارے کھانے میں کسی ایک مقالت باندھ تھی۔ باندھ پاؤں میں عجیب نوعیت کے واقعات ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن اس حد تک نہیں کہ کیلا چیلو تو اندر سے ریت برآمد ہو۔ باندھ پاؤں میں واکیہ آسکتا ہے، لیکن وہ چڑیوں کا بھر میں بنتا۔

شام صاحب باندھ پاؤں کا یہ واقعہ آنکھ سنایا کرتے تھے، لیکن ہر بار تفصیلات میں فرق پڑ جاتا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ بھوت بولتے تھے بلکہ یہ کہ پورا جی بیان نہیں کرتے

چیت کرنے کا دلداد، میل جول کا شوقین۔ قدرت کی طرح وہ اندر ورت میں تھا بلکہ ایک سرور ورت تھا قدرت کی ہر اسرار زندگی کو قریب سے دیکھنے کی وجہ سے اسے راز دان کا راز ادا کرنا پڑا تھا اسی وجہ سے وہ اپنے بیانات میں بہت محتاط ہے۔ ہر معاملہ اسے اپنے پیسے بھلی کے کردار کی عظمت کا اثر سے احساس ہے اس مضمون میں جو اشفاق احمد نے اپنی کتاب ذکر شام میں شائع کیا ہے۔ اپنے پیسے بھلی کے متعلق حبیب لکھتا ہے کہ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا عظیم انسان نہیں دیکھا جس نے جیسے ضبط اور کسر نفسی سے کام لیا، اللہ نے ذہانت اور دیانت کی خوبیوں سے نوازا۔ جو غریبوں کا دوست رہا جو عزیز و اقارب و دوست احباب کے لیے شفقت، محبت اور خلوص کی دولت سے مالا مال تھا۔ قدرت کی ذات کی یہ عظمت بچپن ہی سے آشکار تھیں۔ بچپن ہی سے اپنے ہم عمر میں منور نظر آتا تھا۔

اس کے بعد پتہ چلا کہ جہل بچپن نے کچھ فنی افسروں کو لندن بھیجا ہے تاکہ وہ قدرت اللہ کو گرفتار کر کے پاکستان لائیں اگر یہ پروجیکٹ ممکن نہ ہو تو اس کے بیٹے کو اغوا کر لیں، تاکہ وہ پاکستان آنے پر مجبور ہو جائے۔

یہ خبر قدرت اللہ تک پہنچی مگر چونکہ لندن کے سرکاری معلقوں میں اس کے خیر خواہ بھی موجود تھے۔ قدرت کی گرفتاری کا امکان اس قدر تکلیف دہ نہ ثابتا تا جب کا افرا۔ بل کو پتہ چلا تو وہ غم و غصے سے دیوانی ہو گئی۔ تا جب سکول جانا تو دروازے میں کڑی رہتی۔ قدرت ہاؤس لگا تو گھر و اس گھر ہو جا کہ اللہ خیر کرے خیریت سے واپس آجائیں۔

حبیب اور قدرت کے تعلقات عجیب سے تھے۔ قدرت کو کوئی تکلیف پہنچنے والی ہوتی تو حبیب پر اک بے نام بے چینی طاری ہو جاتی تھی۔ اور قدرت کی جانب اٹھ بھاگتا کلک کے باندھ پاؤں میں جب قدرت بدروح کے گھیرے میں پھنس گیا تھا۔ تو قدرت نے حبیب کو بلایا نہیں تھا۔ حبیب از خود وہاں پہنچ گیا تھا لندن میں جب قدرت تک دتی کا ظہار ہوا تھا۔ تو حبیب از خود وہاں پہنچ گیا تھا۔

ایک روز میں نے قدرت سے پوچھا۔ میں نے کہا یہ کیا اسرار ہے کہ جب آپ کسی مقام



نے میں پایا۔ میں نے کئی بار کوشش کی تھی کہ شہاب سے مل جاؤں، لیکن میں نے محسوس کیا کہ تل اور پانی کا ملاپ ہے۔ ایک گھاس میں دو ٹوں اکٹھے ہو بھی جائیں تو بھی تل جیل رہتا ہے اور پانی پانی۔

صیہونی جادو

قدرت الٰہی شہاب نے شہاب نامے میں اسرائیل کے دوسرے کے خفیہ مشن کی روایت کو سرسری طور پر بیان کی ہے، لیکن اس نے اسرائیلی جادو کا ذکر نہیں کیا۔ شہاب نامے میں کہا ہے کہ جب اسرائیل نے فلسطینی علاقے پر قبضہ کر لیا تو یہ نیکو نے اس پر غایہ کر دیا کہ وہ فلسطینی بچوں کو ان کی مذہبی تعلیم سے محروم نہ کریں۔ فلسطینی اساتذہ انہیں تعلیم دیں اور وہ انہیں سکولوں میں پڑھائی جائیں، جو یہ نیکو میں سے منظور شدہ ہوں۔

اسلام دشمنی

اسرائیل نے حاتی تو بھلی لیکن عملی طور پر اس کی خلاف ورزی کی۔ انہوں نے فلسطینی اساتذہ کو تختہ اچس دے کر گھڑوں میں بٹھا دیا اور یہ نیکو کی منظور شدہ کتابوں کی بجائے ایسی کتابیں رائج کر دیں جن میں اسلام، سیرت مبارکہ اور عربی تاریخ و ثقافت کے خلاف گمراہ کن پراپے کنڈا رقم تھا۔ مثلاً یہ نیکو کی منظور شدہ کتاب میں THE HOLY PROPHET OF ISLAM کے بدلے اسرائیلی اپنی کتابوں میں THE FALSE PROPHET OF ISLAM میں بدل دیتے تھے۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

یوں محسوس ہونے لگا جیسے کسی پاکیزہ فیش محل میں ایک سناٹا لعلی سے بند ہو گیا ہے۔ لڑنے کے بخار کی طرح میرے تن بدن پر کچلی غاری ہو گئی اور لذت بے اختیار کٹ کٹ بچنے لگے۔ مری کے مریض کی مانند تشنگی میں گرفتار ہو کر آہ "ہا" "ہا" "ہا" لڑھکا ہوا میں ایک ایسی قائم نڈل میں جا گرا جہاں پر لعل انسانی کی ہزاروں سال کی خوابیدہ تاریخ و نگہانی لے کر بیدار ہو گئی اور کنگھن کی طرح جگ جگ کرتی ہوئی شاہراہوں پر بڑے بڑے ڈی شان ٹریفیوں کے قدموں کی خاک سے نور کے چشمے پھوٹنے لگے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر اللہ کے آخری نبی خاتم النبیین رحمت اللعالمین حضرت محمد ﷺ جنہیں اللہ کی پاک ذات شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی تھی تاکہ ان کو اپنے کچھ غائبانہ قدرت دکھائے۔

اسی مسجد میں قریش سے عرش تک دوری فرشتوں نے وہ راستہ منور کر دیا جس پر نبوت کا سطر اقتدار کے حضور ﷺ نے رسالت کی معراج کو چلایا۔ سدرۃ المنتہی کے پاس جس کے قریب جنت اللہائی ہے۔ جب اس سدرۃ المنتہی کو لپٹ رہی تھی۔ جو چڑچڑاہٹ رہی تھی لگاؤ نہ تو اٹھ لور نہ بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے غائب دیکھے۔

خبر نہیں وہ وصل کی گھڑی تھی یا فرق کا لور کہ میں اس وقت فضائیں اذان کی تہوار گونجی اور بچپن میں کہیں پڑھا ہوا ہے پرانا شعر مجھے بے اختیار یاد آ گیا۔
خدا کجے موزن سے کہ ٹوکا میں عشرت میں
چری مجھ پر چلا دی نوحہ اللہ ہو آکبر سے
جس شخص کے مسجد اقصیٰ کے حلقے میں جذبات ہیں جو مندرجہ بالا کوشش میں پیش کیے گئے ہیں۔ وہ وہاں سونے کے لیے نہیں جاتے گا۔

عروں کو اسرائیل کی اس چال کا پتہ چل گیا۔ انہوں نے یونیسکو کو رپورٹ دی۔ مین جب بھی یونیسکو کی انگوائزی پارٹی اسرائیل جاتی تو اسرائیل سے قطعی اسلحہ کو بلا لینے اور سکولوں سے اپنی کتابیں نکال لینے اور یونیسکو کی منظور شدہ کتابیں بچوں میں بانٹ دیتے۔
یونیسکو کا ادارہ سمجھتا تھا کہ عروں کی شکایت تعصب پر مبنی ہے۔

اس صورت حال میں عروں نے قدرت اللہ شام سے درخواست کی کہ وہ اسرائیل کا خفیہ دورہ کرے اور اس بات کا ایما ثبوت لے آئے کہ یونیسکو کو یقین آجائے کہ عروں کی شکایت درست ہیں۔

شام ہائے میں اس خفیہ دورے کی تفصیلات موجود ہیں۔
بہر صورت قدرت اللہ نے اسرائیل میں دو کام کیے۔
۱۔ یونیسکو کے لیے حلقی ثبوت حاصل کیے۔
۲۔ اور ایک رات مسجد اقصیٰ میں تن عمار کی۔

مسجد اقصیٰ

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ میں ایک رات بسر کرنے کے لیے اسرائیل گیا تھا۔ تعلیم سے متعلقہ ثبوت حاصل کرنے کے کام لے اسے موقع فراہم کیا۔
اگر اس کا مقصد تعلیمی ثبوت حاصل کرنا ہوتا تو اسرائیل اس سے اس قدر خوفناک انتقام نہ لیتا اور قدرت دو سال کے لیے صیوونی جادو کے زیر اثر ایک پانچ دیو دار گوشت کا ٹوکڑا نہ بنا رہتا اور جب پاکستان واپس آتا تو آکھا آوی نہ ہو گا۔

شباب نامہ میں قدرت لکھتا ہے کہ میں مسجد اقصیٰ میں صرف اس لیے گیا تھا کہ وہاں رات بسر کر اپنی نیند پوری کر سکوں۔ یہ بات قتل یقین نہیں ہے تن عمار تک عظیم الشان پڑھت مسجد میں جو ہمارا قبلہ اول ہے سونے کی غرض سے چلا۔ میری محض اسے تسلیم نہیں کرتی۔ اس بارے میں شباب کا اہتمام یہ ہے کہ۔

قبلہ اول کی چار دیواری کے اندر جب میں اکیلا رہ گیا تو تاریخ اور تقدس کے مہیب سانے نے مجھے سر سے پاؤں تک غراپ سے نکل لیا۔ مجھے

شاب نامہ میں ان موقیوں اور اہل اللہ کا بہت ہی کم ذکر کیا ہے، جن سے یورپ میں ان کی طاقتیں ہوئیں۔

انہوں نے اپنے خفیہ دورہ اسرائیل کی اصل غرض و عاقبت بیان نہیں کی۔ انہوں نے نہیں بتایا کہ ان کی یودی واکٹر عفت کی علات کا اصل باعث کیا تھا اور یہ کہ علات کے دوران عفت نے کس حیرت انگیز قوت برداشت، صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا تھا۔ مرض الموت میں انہوں نے کس طرح انگلستان کے واکٹروں کو حیران کیا کہ ان کے واکٹر انہیں WONDER LADY کہنے لگے تھے۔

شاب صاحب نے اپنی کتاب میں یہ نہیں بتایا کہ دورہ اسرائیل کے بعد موسیٰ انگلٹن نے کس طرح ان کا تعاقب کیا، ان پر تشدد کیا اور انہیں ایسی بیماریوں میں مبتلا کر دیا جن کے ساتھ انہیں باقی زندگی ایک مسلسل لذت کے ساتھ گزارنی پڑی۔

شاب صاحب نے اپنی آپ بیتی میں یہ بھی نہیں بتایا کہ پاکستان اور بیرون پاکستان کن روحانی ہستیوں سے ان کا ربط خاص تھا اور اس ربط کی نوعیت اور رعایت کیا تھی۔

حجاب

یہ سب باتیں وہ کیوں ضبط تحریر میں نہیں لائے۔ میرا خیال ہے کہ شاب صاحب اپنی ذات اور شخصیت کے بارے میں بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس کا باعث ان کی ذات کا انکسار اور خود شناسی کا احساس تھا۔

انہیں اپنی ذات کا بول بالا کرنے کا مطلق شوق نہ تھا۔ وہ ہر اس بات سے گریز کرتے تھے جو انہیں دوسروں میں نمایاں یا ممتاز کر سکتی ہو۔ وہ حجاب کے آدمی تھے اور حجاب میں رہنا انہیں اچھا لگا تھا۔

بھید نہ کھلے

گمان غالب ہے کہ اسرائیلی راہبوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں ایسا عمل کر گیا ہے، جو اسرائیل کے لیے جانی کا باعث ہو گا۔ اس لیے اسرائیلی جلد قدرت اللہ کے خلاف حرکت میں آ گیا۔

میری دانست میں تعلیمی نصاب کا مسئلہ اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا چونکہ یونیسکو زیادہ سے زیادہ علم جاری کر سکتا تھا لیکن اسرائیل کو اس پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ تعلیمی مسئلہ اس قدرت اہم نہ تھا کہ اسرائیل قدرت اللہ کو خوف ناک جلوس کی گرفت میں بکڑ لیتا۔

پھر یہ بھی ہے کہ قدرت اللہ نے شاب نامے میں اسرائیلی جلد کا تذکرہ کیوں نہ کیا حالانکہ یہ قدرت اللہ کی زندگی کا الٹاک ترین واقعہ تھا۔ اسرائیلی جلد کی وجہ سے جب وہ وطن واپس لوٹا تو وہ آدھا آدمی تھا اور اسرائیلی جلد کی وجہ سے واکٹر عفت فوت ہوئیں۔

میرا اندازہ ہے کہ قدرت اللہ نے شاب نامے میں اس کا تذکرہ اس لیے نہیں کیا کہ کہیں یہ بھید نہ کھل جائے کہ مسجد اقصیٰ میں اس رات کے دوران میں اس نے کیا عمل کیا اور یہ بھی کہ اس کے اسرائیلی دورے کا بنیادی مقصد مسجد اقصیٰ میں وہ عمل کرنا تھا۔

صرف میں ہی ان خیالات کا حامل نہیں ہوں اور لوگ بھی ہیں جنہیں قدرت اللہ کے قریب رہنے کا اتفاق ہوا اور وہ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذکر شاب میں ذوالفقار ابجد تاپش اپنے معنوں قدرت اللہ شاب میں لکھتے ہیں کہ:

ذوالفقار تاپش

مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے شاب نامہ کے کئی اہم واقعات زیادہ تفصیل سے شاب صاحب کی زبانی سنے ہیں اور میں بعض ایسے واقعات کا بھی سامع ہوں جو انہوں نے اپنی طبیعت اپنے مزاج اور اپنی انوکھی نوعیت کے باعث شاب نامے میں تحریر نہیں کیے تھے۔ انہوں نے

اور قدرتِ خدا سے کہنے لگا آپ کو جو چاہا ہے۔ ہم بھی اوجھار رہے ہیں۔
اپنے تشریف لائیے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پچھلے اذکھول دیا۔ قدرتِ کار میں داخل ہوا تو
اس نے دیکھا کہ پچھلے سیٹ پر ایک صاحب بیٹھے ہیں۔ قدرتِ خدا ان کے پاس بیٹھ گیا۔
انہوں نے فرما "بعد اس سے محسوس کیا کہ تمنا کہہ۔" ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے
میں کیا کہ ایک لمبی سوئی اس کے جسم میں بھڑکی گئی ہے۔ پھر اسے ہوش نہ رہا۔ پتہ
نہیں اس کے بعد قدرت کو کہیں لے جایا کیا اس پر اس کی کیا کیا۔

اگلی صبح پولیس نے دیکھا کہ اسی شاہراہ پر بس پر قدرتِ خدا ہے ہوش پڑا ہے۔ اس
کی ذہن سے وہ سب کا پتہ برآمد ہوا۔ پولیس پہلے اسپتال لے گئی۔ جب ہوش آیا تو اسے
وہاں میں پہنچا دیا۔

قدرتِ کار بیان ہے کہ جب سے وہ سوئی میرے دم میں داخل ہوئی۔ میں محسوس کرنے لگا
تھیں میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہوں۔ مجھ میں اتنے چھپنے کی ہمت نہ رہی۔ یوں جیسے ریزہ کی
ہاں جسم سے نکال دی گئی ہو۔

شراب کی بوتلیں

ڈاکٹر مفت کا بیان ہے کہ اسرائیلی جلد کا مسرت پہلا اثر یہ ہوا کہ ایک روز میں نے
لمبائی کوئی تو اس میں وہ شراب کی بوتلیں پڑائیں۔ میں حیران ہوئی کہ یہ بوتلیں کہاں
سے آئیں۔ میں نے دونوں بوتلیں اٹھائیں اور باہر ڈرم میں پھینک دیں۔ اگلے روز میں
نے پھر لمبائی کوئی تو اس میں شراب کی دو اور بوتلیں پڑی تھیں۔

ڈاکٹر مفت سوچ میں پڑ گئی۔ لوہر شراب کی بہت تھی کہ چار پانی پر لاش کی طرح پڑا
رہتا تھا۔ ڈاکٹر مفت کے دل میں شکوک پیدا ہوئے۔ قدرتِ خدا شراب کے نشے
میں دم توڑ نہیں رہتا۔

اگلے روز پھر لمبائی میں وہ شراب کی بوتلیں پڑیں۔ شکوک کو تقویت ملنے لگی۔
مجھے اس بات کا علم نہیں کہ قدرت نے بتیم کو اسرائیلی جلد کا واقعہ سنایا تھا یا نہیں۔ لیکن
منا ہے کہ اس نے کلی موثر اور لمبی سوئی اور سہاٹی کی بات مفت سے نہیں کی تھی۔

چنانچہ شبابِ علم میں ان کا لہجہ بڑا مودب، اکسار بھرا جگہ معذرت
خواہانہ رہا۔

وہ دوسروں کی تعریف اور توصیف اور ان کا کردار بیان کرنے پر تو
خوب زور قلم دکھاتے ہیں، لیکن جو کسی کوئی ایسا واقعہ سامنے آیا جس میں
ان کی اپنی ذات کی کوئی برائی یا صفت ظاہر ہوتی ہو تو وہ طرح دے جاتے
ہیں یا بہت ہی ساٹ لہجے میں اسے بیان کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

شبابِ نامہ میں انہوں نے جہاں اپنے خلیہ دور اسرائیل کا احوال
بیان کیا ہے ان کا انداز بیان قدرے دبا دبا ہے، جیسے انہیں یہ فکر دامن
گیر ہو کہ ان کی بدلتی ظاہر نہ ہو جائے۔

پھر وہ ہمیں یہ بھی نہیں بتاتے کہ دورہ اسرائیل میں انہوں نے جو
ایک شب مسجد اقصیٰ میں گزارا تھی، اس کا اصل مقصد کیا تھا۔

لقب

ان دنوں یو نیکو کی میٹنگ میں شرکت کے لیے قدرتِ خدا کو پیرس میں رکنا پڑتا تھا۔ بڑی
محنت کے بعد قدرت نے پیرس کے کسی کو نہ یہ ایک چھوٹا سا گیم ہوش و حواس نکالنا تھا جس
میں ایک چھوٹا سا گھر موجود تھا جس کا کاروبار بہت کم تھا۔

چوں کہ وہ دن باری ہنگ دیتی کے دن تھے۔ سارے گھر کا خرچہ یو نیکو کے ملاؤں پر ہوتا
تھا۔ اس لیے قدرت کی کوشش ہوتی کہ پیرس کے قیام کے دوران کم سے کم خرچ ہو۔

ہوٹل کا مالک قدرت کی سہولگی اور سہجائی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حکم جاری کر دیا
کہ یہ چھوٹا گھر کسی اور گاہک کو نہ دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ مشر شہب آجائے اور اس کے پاس
رہنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ ہو۔

اسرائیل سے واپسی کے بعد قدرت نے تمام جوت وہ اسرائیل سے لایا تھا۔ یو نیکو کے
سامنے پیش کر دیے۔ انہی دنوں جب وہ شاہراہ پر بس سٹاپ پر کھڑا یو نیکو جانے کے لیے بس کا
انتظار کر رہا تھا تو ایک لمبی کالے بھنڈے والی موٹر کار اس کے سامنے آ کر رک گئی۔ کار کا

© Neurdly.com

کون سے کون سنائے

۱۴ مئی ۱۹۸۷ء

بیارے ممتاز

السلام علیکم

بیارے ممتاز آپ کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا نام لے کر اسرائیل چلا گیا تھا۔ میرا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا۔

وہ دن اور آج کا دن۔ اللہ اللہ۔ غیب کا علم تو صرف خدا کے پاس ہے، لیکن جس دن میں میں یونیسکو میں اپنے دورے کا اعلان کیا اس دن سے ۷۰ سالوں کے ہارونی مارونی جادو نے مجھے بری طرح دبوچ لیا۔ مجھے برت سے اٹھے بھی اور برے بھی روحانی تجربے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ہولناک تجربہ بلا کی روح کا تھا، جس کا ایک چھوٹا سا حصہ میں نے ۱۸ سال لائن میں بیان کیا ہے۔ وہ تو ایک مری ہوئی مظلوم لڑکی کی بیچ و پکار تھی جو صرف یہ چاہتی تھی کہ اس کی بیٹیوں کو اس کے اپنے دھرم کے مطابق پروا آتش کیا جائے۔

لیکن اب کے تو مجھ غریب کا واسطہ مسیونیت کے اس زندہ عفریت سے پڑا جو دہائی اور دیگر اطوار پر ساری دنیا پر کسی نا کسی طرح چھایا ہی ہوا ہے۔

جو کچھ مجھ پر گزری۔ وہ دن سنے اور کون سنائے۔ میرے گوشت پرست کا ریشہ ریشہ پھٹنے اور ٹوٹنے۔ کھڑی کے جالے کی طرح۔ بار بار بٹنے اور ٹوٹنے لگے۔ میرے تن بدن میں میری ہڈی ہڈی کو سڑک کے پتھر ڈونے والے مزدور کھٹا کھٹ۔ کھٹ کھٹا توڑتے گئے۔

عفت پہلے مصائب کا دکھار تھی۔ بیٹے کے انوار کے خوف کی وجہ سے وہ سوکھ کر کالٹا ہو گئی تھی۔

اس کے علاوہ مسلسل قاتلوں سے اس کا برا حال تھا۔

اوجھ شباب حتی الوبح دوسروں کو کافیت دینے سے احتراز کرتا تھا۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ قدرت نے عفت سے اسرائیلی جادو کی بات نہ کی تھی اور وہ غلامی میں اس عذاب کو بھیل رہا تھا جو اسرائیلی جادو نے اس پر طاری کیا تھا۔

اور بات

پھر ایک روز بھید کھل گیا۔ عفت الماری سے دو پلوں تلیم اٹھا کر باہر ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ آئی اور اتفاق سے پھر الماری کھولی تو وہاں دو اور بوتلیں پڑی تھیں۔ پھر جتنی بار وہ الماری کھولی اس میں دو پلوں تلیم پڑی ہوئیں۔ یہ دیکھ کر اس نے شکوک رفع ہو گئے اور اسے خیال آیا کہ یہ تو کوئی اور بات ہے۔

بھڑوہ اور بات کھل کر سامنے آگئی۔

ایک روز اس نے ٹکا کھولا تو پانی کی بجائے خون چلنے لگا۔ عفت ڈر گئی پھر گھر میں جب بھا بکے کی کٹی ہوئی سیریاں نظر آنے لگیں۔

بڑھ دو سال قدرت جادو کے اس عذاب میں جتا رہا۔ اس کی بیٹیوں پر ہتھوڑے چلے رہے۔ اس کے جوڑوں میں سٹیکس کھنکی رہیں۔ لوگوں کو اس کے جسم سے بدبو آتی تھی۔ اس میں ٹیٹا تو لوگ باک پر رول رکھ لیتے تھے۔

بڑھ دو سال کے بعد جب اس نے اللہ کے حضور میں التماس کی تو جادو کا ظلم ٹوٹا اور پھر نئے کی طاقتوں نے اس کے اعضا کو جوڑنے کا عمل شروع کر دیا۔

جب تک جادو کا ظلم چلتا رہا اس نے اپنے خنوں میں اس کا ذکر نہ کیا۔ یہ جتنی تنبیہ ادا کی گئی ہے۔ ان کا علم مجھے قدرت اور عفت کے واپسی پر ہوا۔

لیکن جب اسرائیلی ظلم ٹوٹا تو اس نے ایک خط میں کچھ تفصیلات لکھ بھیجیں جنہیں پڑھ کر میں حیرت میں ڈوب گیا۔ وہ ایک ہولناک خط تھا۔ اس خط کی کبھی نقل میں کتاب کے آخر میں

ضمیمہ میں پیش کر رہا ہوں۔ یہاں اس خط سے اقتباسات درج ہیں۔

کھٹا کھٹ ہتھوڑا

جب میں چلتا تھا تو واقعی مجھے یوں لگتا تھا جیسے کوئی ایک پانڈ، ایک پائیک، چٹم لپاچ، لونی ہوئی بڑیوں کے پوسے کو کھینچتا ہو، مگر تا پانڈ، کالیاں کھانڈ، کالیاں دتا، اسی اپنے ایک پاؤں پر اسی ایک جگہ کھڑا ہو۔

پیارے ممتاز۔ میں کیسے بتاؤں مجھ پر کیا کیا جاتی اور کیسے کیسے جتی۔ جب میں اپنے اندر شبو پاتا تھا، لوگ مجھ سے یوں بھانکتے تھے جیسے میں سزا ہوا کوڑھی ہوں۔ جب میں اپنے اندر بدلو سوگھتا تھا، لوگ مجھے معطل سمجھتے تھے۔ سوائے عفت اور عاقب کے۔ عاقب تو خیر پچہ ہے، لیکن عفت تو سرکیف ڈاکٹر بھی ہے۔ چند بار وہ ضرور یہی کے سواہوں اور جواہوں سے دو چار ہوئی ہوگی۔ تین چار دلدہ اس کی استغنیہ لگاہوں نے مجھے گھورا اور اس کی ذمہ خوردہ شگک نظروں نے مجھے الزما دیکھا بھی، لیکن خدا اسے خوش رکھے انجیام کار اس نے مجھے دی گروانا جو میں واقعی ہوں یا نہیں ہوں۔

عفت واقعی گرت ہے۔ اس نے اچھی یہی کسی کو مل ہی نہیں سکتی۔ اس نکٹش سے تنگ آکر ایک روز میں نے اللہ میاں سے عرض کیا کہ 'اپنی تیری بے شمار عبادت میں سے ضرور یہ بھی ایک عبادت ہوگی، لیکن میرے اللہ میں تو مر چلا۔ اگر تو نے خود کشی حرام نہ کی ہوئی تو یا اللہ تیری قسم' میں ضرور خود کشی کر لیتا۔

بس وہ دن اور آج کا دن وہ چارو ٹوٹ گیا۔ مری کے گھروں کی چھتوں پر ٹانگیں دیکھی ہیں آپ نے۔ اب ہر روز یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہی سڑک کے چکر کوٹنے والے مزدور میرے تین بدن کی فکرت تائیلوں کو چوڑے اور سینٹ سے جوڑ جوڑ کر دوبارہ ٹھوک رہے ہیں۔

ہائے اس زور پشیمان کا پشیمان کا ہونا (خاک بدین)

رسمہ بود دلائے دلے بختہ گذشت

یقین جانتے۔ توڑنے اور جوڑنے کے علم میں۔

ہتھوڑی برابر کی چلتی ہے۔

انست دونوں میں ہے

ایک میں دور کی۔

دوسرے میں لذت کی۔

آپ کا
ق

قدرت اور میں

سوال یہ ہے کہ قدرت نے یہ خط مجھے کیوں لکھا۔

اپنی قلبی وار دات، روحانی مشاہدات اور وجدان کی کیفیات کو زبان پر لانے کی اسے عادت نہ تھی۔

میں نے اس نوعیت کی قدرت اللہ کی جتنی بھی باتیں اپنی تحریروں میں قلم بند کی ہیں، وہ میں نے بڑی چلاکائی سے انگوٹھی تھیں۔

جب بھی وہ کیفیت میں سرشار ہوتا، میں دیکھتا کہ پیالہ بھرا ہوا ہے۔ لہاب ہے۔ تو میں ایسی بات چھیڑتا تھا جس سے چمکن پیدا ہو جیسے اڑیں۔

ہم دونوں کا تعلق، عجیب سا تعلق تھا۔

وہ میرا ساتھی نہ تھا۔ ہمارے مسائل الگ الگ تھے۔

وہ میرا مرشد نہیں تھا۔ مجھے کسی کو رہبر بنانے کی خواہش نہ تھی۔

میں اس کا مرید نہ تھا چوں کہ خواگی اور پردگی کے جذبے سے بلاوقف تھا۔ مجھ میں پردگی کی اہلیت نہ تھی۔

ہمارے راستے الگ الگ تھے۔

پھر راجہ شے میں چلایا بھائی جان یہ کیا ہو رہا ہے۔

بھائی جان نے کچھ جواب نہ دیا۔

راجہ بولا۔ لوحہ شب صاحب پر ہتھوڑے چل رہے ہیں۔ اور ہم سب

AS YOU WERE ہوئے جارہے ہیں۔

بھائی جان سرٹکا کر بیٹھے رہے۔

راجہ نے والی سے پوچھا 'والی تم پر کیا بیت رہی ہے۔

والی نہایت افسوس سے بولا۔ اللہ کا احسان ہے۔ بس اتنا سا ہے کہ مجھے شب صاحب فجر

کی نماز پڑھنے نہیں دیتے۔

بھائی جان چونکے۔ شب صاحب نماز پڑھنے نہیں دیتے؟ انہوں نے پوچھا۔

جی 'والی بولا۔ صبح جب میں جاگتا ہوں اور اللہ کروڑوں کو ارادہ کرتا ہوں تو شب صاحب

سانے آنکھ سے ہوتے ہیں 'بس یوں ہوتا ہے جیسے میرے جان نکل گئی ہو۔ مجھ میں اٹھنے کی

سکت نہیں رہتی۔

آپ کا وہم ہے 'بھائی جان بولے 'شب صاحب نماز سے کیسے روک سکتے ہیں۔

شاید وہم ہی ہو 'والی بولا۔

لورہ یہ مفتی جو ہے 'راجہ چلایا 'اس سے پوچھئے کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔

ہم سب پر بیت رہی ہے 'بھائی جان نے کہا 'میں بھی آپ کا بھائی ہوں۔ میں بھی شامل

ہوں 'وہ بولے پھر کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہو گئے۔ پھر سرفرا کر بولے 'پتہ نہیں انہوں نے

مسجد اقصیٰ میں کیا کچھ کیا کہ کہ مہسود شریعہ دار ہو گیا ہے۔ ہم سب کو جھیلنا ہو گا حصہ بھدر

۔۔۔

دو مجبور

آپ فن کی مدد کیجئے 'راجہ بولا۔

ہم بدوں کی باتوں میں دغل دینے والے کون ہیں 'وہ بولے۔

میں نے اپنے خط میں یہ سب باتیں شب صاحب کو لکھ دیں۔

وہ میرا دوست نہ تھا۔ ہم میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔

وہ مراد مستقیمہ قتل میں قتل ہو کر۔

وہ سراسر عمل کا قاتل تھا۔ میں سراسر نہ بولی۔

وہ نہ کہنے پر مجبور تھا 'میں کہہ دیتے پر۔

وہ عقیدے کا قاتل تھا 'میں عقیدت کا مارا ہوا تھا۔

سیانے کہتے ہیں۔ جب کوئی کسی راز سے بھر جاتا ہے تو وہ دغا دے رہا ہے کہ جسے پر مجبور ہو

جاتا ہے۔

مکان غالب ہے کہ میں قدرت کے لیے ایک دغا تھا۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے مجھے تیس سال کیسے گوارا کیا۔ اس ضمن میں میرا خیال

ہے کہ قدرت ذات کا دھولہ قتل اس نے سرور ایک میلہ چٹک پڑا دیکھا اور اسے اٹھالیا 'پھر

تیس سال وہ اٹھالنے کی لالچ پاتا رہا۔

ممکن ہے اس جلد کے متعلق اس نے اشتقاق احمد کو بھی خط لکھا ہو۔ چوں کہ اشتقاق احمد

اس کا دوست تھا لیکن اشتقاق احمد نے مجھ سے کبھی اس کے بارے میں بات نہیں کی۔

حصہ بقدر بہشت

قدرت اللہ کا خط پڑھ کر میرے ہمارے سے چوک نکل گئی مجھے اپنا فیئینسی کا طوفان

بھول گیا۔

اتفاق سے اسی روز راجہ شیخ کا ٹیلی فون آگیا کہ بھائی جان مری سے آئے ہوئے ہیں۔ اس

لے کل صبح دربار پر پہنچ چلا۔ اگلے روز دربار میں بھائی جان والی راجہ لورہ میں بیٹھے تھے۔

میں نے بھائی جان سے کہا 'جناب میں تو پہلے ہی فیئینسی کے طوفان کے محلے سے بچ

ہوا بیٹا تھاکر کل شب صاحب کے خط نے کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ میں نے خط بھائی جان کی

طرف بڑھا دیا۔

بھائی جان نے کہا آپ اسے پڑھ کر سب کو سنا دیں۔

تھکن کر محفل پر خاموش غاری ہو گئی۔ دیر تک خاموش غاری رہی۔

ایلی کی داپسی

ایلی کی آنکھ کھلی گئی۔

صحن میں کھانسی کی دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔
پتہ ایک چار پائیسوں پر لوگ چل رہے تھے۔
رات کی رات کی خوشبو چاندوں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

وہ ہاتھ

ارے وہ چونکا اس کے قریب والی چار پائیسوں پر کوئی چادر میں لپٹے رہا تھا۔
اس کا بازو سرہانے تھے دبا ہوا تھا اور سرہانے سے متاثر ہوا ہاتھ مٹھی بن کر باہر نکلا ہوا تھا۔
شہزاد کے ہاتھ کو دیکھ کر اس کا دل زور سے دھڑکنا شروع ہوا۔
دھک سے رو جاتا تھا۔

صرف شہزاد کا ہاتھ ہی نہیں۔ ایلی کو سائے ہاتھوں سے عشق تھا۔ رات چلتے ہوئے جب بھی
اسے کوئی عقلمند نظر آتی تو چہرے کے بعد اس کی نظروں کے ہاتھوں کو تلاش کرتی۔ اگر ہاتھ
دبے پتے ہوتے تو اس کی دلچسپی ختم ہو جاتی۔ اسے چٹے سفید بھرے بھرے ہاتھوں سے عشق
تھا۔

جواب میں قدرت نے مجھے بھڑا چا دی۔

اس نے ۲۳ جون ۱۹۷۱ء کو جس سے مجھے خط لکھا جس سے اقتباس ملاحظہ ہو:

آپ کا خط پڑ کر کچھ دیر متذہب رہا۔ کچھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک
محض ذاتی تجربے کو اسنے لوگوں تک پہنچانا چاہیئے تھا یا نہیں۔
پھر تسلی ہوئی کہ آخر کیا مضائقہ ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ جب سے وہ محرر ٹائمس کی فکشنل دن بدن بڑھتی جا رہی
ہے۔

قلبی، ذہنی اور روحانی دھم تو بالکل صحت یاب ہو گئے ہیں، لیکن جسم کی
نیس بست ہوئے ہوئے شتم ہو رہی ہیں جیسے ٹوٹی ہوئی پڑی جڑے
کے بعد بھی عرصہ دراز تک نرم رہتی ہے۔

اس کے جواب میں میں نے قدرت کو درج ذیل خط لکھا تھا: یہ میرا مختصر ترین خط تھا۔ لکھا تھا:۔

عالی جاہ میں بار بار آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں۔

کہ ہم اپنی چیز کو وجہ سے مجبور ہیں۔

آپ نہ کہنے پر مجبور ہیں۔

میں کمرہ دینے پر مجبور ہوں۔

۱۔ اصل خط غیبی ملاحظہ کریں۔ خط نمبر xvii

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

کروٹ بدل لی۔

ہاں شہزادہ بیٹہ چڑا کر کروٹ بدل لیا کرتی تھی۔ پتہ نہیں شہزادہ کو اپنا ہاتھ پکڑا دینے سے کیوں انقباض تھا دراصل شہزادہ کو کسی قسم کے جسمانی قرب سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی دور بیٹھا اپنی نگاہوں سے اس پر پوجا کے پھول برساتا رہے۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ جب اپنی زیادہ تر حق خد کرنا تو وہ بڑے اناجی انداز میں اس سے پوچھتی، کیا ہے تجھے؟

کچھ بھی نہیں، وہ خراب رہتا۔

کیا چاہے ہو؟ وہ چڑ کر کہتی۔

اپنی کی نگاہیں اس کے ہاتھ پر مرکوز ہو جاتیں۔

ہاتھ پکڑ کر کیا کرے؟

وہ پھر خاموش ہو جاتا۔

ایمانا۔ وہ اپنا ہاتھ بڑھا کر کہتی، جیسے جان چھڑا رہی ہو۔ پھر وہ اپنے کام میں یوں لگ جاتی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو، جیسے اس ہاتھ سے اسے کوئی تعلق ہی نہ ہو، جسے اپنی نے تمام رکھا ہو۔

چمک بدل سے باہر نکل آیا۔ اپنی چٹک۔

اُسے وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ساتھ والی چار پائی کے سرہانے سے وہی ہاتھ بھر دیے ہی باہر نکلا ہوا تھا۔

اس نے پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے تمام لیا۔ اس کا خیال تھا کہ شہزادہ پھر اس کا ہاتھ جھٹک کر کروٹ بدل لے گی، لیکن ایمانا نہ ہوا وہ ہاتھ جوں کا جوں اپنی کی گرفت میں پڑا رہا، بلکہ اور بھی ڈھیلا پڑ گیا جیسے خود کو اس کے حوالے کر دیا ہو۔ دیر تک وہ ہاتھ تھمتے پڑا رہا۔

پھر کوئی آہستہ سیٹی دی اور شہزادہ کے ہاتھ نے اپنی کے ہاتھ پر محبت بھرا دباؤ ڈالا۔ اور پھر اگک ہو گیا۔

عالم بی بی

وہ غافلانہ جس نے اپنی کو بھرتے بگا دیا تھا اور اس کا ہاتھ دیا کہ کروٹ بدل لی تھی۔ ایک مسلمان عاتق تھی۔

شہزادہ تو خیر ساری کی ساری پیاری تھی اور وہ کئی ایک سال خاموشی میں اس کی پرستش کرتا رہا تھا۔ شاید اپنی کو اپنے بندھے کا افسار کرنے کی کبھی ہرارت نہ پڑتی۔ اگر اس رات شہزادہ کا ہاتھ اس کے ہونٹوں کے اس اس قدر قریب نہ آ جاتا۔

اور وہ چھوٹی طرح ڈنک نہ مارتا۔

اس رات گھر کے سب لوگ جاگ رہے تھے۔ وہ سب شہزادہ کے گھر کے صحن میں لیٹے ہوئے تھے۔

اپنی کی دوا کی حالت بڑی نازک تھی وہ آخری دموں پر تھی۔ سب اس انتظار میں تھے کہ کب تو آواز پڑے اور وہ کونسا پھیلاگ کر طبعی اہم کے گھر جا کر میت کے گرد بیٹھ کر قرآنِ خوانی کرے۔

اپنی بھی صحن کے ایک کونے میں کھولی پر پڑا تھا۔ دوا کی موت ڈنک کی بات نہ تھی چونکہ وہ نوے یا سو سال کی عمر پہنچی تھی اور اتنی لمبی عمر بے کے بعد اگر وفات ہوتی تو دستور کے مطابق محلے والیاں رونے کی بجائے خوشیاں منایا کرتی تھیں۔ لیکن اپنی کو دوا کی موت کا بڑا صدمہ تھا گھر میں دوا کی وہ واحد فرد تھی جس نے اپنی سے محبت کی تھی۔

اپنی کو پیاس لگی۔ اس نے پڑے پڑے آواز نکالی، کوئی ہے اٹھ کا بندہ جو مجھے پانی پلائے۔

اس کا خیال تھا کوئی پچہ یا اس کی بہن اس کے لیے پانی لے آئے گی۔

آواز لگنے کے بعد وہ پھر دوا کی کے خیال میں کھو گیا۔

پھر دھنسا۔ اس کے ہونٹوں پر لپس محسوس ہوا۔ اپنی نے آنکھیں کھولیں لیں۔ شہزادہ کے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں کے اس قدر قریب دیکھ کر وہ دھنکے کا پھوٹے ڈنک مارتا۔

وہ داناہ دار اس کا ہاتھ کو پکڑ کر چمکے لگے۔

چمک کی چاندی میں شہزادہ حیرت سے بہت بٹی کھڑی تھی۔ تو اپنی۔ اپنی تو۔

اس رات شہزادہ کا ہاتھ اس قدر قریب دیکھ کر اس نے اپنا شوق بھرا ہاتھ بڑھا اور اسے پکڑ لیا۔

دھنسا۔ ساتھ والی چار پائی پر شدید حرکت ہوئی۔ کسی نے ہاتھ چھڑا کر بازو سمیٹ لیا اور

میں راستے کی طرف چلنے کا ارادہ کرتا تو راجہ میرے دھند آکر اڑا ہوتا پھر وہ لڑکھڑاتے ہوئے جا کر لہاری کھول کر اس میں سے بوتل نکالتا اور کہتا "پھر دلفتنی ان باتوں کو ایک چٹکی بھر لور پھر ہم اپنے لباس کے پاس جا کر اس سے نکالتے ہیں۔ کیا کیرت سنائی ہے۔ دلو تو سنے تو پاگل ہو جائے۔ دل ہیں۔"

وہ شیشہ ہائے بیکشی
کہ مصلحت اس میں تھی
جنینیں وہیں پڑے پڑے
وہیں کی خاک کھا گئی
پھر ان کو دھو رہا ہوں میں
یہ کیا بنا رہوں میں

پھر قیصر میرے دھند تو کر آکر اڑا ہوتا کہتا

ابہ لو میں نے تجھے کہا نہیں قتل کہ یہ تو کن لوگوں سے شیر و شکر ہونے کی کوشش کر رہا ہے 'تو شباب کے پیچھے پیچھے کیوں چل پڑا ہے۔ تو میں نے یہ ساتھ نہیں نبھے گا۔ تو ذات کا اپنی ہے 'ہر جہز اپنی اصلیت کی طرف مڑنے ہے سمجھے۔ تو کسی ہائی کے چوہاڑے کی دلہیز جا کر بیٹھ دے تیری جگہ ہے۔ کوئے کو دلہنٹ داخل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اوپر سے سفیدی اتر جائے گی۔ اور پھر دی کلار رنگ 'دنی کا نہیں کا نہیں۔

پھر ایک روز مسود قریب آ گیا۔ مسود سے میں بات کر سکا تھا۔ ہمارے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔

میں نے کہا یار مسود میں تو ہمارا ایک

یولا بیوی خوشی کی بات ہے۔

میں نے کہا میں بخیر ہوں۔

ہوا میں بھی بخیر ہوں۔ دیکھ مفتی۔ زندگی کی لذت خلق جینے میں نہیں۔ مسلسل جینے میں نہیں۔ بلکہ جینے مرنے جینے مرنے میں ہے۔ لور دیکھ ایک بات یاد رکھ ہم تجھے پاس صرف اس لیے آتے ہیں کہ یہاں گنہگار کی محفل تھی ہے۔ گنہگار کی محفل چھوڑ کر جانے کو کس کا بی چاہتا

انگلے روز جب وہ رخصت ہونے لگی تو اس نے مجھے خدا حافظ کہہ اس انداز سے کہا ہے وہ خدا حافظ نہ ہو۔

بلکہ جی آتیاں ہوں کہہ کر رہی ہو۔ جیسے وہ انعام نہیں بلکہ آواز ہو لور جب وہ گاڑی میں سوار ہوئی تو بات کیے بغیر مجھے بلا گئی۔ ضرور آئے گا۔

وہ ادھیڑ عمر کی غفلت تھی۔ چراچہ کور قتل آنکھیں لگاؤ کی بیگ سے بھری ہوئی تھیں۔ رنگ نہ گورا تھا نہ سناٹا۔ گٹا تھا جیسے ہلدی ملی ہوئی ہو۔ وہ درخشاں میں ایک عجیب سی مٹاس تھی۔ طبیعت میں شدت نہ تھی، سختی نہ تھی، خوشی نہ تھی، تواضع نہ تھی، انداز گھبرا گھبرا۔ میں نے اندھ بیڑی کی بیوی مودی سے پوچھا یہ کون تھی۔

وہ بولی 'یہ ہماری پردوس ہے 'عالم لی لی۔

عالم لی لی 'یہ بھی کوئی نام ہے۔

کہنے لگی 'عام تو علیحدہ علیحدہ ہے۔ بڑا مشکل نام ہے۔ میں تو اسے عالم لی لی کہہ کر بلاتی ہوں۔ ہمارے محلے رام عمر میں گھر کے پاس ہی ایک سکول میں پڑھاتی ہے۔ میاں فوت ہو چکا ہے۔ بچے بولتے ہیں۔ طبیعت کی بڑی اچھی ہے۔ ہالی مشکلات میں گھری ہوئی ہے 'ہے چارہ۔ پھر یہ نہیں کیا ہوا اس روز سے مجھے عالم لی لی ہو گئی۔ اٹھنے بیٹھے میرے سامنے وہ ہاتھ لگا رہتا۔ لور وہ ہاتھ بولتا مجھے قلم لودھام بھی لوب۔

ساری رات خواب میں وہ ہاتھ میرا ہاتھ قلمے رکھتا ہٹا سا دھو۔ بالی سی بیگ 'لور لگاؤ سی لگاؤ۔ صبح جاگتا تو وہ میری آنکھوں کے سامنے لگ جاتا کہنے لگتا تو لگاؤ پر انگ جانا پڑتا تو کتب کے صفحات پر چھانے رہتا۔

ایک بات بڑی عجیب تھی 'وہ یہ کہ بات الٹ پلٹ ہو گئی تھی۔ زندگی بھر میں ہاتھ کا مطلب رہا تھا اب وہ ہاتھ خود طلب سے بھرا ہوا تھا وہ مجھے دھوئے آتا تھا 'آتا تھا 'آسا تھا۔

اس ہاتھ نے پتہ نہیں کیا کہ وہ میرے ذہن میں سائیں اللہ بخش 'بھائی جان لور قدرت

UrduPh

UrduPh

میرا جی چاہتا تھا کہ میں راجہ شفیق سے جا کر ملوں اور اپنی ہاتھ جیج اسے سناؤں 'میں جب

کی۔

اگلے روز بھانڈا پھوٹ گیا۔ بھید کل میلہ عالم بی بی سامنے آکھڑی ہوئی۔

ہوس بھراقرب

ہاں نہیں تھے کیا بول۔ ہوس میرے بند بندہ سے پھوٹ نکلی۔

ابی نے زندگی میں کسی محبتیں کی تھیں، لیکن ان تمام محبتوں میں ہوس کا عنصر پیش پیش نہیں ہوا تھا۔ انانی اپنی محبتوں میں جہلی قریب سے خوفزدہ رہتا تھا۔ اس کے لیے محبت ایک انانی کیفیت تھی، ایک سرشاری اور بس۔ عالم بی بی نے تو گویا بیس میں آگ لگا دی۔

رات کے وقت وہ کوفٹا پھلانگ کر عالم بی بی کے پاس جا پہنچا۔ جب وہ آدھی رات کے وقت کونے کا پردہ پھلانگ کر جاگ تو اسے اچھی طرح احساس ہوا کہ نیلم اور بچہ جاگ رہی ہیں اور وہ نہ پر لوڑھی ہوئی چادر میں، ویہ جان بٹا کر دیکھ رہی ہیں اور مسکرا رہی ہیں کہ اس ۶۶ سالہ بڑے کو کیا ہوا کہ آدھی رات کو پردے پھلانگ رہا ہے۔

اور عالم بی بی کا جسم لٹا ہوا تھا۔ ظاہر تھا کہ کئی ایک سکندر اعظم حملے کر چکے تھے۔ وہ کئی ایک بار یہ مکمل مکمل چکی تھی۔ اور اب وہ جسم اس حد تک مضروب ہو چکا تھا کہ اسے طلب نہ رہی تھی، مرہو ہے جس۔

وہ اس عمر کو پہنچ چکی تھی کہ اب کسی سکندر کے حملے کی امید نہ رہی تھی۔ ابی کے اس ہاتھ نکلنے سے وہ حیرت زدہ ہو گئی۔ اس حیرت میں خوشی کا عنصر اس قدر بھر پور تھا کہ اس کے جسم کے بند بندہ سے پھول نکل اٹھے۔

نیلم بچہ

نیلم اور بچہ یہ دیکھ کر چپکلیاں مارنے لگیں۔

نیلم اور بچہ دونوں ہی بڑی سرلی تھیں۔ گلے میں شہدہ مڑ بھری ہوئی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں میں تل تھی۔ سارے جسم میں لے تھی۔ جب وہ اٹھ کر کھڑی تھیں تو سماں بندھ جایا کرتا تھا۔ ان دونوں ان کی پھوٹی بن بٹری تھے ہم سب کو کما کرتے تھے، سوکے کالہ جسم کی مانگ

ہے۔

اور یاد رکھ ملتی، تو اگر صالح بن کر بیٹھ گیا تو ہم تیرے پاس نہیں آئیں گے۔

پھر وہ ہاتھ حرکت میں آئیں۔ کبھی میری چہرے کو سسلا، کبھی پاؤں میں انگلیاں پھیرتا اور کبھی جسم کو تھپتھپاتا۔ میں نے شدت سے محسوس کیا کہ وہ شہزاد کا ہاتھ نہیں تھا۔ کیونکہ شہزاد کے ہاتھ نے کبھی آکسلیا نہ تھا۔ پھر اردو بورڈ سے بلدا آئیں۔

ان دنوں شباب کی سفارش پر اشتقاق احمد نے مجھے اردو بورڈ میں ایڈیٹر کی آسماں پر لگا رکھا تھا۔ جب بھی بورڈ کی میٹنگ ہوتی یا کوئی اور امور قابل توجہ ہوتے تو ڈائریکٹر اردو بورڈ ایڈیٹروں کو بلا لیتے۔

وہ گھر یہ گھر

۱۹۳۷ء سے جب بھی میں کسی کام سے لاہور جاتا تھا تو ہمیشہ اشتقاق احمد کے ہاں فصر تھا۔ پہلے دو مزنگ روڈ میں، جہاں اشتقاق کے والدین اور بھائی بن رہے تھے۔ پھر اشتقاق کی شادی کے بعد اشتقاق بانو کے گھر۔

اشتقاق بانو کے گھر پہنچتا تو میں یوں محسوس کرتا جیسے بلیغ کتاب میں آگئی ہو۔

ان دنوں احمد بشیر بھی لاہور میں رہتا تھا۔ احمد بشیر نے ہمیشہ سے مجھ سے بڑی محبت کی ہے، اس کی بیوی اور بیٹیاں بھی مجھ سے مل کر بہت خوش ہوتے تھے، لیکن میں بھی احمد بشیر کے ہاں فصر نہ تھا۔ جب بھی لاہور جاتا احمد بشیر سے ملنا ضرور تھا۔

احمد بشیر اس بات پر بہت کڑھتا تھا کہ اسے اشتقاق کی طبیعت پسند نہ تھی۔ اہتمام میں وہ مجھ سے کہا کرتا تھا، 'یار مجھے بات سمجھ میں نہیں آتی، اشتقاق کی طبیعت تم سے قطعی طور پر مختلف ہے'۔ پھر تم اس گھر میں کیسے رہتے ہو۔ میں کہتا اس لیے کہ وہاں ہاؤس ہے۔ کبھی 'بی بی' کوئی ہے۔ ابی ہے اور وہ گھر۔ مجھے ان گھر سے محبت ہے۔ احمد بشیر کی بات سچی تھی۔ اس کی طبیعت بالکل میرے جیسی تھی اور نیلیم بچہ مودی سب میری دوست تھیں۔

اس مرتبہ وہ ہاتھ میری ہانڈ پکڑ کر احمد بشیر کے گھر لے گیا۔

میں سوٹ کیس اٹھائے گھر میں داخل ہوا۔ تو سارے گھر میں حیرت بھری خوشی کی لہر دوڑ

امہ بشر کے اپنے والدین کے ساتھ اچھے تعلقات نہ تھے۔ والدہ سے اہل بوسہ بلیسی تھی۔ والدہ سے لگاؤ تھا لیکن اس کے والد مرلا مسنجمی تھے اس لیے ان سے نفی نہ تھی۔

امہ بشر کے والد سمجھتے تھے کہ میری وجہ سے ان کا پیارا لڑکے سے بھگ گیا تھا۔

اسی بنا پر پروین سے میرا میل جول نہ ہو سکا۔

بحر روین کی شادی ہو گئی۔

جب امہ بشر بنا پڑا فلم بنا رہا تھا تو ایک مرتبہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں ایک حسین و جمیل لڑکی بیٹھی تھی۔ میں نے امہ بشر سے پوچھا یہ کون ہے۔ امہ بشر نے کہا: تم نے پروین کو نہیں پہچانا کیا۔

میں نے کہا: وہ بسنو ہے جو بی چوڑی تھی۔ میں نے نہیں مانا۔

پروین بولی: شکر ہے آپ نے پوچھا تو۔ میں بھی کتنی شہر میں آگئی۔

بحر روین امہ بشر کے گھر آئے جانے لگی۔

جب اسے پتہ چلا کہ میں عالم لی بی کے لیے ان کے گھر آتا ہوں تو وہ بولی: اللہ اس لی بی کا بھلا کرے اس گھر میں اپنی قدم نہ رکھتا تو فرمایا۔

نیلیم بچہ کوئی عمری جیمیر لیتیں۔ پروین پہنچا ہوا چلائی۔ مودی چرتی چرتی چڑھانے ہوئی۔ امہ بشر قہقہے مارا۔ اہلی عالم لی بی کے کھیرے لیتا رہتا۔ یوں دن گزرتے۔ کیا دن تھے وہ۔

باز آ

پنڈی پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ چلو قدرت اللہ کو اطلاع دی دے دو کہ بیخ کتاب میں پہنچ گئی۔ انھوں میں اڑنے والے بچہ جو خدا مافک۔ ساتھ ہی میں نے عالم لی بی کا قصہ بیان کر دیا۔ جو اب میں قدرت اللہ کا ۵ جولائی کا کھوا ہوا ایک خط موصول ہوا۔ جس میں سے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اصل خط میسے میں ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XVIII

تھی۔ اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ ہر وقت اپنے لٹکے استو کے ساتھ بچوں کے پروگرام کی تیاری میں لگی رہتی تھی۔

گاہے میں نیلیم بھی مائل تھیں۔ بڑی سے بڑی مشکل بندش کی نقل اتارنا ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ ان کی اسی مودی تو کراچی میں پیارنگ سے موسیقی کی قلم بھی لیتی رہی تھی۔

جب بھی عالم لی بی ان کے گھر میں قدم رکھتے تو وہوں بڑی شجیرہ کے گاہے نکلتے میرا بچا گھر آئیہ آیا دی میرا بچا گھر آیا۔

مودی عالم لی بی کے بدلے ہوئے انداز اکثری ہوئی گردن اور پہنچا ہوا چلائی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر چڑچلائی۔ یہ کیا کھنڈ چلا ہوا ہے۔ انہوں نے وہ کتنی! لیکن امہ بشر بچہ کو ایک جگہ بٹاکر ڈانٹ دیتا تھا کہ خردار ممتاز کو کچھ نہ کہتا جو وہ کرتا ہے اسے کرنے دو۔ اس کاراست نہ لکنا۔ طعنہ نہ دینا۔

نیلیم بچہ کے انداز میں ایک مفرح حوالہ ہوتا تھا۔ وہ ایک پہنچا ہوا چلا دیتی تھیں۔

ٹی چوچو۔ پروین

اور پروین مافک کی تو بات ہی اور تھی۔ اس کی باتوں میں پیارنگ رس تھا۔ ۱۹۳۵ء میں جب میں پہلی بار پروین کے پاسوں اشفاق حسین سے ملا تھا تو اس کے ہاں کیا تو میں سرکے کے لیے تھا لیکن وہاں دیکھ کر گھبرا گیا۔ ایسا بھانک کر آئے تک اللہ نہیں سکا۔ میرا بیٹہ جاس لیے نہیں تھا کہ اس کے گھر میں موسیقی کی محفل تھی۔ بلکہ اس لیے دیکھتا تھا کہ اشفاق حسین کی باتوں نے مجھے اٹھنے نہ دیا تھا۔

اشفاق حسین کے پاس کوئی خصوصی بات نہ تھی۔ اس کے پاس بات کرنے کا انداز تھا۔ وہ انداز بڑا چاؤپ تھا۔

پروین مافک کی غزلی یہ تھی کہ وہ باتوں کی پہنچا ہوا چلائے میں ماہر تھی۔ عام سی بات کرتی۔ اس میں بات چاہے بہت ہی کم ہوتی لیکن پہنچا ہوا چلائی۔

پروین کو میں نے اس زمانے میں دیکھا تھا جب وہ بی چوچو تھی۔ اعضا بے کئے اور بے ڈھنگے تھے۔ ان دنوں وہ اپنے والدین کے ساتھ رہا کرتی تھی۔

spirit of wilful defiance - there is always hope. The faintest flicker of healthy fear in the depth of consciousness keeps this hope alive. It is small things - like this flickers - that swings. The pendulum of mens faigh and destiny. So be of good cheer.

10. I no longer insist that you meet Bhai Jan immediately. Take your own time. Meanwhile write to be quite frequently.

کالے مول نہ ہونے کے

اب میں اس خط کو پڑھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ یہ ایک عظیم خط ہے اور لکھنے والے کو وسعت قلب کا آئینہ دار ہے، لیکن ان دنوں جب مجھ پر عشق نہیں، محبت نہیں، بلکہ ایک جنون سوار تھا، میں نے اس خط سے کوئی اثر نہ لیا۔ قدرت کے لیے میرے دل میں جو عقیدت تھی وہ اس قدر بڑھ چکی تھی کہ میں نے لانا خود کو اس بد روشی اور بھیست پر ت کہ وہ ۶۵ سال کی عمر کے بدخود میں نے ۲۱ سال کے نوجوان کے مسائل اپنا لیے۔

رات کو میں کوٹھے چلا نکلتا۔

چندوں کی طرح عالم بی بی کے گھر کی دیوار میں چھپا رہتا کہ گھر والے صدمہ دروازہ بند کر لیں۔ عالم بی بی کے نوجوان بیٹے جو بائیس تو باہر نکل کر چپکے سے عالم بی بی کی آغوش میں جا پہنچیں۔ حالانکہ عالم بی بی کی آغوش لٹی پٹی تھی۔ وہ میرا انتظار نہیں کرتی تھی۔ اسے جسمانی قرب کی خواہش نہ تھی اور وہ اپنے نوجوان بچوں سے سخت خائف رہتی تھی۔ لیکن میں تو عالم بی بی کی خوشبو کا دیوانہ تھا، چاہے وہ الفتات کرے نہ کرے، لیکن مجھے اس کے قرب کا احساس رہا۔

شور اور ہوا میری اس کا یا پلیٹ پر حیران رہ گئے۔ شور تو اپنی طبیعت کے مطابق اندر ہی اندر

6. In my judgement all thoughts and possibility of marriage must be fully and irrevocably averted. Family circumstances on both sides are such that matrimony cannot but fall in the purview of para No. 5 above weighing in the scale of prudence adherence to para No. 4 in the oft. repeated commission of sin (Will be far preferable to the complex consequences) of para no. 5, emanating from marriage. At our age and maturity we ought to be able to abide by this simple arithmetical calculation.

گلز گریس

7. I am emphasising against matrimony because this thought can spring at any time on the crest of desire, love, sex, compassion, or just self pity and morbid remorse. so be on the guard.

8. Please keep me informed at short intervals, write in symbols because there is no need for anybody else to know any thing about it.

9. It is easy to enter in the realm of God's grace. But it is exceedingly difficult to fall out of it. Frail mortals may violate divine injunction a hundred times but if it is not in a

ہوں اور اس سے اپیل کی جائے کہ وہ مفتی کو مرزوں کرے۔

انہیں علم نہ تھا کہ میں نے ابتدا میں ہی قدرت کو مطلع کر دیا تھا کہ آپ نے جس کڑوی کوئی پر شوگر کوٹک کی تھی۔ وہ اتڑ گئی ہے اور کڑواہٹ پھر سے اپنے جوں پر ہے۔
پھر عالم بی بی کی بات کمرنگ تھی۔ میری بیوی مجھے سے بہت ہن گئی۔ بیٹیوں نے بات کے بغیر خاموشی پر دست کیا۔ صرف عکس خاموش رہا یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

راجہ شفیق کی وفات

میں نے سوچا چلو راجہ سے بات کرو۔ میں یہ چاہتا تھا کہ عالم بی بی خود آئی تھی یا کبھی کئی تھی۔ میں خود کرا تھا یا دھکا دیا گیا تھا۔

راجہ کے گھر گیا تو پتہ چلا کہ وہ در سے پر جہلم گیا ہوا ہے۔

دوبارہ گیا تو پتہ چلا کہ راجہ بیمار ہے، جہلم کے ہسپتال میں داخل ہے۔ پھر ایک روز جب ہم بھائی جان کے ساتھ دوبار میں بیٹھے تھے تو دھماکا بھائی جان کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ بیٹھے بیٹھے تڑپ کر رہ گئے۔ پھر وہ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ آخر بولے۔ کئے گئے ذرا راجہ کے گھر جا کہہ دو تو لگائیں۔

راجہ کے گھر گیا تو گھر مشعل قلعہ پر دوسری نے بتایا کہ سب لوگ جہلم گئے ہوئے تھے۔

اگلے دن خبر آئی کہ راجہ فوت ہو گیا۔

ہم سب دفوانہ دو بارہ راجہ کے کھڑن کی طرف بھاگے۔

راجہ کو دفنانے کے بعد جب میں واپس آ رہا تھا تو مجھے ایسے عموں ہو رہا تھا کہ خود کو دفنانے کے بعد واپس آ رہا ہوں۔

راجہ کے جانے کے بعد میں ہانگل ی اکیلا رہ گیا۔

پھر ایک روز ایک لوز ملوٹ ہوا۔

میں نے عالم بی بی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ عالم بی بی نہ تھی۔

تھلی کے پر جھڑ گئے تھے، پیچھے سے سڑی نکل آئی تھی۔

میں حیرت میں ڈوب گیا کیا اس عورت کے لیے میں نے زندگی کے تین سال گوا دیے۔

سکتا رہا۔ دھواں دیتا رہا۔ پتو پٹا کر رہ گئی بولی، مفتی جی یہ کیا ہوا۔

کون مفتی بی کی بات کر رہی ہو۔

اپنے مفتی بی کی، وہ بولی۔

مفتی لد کیا کہ کوئے نے جو مور کے پر لگا رکھے تھے وہ اٹار پیچھے۔ اب اہلی سے بات کرو۔

پچھنے جی ان تھے کہ مفتی اور اہلی کا قصہ کیا ہے۔

پتو بولی، شایب صاحب کو پتہ چلا تو وہ کیا کہیں گے۔

کہیں گے، کالے مول نہ ہوئے ہے۔

بھائیوں سوسن ملان لگے۔

پتو بولی، یہ بی بی ہے کون۔

میں نے کہا ایک عام سی بھٹی عورت ہے۔

یہ سب اس بی بی کا پھیلایا ہوا شر ہے۔

نہیں پتو، میں نے جواب دیا۔ اس بے چاری میں شرکوں سے کیا۔ وہ تو خود مظلوم ہے۔

آپ بھی مظلوم ہوں گے، اس نے طعن دیا۔

نہیں پتو، میں نے جواب دیا۔ شریں خود ہوں۔ قدرت نے میرے اندر کے شر کو دیا

دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ موتہ کی ناک میں رہا اب اس نے شیخوں مار دیا۔

پھر ایک روز میں نے عالم بی بی کو اگلی لگائی اور اسے پتو کے کمرے کیا اسے دیکھ کر مارا

کا مارا مگر بکا بکا رہ گیا۔

اشفاق احمد، بشیر اور سودی کو عالم بی بی پر غصہ آتا تھا۔ صرف پتو ایک واحد فرد تھی جسے اس

ملوٹے پر دکھ ہوا۔ غصہ نہیں آیا۔

پھر احمد، بشیر اور اشفاق احمد مل بیٹھے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی مل بیٹھے نہ تھے۔ ان

دونوں کی شاخ میں مل بیٹھے کا مضر سرے سے یہ سوچو جی نہ تھا۔

ان دونوں نے کہا یہ مفتی تو جوڑ میں ڈوب گیا اسے دلیل میں لےت ہوئے کی لت پڑ

گئی ہے۔ اسے کیسے بچایا جائے۔

دونوں نے فیصلہ کیا کہ قدرت اللہ خدا کو کھسا جائے، جس میں اس واقعہ کی تفصیلات درج

انہوں کو تاراض کر لیا۔ گھر کی آبیاری کو تلف کر دیا۔ پلو کو دھکی کر دیا۔ کیسی 'میری' ٹولی کو چھٹان
کے رکھلہ احمد بشیر اور سوہی کو دھکی کے رکھلہ

یا اللہ! میں نے پہلی بار بڑے عجز سے عرض کی 'یا اللہ کیا میری آنکھیں میری ہیں یا یہ نورسز
لی یا نڈکی تالاع ہیں۔ کیا یہ دیکھ سکتی ہیں جیسے میں چاہتا ہوں یا دیکھ جیسے وہ چاہتی ہیں۔'

۱۔ داستان میرائے

۲۔ محشر رسول نگر

۳۔ پیر خانہ

۴۔ پاکستان

۵۔ چھوٹا منہ



مناقبہ نسیم الدین



رفیق دہرو



سویلا، نسیم، نقش (بیٹیاں)

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

دو ایماج



میرزا اسلم خان

میں جس کلاٹ کر جب وطن واپس پہنچے تو وہ وہ افراد نہ تھے جو ۳ سال پہلے یہاں سے انگلستان روانہ ہوئے تھے۔ پٹنہ روہ جیت نظر آتے تھے، لیکن اندر ان کا بند بند ٹوٹا ہوا تھا۔ جب ذوالفقار علی بھٹو ملک کے سربراہ بنے تو انہوں نے پہلا حکم یہ کیا کہ قدرت اللہ کی جین کی منظوری دے دی اور انہیں وطن واپس آنے کا مشورہ دیا۔

جب وہ وطن واپس آئے تو بھٹو نے کہا کہ جتنے سال آپ نے انگلستان میں گزارے ہیں۔ اتنی مدت کے لیے ہم آپ کی ملازمت میں توسیع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ جین لے لیں۔ لیکن قدرت اللہ نے بھٹو کی اس آفر کو تسلیم نہ کیا۔ بھٹو کی خواہش تھی کہ قدرت اللہ بیکٹری کے محکمے پر فائز رہے۔ قدرت اللہ فوری طور پر جین پائے کے حق میں تھا۔ قدرت اللہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ بھٹو کی خواہش کو رد کر دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدرت اللہ نے ہینشٹر جین کے بعد ایک سال کے کنٹریکٹ پر ملازمت کرنا تسلیم کر لیا۔ جب ایک سال گزر گیا تو اطلاع دیے بغیر اسٹنٹے دیپے بغیر پاکستانی اخبار میں ایک مضمون شائع کرنا کہ ”سی ایس پی ملازمت میں میں نے کیا پامال کیا کھڑا“ مگر آجیلا۔

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو علم نہ تھا کہ یہ وہ کیوں شباب نہیں ہے جس کے ساتھ انہوں



میرزا اسلم خان

دیا گیا تھا۔

ہرمل اگر قدرت شباب ثانی میں آخری باب شامل نہ کرتا تو میں انکے عمری نہ لکھتا۔
ہرمل عفت کو علاج کے لیے لندن بھیج دیا گیا۔ اس کے ساتھ اس کی قریبی عزیزہ جلی
کی۔
ماہ دہ کے بعد لندن سے ایک نر آیا۔ لکھا تھا۔

iffat resisting death come

اس نر کو دیکھ کر شباب اور اس کا بیٹا حجاب دونوں چلے گئے۔
تقریباً ایک مہینے بعد ۱۰۔۱۱۔۱۲ لکھا ہوا شباب کا خط ملا۔ جس کا ایک اقتباس درج
دیا ہے۔

اسے فریڈ

ہم یہاں پہنچے تو عفت کو ماں میں تھی۔
پانچ چھ روز تک حجاب کو اس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ ملی۔
اس بار حملہ بے حد شدید تھا۔
لاہور سے کئی سوکنا زیادہ۔

دو روز میں بے چاری کا دل بارہ مرتبہ رکھ مینوں سے Revive کیا
کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ لب دو رو صحت ہے۔ ابھی چھ سات پہنچے
اور ہسپتال میں رہتا پڑے گا۔

اس کے بعد خبر آئی کہ قدرت اللہ دیل گاڑی میں کنیشیری کے ہسپتال میں جاتا ہے
میں عفت داخل ہے۔ مہنوں عفت کے پاس چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے۔
عفت کی بڑوں مریض نے دیکھ کر کہا لی بی تیرا یہ بے فریڈ تھ ہے بڑا پیار کرتا ہے۔
میں بھی تھ نہیں کرتا اور پھر آکر مہنوں تیرے سامنے بیٹھ رہتا ہے۔
عفت نے کہا یہ میرا میں ہے۔

اصل خط میں یہ ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XXV

ہی چھانے نکل آئے تھے۔ منہ میں چھاپے زبان پر چھانے ملے تھے۔ لکھا ہوتا چھوٹا
تھا۔ کھانے پینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ سانس مشکل سے آتی تھی۔ پورے بارہ دن کھانا
بند رہا۔ ڈاکٹروں نے کھانا ذہنی فیوڈ ہو گیا ہے۔
بانو کے کمر میں عفت بار بار کھانا چلی جاتی تھی۔
قدرت اللہ شش و پنج میں پڑا تھا کہ لندن لے جائوں یا نہیں۔
میں ایک ڈرپاک آوی ہوں۔ کراس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں لاہور سے بھاگ
آ گیا۔

اور عفت لندن چلی گئی اس کے ساتھ اس کی ہمیشہ تھی۔
بانو اتنے دن کھال میں پڑی رہی کہ گھٹیل کر پانی ہو گئی۔ وہ لندن چلے گئے تو ہنر چمک
چمک کر چھینٹ بن کر بھر گئی۔

آخری باب

بانو شباب کی نگاہ میں اس قدر کھو چکی تھی کہ ہر بات میں اس سے پوچھتی تھی۔
کروں۔ ہم سب میں صرف بانو کو شباب پر حق الثقلین تھا۔
کچھ میں نہیں آتا کہ پھر بانو نے مرزا برہم میں ایسے واقعات کیوں نہ درج کیے جو شباب
ناچنے کے آخری باب کی تصدیق کرتے۔
بانو نے یہ چشم دید واقعات شاید اس لیے ایک آؤٹ کر دیئے کہ قدرت اللہ نہیں جانتا تھا
کہ اس کی زندگی کے ایسے واقعات کو شریک بنائے، لیکن اگر قدرت چاہتا تھا کہ اس کی زندگی
ایسے واقعات کو راز رکھا جائے تو اس نے شباب ثانی میں آخری باب کا اضافہ کیوں کیا۔
قدرت اللہ نے آخری باب کے علاوہ شباب ثانی کے تمام باب ہمیں چراہ کر سنا ہے۔
آخری باب میں نے قدرت کی وفات کے بعد پڑھا۔ اگر وہ آخری باب مجھے سنا دیتا تو میں خدا
کے بیٹا جانا کہ میری جان لا تو اس آخری باب کو حذف کر دیتیے اور شباب ثانی کے سارے
باب از سر نو لکھتے۔
میرزا آزاد کہہ رہے کہ قدرت کا آخری باب لکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ آخری باب لکھنا اس پر مار

ملات کرے گی۔

پڑوس بولی میں نہیں باجی کبھی غلام بھی بیوی سے لٹکا لٹکا رہتے ہیں۔

عفت کی وفات

پھر خاموشی چھا گئی، اندر سے کوئی خبر نہ آئی۔ البتہ انواہیں سننے میں آتی رہیں۔ میرٹ آباد جانے والے نے لکھا کہ عفت کی بیماری اسے چھوڑ گئی ہے اور اب وہ بالکل صحت مند ہے۔ شاپ، عفت اور جاقب ایک مکان میں رہتے ہیں۔ وہ تینوں بڑے ”مطمئن“ ہیں، آرام سے زندگی گزار رہے ہیں، یوں جیسے کب تک پر ہوں۔

مجھے ان خبروں پر یقین نہیں آتا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چلو کاٹھریوں اڑ جائے۔ اگر چلو کاٹھریاں داخل بھی ہو جائے تو غم لوٹے ہوئے اعضا کو جوڑنے والے تصور اچھا رہے ہوں گے۔

جیسے شاپ سے ہوا تھا۔

شاپ کا کوئی خط موصول نہ ہوا کہ راز کھلتا۔ شاید شاپ بات بتانا نہ چاہتا ہو۔

میں انتظار میں بیٹھ گیا کہ کبھی آئے گا اور چٹکن کی صورت پیدا ہو گئی تو شاید بات سیکل پر درختا۔ خبر آئی کہ عفت وفات پا گئیں۔

پتہ چلا کہ کوئی بیماری نہ ہوئی۔ ہارٹ ایکٹ نہ ہوا۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ ایک دن طبیعت چار بائی پر لیٹ گئی اور فوت ہو گئی۔

عفت کی وفات کے بعد جب قدرت واپس آیا تو میں اسے دیکھ کر ڈر گیا۔

پہلے جب وہ واپس آیا تھا تو آدھا آدمی تھا۔

اب وہ محض ایک ایسا لکھکا تھا۔ جس میں سے شہ چر گیا ہو۔

پھر جلد ہی چٹکن ہوئی۔ اتفاق سے میں موجود تھا۔

میں نے عفت کی بات پھیر دی۔

وہ میری باتیں سنتا رہا لیکن خاموش بیٹھا رہا۔ آنسو آتے رہے اور وہ پتیا رہا۔ میرٹ آباد

مشہور لکھنؤ دسے برٹ ہرادر رائے ”کافقہ“ بھیج گیا۔

میں نے کہا، شاپ صاحب آپ تو کہتے تھے کہ آپ چلے جائیں گے اور جاقب کی

کیا میں نے کہا تھا وہ حیرت سے بولا۔

ہاں میں نے جواب دیا۔ آپ نے مجھ سے نہیں دین سے کہا تھا۔

میں کیا کر سکتا تھا؟ وہ بولا۔ عفت مدینہ شریف سے احکامات لے آئی تھی۔ میں مجبور ہو گیا۔ ساری بات الٹ ہو گئی۔

پھر بند نوٹ گیا اور بات مکمل کر سامنے آ گئی۔

بولا، جب ہم لندن پہنچے تو عفت کو ماں میں تھی۔ انہوں نے کہا ملاقات بے کار ہے کما سے ہاگے کی تو آپ اسے مل لیا۔

ڈاکٹروں نے شک دیے۔ جو ممکن عمل ہو سکتا تھا کیا، لیکن کما نہ ٹوٹا۔ چند ایک دن گزر گئے۔

پھر ہم نے دوبارہ درخواست کی تو ڈاکٹر مل گئے بولے

ملاقات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کما ٹوٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ البتہ آپ اسے دیکھ لیتے ہیں ہم تم سے تو وہ بے ہوش پڑی تھی۔

در تک ہم خاموش کھڑے رہے۔ اسے دیکھتے رہے پھر جاقب کا میرٹ مل گیا۔ اس نے چلا کر آواز دی۔ اسی عفت نے آنکھیں کھول دیں۔

ڈاکٹر حیران ہو گئے۔ یہ کیا ہوا۔

ساری رات ہم باپ بیٹا لٹکے کے حضور سرگرم رہے۔

فتن کر رہے۔

اگلے روز ڈاکٹر نے بتایا کہ عفت کی بیماری دور ہو چکی ہے۔ لیکن شدت کی کمزوری باقی

ہے۔ اسے چھ ہفتے ہسپتال میں رہنا ہو گا۔ اس کے بعد وہ گھر جاسکتی ہے۔

یہ کیسے ہوا میں نے قدرت سے پوچھا۔

مسلط

پتہ نہیں، وہ بولا، شاید اللہ تعالیٰ کو ہماری منتوں اور تزلزلوں پر ترس آ گیا اور انہوں نے

ملت عطا کر دی۔ ہم باپ بیٹے کی صرف اپنی سی درخواست تھی کہ یا باری تعالیٰ ہم تینوں کا

باپ اور بیٹا بھی اطمینان اور سکون سے گھر میں نہیں رہے۔ ہمیں ملت عطا کر کہ ہم تینوں ایک

گھر میں آرام و سکون سے کچھ عرصہ اکٹھے رہیں۔

جب مفت ہسپتال سے ڈسچارج ہوئی تو ہم تینوں ایک مکان میں آرام اور سکون سے رہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے قدرت اللہ شلب کا ملائی جب پڑھا تھا تو فوراً وضو

کر کے ملائی کی روح کو ایسا ٹوٹ پھٹا تھا شلب کی تحریریں اور میرے اس

ہنر میں کیا تعلق ہے۔ میں نہیں جانتا صرف بیان کر سکتا ہوں۔

.....

بولی نہیں تھڑکی تھیں۔ مجھے ہر دم ان کی سلامتی کا گھر رہتا ہے وہ گھرے ہوئے ہیں۔ اس نے فون بند کر دیا۔

میں اٹھ کر کپڑے پہنے لگا۔ ساتھ ہی سوچ رہا تھا کہ کہیں جاؤں کہ فون پھر بجے۔ میں نے چونکا اٹھایا۔ شب بول رہا تھا۔

کہنے لگا، آپ تکلیف نہ کریں۔ میں صبح سلامت گھر پہنچ گیا ہوں۔

میں نے دھیمی آواز میں پوچھا، کوئی فرائض تھی۔

ہنس کر بولا، نہیں۔

میں نے کہا، تو دوسری مل تھا کیل۔

بولا، نہیں۔ وہی فورسز بیٹاؤ۔

میں نے کہا، یہ چکاؤ نہیں، یہ تو فورسز بیٹاؤ کی لکٹ ہیں۔

بولا، کل بات کریں گے اور فون رکھ دیا۔

ابتدائی ایام میں میں نے ایک دن محنت سے کہا تھا۔

میں نے کہا، اکثر مجھے ایک بات بتاؤ گی۔

کہنے لگی، پوچھیے۔

میں نے کہا، کچ بچ جانے کا وعدہ کرو تو پوچھوں۔

بولی، کیوں، جوت بولوں کی خواہ خواہ۔

میں نے کہا، یہ بتاؤ کہ قدرت اللہ شہب کون ہے۔

وہ سٹپٹ گئی۔ بولی، کیا مطلب۔

میں نے کہا، لگتا ہے قدرت اللہ شہب کوئی ہے۔

He is some body لیکن کیا ہے۔ کون ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر بولی، میری بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ ————— ملتی ہے

جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں میری تو مت ماری گئی ہے۔ کبھی کسی کمرے سے تازہ پھولوں

داستان سرائے

اپنے مضمیتوں کے دوسرے مجموعے "اورد لوکے لوگ" کا انتخاب میں نے "داستان سرائے" کے نام کیا ہے، جن میں نے زندگی کے بہترین لحاظ گزارے ہیں۔

میں تذبذب میں پڑا تھا۔ کیا تھا پھر جاننے لگا۔ پھر جان گیا۔
پھر جاننے لگا، یوں نہ تھا نصیب ہوا نہ چننا۔
شباب کی وفات کے بعد مجھے لندن سے بلوا آگیا۔
الحظ گو ہر نے افتخار عارف کے اردو مرکز کی چاہ سے بلایا تھا۔
مجھے لندن دیکھنے کا شوق نہ تھا۔ سوچا چلو دوستوں سے مل آؤں گا۔ الحظ گو ہر تھا۔ یو سنی
تھا، افتخار عارف تھا، محمود ہاشمی تھا، پروین بھی ان دنوں وہیں تھی اور ڈاکٹر مزمل مفتی تھا۔
لیکن سب سے زیادہ تمنا مجھے مفتی کی قبر دیکھنے کی تھی۔
میں نے پروین عارف کو خط لکھا۔ اللہ کے واسطے وہیں رہنا۔ چلی نہ آتا۔ میں آ رہا ہوں۔
اگر تم نہ ہوئی تو اس شیش محل میں کھو جائے گا۔
وہاں میں صرف آٹھ دس دن رکھ

الحظ گو ہر نے اپنا پبلک ریلیشنز اسٹریٹجی کو میرے پاس بھیج دیا کہ چٹو مفتی کو جیتیں
دکھا دو۔ مجھے جیتیں دیکھنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ مجھے زبردستی دست فشرایا ہے میں لے گیا۔
.....

شروع کیا تھا۔ اس پروگرام میں اشفاق نے شادی کا رد لیا۔

اشفاق احمد اچھا اور اگلا بھی ہے۔ اس کی وجہ اس کا نام ہے۔ اس کا نام عام لوگوں سے زیادہ سناتا ہے اور اس کا مطلق سنی ہوئی آواز کو ہو سو ری پر دواج س کر سکتا ہے۔

پتہ نہیں یہ کیسے ہوا کہ اشفاق احمد نے پروگرام کے شاہ صاحب کو ایک مثنوی کردار عطا کر دیا۔ 'خس' مہم آزار۔ منہ پر لور، پیٹ پر کچھ اور عام طور پر ریڈیو والے دیکھیں جوش کرتے ہیں انہی اور اشفاق۔ انہوں نے بھی مثنوی کردار جوش کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ لیکن اشفاق احمد کا شاہ صاحب ہل نکلا۔ سامعین نے شاہ صاحب کے منہ سے اپنے اندر کی خباثتوں کا ذکر سنا تو نمل ہو گئے۔ پھر اس پروگرام کا نام تلقین شاہ رکھ دیا گیا۔ اور اشفاق چھان سے سید بن گیا۔

یہ پروگرام اس قدر پاپر ہوا کہ بات کہیں تک جا پہنچی۔ ہوا یہ کہ ایک روز پروگرام کے دوران شاہ صاحب نے اپنے غلامِ برایت اللہ سے کہا کہ ٹوکرا لے جاؤ اور مانگے اور کتوں کے چنگے جس بھی پرے نہیں 'انہیں تو کسے میں ڈال کے لے آؤ۔

برایت اللہ نے پوچھا 'شادی چنگے اکٹھے کرنے کا کیا فائدہ ہو گا۔

شادی نے کہا 'الحق تجھے نہیں پتہ ہم ان چنگوں کو اپنے صدر دروازے کی سائیڈ پر ڈھیر کر دیں گے۔

برایت اللہ نے پوچھا 'آقا اس کا کیا فائدہ ہو گا۔

شادی بولے 'مجھے والے دیکھیں گے۔ ان کے دلوں میں ہماری لعلت کا رعب پڑے گا۔ ہمارا سوشل سٹیشن لوٹا ہو گا۔

یہ پروگرام ریڈیو سے رات کو نشر ہوا۔

صبح اشفاق احمد باہر نکلا تو دیکھا کہ صدر دروازے کی سائیڈ پر مانگے اور کتوں کے چنگوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔

شرت کا ٹھکانہ

اشفاق احمد یہ دیکھ کر چمکے۔ 'نہ' 'نہ' ہو کر رہ گیا اس کے اندر کا ٹھکانہ بچ گیا۔ پھر وہ ٹھکانہ بار بار عیاں کر لینی دین کے اور دوسروں کے دوران ٹھکانہ کے ساتھ حرکت بھی

خدمت اس نے کی ہے، کسی اور نے نہیں کی۔ جتنی اپنائیت مجھے کسی میری نوکی ہاتھ کے بچوں نے اور اس کی اہلی سزیدہ نے دی ہے کسی اور نے نہیں دی۔

اردو لب میں میں نے اشفاق احمد سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

جب میں ریڈیو منٹ کے بعد جلی مشاکٹ میں گمراہ ہوا تھا تو اشفاق احمد نے اردو بورڈ میں مجھے ایڈیٹر کی آسانی پر قیادت کر دیا تھا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قدرت اللہ شاہ جو میری زندگی کا عظیم ترین مشاہدہ ہے۔ وہ بھی اشفاق احمد کی دین ہے، چونکہ فیادی طور پر وہ اشفاق احمد کا دوست تھا۔

اشفاق احمد کی نہیں اس کے سارے بھائی، قادیان اور ملائیتوں کے مالک ہیں۔

اشفاق احمد کے والد بڑے خان خوب آدمی تھے۔ ان کی قابلیت بخت رشتی تھی۔ ساتھ ہی وہ بڑے چارہ پیٹ دی جلی تھے، جب وہ گھر میں پاؤں دھرتے تو ستا چھا جاتے۔ ان کے حکم کے بغیر پتا نہیں مل سکتا تھا کہ گھر میں سب سے بڑی پر اہم یہ تھی کہ کس طریقے سے بڑے خان صاحب کو رام کیا جائے۔ غالباً اسی وجہ سے سب بھائیوں میں امتیاز، مصلحت اور دنیا داری کی خصوصیت پرورش پا گئی۔ صرف ایک بھائی کے اندر ری ایکشن پیدا ہوا۔ اسے کہہ دینے کی عادت پڑ گئی۔ منہ پر کہہ دینے کی۔ سچ کہہ دینے کی۔ دنیا داری سے بے نیاز، غیبی، عمل کا متوال۔

اشفاق کو ابتداء سے ہی دل کی بات کہہ دینے میں چنگا پٹ محسوس ہوتی تھی۔

میری دانست میں اشفاق احمد کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس کی شادی پاؤ قدیر سے ہو گئی۔ اگرچہ بظاہر اس شادی کی وجہ سے دونوں میاں بیوی پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

تلقین شاہ

اشفاق کی شخصیت دو حصوں میں بانٹی جا سکتی ہے۔ ایک تو وہ دور جس میں وہ اشفاق احمد

وہ ایک عام ساریڈیو پروگرام تھا، "صبرت حقیر" جو اشفاق نے سکرپٹ رائٹری حیثیت سے

بناپتی اور اصلی

وہی قدرت اللہ آجائے بڑے لوب سے پاؤ کی خدمت میں عرض کرتے۔ بیکم صاحب اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے میاں کو دو گھنٹے کے لیے باہر لے جاؤں۔ یقیناً جہاں سے وہ کھنے کے اندر آکر آپ کے میاں کو دلہن ڈیلور کر دوں گا۔
 پاؤ کہتی 'آپ کھانا کھائیں پھر بے تک۔'
 نہیں محترمہ وہ جواب دینا کھانے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ کہیں باہر سے تان کباب کھائیں گے۔

جب بھی میں لاہور جاتا تو پاؤ مجھ سے شکایت کرتی تھی کہتی 'اشفاق کا ایک نیا دوست بنا ہے جب بھی آتا ہے ہم سے بات نہیں کرتے ایک بیگانہ انداز سے اجازت مانگتا ہے اور خان کو باہر لے جاتا ہے۔ ہمیں کھاس نہیں دالت۔'

کوئی بڑا حق ہے میں اسے جواب دینا جو تم جیسی خاتون سے رابطہ نہیں رکھتے۔

وہ ہنسی 'مفتی جی آپ مجھے کھن نہ لگا کر میں۔'

میں کہتا 'میں کیا لگاؤں گا وہ تو اللہ نے لگا کر بھیجا ہے۔'

پاؤ بہت بڑی طاقت ہے اس کے پاس وہ بہت ملک اختیار ہیں۔ انکیشن اور خدمت۔

آہستہ آہستہ اس نے قدرت اللہ کو رام کر لیا۔ یہی تک کہ وہ اسی پارہ جی خانے میں بیڑی پر بیٹھ کر سرسوں کا ساگ 'پائے' اور وال چاول کھانے لگا۔

پھر قدرت اللہ سے میں حصار ہو گیا۔ اشفاق نے تعارف کرا دیا۔ پہلے تو میں اسے ٹٹے سے گرد کرنا رہا۔ چونکہ میں بیڑی اٹھی طور پر چھوٹا آدمی ہوں اس لیے بڑے سروں سے الگ ہوں۔

پھر آہستہ آہستہ مجھے پتہ چلا کہ بڑا سروں کے بڑے سروں سے یہی طرح چھوٹا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں بناپتی چھوٹا ہوں وہ اصلی چھوٹا ہے۔ اس کے بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ ہر اسرار آدمی ہے۔ اسے ہر بات ملتی ہیں۔ لہذا ضرور وہ کسی منصب پر فائز ہے۔ خصوصاً جب ہماری جان نے کہا کہ سرکار قبلہ نے اس کی دستار بندی کی ہے تو میں بے حد متاثر ہوں۔

گو تھل اس کے بعد اشفاق احمد کی شخصیت کا دوسرا دور شروع ہو گیا۔ اس کے پروانوں نے اسے ہوا دی۔ قیادہ اعلا۔ اعلا ہو گیا۔

اشفاق احمد بنیادی طور پر ایک شریف الغض انسان ہے۔ اس کے اندر خیر کا عنصر حاوی ہے۔ اسے غصہ ضرور آتا ہے لیکن وہ اسے نکالنا نہیں جانتا۔ لہذا اندر چڑھتی رہتی ہے۔ بغیراری دالے بغیر رہتی ہے۔ اس کا غصہ خود کو ضرب لگاتا رہتا ہے۔ ہولناک کرتا ہے۔

اشفاق احمد کسی کے خلاف سازش نہیں کر سکتا اپنی پارٹی میں بنا سکتا چل نہیں پھیلا سکتا۔

اسے شہرت کھائی۔

کہنے لگا 'لوب کا ماحول بہت چھوٹا ہے۔'

میرا پیغام وسیع تر ہے۔

اس لیے میں میڈیا کا آدمی ہوں۔

ان دنوں اسے علم نہ تھا کہ میڈیا تو سرکاری پانڈی ہے فی دی شہرت کا ہمارا تو لگاؤ دیتی ہے لیکن بجز بھڑیلنے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے راکھ کی طغی رہ جاتی ہے۔

شہرت نے ہم دونوں کے درمیان دیوار کھڑی کر دی 'پھر بھی ہمارے تعلقات جوں کے توں قائم رہے۔ فرق صرف اتنا پڑا کہ وہ سلف سفینت اور سلف سینٹر ہو گیا۔ وال کا وہ دائرہ بن گیا جو کھ نہیں۔ پھر بھی میرے لیے کوئی فرق نہ پڑا۔ اس کا گھر تھا۔ پاؤ تھی 'مزینہ تھی' سیری تھا کہیں تھا 'ٹائیڈ تھی' ذی قند اس بہشت سے مجھے کوئی ٹھل نہ سکتا تھا۔
 قدرت اللہ بھی اشفاق کے گھر آکر آتا تھا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب داستان سرائے فقیر نہ ہوا تھا۔ اشفاق اور پاؤ کھن آکر کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔ چھوٹا سا پارہ جی خانہ تھا اس میں دو تین بیڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ایک کھنی بنیاد بنائیاں چولے پر چڑھی رہتی تھی۔ ایک فرنی چین نور ایک لوبے کی کڑائی اور اسے گلی رہتی تھی۔

ہم اس پارہ جی خانے میں غصہ کھنا کر بیٹھ جاتے پاؤ پانی اور ہم کھاتے۔

مومن کے ایک جانب ان دور مریضوں کا وارڈ تھا۔ جنہیں چار یا پلوں پر مریض آسمان تلے لیئے رہتے تھے۔ نور بلبلان میں دوبار وارڈ کارائونڈ لگتا۔ ہر مریض کا محل پوچھتا اور دوا تجویز کرتا تھا۔ نور بلبلان خدا کے ذریعے علاج کرتا تھا۔ کتنا تھا خدا دوا سے بستر ہے چونکہ اس میں شفا کا عنصر داخل ہوتا ہے۔ زیادہ تر مریضوں کا علاج ملت ہو آتا تھا۔ صاحب حیثیت مریض کو اعجازت تھی کہ وہ خدا کی دوا کی قیمت لودا کر دے۔ دوا کی قیمت 'قیمت خرید کے مطابق لی جاتی۔

نور بلبلان اپنے ڈیرے میں بلبلان کر نہیں بیٹھتا تھا۔ بلکہ چاروں طرف گھومتا پھرتا۔ کسی کو پانی پادنتا۔ کسی کے لیے گرم روٹی لے آتا۔ کسی کا محل احوال پوچھتا۔ ڈیرے میں اس کی حیثیت ایک کالی کی تھی 'بللی کی نہیں۔ ڈیرے کا خرچ کیسے چتا تھا اس کا مجھے علم نہیں۔

پتہ نہیں کیسے اطفال سے یا دیوی سے ایک روز اشفاق نور بلبلان کے ڈیرے پر جا پہنچا۔

شوق تحقیق

اشفاق کی عادت ہے کہ اسے کوئی نئی چیز مل جائے تو وہ اس کی تحقیق میں لگ جاتا ہے۔ اس کے اندر گھس جاتا ہے۔

جب وہ مکان بنوا رہا تھا تو فن حیر کے اندر گھس گیا۔ جب ننگے گھوا رہا تھا تو اس نے ٹوٹیوں کے متعلق تہم معلومات حاصل کر لیں۔ کون کون کتنی ٹوٹیاں بناتی ہے۔ ٹوٹی کا منہ کتنا کھلا ہوتا ہے۔ اس کا داخل کتنا دیر ہوتا ہے۔ ان دونوں وہ براہِ راز تھ روڈ پر جا پہنچا اور اس تحقیق میں لگ گیا کہ وہاں کیا کیا ہوتا ہے، کہاں کہاں جاتا ہے۔ کیا کیا باہر سے آتا ہے۔ کیا کیا خانہ ساز ہے۔ اشفاق احمد تحقیق کا ماحول ہے۔

نور بلبلان کے ہاں بچپن تو وہاں بھی، دلی میں بلکہ ذہنی تحقیق میں لگ گیا کہ روحانیت کیا ہے۔ 'فصول کیا ہے۔

نور بلبلان دیکھنے میں تو ایک عوامی فرد تھا۔ وہ بچوں اور مرشدوں کی طرح مسند پر نہیں بیٹھتا تھا۔ مسئلے نہیں چماتھا تھا۔ سرکار قبل بن کر ارشادات فرماتے کا عالمی نہ تھا۔ وہ ایک لمبا سا چنڈ پنہ رکھتا اور ننگے پاؤں یوں گھومتا پھرتا جیسے کوئی خدمت گار ہو، لیکن جب بات کرتا تو بڑی بڑی

اس دن سے میں نے داستان سرائے میں بیٹھ کر یہ چار کرنا شروع کر دیا۔ میں نے بار بار پاؤں اور اشفاق سے کہا: پیارو یہ ٹھٹھا آدمی جو تم پر اس قدر مہربان ہے۔ صرف ٹیک انسان ہی نہیں، سی اللہ ہی انسانی نہیں۔ بھائی جان کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بلند پایے کا بزرگ ہے۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ وہ تم کو دوست رکھتا ہے۔

پھر میں قدرت اللہ کی شخصیت کی پر اسرار باتیں سناتا رہتا۔ اشفاق نور بلبلان بڑے انصاف سے میری باتیں سنتے رہتے اور اس سے بیگم جاتے لیکن پھر وہ اپنے پر بھڑ بھڑاتے اور پھر سوکے کاٹھ ہو کر بیٹھ جاتے۔

دو تین سال میں یوں رہا وہ سنتے رہے۔ لیکن بات جہلی دھری تھی وہیں دھری رہی۔ غالباً شوق تھا مجھے ایک جذباتی مہذب سمجھتے تھے۔ اس لیے میری باتوں پر انہوں نے کان تو دھرا ہل دل نہ دھرا۔

دیے بات بھی درست تھی۔ میں ایک جذباتی آدمی ہوں اور مجھ میں مہذبیت کا عنصر موجود ہے۔ لیکن غالباً انہوں نے میرے غلوں کی جانب توجہ نہ کی۔

قدرت اللہ کے مرتبے کے متعلق انہیں احساس دلانے میں میرا کوئی ذاتی فائدہ نہ تھا۔ مجھے ایک خزانہ ملا تھا اور میں چاہتا تھا کہ میرے دوست بھی اس لوٹ کے بل میں حصہ دار بن جائیں۔

نور بلبلان کا ڈیرا

پھر نور بلبلان کا قصہ چل نکلا۔

نور بلبلان ایک بزرگ تھا۔ اس کا ڈیرہ لاہور چھانوی میں کیو لری روڈ پر تھا۔ نور بلبلان کے دو کام تھے۔ بنیادی کام یہ تھا کہ وہ ہر آنے والے کو گوشت روٹی کھاتا تھا۔ اس کے ڈیرے پر آجھ نو لہی لہی داڑھیوں والے بابے کام کرتے تھے۔ چار ایک صبح شام روٹیاں پکاتے رہتے دو ایک ہانڈی پکاتے پر ہمارے تھے۔ اور دو ایک چھوٹے موٹے کام کرنے پر۔ نور بلبلان کا سارا کام دوا دار کا تھا۔ ڈیرے پر وہ بڑے بڑے بارگ نما بن کر تھے۔ ایک بہت کھانا تھی۔ ایک بے چہتی

© Oneurdu.com

میں اس لیے پر دستخط کیے تھے۔

صوفیانہ: 'پائیاں جھوٹے جھوٹے جملوں میں برکتیں تلاش کر کے جانے اس کے پاس ایسے تیسریں

جملے تھے، جنہیں سن کر دانش ور چونک جاتے اور سوچنے پر مجبور ہو جاتے۔

مجھے بلایا یہ بات بہت کلی۔ اتنا بڑا دعویٰ اور یوں بڑا۔ اور پھر اتنا مختصر۔

کسی نے کہا: 'یاد رکھیے جو پاکستان ہے یہ کیا اسلامی مملکت ہے۔

یاد رکھو کہ یہ ابھی تو بیج پڑا ہے، ابھی بوٹا نکلے گا اور جب بوٹے پر پھول لگا تو ساری دنیا حیرت

میں دیکھے گی۔

یہ جملے Aphorisms تھے۔ مثلاً: 'ماننے کے لیے جتنا ضروری نہیں۔ علم سمجھنے کی چیز

افورازمز

وہ مسکرایا ہوا میں اس قتل ہو تا پھر آپ کی منت کیوں کرتا۔

میں نے پاؤں سے بات کہہ دی۔

وہ میری بات سن کر خاموش ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ اس جتنی جھگڑے نے بات میاں کو تباہی ہو گی، لیکن اشفاق پر اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔

اننا وہ شباب کی موندگی میں نور پائی کی باتیں کچھ زیادہ ہی ہنڈے سے منانے لگا۔

پھر یہ نہیں کیا بول، کچھ ہو گیا۔

پاؤں پر دھنکا، انکشاف ہوا کہ قدرت اللہ ایک بڑا بزرگ ہے۔ پاؤں کے نیچے عقیدت کے ہنڈے سے پھٹکے گئے، قدرت اللہ نے اپنا گنڈا "آڈو" جب بھی قدرت اللہ لاہور جاتا تو پاؤں شوشیری، مسز جٹ پاؤں کے تمام بیٹے بیٹوں سب قدرت کے ارد گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتے، پھر مسئلے مسائل چل پڑتے۔ سوال پوچھتے جاتے۔ قدرت اللہ ان سوالات کے جواب دیتا۔ بات کی وضاحت کرتا، فیصلے حل کرتا۔

ایک سال کے اندر اندر قدرت واستان سرائے پر ایک بزرگ کی حیثیت سے چھا گیا۔

واستان سرائے والے انتظار کرتے کہ کب شباب صاحب لاہور آئیں۔ خود شباب کی خواہش ہوتی کہ وہ لاہور جائے۔

دراصل جب سے واکٹر عفت فوت ہوئی تھیں قدرت کو "ہوم" نصیب نہ ہوا تھا۔

بے گھر

وہ اپنی ہمیشہ کے گھر رہتا تھا۔ اس کا ہونٹا لیٹن، ہمیشہ محمود اور ان کے بیٹوں کے گڈی۔

بلو اور پیکل سب اس کی عزت کرتے تھے۔

ایٹن پور فقیر کا قافلہ تھا وہ ایک مراد مستقیم تھا۔ وہ قدرت اللہ کو ایک نیک آدمی

کہتا تھا اور میں نے

میرا ذاتی خیال ہے کہ قدرت اللہ نے اپنے گھروالوں کی نظر بندی کر رکھی تھی کہ ان کو قدرت کی اصلیت کا پتہ نہ چلے۔ طاقت قدرت کا معمول تھا کہ وہ صبح تین بجے جاگتا۔ جبہ ادا کرنا

UrduPhoto.com

پھر سوتی پکڑ کر باہر نکل جاتا اور وہ کھٹے اسلام آباد کا پکڑ لگاتا، پھر گھر آکر فجر کی نماز پڑھتا اور پھر سو جاتا۔ گھروالوں نے کبھی نہ سوجھا تھا کہ وہ کوئی رات کے وقت شہر کا پکڑ کیوں لگاتا ہے۔ وہ وقت نہ چل قدرتی کا ہوتا ہے نہ جانگم کا۔

ایک دن میں نے قدرت سے پوچھا، آپ جو رات کے تین بجے اسلام آباد کا پکڑ لگاتے ہیں تو شہر کے کتے آپ کا استقبال کرتے ہوں گے۔

ہاں، اس نے جواب دیا۔ بڑے کتے ہیں اس شہر میں۔ مگر اس وقت سیر کرنے کا پورا عزا آتا ہے۔

میں نے کہا، شباب صاحب آپ انسانی ذہن کی تو جین نہ کیا کریں۔

اس نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔

میں نے کہا، شباب بی، یا تو بات کہہ دیا کیجیے اور یا چھپانا مقصود ہو تو ایسے چھپائیے کہ چھپ جائے۔ وہ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

میں نے کہا، مجھے ظلم نہ تھا کہ کوئی ایسا عمل وغیرہ بھی ہوتا ہے جو چلتے چلتے پڑھا جاتا ہے۔

اس نے کہا آپ نے کبھی مجھ کو سیرے چل قدرتی کی ہے۔

میں نے کہا جناب صبح کے وقت مجھ پر شیطان غالب ہو آتا ہے۔ رات کو نیند آئے نہ آئے۔

مجھ کو وہ تھک تھک کر سلاطین ہے۔

بہر حال وہ مگر جس میں قدرت رہتا تھا اس کے لیے گھر نہیں تھا۔ گھروالوں کو علم نہ تھا کہ

وہ کون ہے۔

میرا گھر

بجی کبھی میرے گھر بھی آیا کرتا تھا۔

میرے گھر میں صرف وہ افراد اسے جانتے تھے، مانتے تھے، کبھی اور میں۔ میری بیوی شیتلی

ہے۔ شیخ نو مسلم ہیں۔ وہ صرف اللہ کو مانتے ہیں۔ کسی بزرگ پر یا فقیر کو نہیں مانتے۔ بزرگ کو

نہ میری بیوی کے نزدیک بت پرستی کے مترادف ہے۔ کرامت کی بات سن کر وہ حسرت سے ہنس

دیتی ہے۔ حقیت کا وہ مذاق الماتی ہے۔ اور مجھ سے کولاف زنی سمجھتی ہے۔

اس قدر بظہار حاکم بڑی شدت سے دکھ رکھا کہ اتوالہ قادیان تیسرے محبوب صراہی اور بول کا دلدادہ تھا۔

بی ایم اڑ نے میری کسی تحریر پر کتبہ چھٹی کی تھی۔ غالباً وہ تحریر قدرت اللہ سے متعلق تھی۔ اس نے مجھے ایک خط لکھا کہ جناب آپ بافق الفطرت باتیں کر کے کیوں اپنا وقار اور قارئین کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ ایسے خط مجھے اکثر آیا کرتے تھے۔ جن کا میں نے کبھی جواب نہ دیا تھا۔ یہ نہیں بی ایم اڑ کے خط کو دیکھ کر مجھے کیوں غصہ آگیا اور میں نے جواب میں لکھا کہ محترم سر! اپنے محلے میں بھونکا اچھا کیا ہے۔ میں اپنے محلے اہلی دنیا میں بھونکا ہوں آپ بھی اپنے محلے صحافت میں بھونکیے۔

میرے خط کو دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا اور مجھ سے ناراض ہو گیا۔
کسی کی پرچی کو دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ اگر اڑ نہ ملتا تو کیا ہو گا۔

حمینہ

بہر اتفاق سے میں نے حمینہ کو دیکھ لیا۔ حمینہ بہت ہی ذہین لڑکی تھی۔ بڑی ایکسٹروورٹ۔ جرات سے بھرپور۔ منہ پھٹنے کا قیامت میں اپنے آپ بھی۔ باپ کی پرستار۔ لیکن لوہی نہیں والی۔ محبت کرنے والی، ساتھ ہی فضیل۔ بھانجرا لگنے والا غصہ۔ وہ تو انورا کر نے والی تھی۔ ہونے والی نہیں۔

یہ تو مشکل پڑ گئی، میں نے سوچا اگر بی ایم اڑ نے انکار کر دیا تو اس لڑکی کو انورا کرنا تو مشکل ہو جائے گا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے اڑ کو خط لکھا کہ اگر تم وسعت قلب سے کام لو اور گزشتہ گستاخی کو معاف کر دو تو میں بعد ازہم تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کروں کہ اگر تم میرے بیٹے کی مفتی کو اپنی فرزندگی میں قبول فرماؤ تو یہ میرے لیے باعث اعزاز ہو گا۔

اڑ نے کھلے دل سے معافی دے دی اور کسی حمینہ کی شادی ہو گئی۔ حمینہ پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ لوہی ناگ والی تھی، ولایت اور ایڈمنسٹریشن تھی۔ اس نے ہمارے گھر میں آکر شہاب کا تذکرہ غارتہ سوچنے لگی کہ یہ شہاب کیا شے ہے جو اس گھر پر محبت کی طرح سوار ہے۔ اسے شہاب

میری تین بیٹیاں ہیں۔ سورا، نیلا، شعلہ، بیان کی شادی کے سلسلے میں ذہر دست رکھوئیں آگے ہوئی تھیں۔ میری بیوی ان رکھوئوں کی وجہ سے سخت پریشان تھی۔ پھر بغیر کسی کوشش کے بغیر کسی وجہ کے وہ تمام رکھوئیں باری باری دور ہو گئیں۔ یوں دور ہو گئیں۔ جیسے کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس پر میری بیوی حیران رہ گئی، لیکن وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی کہ اس میں شہاب کا ہاتھ تھا۔ میری بیٹیوں کو احساس ہے کہ شہاب نے مدد کی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے پتہ چاہنے اس بات کو تسلیم نہ کیا تھا۔
کبھی کبھی میں جوش عقیدت سے سرشار ہو کر گھر میں شہاب کی بزرگی کی بات کرتا تو میری بیوی میرا مذاق اڑاتی۔

اس کا بے ادب رویہ دیکھ کر میں خوف زدہ ہو جاتا۔ یوں گھر میں شہاب کی بات کرنا میرے لیے ممنوع تھا۔
۱۹۷۲ء میں کبھی کی شادی ہو گئی۔

میں نے کسی کو صاف کہہ رکھا تھا کہ میں حیرے لیے رشتہ تلاش نہیں کروں گا۔ جس لڑکی سے تو شادی کرنا چاہتا ہے اس کا نام اور پتہ ایک پرچی پر لکھ دے۔ باقی کام مجھ پر چھوڑ دے۔ اگر لڑکی والوں نے رشتہ قبول کر لیا تو بہت خوب۔ کیا تو ہم لڑکی کو انورا کر کے لے آئیں گے۔

بی ایم اڑ

کبھی نے ایک پرچی پر بی ایم اڑ کی بیٹی حمینہ کا نام لکھ دیا۔ بی ایم اڑ کو میں جانتا تھا۔ وہ ایک جانا بچا دانش ور تھا۔ سب سے پہلے ہماری ملاقات اشفاق کے گھر میں ہوئی تھی۔ ان دنوں ہم اسے ڈپٹی کمار کرتے تھے۔

پہلے وہ ڈپٹی تھا۔ پھر کرمنٹ کالج میں اقبالیات پڑھانے لگا۔ یہ پروفیشن بھی اسے جذبہ کر سکا تو وہ انگریزی روزنامہ بی ایم جی میں صفائی بن گیا۔ اس کے کالوں کو ایڈیٹوریل کی دھم چاگ گئی۔ پھر سول لیڈ ملٹری کولٹ ہند ہو گیا۔ تو وہ تربیل میں بیک ریٹینشن آفیسر بن گیا۔ تربیل ایک انٹرنیشنل شہر تھا۔ اس شہر میں حمینہ بی ایم اڑ کی بیٹی تھی۔

بی ایم اڑ کی شخصیت میں تین خصوصیات نمایاں تھیں۔ وہ ایک پڑھا لکھا قلمب آدی تھا۔

اگلی بار دورہ پڑا تو تہینہ نے آدمے دل سے قل پڑنے شروع کیے۔ جوں جوں وہ قل شریف پر صحن لگی، نکسی کی گردن کی حرکت دم پڑتی تھی۔
تہینہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ آیات ہیں یا جادو ہیں۔
سات آٹھ دن کے بعد نکسی کے دوسرے ختم ہو گئے۔
یوں تہینہ بھی شباب کو بچھ ماننے لگی۔ اس طرح ہمارے گھر میں شباب کو ماننے والے دو کی بجائے ڈھائی ہو گئے۔
پھر بھی ہمارا گھر شباب کے لیے ایک بیگنہ جگہ تھی۔

مروا برہم

آخری چند ایک سال کے دوران داستان سرائے شباب کا گھر بن گیا تھا۔ پاؤں کی بست بڑی میرہ تھی۔ سیری نے خود کو مکمل طور پر شباب کے حوالے کر رکھا تھا۔ اس دور میں پاؤں نے جتنی خدمت شباب کی کی، نکسی اور نے بھی اس کی اتنی خدمت نہیں کی ہو کی۔
جب پاؤں نے مروا برہم کی تحفیف کا اعلان کیا تو میں بہت خوش ہوا کہ کوئی تو ایسے واقعات بیان کرے جن سے شباب ہمارے کے آخری باب کی تصدیق ہو۔
نئی دی پر پرگرام ہوا تو اشتیاق اچھ نے شباب کی بزرگی کا تذکرہ نہ کیا۔ پاؤں کی مروا برہم اتنی تو محسوس ہوا، جیسے کتاب صرف اس لیے لکھی گئی ہو کہ یہ ثابت کیا جائے کہ شباب سے جتنے قریبی تعلقات پاؤں کے میں اور اس کے بچوں کی تھے اور نکسی کے نہ تھے۔
کتاب پڑھ کر میں سمجھا میں اسے تعجب بھری نظر سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر ٹیلی فون آنے شروع ہو گئے۔

ملحق 'پاؤں نے یہ کیا کیا! اتنی بڑی معنفہ ہوتے ہوئے یہ کیا کیا۔
کیا کیا! میں پوچھتا۔
اپنے گھر آنے کو بوٹ کرنے کے لیے کتاب لکھ دی۔
کیا مطلب۔

کتاب کہتی ہے کہ قدرت اللہ شباب کے جس قدر قریبی تعلقات علی صاحب اور بچوں

کے نام سے چڑھ گئی۔

پھر چند ایک ماہ کے بعد ایک عجیب حادثہ رونما ہونے لگا۔ نکسی رات کے وقت چار پائی سے اچھٹا پھر کرتا پھر اچھٹا کرتا۔ میں جیسے کوئی اٹھا کر پھر دے مارتا ہوں۔ وہ گھبرا گئی، یہ نکسی بنادی ہے۔ اس نے کمائیں ڈاکٹر کو بلا لاتی ہوں۔ نکسی نے منع کر دیا۔
پھر اس 'اچھٹا کر' نے قل پڑی اور اس کی گردن مڑنے لگی۔ جھٹکا لگا تو گردن ہائیں سے دائیں جانب مڑ جاتی۔ پھر جھٹکا لگا تو دائیں سے بائیں جانب مڑ جاتی۔ تہینہ نے نکسی سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ پہلے تو نکسی تکیہ داخل کرتا رہا۔

اسرائیلی چھینے

پھر اس نے تہینہ کو بتایا کہ چیکو سلوڈ یکہ میں ایک شام وہ کمرے میں رہنا بیٹھا پڑا تھا کہ دروازہ بجلا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک حسین و جمیل عاتون نکسی تھی۔ وہ از خود اندر داخل ہو گئی۔ کرسی پر بیٹھ گئی۔ بولی میرا نام زہرا ہے۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ دراصل میں اپنی سہیلی ہو ڈھوڑ رہی ہوں۔ وہ لڑکی ہائیں کرتی رہی اور ساتھ ہی کمرے کی دیوار پر اگلی سے کچھ لکھی رہی۔ نکسی نے کہا وہ بڑی شہزادہ کی بیوی تھی۔ زہرا کے چالنے کے بعد۔ مجھ پر ایک ڈھالی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں ایک فیض میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ عاتون کے باہر شدت سے برف پڑ رہی تھی۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ یہ بڑا بے قصہ ہے۔ نکسی نے کہا اس عاتون سے مجھ پر ایسی کیفیت وارد ہوئی راتی ہیں۔ تہینہ یہ سن کر خوف زدہ ہو گئی۔
میں نے تہینہ سے کہا تو قدرت اللہ کے پاس جا آئے ساری بات سننا شاید وہ مدد کر سکے۔
وہ ٹھہرے میں چلائی۔ قدرت اللہ کیا ڈاکٹر ہے۔ کہ وہ مدد کرے۔ گھ آپ لوگ پڑے کیسے ۱۱

کر نکسی ہائیں کرتے ہیں۔

افریق سے اسی روز قدرت اللہ ہمارے پاس آگیا۔ تہینہ نے اسے ساری بات بتائی۔
نکسی کا آپ قرآن کریم پڑھی ہوئی ہیں کیا۔

ہاں وہ بول۔

کیسے لگا جب نکسی پر ایسی کیفیت طاری ہو تو آپ چاروں قل شریف پڑھا کریں۔

سے تھے اور کسی سے نہ تھے۔

یہ ہانگ بج ہے، میں جواب دیتا۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن ملحق اس بات پر کتب تو نہیں لکھی جاتی۔

مجھ میں آج تک اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ ہانگو کو یہ بات بتاؤں۔

محشر رسول نگہی

عفت کی موت کے بعد ایک دم سکوت چھا گیا۔

یوں جیسے بجھڑ چلنے کے بعد ایک دم خاموشی چھا جائے۔ ویرانی بھری، مروئی بھری خاموشی۔

یہ بجھڑ ایک جھٹکے سے رک گیا۔

شاید اس جھٹکے کی وجہ سے بھائی جان بیٹھے بٹھائے آئے، "فلاں" رخصت ہو گئے۔

جب قدرت اور میں بھائی جان کی قبر پر بیٹھے تھے تو میں نے کہا، یہ کیا ہوا، "فلاں"، کسی کو

خبر نہ ہوئی۔

قدرت نے مدغم آواز میں جواب دیا، "میں انہیں خبر تھی۔"

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

ہوا، چند دن پہلے ان سے ملا تھا۔ انہوں نے مجھے انوداع کسی تھی۔ کہنے لگے ہم جا رہے

ہیں۔ ملحق کو خبر نہ دیتا۔ صرف ہمارا سلام پہنچا دیتا۔

ویرانگی، مروئی

اس کے بعد ایک ویرانگی چھا گئی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہے۔ بڑے بھرا ہوا ہے۔

لیکن مجھے یہ پتا نہ چلا تھا کہ وہ کون ہے۔

یہ پتہ چل گیا تھا کہ وہ کسی کام کرنے کے لیے آیا ہے۔

کسی عظیم شخصیت کی آمد کے لیے جگہ بنائے بھیجا گیا ہے کہ جا چاکر دریاں بچھا کر سیاں لگاؤ
ڈانکس سہلہ کے اسے دلالت ملتی ہیں۔ سرزنشیں ہوتی ہیں۔ شرکی طاقتوں کے حکم سے اس کے
گرد چنگوڑیں بھیجے جاتی رہتی ہیں کہ اس کی رول کاٹیں۔

یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور پھر اندازے لگائے تھے، لیکن مجھے یہ علم
نہ ہو سکا تھا کہ قدرت اللہ کون ہے۔ میرے شعور کا بند بند کوئی دھچکا کہ قدرت اللہ کوئی ہے
لیکن کیا ہے کون ہے، کس منصب پر فائز ہے، اس کا مجھے پتہ نہ لگ سکا تھا۔

کوئی لگا لگا کر میں ہار گیا تھا اور پھر میں نے بن لیا تھا کہ وہ پڑا انسان ہے اور بن لینا بھی تو
موت ہے۔

میں نے جانے بغیر اپنی کشتی اس وسیع سمندر میں ڈال دی تھی۔ مجھے علم نہ تھا کہ میں کس
جا رہا ہوں۔ میری منزل کیا ہے۔ بس پانی ہی پانی چاروں طرف پانی ٹھہرا ہوا پانی، نہ بھلا، نہ
حرکت، نہ رخ۔

پیر بھائی

جب وہ سب ساتھ والے کمرے میں چائے پینے کے لئے گئے تو اس نے میری ہانہ پکڑ
لی۔ بولا، بیٹہ جاؤ۔ اس کا قد چھوٹا تھا، جسم لاغر تھا۔ انداز غیر بزرگانہ تھا۔ انھیں کوئیوں کی طرح
دبک دی تھی۔ آواز میں رعب تھا۔
میں بیٹہ گیا۔

بولا، تمہیں پتہ ہے کہ ہم اسلام آباد میں کیوں آئے ہیں۔

میں نے سر ہلایا۔

کہنے لگا، تم اپنے جی بھائی سے ملے آئے ہیں۔ صرف اسے دیکھنے کے لیے اس سے ملنے
کے لیے ہم نے کوئٹہ سے اسلام آباد تک اتنا لمبا سفر کیا ہے۔

جیسے تماشاً قسم ہونے کے بعد "دی اینڈ" کی حقیقت آجاتی ہے۔

جب صفت کی وفات کے بعد قدرت اور تھاتا وہ "وہ قدرت اللہ نہ تھا جس سے ہم واقف
تھے۔ ایک ایسا بڑھا ہوا، جو لاگ لگاتے سے باہر آچکا ہو۔ جسے کچھ ہونے کی پروا نہ رہی ہو۔ کچھ
کرنے کا فکر نہ رہا ہو۔ ایک ایسا کالی جو دریاں بچھا چکا ہو، ڈانکس سہا چکا ہو۔
اپنے کاموں سے فارغ ہو چکا ہو اور اب اپنی صلت کے دن گن رہا ہو۔ اور دعائیں مانگ رہا ہو
کہ انعام بخیر ہو۔

پہلے قدرت اللہ انظریات سے بھرا ہوا تھا۔ اس کا ہر کام مندر قہد میں تک کہ اس کی
عملیات کا انداز بھی مندر قہد خدمت خلق کا تصور مندر قہد اللہ کا تخیل مندر قہد
انظریات کے علاوہ اس میں بے پناہ "فؤہ" تھی کچھ کرنے کا خاموش عزم۔ وہ ہر وقت
چاکر و چہرہ رہتا تھا۔

وہ ایک دریا تھا جو پہاڑی علاقے میں بہہ رہا تھا۔ گرا پھلتا، جھکے کھاتا، سر ٹھکاتا، چوٹیں
کھاتا، پائے جانے چوٹ کھا کر وہ تادم ہو جاتا تھا۔

صفت کی وفات کے بعد جیسے وہ پہاڑی دریا۔ سمندر میں جا کر لہ سمندر بن گیا۔ نہ بھلا رہا
نہ سمت رہی، نہ حرکت رہی، نہ اچھل رہی، نہ چھلکن۔

شاید اس کا سفر قسم ہو چکا تھا۔ وہ منزل پر پہنچ چکا تھا اور منزل کیا ہے۔ انعام "دی اینڈ"
موت۔

میں بھی وہ ممتاز مفتی نہ تھا جو ۱۹۵۸ء میں پہلی بار قدرت سے ملا تھا۔

پانی ہی پانی

میں نے اتنا کچھ دیکھا تھا، اتنی دیر کر یہ میں لگا رہا تھا، محض کے گھوڑے دوڑائے تھے، پوچھ
کچھ کی تھی، "اے صاحب سے بھی ملا تھا جو جانتے تھے، لیکن میں سب کچھوں کے بلوہ جو کچھ

مجھے نہ پتا تھا۔
مجھے صرف یہ پتہ چلا تھا کہ قدرت اللہ ایک عظیم انسان ہے۔ ہاں دارا کوئی ہے۔ اللہ کو
کدھوں پر بٹائے پڑا ہے۔ حضور اعلیٰ علیہ السلام کا کوئی ترین نظام ہے۔ بخش دینے والا ہے۔ دیا

کی 'میں نے جواب دیا۔

کتنے 'کا' جنہیں پتہ ہے ہمارا یہ بھائی کون ہے۔

جی نہیں 'میں نے جواب دیا۔

تم ہمارے یہ بھائی ہو 'وہ بولا۔

میں ————— محشر صاحب میرا تو کوئی یہ بھائی نہیں ہے۔ نہ میں کسی کامیہ ہوں۔

ہے 'تمہارا یہ ہے۔ اس نے مجھے ڈانٹا۔

میں نے کہا جناب میں نے کسی کو یہ بتایا ہی نہیں۔

یہ بڑے نہیں جانتے 'وہ بولا۔

آپ کیوں مجھ سے مذاق کر رہے ہیں 'محشر صاحب۔ آپ تو خود بزرگ ہیں۔

کون کتا ہے میں بزرگ ہوں 'وہ بولا۔

میرے دوست مجھے یہاں زبردستی لائے ہیں کتنے تھے 'تو جنہیں ایک بزرگ سے ملا

لائیں۔

سمندر

وہ قریب تر ہو گیا۔ بولا۔ وہ سب احمق ہیں۔ افسس کیا خبر۔ دیکھئے ہم نے آپ کی کتاب

"ٹیک" پڑھی ہے۔ اس میں ایک فقرے نے ہمیں چٹکا دیا۔ آپ نے لکھا تھا "کاش کہ میں اپنی

کشتی" کی ندی یا دریا میں ڈال دیتا مجھے یہ تو پتہ چلا کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔ میری منزل کہاں ہے

لیکن میں نے اپنی کشتی سمندر میں ڈال دی۔ اب مجھے پتہ نہیں چلا کہ میری منزل کہاں ہے 'میری

منزل کہاں ہے۔ وہ رک گیا 'پھر بولا 'ہمارا بھی یہی حال ہے۔ ہم نے بھی اپنی کشتی سمندر میں

ڈال دی تھی۔ اب نہ کوئی سہ ہے 'نہ منزل' بس ہمیں سمجھ میں آ گیا کہ تم ہمارے یہ بھائی

ہو۔ اور ہم یہاں صرف اپنے یہ بھائی کی زیارت کرنے آئے ہیں۔

محشر کی بات سن کر میرے ذہن کا لیز اڑ گیا۔

محشر سے ملنے کی مجھے قلعی طور پر خواہش نہیں تھی۔

میرے دوستوں نے زبردستی مجھے افکار کا بازی میں ڈال دیا تھا 'جیسے میں ہمیں کی ایک بوری

ہو یا یہ کہ رات کے آٹھ بجے فور سیکٹرز نے میرے گھر پر دھوا بول دیا۔ سردیوں کے دن

تھے 'میں لاف میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔

کہنے لگے 'چلو جنہیں ایک بزرگ سے ملا لائیں۔

میں نے کہا 'نہ بھائی مجھے کسی بزرگ سے ملنے کی خواہش نہیں ہے۔

مروا 'یار تو' تو بزرگوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے۔

نہ بھائی 'میں نے کہا 'ایک سے ملا ہوں۔ جب سے توبہ کر لی ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

مسود نے قہقہہ لگایا اور وہ چلے گئے۔

محشر کے ہاں پیچھے تو انہوں نے پوچھا۔ دیر سے کیوں آئے۔

وہ بولے 'مضور' ایک دوست کو ساتھ لانا چاہتے تھے۔ اس نے آنے سے انکار کر دیا۔

مسود نے کہا 'وہ کتا تھا۔ مجھے محشر۔ ملی انڈوری ہی بھلی۔

علا بولا 'وہ کتا تھا جب سے ایک بزرگ سے ملا ہوں۔ میں نے توبہ کر لی ہے۔ خدا محفوظ

رکھے۔

محشر نے قہقہہ لگایا۔ بولا 'سیانا معلوم ہو آج ہے۔ ہم بھی اگر توبہ کر لیتے تو آن پھانسی پر نہ گئے

ہوتے۔

وہ بھی کئی ایک سال سے پھانسی پر لٹکا ہوا ہے۔ مسود نے کہا۔

کیا ہم سے اس کا محشر ہے پوچھا۔

متنازق 'مطلق' افسس نے جواب دیا۔

متنازق 'محشر بولے اسے تو آواز دے گا اسے کو اگر سیدھی طرح سے نہ کیا تو ہم

بلوا بھی جانتے ہیں۔

اگے دو دو فور مسکینرز پھر آگئے۔ کہنے لگے 'بچہ سیدھی طرح سے چل پڑو نہ محشر

صاحب بلوا بھی جانتے ہیں۔

رند بزرگ

محشر رسول عمری ایک رنگ رنگیلا طرح دار رند بزرگ تھا۔ سارے ریڈیو پاکستان میں اس

اس وقت اس پر عجیب کیفیت طاری تھی۔

اس وقت وہ چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔

وہاں پہلا، یعنی لیکن سے حد چاک و چوندہ۔ ذہین، تیز طرار، یوں بیدار جیسے کوئی سپاہی جو ہاروں طرف سے دشمنوں سے گمراہ ہوا۔

بظاہر وہ آرام فرما رہا تھا، لیکن آرام اس سے کوسوں دور تھا۔ اس کی یونی بوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں۔

اگرچہ اس کے چہرے پر داڑھی تھی۔ تراشی ہوئی۔ مٹی بھر، لیکن ایسے گتھا تھا جیسے بے داڑھی ہو۔ ہاتھ بے اثر۔ نہ وہ عمر کا متحرک تھی نہ معززت نہ بزرگی کا گتھا تھا جیسے منڈوے کی ہو۔ جو ایکڑ لگاتے پیتے ہیں۔

اسے دیکھ کر میں نے محسوس کیا جیسے چھوٹے سے نحیف و نزار جسم میں اتنی زیادہ جان ڈال دی گئی ہے کہ سارنا مشکل ہو رہا ہے۔

اسے دیکھ کر مجھ پر خوف سا طاری ہو رہا تھا۔ میں نے خود کو جھنجھوڑاں میں نے کہا مشرقی میں نے آپ کا کیا گاڑا ہے کہ آپ مجھے اسلام آباد بخش رہے ہیں۔

اس نے غصے سے میری طرف دیکھا۔

میں نے کہا مجھے اقتدار نہیں چاہیے۔ بزرگی کی طلب نہیں۔ میں تو ایک انسان کلارا ہوا ہوں۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بزرگی کی طلب کے لیے ہم بھی تو انسان کے مارے ہوئے ہیں۔

مسعود بولا۔ تم دونوں مرام گزیدہ آپس میں فیصلے کر لو تم تو چلتے ہیں۔

اگلے دن قدرت نے فون کیا کہنے لگا کل رات کہیں گئے ہوئے تھے آپ۔

میں نے کہا اپنے بھائی سے ملنے گیا تھا۔

آپ نے کسی کو بھی بتایا ہے کہ اس نے پرچہ ملے۔

نہیں، میں نے جواب دیا، وہ کہتا تھا، جی ہائے نہیں جانتے، میں جانتے ہیں اور جو بتائے جاتے ہیں وہ چلتے نہیں۔

بڑی دلچسپ بات ہے، قدرت بولا۔

کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس کی کرکٹ کے چرچے تھے۔ جو بھی آتا اسے انگلی لگا کر ساتھ لے جاتا۔ وہ ہر کسی کے لیے ہر دم تیار رہتا تھا۔ اس کی محفل ہمہ وقت بھی تھی۔

ان دنوں وہ سعادت کے گھر میں مہمان تھا۔ بہت سے لوگ اسے ملنے آتے تھے۔ ہر وقت چائے، بکٹ، سموے، کباب پیتے تھے۔ اندر سے کھانے یوں پک کر آتے تھے جیسے اندر بیچ کی جگہ کوئی بوش کا چیف بیٹھا ہو۔

سعادت ایک خوش شکل باریب اور خوش لباس شخص تھا۔ وہ ان دنوں کسی سرکاری کارخانے کا ٹینک ڈائریکٹر تھا۔ اسے دیکھ کر جین میں آتا تھا کہ بڑی فیسری اور کرکٹ کا قائل ہو سکتا ہے، لیکن جس ذوق اور غلوں سے وہ محض اور اس کے دوستوں اور مریدوں کی خدمت میں لگا رہتا تھا، دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

سعادت

میں نے اعلیٰ سے پوچھا، یار یہ دونوں کیا چیزیں ہیں۔

کون سی چیزیں، اس نے پوچھا۔

میں نے کہا، یہ محض اور سعادت۔

کہنے لگا، یہ محض تو کوئی لادینی چیز ہے، اس کا بھید کسی نے نہیں پایا۔ خٹوے اور بزرگ کا مرکب معلوم ہوتا ہے۔

اور یہ سعادت۔

سعادت نے سی ایس ایس کا امتحان دیا تھا چونکہ بلوچستان سے تھا، پاس ہونا اور سلیکشن میں آنا جتنی قہر لیکن۔ انٹرویو میں غصہ ہو گیا چونکہ بھلا تا تھا۔

اگلے سال سعادت کے باپ نے محض کو انگلی لگائی اور ساتھ لے گیا۔ انٹرویو میں سعادت

بھلا بھول گیا۔ پاس ہو گیا سلیکٹ ہو گیا۔ اسٹنٹ کوشنگ کیا، پوٹیکل ایجنٹ بن گیا۔ اب وہ محض کے گرد بچرے لیتا رہتا ہے۔ کوئی مشکل آئے تو محض کو کون سے پکڑ کر لے آتا ہے۔

اسلام آباد سے رخصت ہونے لگا تو محض نے کہا ملتی ہم نے تجھے اسلام آباد کا چارج دے

دیا۔ جامونگ کر۔

وہ 'نہا تھا تیرا' جو بھی مسند رہے، میرا بھی مسند رہے۔ نہ ہمارا کوئی رخ ہے نہ سمت ہے نہ
خصل۔

وہ کون تھا قدرت نے پوچھا۔

مجھے نہیں پتہ وہ کون تھا میں نے جواب دیا، لیکن وہ مجھے اسلام آباد کا پادشاہ بنا گیا ہے۔ اب
آپ مجھ سے بائیں پلاٹھ ہو شیار ہیں۔

چند روز کے بعد چیئر خلی کے لیے میں نے محشر کو ایک خط لکھا کہ وہ اعلیٰ جناب آپ تو
مجھے اسلام آباد کا پادشاہ بنا گئے تھے۔ یہاں کا تو سپاہی بھی مجھے گھورتا ہے۔ مرنے مروڑتا ہے اور
گھورتا ہے۔ کم از کم جانتے ہوئے پولیس کو تو بتا جاتے کہ میں کون ہوں۔

محشر نے جواب دیا۔ آپ بائیں پرست ہیں۔ پرانے خیالات میں جکڑے ہوئے ہیں۔
پرانے زمانے میں پادشاہ حکم کرتے تھے اور رعایا قہیل کرتی تھی۔ آج کل لوگ حکم کرتے
ہیں اور پادشاہ قہیل کرتا ہے۔

میں نے وہ خط قدرت کو دکھایا وہ مسکرایا۔

بولتا 'جگ کتے ہیں۔ پیلے مرشد آگے آگے چلا تھوڑے مریدوں کا رخ بدلتا تھا۔ گتا ہے' جیسے
اب حکم ہے کہ پیچھے پیچھے چلو اور رخ بدلو۔

چند دنوں کے بعد محشر کی جانب سے ایک کتاب موصول ہوئی۔ عنوان تھا 'شہلو خرمی'۔
دیکھا تو وہ محشر کے مرشد کا تذکرہ تھا۔

شہلو خرمی

اس تذکرے کا پڑھ کر میں حیرت زدہ گیا۔

مجھے ان 'اسلامی کتابوں' سے کوئی دل نہیں جو قلعے بیان کرتی ہیں۔ مسائل پر بحث
کرتی ہیں یا دو مخالف اور ان کے حیرت انگیز اثرات کی بات کرتی ہیں۔

مجھے صرف تذکروں سے دل بہنسی ہے۔

وقت یہ ہے کہ تذکرے سرکار جنابوں کے ہوتے ہیں، اس معرقلوں کے ہوتے ہیں۔

مردوں میں ادرشوات ہوتے ہیں۔ گراہیں ہوتی ہیں اور ان پر احرام کا اتار کاڑھا توام کا

ہونا ہے کہ گتا ہے جیسے صاحب تذکرہ ہم میں سے نہ ہوں، بلکہ کسی اور نوع سے تعلق رکھتے
ہوں۔

بکھی کسی تذکرہ نویس نے اس عظیم انسان کا ذکر نہیں کیا، جو ہر بڑے بزرگ کے اندر چھپا
ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر منصب عطا ہوتا ہے۔ لوگ دانا کا ذکر کرتے ہیں۔ ان عظیم انسانی
خصوصیات کا ذکر نہیں کرتے، جن کی وجہ سے انہیں دانا کا منصب عطا کر دیا گیا۔

میں نے صرف ایک تذکرہ ایسا پڑھا تھا جس میں ایک عظیم انسان کا ذکر تھا، حضور ﷺ کا
تذکرہ۔

شہلو خرمی بھی ایک خدام خلق انسان کا تذکرہ تھا۔ میں نے اس تذکرے پر تبصرہ بھی کیا
تھا جو درج ذیل ہے۔

بکھی کسی تذکرہ نویس نے اس عظیم انسان کا ذکر نہیں کیا، جو ہر بڑے بزرگ کے اندر چھپا
ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر منصب عطا ہوتا ہے۔ لوگ دانا کا ذکر کرتے ہیں۔ ان عظیم انسانی
خصوصیات کا ذکر نہیں کرتے، جن کی وجہ سے انہیں دانا کا منصب عطا کر دیا گیا۔

میں نے صرف ایک تذکرہ ایسا پڑھا تھا جس میں ایک عظیم انسان کا ذکر تھا، حضور ﷺ کا
تذکرہ۔

شہلو خرمی بھی ایک خدام خلق انسان کا تذکرہ تھا۔ میں نے اس تذکرے پر تبصرہ بھی کیا
تھا جو درج ذیل ہے۔

تبصرہ

| | |
|-----------|------------------------------|
| ہم کتاب : | شہلو خرمی۔ |
| مصنف : | محشر رسول محمدی۔ |
| ناشر : | سہیل پبلی کیشنز، کوئٹہ۔ |
| پرئز : | پاکستان پریس چینل روڈ، کوئٹہ |
| صفحات : | ۳۵ صفحات۔ |
| قیمت : | دس روپے۔ |

شہار خراسی ایک تذکرہ ہے۔

کتب کا عنوان بذات خود اس حقیقت کا مظہر ہے کہ یہ تذکرہ دسی میں بلکہ اس نوع کی دوسری کتابوں سے مختلف اور منفرد ہے۔ مصنف کے ذلویہ نظر اور اسلوب بیان میں سادگی ہے تکلفی خلوص اور روانی ہے۔

اس تذکرے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ محشر صاحب نے صاحب تذکرہ اپنے سرکار قبلہ اور خود کے درمیان دسی احترام کی فلفل بوس دیوار کھڑی نہیں کی۔ بلکہ جذبہ احترام کو سمیٹ کر اپنے دل کی گمراہیوں کے بند بندہ میں دھپایا لیا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ صاحب تذکرہ قادری کے سامنے ایک انسان کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔ ایک ایسا انسان جو ہمارے درود مند پر بیضا ہوا نظر نہیں آتا بلکہ ہمارے شانہ بشانہ کھڑا ہے۔ ہمدردی، محبت اور خدمت کے احساسات سے سرشار، مساوات کے جذبے سے پیچھا ہوا۔

محشر صاحب نے اپنی تعریف کا جو بارود چیش کیا ہے وہ بھی منفرد اور اچھوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضور (ﷺ) کی سیرت

”حضور اعلیٰ علیہ السلام آج بھی زندہ ہیں۔ اگر ہمیں نظر نہیں آتے تو یہ ہماری نگاہوں کا قصور ہے۔“

”جس طرح قدرت نے اپنے آخری رسول کی حیات طیبہ کے ایک ایک لمحے کو تاریخ عالم کے اوراق میں محفوظ کر دیا ہے اسی طرح اس نے یہ اہتمام بھی کر رکھا ہے کہ ہر دود میں ایسے نفوس قدسہ پیدا ہوتے رہیں جن میں رسول مقبول کی سیرت و اخلاق کی مختلف جھلکیاں فروزا فرمائی جائیں۔“

گویا قدرت نے چاہا کہ قیامت تک ہر دود میں آنحضرت کے خلق عظیم کے آئینے چہرہ نگاہی رہیں اور موانع حق کے پردے میں حضور علیہ السلام کی ایک ایک اوجاز دکھائی دے۔ جس طرح صدیق اکبرؓ میں آنحضرت کے بتل فاروق اعظمؓ میں آپ کے جلال۔ مطلق فوج میں آپ کی حیاء و استقامت سلمان و ابوذرؓ میں آپ کے فہر و

مشق۔ معصیت میں آپ کے نطق۔ غلامی میں آپ کی شجاعت۔ بال میں آپ کی خوش لوائی۔ زید و حبیبہؓ میں آپ کی استقامت۔ علیؓ میں آپ کی جنت قاصع اور شیر میں آپ کے جذبہ تسلیم و رضا کی جھلک پائی جاتی تھی۔ اسی طرح اس امت میں قرون اولیٰ کے بعد بھی ایسے نفوس قدسہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جن میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نایاب جھلک موجود تھی اور وہ اس کے نور سے اہل عالم پر حق کی چھت قائم کرتے رہے۔“

”اے اللہ والے آج بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی ہر دود میں موجود رہیں گے تاکہ آنحضرت کی رحمت اللعالمین کی تصدیق ہوتی رہے۔“

”اس کتاب میں امت محمدیہ کی ایک ایسی ہی صاحب دل کیفیت کا ذکر مقصود ہے۔“

ان الفاظ میں مصنف نے گویا (MOHAMMAD HOOD) کا تخیل جھلکایا ہے جس کی جھلکیاں بزرگان دین اور صوفیاء کے تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ ایک اچھوتا تخیل ہے۔ حرف اول میں مصنف نے حتمی طور پر برکتیں تذکرہ اپنے خاندان کے متعلق ضروری حقائق بیان کر دیے ہیں جو ان کے ذہنی رخسار پر روشنی ڈالتے ہیں اور مصنف کے ذلویہ نظر کو گھنے شبنم سے مدد دیتے ہیں۔

محشر صاحب کے آپا واداد خود ہرگز یہ لوگوں میں سے تھے۔ لہذا طلب حق کی تپ محشر نے درخش میں پائی، لیکن حاشا کی سمت کا تین کرنا بہت مشکل تھا۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

”چوں کہ آج کل ملت کا دور ہے اور لوگوں کو جان سے زیادہ تن عزیز ہے۔ اس لیے مردان خدا امت بھی اپنے آپ میں پوشیدہ ہو گئے ہیں۔

جو خون معرفت پہلے سب کے لیے عام تھا اب صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جن کے دلوں میں حق کی حقیقی پیاس ہو۔

امت مسلم کے لیے یہ کس قدر محرومی کا مقام ہے کہ ان ہی فیضان معرفت کے چشمے موجود ہیں، لیکن قدرت نے ان کو اپنی کبریائی کی حصار میں اس طرح چھپا رکھا ہے کہ عوام ان سے مستفید نہیں ہو سکتے۔“

عام طور پر تذکرے میں مروج کے حالات زندگی بیان کیے جاتے ہیں اور کلمات کا ذکر کیا

جاتا ہے۔ ساتھ ہی کن کے اقوال زیریں درج ہوتے ہیں۔

کچھ تذکرے ایسے بھی ہیں جن میں حالات زندگی کی نسبت اقوال کو لیت حاصل ہوتی ہے۔ قوال کی روشنی میں صاحب تذکرہ کا کردار خود بخود ابھرتا ہے۔

اس ضمن کے تذکروں میں تذکرہ غویہ سر فرست ہے۔ ایک روز ارشد ہوا کہ تحت صاحب تذکرہ کی شخصیت کو اتنی خوب صورتی اور تاثر سے اچا کر کیا گیا ہے کہ قاری اڑ سے بیگ جاتا ہے۔

معرصہ صاحب نے زیر نظر تذکرہ کو ایک نیا اسلوب بخشا ہے۔ صاحب تذکرہ کے حالات زندگی کا ذکر کرتے ہوئے بریکل تذکرہ وہ تصوف کے بڑے بڑے اور اہم مسائل پر تبصرہ کرتے ہیں۔ یہ تبصرے ساری کتب میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں۔ انداز بیان بحث و مباحثہ کا رنگ اختیار نہیں کرتے۔ بڑے بڑے حقائق کو سرسری انداز اور کچھ پھٹکے الفاظ میں لدا کر دیتے ہیں جو قاری پر خوشگوار اثر چھوڑتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ افکار و مسائل پر منتقلی کے پادہ و کتب پر پھیل نہیں ہو پاتی۔

مثلاً "مہلوت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"زندگی کے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی فرمائیں برداری کرنے کا اہم مہلوت ہے۔"

عشق

عشق کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

"عشق حلت سے ہے۔"

مثلاً تیل ہے جو کسی درخت سے چٹ جائے تو اسے خشک کر دیتی ہے۔

الہام کے نزدیک عشق جنوں کی ایک قسم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ

نے عیبت امتیاد کے باعث اپنے کلام میں عشق کا لفظ استعمال نہیں

فرمایا۔

"قرآن کریم اور احادیث نبوی میں متعدد مقامات پر "حب" کا لفظ

استعمال ہوا ہے جو لفظ تعالیٰ کی اپنے بچے اور نیک کار بندوں سے محبت پر اور بندوں کی اپنے مولائے محبت شدید پر دلالت کرتا ہے۔ گویا بندہ اللہ تعالیٰ کا محب بھی ہے اور محبوب بھی۔"

مہلوت اور عشق کے باہمی تعلق کی وضاحت یوں کرتے ہیں:-

"لفظ تعالیٰ کی محبت بھی مہلوت کا ایک فرد ہے۔ عشق کامل کا مضمون مہلوت میں شامل ہے۔ گویا عشق مہلوت کا ایک جزو ہے۔

قرآن اور سنت سے پیچھے نظر آنے عشق الہی کا ایک مجازی تصور پیدا کر لیا ہے جس کا سرخ حقیقی صوفیاء و فقہاء کے ہاں نہیں ملتا ہے۔

اس مجازی تصور سے سکر کو حاصل عشق سمجھا جانے لگا۔ نتیجہ یہ

نکلا کہ جو لوگ اس میں گرفتار ہوئے وہ سکر سے بے حال ہو گئے اور رفتہ

رفتہ مہلوت کے قرآنی مضمون کو ہوا را کرتے سے معذور ہو گئے۔ ان کی

دیکھا دیکھی غلطیوں نے شرعی حدود کی پابلی کر دیا۔"

معرصہ صاحب کا اسلوب بیان بہت دل نشین ہے۔ زیر نظر تعریف میں انہوں نے بڑے اہم مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً کتب کے چند ایک ابواب کے عنوان ملاحظہ ہوں۔ مثلاً "حق" کرالت کا تصور" انجاز خودی" ایمان پائیب" مقام صیوت وغیرہ کتب میں کل سترہ ابواب ہیں۔ آخری دو ابواب فقہری سلسلے کے بزرگھان کے بارے میں ہیں۔

آخر میں صاحب تذکرہ کے بارے میں چند کوائف قائل توجہ ہیں:-

آپ کا اسم گرامی محسن الدین شمسو قاد و من مالوف گبرگرمی قاجو مردان سے ذریعہ میل کے فائے ہے۔ واقع ہے۔ میزک پاس کرنے کے بعد آپ نے پولیس میں ملازمت کرنی، لیکن جلدی انہیں پتہ چل گیا کہ فرنگی کی حکومت کے تحت ان سے ایسے فرائض لدا کرنے کا مطالبہ کیا جاتا رہے گا جو جذبہ حب الوطنی کے منافی ہے۔

لہذا آپ عہدہ پولیس سے مستعفی ہو گئے۔ اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر بن گئے۔

اس دوران میں آپ سید حسین شاہ قندہر سے فیض حاصل کر چکے تھے لہذا اہل ذمہ

خدمت میں گزار دی۔

اس تذکرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ یہاں کوئی ذکر خلفائے ہے نہ گدی نشینی نہ دستار بندی نہ کوئی سرکار قبلہ ہیں نہ مریدان خدمت گزار۔ ہمدردی اور خدمت سے سرشار ایک ڈاکٹر ہے جس کا مسلک خدمت خلق ہے۔

محشر صاحب بھی دسی مرید کا کردار ادا نہیں کرتے۔ وہ اپنے سرکار قبلہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں جیسے ان کا پاسی رشتہ دوستی کا ہو۔

”شہداء حسن صورت سے متصف توحائی، لیکن وہ حسن سیرت کا

بھی مالک تھے۔ میں نے پہلی ہی صحبت میں اس کی شخصیت میں بے پناہ

کشف اور ایسی محبوبیت پائی کہ جس کو میں افلاطون میں بیان نہیں کر سکتا۔

یہ محبوبیت حقیقتاً اس لیے تھی کہ وہ خدا کی نظر میں محبوب تھے۔

جس کا باعث صرف خلق خدا کی خدمت کرنا تھا اور اس نے اپنی پوری

کمالی لوگوں کی امداد کرنے پر صرف کر دی۔ ڈاکٹری محض رضائے الہی

کے حصول کا ایک ذریعہ تھی۔“

اپنے پیر و مرشد کے متعلق اس غیر رسمی انداز سے بات کرنا مصنف کی انفرادیت، غلوں اور

دسم خلفائے کے خلاف ایک جہاز ہے۔

محشر صاحب کوئٹہ کے ایک معروف شاعر ہیں۔ آپ کے کلام میں صوفیانہ رنگ ہے۔ آپ

کی طبیعت میں زہد رنگ کے بجائے انداز زندان کا رنگ ہے جو ان کے صوفیانہ مسلک کو اچانچ

کا ایک پردہ ہے۔

کتب کی کتب خانہ چمپائی میں کوئی نمائش حاضر نہیں۔ غالباً اس لیے کہ مصنف کا عقیدہ صرف

تشریح ہی ہے۔

یہ تذکرہ چاہ کر میں نے محسوس کیا کہ واقعی ہم دونوں پر بھائی تھے۔ میرا ہی چاہتا تھا میں

بھی ایک ایسا ہی تذکرہ لکھوں۔ لیکن ہم دونوں کے ستر میں یک فرق تھا۔ محشر ابتدا سے ہی حلیم

و درضا تھا میں شک و شبہات کی دلدل طے کر کے نکلتا تھا۔

پیر خسانہ

در اصل قدرت اللہ اسی روز فوت ہو چکا تھا جس روز اس نے کینسر دہری کے قبرستان

میں نعش کا تابوت لحد میں اتارا تھا۔

اس کے بعد چارہ سال وہ گویا ایک کھنگا تھا جس سے شدہ چہ چکا ہو، ایک دسی بزرگ،

”معمولات“ ”معمولات“ ”معمولات“۔

پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز پڑھتا تھا۔ تہجد پڑھنے کے بعد اسلام آباد کا چکر لگاتا، ساتھ کچھ

پڑھتا، فجر کی نماز کے بعد لیت جاتا، آٹھ نو بجے اٹھ کر پلٹ کر آتا اور پھر دوپہر کے کھانے تک

قرآن کریم کی تلاوت کرتا۔ عصر کے بعد پھر لیت جاتا، پھر نمازیں، نفل اور پتہ نہیں کیا کیا۔

رضوان شریف کے سینے میں خصوصی مہارت کے لیے قدرت مری میں قیام کرنا تھا۔ مری

میں وہ ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا جس میں محشر سا ملان رکھا ہوا تھا۔ جب بھی خصوصی

مہارت کا موقعہ آتا وہ مری چلا جاتا تھا۔

فقط اللہ ہو

ایک روز میں نے کہا، شباب صاحب وہ جتنے پردے آپ نے لوڑھ رکھے تھے، سب اتر گئے۔

کئے گا میں سمجھائیں۔

میں نے کہا: وہ دن بھی تھے جب آپ چھپ کر غصے میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگر میں کسی سے کہہ دیتا کہ آپ بزرگ ہیں تو آپ کو غصہ آتا۔ قبلہ جب میں نے لیک لکھی تھی تو آپ مجھ پر سخت ناراض ہوئے تھے۔ اب آپ مجھے ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ اب آپ ایک چھوٹی بون لیں۔ ایک گیارہ چوٹا لڑکھ لیں بیچ ہاتھ میں پکڑ لیں اور جائے نماز پر بیٹھ جائیں۔

وہ مسکرایا: ہاں کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ کسی روز میں سر عام بیٹھا ہوں گا میرے سامنے کالی بیانی کی دوات ہوگی ہاتھ میں پاس کا قلم ہوگا اور میں تصویر لکھ رہا ہوں گا۔

میں نے کہا: معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو اغراض پند میں، وہ صرف روائی بزرگ پند کرتے ہیں۔ شب صاحب آپ بیادری طور پر انتہائی تھے۔ یاد ہے۔

جب کہیں انتخاب ہوتا تھا

قدرت اللہ شب ہوتا تھا

وہ مسکرایا۔

پھر آپ مار کھا کھا کر رات رات پر آگئے اور غصے میں آگئے۔ جب پردے تھے تو آپ اس قدر جھڑپ نظر تھے کہ اب۔ اب تو چاہت ہو گئے ہیں۔ قطعاً اللہ ہو گا، اللہ ہو گا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔

پابند اور آوارہ

میں نے کہا: آپ مجھ پر ناراض ہو کر آتے تھے کہ میں بات کہہ دیتا ہوں۔ یاد ہے۔

قدرت نے سر زبانت میں ہلایا۔ کئے گا اللہ تعالیٰ کو اختیارے راز پند میں۔

میں نے کہا: شب صاحب میں اللہ تعالیٰ میں ہوں۔ میں اس کا ایک حقیر بندہ ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کے گن گاؤں۔ چکیاں مار مار کر نکالوں کہ وہ کتنا عظیم ہے۔ وہ میرا کتنا خیال رکھتا ہے۔ قدم قدم پر مجھ پر کرم نازل کیا کرتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کے عظیم بندوں کی عظمتوں کو بیان کروں۔ ذمہ لیا جاتا ہوں کہ بیان کروں۔ شب صاحب آپ اللہ کے بندے ہیں۔

آپ پابند ہیں۔ نہ کہنے پر مجبور ہیں۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

میں ایک عام آدمی ہوں۔ آواز ہوں۔

آپ بے فکر نہ کیے، لیکن مجھے کہنے دیجیے۔

وائی ووائی کرنے کے لیے میں کوں لگا۔

آپ کے گن میں گاؤں لگا۔ آپ کی محنت صرف اس لیے ہے کہ آپ اللہ والے ہیں۔

شب ابی سب تعریف اللہ کی ہے صرف اللہ کی، پھر ہم کیوں نہ بولیں۔ کیوں نہ بتائیں۔

کیوں نہ ذمہ لیا جائیں۔

اس روز میں جلال میں تھا۔ پتہ نہیں میں کیا کیا پڑا پڑا اور وہ چپ چاپ سنا رہا۔

چچا

پھر معمولات کی بنا پر قدرت کا چچا ہونے لگا۔

پڑوس میں رہنے والی خاتون ایک روز اپنی جوں بچی کو ساتھ لے کر قدرت کے پاس آگئی۔

کہنے لگی: میری بچی کے لیے دعا کریں۔ اتنی بڑی ہو گئی ہے کہ کوئی رشتہ نہیں آیا۔

قدرت نے کہا: بی بی آپ اس کی بل ہیں۔ جو دعا میں اپنے بچوں کے لیے کر سکتی ہے کوئی

دوسرا نہیں کر سکتا آپ اللہ کے حضور میں دعا کریں۔ اللہ اللہ قبولیت حاصل ہوگی۔ البتہ آپ

بچی سے کہیں کہ کسی نماز کے بعد یہ کلام اتنی مرتبہ پڑھے۔ خاص وقت پر خاص جگہ پر۔ وقت نہ

بدلے جگہ نہ بدلے۔ نافذ نہ ہو۔

حسن اتفاق کہ دس دن کے اندر اندر اس لڑکی کے لیے رشتہ آگیا۔ بات طے ہو گئی۔

نکاح ہو گیا شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

پھر سارے محلے کی باتیں کیوں کہ شب کے گھر کے باہر اکٹری ہوئیں۔

محلے کے بعد بات سکولوں، کالجوں میں پھیلی۔ ایک میلہ لگ گیا۔

سوریا نیلو نقش

شب کا پر اپے گا کرنے میں میری اپنی بچی بھی شامل تھی۔ میری معمولی بچی اسلام آباد

نور پور میں تھی۔ اے اے پاس کرنے کے بعد بینک کی دی آئی بی برانچ میں کام کرنے لگی۔ پھر وہ

امریکی ہوا کشتی میں ڈکٹریس بننے پر مامور ہو گئی۔

چہ سات ماہ کے بعد میرے ایک عزیز دوست فہام جلدھری نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا 'ملتی صاحب آپ قاری ہیں کیا۔

میں نے کہا 'ناگل ہوں۔

بولے 'ہم آپ سے ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا 'پیارے میں کیا میل کلاڑنی کٹھن لگا ہوا ہوں کہ ملنے کے لیے مجھ سے اجازت طلب کرنا ضروری ہے۔

وہ دھیمی آواز میں بولا 'میرے ایک دوست آپ سے ملنے کے خواہاں ہیں۔ وہ رشتے کے طے میں ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے دم آواز میں جواب دیا 'فہام صاحب میں بڑا محقق ہوں۔ میں نے اپنی اولاد میں یہ پراپے گزار کر رکھا ہے کہ میں بڑا وسیع القلب باپ ہوں۔ اس وجہ سے میں نے زندگی میں بڑی مار کھائی ہے۔ کیا کروں مجبور ہوں اب بدل بھی نہیں سکے۔ اس لیے مجھے اپنی بیٹی سے پوچھنا پڑے گا۔

جب مجھے پتہ چلا کہ جناب نذیر و زلیخا اسی لڑکے کے والد ہیں جس سے نیلو نے وعدہ کر رکھا تھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔

میں نے نیلو سے پوچھا 'میں نے کہا تو تو کتنی حقی کر لڑکے کے والد کے حکم کے بغیر گھر میں پتا نہیں مل سکتا۔ یہ پتا کیسے مل گیا۔

بولی 'پتہ نہیں۔

میں نے کہا 'ہم میں کوئی فن سے ملا تھا کیا۔

نہیں تو 'اس نے جواب دیا۔

کیا لڑکے نے باپ سے بات کی تھی۔

اس میں اتنی جرات نہیں ہے۔ اس لیے اس کا امکان نہیں ہے۔

پھر ————— تو نے کسی سے بات کی تھی کیا۔

بولی 'شباب صاحب کو بتایا تھا اس لیے کہ انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا میں ان سے بات چھانڈ سکتی۔

حیرت اور غصے میں مجھ کو ہوا میں شباب کے پاس چلا گیا۔

ہم لوڑمائل کلاس کے لوگ ہیں۔ لوہے رشتوں کے معنی نہیں ہیں۔ اس کے باوجود کوئی رشتہ نہ آیا۔

لوگوں سے تعلقات پیدا کرنے میں ہم دونوں ہی نفل ہیں۔ میں بھی 'میری بیوی بھی۔ انہوں نے کہا 'میری کچھ کرو۔ اشتیاد دو 'کوئی مافی تلاش کرو۔ ہم نے شدت کی کوششیں کیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ چھ سات رشتے آئے۔ میری بیٹی نے پاری پاری سب روجکت کر دیئے۔ اس پر مجھے بڑا غصہ آیا۔ لڑکی مجھ سے مکمل کر بات ہی نہیں کرتی تھی۔

کبیس سے شباب نے یہ بات سن لی۔

ایک روز میری عدم موجودگی میں وہ میری بیٹی سے ملا۔

پوچھا 'آپ کو کوئی رشتہ پسند نہیں آیا کیا۔

جی نہیں 'وہ بولی۔

ابھی نہیں تھے کیا۔

خاصے تھے۔

پھر 'آپ نے ٹاپنڈ کیوں کیے۔

شباب صاحب جی 'وہ بولی 'میں نے ایک لڑکے سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میں شادی تم سے کروں گی۔

تو اس سے کر لیجئے شادی 'شباب نے کہا۔

کر نہیں سکتی 'وہ بولی۔

آپ ابو کو ان کے گھر بھیجیں۔

ابو تو چلے جائیں گے 'وہ بولی 'پر 'لڑکے کے ابو نہیں مانیں گے۔ وہ بڑے جبر جگ ہیں۔

جانکٹ جلی کے بیڑ ہیں۔ ان کے حکم کے بغیر گھر میں پتا نہیں چلا۔

وہ خاکدان سے باہر شادی کے خلاف ہیں۔

ایسا تو ان کا جی تھا ہے دروازہ کھول کر 'شباب نے کہا۔

لوں توں 'اس میں اتنی جرات نہیں کہ ابو سے بات کرے۔

قدرت اللہ ہے سن کر گھبرا گیا 'کہنے لگا 'اس طرح تو آپ کی شادی ہو گی ہی نہیں۔

نہ ہو 'وہ بولی 'میں نے وجہ نہ دیا ہے 'شباب جی وہ کیسے توڑوں۔

اس کا کام پر یقین نہ رہے گا۔ لیکن ڈول جائے گا اور اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔
میں نے کہا شاب صاحب آپ پاگل کی کہہ رہے ہیں۔ ہم اسے قادر مطلق تو کہتے ہیں۔
مگر صرف ہونٹوں سے 'دل سے نہیں۔ ہم کہتے ہیں یا اللہ تو کیسا اللہ ہے۔ میں چہ سینے سے
تیرے حضور میں آؤ داری کر رہا ہوں، لیکن تجھ پر اثر ہی نہیں ہوگا۔ وہ میرے اللہ۔ کیا خدا کی
اس طرح کی بات ہے۔

میری بات سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ پھر بولا 'تو لوگوں کے ایمان کو حیران کرنے کا ہمیں کوئی
حق نہیں ہے۔ یہ سلسلہ ختم کرنا ہوگا۔

میں نے کہا 'شاب کی میں اس مسئلے کا حل تلاش۔

بولے 'نیک'

میں نے کہا 'آپ ایک وعید کر لیں۔ اللہ سے منگوری لے لیں۔

کیسی منگوری 'اس نے پوچھا۔

میں نے کہا 'آپ اللہ سے التجا کریں کہ یا اللہ میرے در پر صرف اس سائل کو بھیجنا جس کا
کلام تو نے کر دیا ہو۔ میں نے کہا 'دیر کی بات ہے۔ مجھے ایک بابا ملا تھا۔ کتا تھا۔ ہم نے منگوری
لے رکھی ہے۔ ہمارے در پر صرف وہی سائل آتا ہے جس کا کلام ہو جاتا ہو۔

اتحاد ہو بولا 'تو پھر اس بابے سے خدا کی کا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

میں اس کی طنز کو نہ سمجھا 'چہ نہیں' میں نے جواب دیا۔

کلام نہ ہو 'قدرت نے کہا 'تو اس میں ایک غریبی بھی ہوتی ہے کہ سائل کو احساس ہو جانا
ہے کہ کلام کرنے والا بابا نہیں ہوگا۔ کلام نہیں ہوتا صرف اللہ کی ذات ہوتی ہے۔

اللہ کا نام

آپ اللہ کی ذات کے وجود کا احساس دلانا چاہتے ہیں 'میں نے کہا۔

بھئی اس کلام میں مصروف ہیں 'وہ بولا 'آپ بھی۔

میں بھی۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں آپ بھی 'وہ بولا۔

میں نے کہا 'شاب جی کیوں جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔ اتنے بڑے بزرگ ہو کر جھوٹ

میں نے کہا 'یہ کیسے کیا آپ نے؟

کیا ہوا؟ اس نے پوچھا۔

نیلو کے رشتے کی بات بھی ہو گئی۔

کلم 'اس نے پوچھا۔

جس کا وہ چاہتی تھی۔

یہ تو ہی خوشی کی بات ہے 'وہ بولا۔

پر یہ کیسے ہوا آپ نے کیا کیا۔

اس نے بات بدل۔ بولا 'اب تو رقم کا فکر کرنا چاہیے شادی کے لیے۔ آپ کے پاس کچھ

پیسے ہیں کیا۔ اگر نہیں تو بے تکلف مجھ سے قرض لے لیں۔ قرض حرام۔

یا اللہ۔ یہ تیرے بندے کیسے انسان ہیں 'میں چلا۔

صرف نیلو کی ہی بات نہیں۔ میری دوسری بیٹیوں سو اور شخص کی شادیوں میں بھی ایسی

ہی رکاوٹیں مائل ہو گئی تھیں۔ وہ سب ایسے ہی حیرت انگیز انداز میں دور ہو گئیں۔

میرج بیورو

نیلو نے اپنی بیٹیوں سے بات کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو چار لڑکیاں میرے مگر آئیں۔ کتنے

لکھن 'میں شاب صاحب سے ملاد۔

یا اللہ یہ کیا مصیبت ہے 'میں نے سوچا 'کیا شاب نے میرج بیورو کو مل رکھا ہے۔

اگلی مرتبہ جب میں شاب سے ملا تو میں نے کہا 'کیوں تاہم میرج بیورو کو مل لیں۔ یہ تو

موج ہو گئی۔ ایک ہزار روپے کی فیس دیکھ لیں۔ دس برس سن میرا مہل میں آپ کا پانچا بن کر

پراپے کتا کروں گا۔ چند مہینوں ہم کر ڈیوٹی ہو جائیں گے۔

وہ مسکرایا۔ بولا 'مطلق صاحب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ سلسلہ بند کر دوں۔

پوچھا۔ وہ کیوں۔

کتنے لاکھ مجھے بیٹھے ہیں کیا تو میں خوف زدہ ہو گیا۔

کس بات پر۔

مجھے خیال آیا کہ اگر کوئی لڑکی چہ سینے بلا تھا وہ وعید کرتی رہے۔ لیکن مقصود حاصل نہ ہو تو

پتہ نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے، لیکن ایسا ہوتا تھا، لانا ہوتا تھا، جب بھی میں قدرت سے کوئی خاص معلومت حاصل کرنے کے لیے کچھ پوچھتا تو کچھ ٹا کچھ ہو جاتا کوئی ایسی بات کہ ہماری توجہ مبذول پاتی۔

مدیقِ راعی

اس روز مدیقِ راعی اکملہ سلام کرنے کے بعد وہ ایک کونے میں موہناٹہ بیٹھ گیا۔ دہلی شہر رعایت کے بعد کتنے گاہ۔

جب تک وہ آگیا پڑایات کے مطابق گذشتہ تین سال سے میں دھیندہ پڑا رہا ہوں۔ کبھی غافل نہیں کیا جگہ نہیں بدلی۔ وقت اور احوال میں ہوا اب دوسرا سبق عطا فرمائیے۔ قدرت کچھ دیر غاموش رہا پھر کہنے لگا، میں مدیقِ صاحب ابھی آپ کا سبق کچھ ہے۔ پکا ہو جائے گا تو بات کریں گے۔

مدیق نے کہا، جب دلا مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ سبق پکا ہو گیا ہے۔

قدرت نے بیڑے اٹھو سے کہا، ہم خود آکر بتائیں گے۔

اسے یہ کیا ہوا۔ ایک دم قدرت کا اندازہ بدل گیا، لہذا بدل گیا۔ میں سے ہم ہو گیا۔ وہ تو خاص بی بی بن گیا۔

شاید مدیق کے علاوہ اور لوگ بھی ہوں جو قدرت سے سبق پڑتے ہوں۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، صرف مدیق ہی ایسا فرد تھا، جس نے قدرت سے درخواست کی تھی کہ مجھے کچھ پڑھنے کے لئے عطا کیجیے۔

قدرت نے پوچھا تھا، آپ کس مقصد کے لیے پڑھنا چاہتے ہیں۔ میرا کوئی مقصد نہیں، مدیق نے جواب دیا تھا۔

مدیقِ راعی۔ ایثار راعی کا بھائی ہے۔ وہ جنگ کے رہنے والے ہیں اور قدرت اللہ صاحب کو اس زمانے سے جانتے ہیں جب وہ جنگ کا وہی کشتہ قتل جب وہ ایک موہنی کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ کتا تھا، یہ موہنی نہیں، نہ بھی ڈپٹی کشتہ ہے، فرق یہ تھا کہ یہ اصلی ہے، میں جعلی ہوں۔

جب علاقے کی کسی دو شیروہ کے گھریب صاحب کی چھڑی نازل ہو جاتی تھی تو قدرت نہ

بولتے ہیں۔ مجھے پتہ ہے۔ میری تحریروں کے حلق آپ کی کیا رائے ہے۔ میں نے علی پور کا ایلی لکھی۔

آپ نے کہا، ”علی پور کا ایلی“ ایک سرکس ہے جس میں ممتاز مفتی ہنر بازی کی مشیت رکھتا ہے۔ یاد ہے۔

اس نے سربراہت میں بلا دیا۔

پھر میں نے ”دوغی بنیلے“ لکھی تو آپ کے مدارقی کلمات کیا تھے، یاد ہیں۔

آپ نے کہا تھا ممتاز مفتی۔ پچاس سال سے کہتے ہیں لکھ رہا ہے۔

اتنی محنت اور کوشش کے بعد اس نے کیا ڈسکور کیا۔

عورت۔ بھلاں اللہ کیا ڈسکوری ہے۔

دومن

وہ غاموش بیٹھا رہا۔

میں نے کہا صاحب صاحب میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اللہ کا نام لوں۔ وہ جو میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اس نے قدم قدم پر مجھ پر کرم فرمائیں کی ہیں۔ صاحب صاحب جی میں شکر گزاری کے جذبے سے اس قدر مجرا ہوا ہوں جیسے کوئی پانی سے مجرا ہوتا ہے، لیکن مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیسے اس کا نام لوں۔ صاحب جی دلائل دروں کے مجھے میں رہتے ہوئے اس کا نام لینا بڑا مشکل ہے۔ کاش کہ کوئی مجھے سکھادے کہ میں کس طرح اس کا نام لوں۔ ایسے کہ بات پہنچ جائے دلوں میں کب جائے۔ صاحب جی آپ اشتقاق احمد کے اور ذرا ہوں کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں، کرتے ہیں بلکہ آپ اشتقاق احمد مجھ سے زیادہ قابلیت کا مالک ہے۔ اس کی تحریر میں اثر ہے، اس لیے کہ وہ آپ کا دوست ہے، آپ سے قریب تر ہے، لیکن اگر آپ مجھے اختلاف رائے کی اجازت دیں تو کہوں کہ مجھے اس قسم کے مجھے پرانے گڑھے سے اتفاق نہیں ہے۔ ایسے ذرائع تو پڑے لکھوں میں دی لکیشن پیدا کرتے ہیں۔

اشتقاق کتا ہے کہ ”ایسے ذرائع عوام پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔ صاحب جی ہمیں عوام پر اثر نہیں ڈالنا وہ تو پہلے ہی اللہ ہو، اللہ ہو سے بھرے بیٹھے ہیں۔ اثر تو دلائل دروں پر ڈالنا ہے لوہین میگزین۔“

دل آخر وہ دھیری حسن آباد کے رجم ہلے کے ہل جا پہنچا جو سالوں کو اپنے حقے کا پانی پلایا کرتا

ایک روز صدیق نے ہلے سے عرض کی کہ 'حضور مجھے غلاموں کی قبرست میں شامل کر لیجیے۔

رجم ہلے کے کہا تیرے اپنے گھر میں جو بزرگ ہے اس کے پاس جا' دارا دقت کیوں منافع لے رہا ہے۔

اس پر صدیق پھر شہاب کی خدمت میں حاضر ہو گیا کہنے لگا۔

مجھے رجم ہلے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

شہاب نے کہا 'یہ ہلے بونشی لوگوں کو اپنے سر سے ٹالتے ہیں۔ یہاں کوئی بزرگ نہیں

ہے۔

صدیق نے کہا 'مجھے کچھ بڑھنے کے لئے عطا کیجئے۔

شہاب نے بھی ٹالنے کے لئے کچھ بڑھنے کے لئے دے دیا۔

پتہ نہیں کتنے سال وہ ستن پکا تار رہا۔ پھر ایک دن جب وہ پڑھ رہا تھا تو ایک آواز سنائی دی یا

ایک ایک احساس ہوا۔ ٹینک ہوئی کہ ستن پکا ہو گیا ہے۔

پھر یہ ستن بادی چلتی رہی، چلتی رہی حتیٰ کہ یہ مقام آگیا کہ قدرت اللہ صدیق کی راہ فرمائی

لے لے گا شہاب کا صدیق کے نام ایک ایترائی خطا خطا خطہ ہوا۔

دلایات

برادر عزیز

اسلام علیکم

خطا خطا: وہ خلاف میں بھی کبھی دل بھی اور یکسوئی کے ساتھ دل نہ

لگتا ایک قدرتی امر ہے' اسے اصطلاحاً 'قبض' کہتے ہیں۔ اس کا واحد

علاقہ یہ ہے کہ اس کی جانب التفات نہ کیا جائے اور دل لگے یا نہ لگے

کو شش کر کے اپنے معمولات جاری رکھیں۔

رفتہ رفتہ قبض کی حالت بسط میں بدل جاتی ہے

عام طور پر یہ بھی ترقی کا ایک ذریعہ ہی سمجھا جاتا ہے

بلانے دو شیڈز کے گھر جا پہنچا اور پھر صاحب اسے دیکھ کر سر سے سمیت وہاں سے بھاگ جاتے۔

ایک راہی کے قدرت سے اتنے تعلقات تھے۔ شاید اس لیے کہ وہ صحتی تھے۔

ایک روز ایئر نے کہا 'شہاب میرا ایک چھوٹا بھائی ہے۔ بچا ہر ملے میں ٹھکر

ہے۔ اسے کوئی اچھی نوکری دلا دیجئے۔

شہاب نے کسی کی مت کر کے صدیق کو نیف ڈک میں لے کر گریڈ کی نوکری دلا دی تھی۔

ٹیک آدمی

صدیق کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ ٹیک آدمی تھا۔ ٹیک آدمی میں یہ غرابی ہوتی

ہے کہ وہ توقع رکھتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی ٹیک ہوں۔ ٹیک نہ ہوں تو اسے غصہ آتا ہے یا کم

از کم دل میں فحشیت پیدا ہوتی ہے۔

سیانے کہتے ہیں اتنے ابلے نہ ہو کہ دوسرے کی نظر آئیں۔ صدیق لگا اچھا تھا کہ وہ کر دو

پیش پکلی ہوئی کرپشن نہ کر سکتا تھا اس کا غصہ بڑھتا تھا۔ اس نے نیف ڈیک میں

ساقیوں اور امروں سے اس پکلی ہوئی کرپشن کے خلاف احتجاج کیا 'چٹا' چٹا اور پٹا خراشٹے

دسے کر گھر آ جیتا۔

شہاب کو پتہ چلا تو چرک صدیق کے لیے جو دل میں گڑا ہوا تھی وہ ختم ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا

کہ صدیق نوکری کے لیے چاروں طرف بھکاری بن کر گھوما پھرا۔ خواہ وہ نوکری نہ ملی۔

میں قدرت سے جا کر لڑا' میں نے کہا 'شہاب جی آپ بزرگ ہیں۔ غصہ کھانا آپ کا کام

نہیں۔ کمزورت پانا میرا کام ہے' آپ کا نہیں۔ آپ کا کام معاف کروں ہے۔ آپ جن کے غلام

ہیں وہ مرا سر رمت تھے۔

قدرت نے کہا 'آپ صدیق کو سمجھائیں کہ غصہ نہ کیا کرے۔

میں نے جواب دیا 'شہاب جی میں کیسے سمجھاؤں میں نے تو خود گڑھ کھلیا ہے' کہا تا رہتا ہوں۔

آپ اس کے لئے گڑھ دل پیدا کریں۔ اسے بھڑکائیں۔

پھر صدیق کو ایک چھوٹی نوکری مل گئی، لیکن اس کی نیکی کا تقاضا اور غصہ ویسے ہی رہا۔

پھر پتہ نہیں کیاں اتنے بھلے کے پاس جانے کی لت پڑ گئی۔ کئی ایک بھلوں کے در پر پڑا

سلام پچھرنے کے بعد گیارہ بار درود شریف پڑھ کر ایک تسبیح یہ دعا پڑھیں۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِقِينَ

یہ دعا سورہ انبیاء کے پچھنے رکوع میں ۸۹ ویں آیت ہے۔ وہاں پر اچھی طرح دیکھ کر اعراب درست کر لیں۔

ایک تسبیح یہ دعا پڑھنے کے بعد گیارہ بار درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد پھر ایک تسبیح یہ دعا پھر گیارہ بار درود شریف۔

اسی طرح تیسرا کعبہ کا وقت ہوئے یا عصری کا وقت آنے تک یہی کرتے رہیں۔ پھر اپنے صدق دل سے اولاد کی دعا مانگیں۔

پھر تہجد کے کچھ نفل پڑھ کر صبحی کھائیں اور فجر پڑھ کر سو رہیں۔ اس دعا کی برکت سے حضرت زکریا علیہ السلام کو سو برس کی عمر میں فرزند عطا ہوا تھا۔ اگرچہ ان کی اولیہ بھی عاقرہ تھیں۔

مستایسویں کی شب کو سورہ انبیاء پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ وہی کچھ پڑھیں جو پہلے پڑھا کرتے تھے۔

یہ خط لٹنے کی اطلاع ضرور دیں۔

امید ہے آپ ہمہ نیکم خیریت سے ہوں گے۔ والسلام

نیاز مند

قدرت اللہ شہاب

شاید ایسی ہدایت اور اطلاعات قدرت اللہ کسی اور کو بھی دیتے ہوں۔ مجھے اس کا علم نہیں۔

محروم خوش قسمت

جہاں تک میرا سوال ہے، میں نے قدرت کو ابتداء ہی میں کہہ دیا تھا کہ شہاب ہی مجھے اس بھینٹ میں نہ ڈالیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ میں استحکام نہیں ہے۔ میں ایک ہلکا فرو

برے خواب آتے ہیں تو آتے رہیں، نہ ان کی طرف دھیان دیں نہ پریشان ہوں۔

آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ دفتری معاملات بھی ملتے ہی رہیں گے۔

ایثار صاحب کو سلام

نیاز مند

قدرت اللہ شہاب

میرا اندازہ ہے کہ صدیق سے قدرت اللہ کی دل دہی کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس میں استقامت تھی۔ صدیق نے بھی ناخوش کیا تھا۔ یہ بات قدرت کو بہت پسند تھی۔ اس خوشنودی کا یہ نتیجہ تھا کہ قدرت ہر سال صدیق کو یلینہ قدرت کی جنگی خبر دیا کرتا تھا۔ مثلاً ذیل کا خط ملاحظہ ہو۔

مری

۱۰ جون ۱۹۷۳ء

عزیز بہ۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ شعیب گری کے باوجود آپ کے معمولات جاری ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور ان کو بدستور جاری رکھیں۔

یہی آپ کی سب سے بڑی کمائی ہے جس کا اجر انشاء اللہ آپ کو کسی وقت ایسا ملے گا جو آپ کے خواب خیال میں بھی نہیں۔

رمضان المبارک کی ایک سو سو شب کو رات کے گیارہ بجے سے فجر کی نماز تک جاگتے رہیں۔ گیارہ بجے دو رکعت نماز نفل پڑائے تو پڑھیں۔ ہر

رکعت میں تین بار قل ہو اللہ پڑھیں اور تین بار آیت کریمہ بھی پڑھیں۔

۱۔ اصل خط مجھے میں ملاحظہ کریں۔ خط نمبر XXI

خاموشی سے زبان بلا کر لا لہ کیں۔ اور سانس اندر کی طرف لاتے ہوئے Inhale اسی طرح خاموشی سے زبان بلا کر لا لہ کیں۔ اسی طرح ہر سانس کو Exhale کرتے ہوئے لا لہ اور Inhale کرتے ہوئے لا لہ کتے رہیں۔ اسے پاس اٹھائے کتے ہیں۔ یہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے لیٹے ہوئے قاریغ لوقات میں کرتے رہیں۔ اس کو اس طرح پکائیں کہ یہ بالکل عادت بن جائے۔ ہمیں فرصت ہوئی وہیں سانس کے آنے جانے میں خود بخود لفظی انتہائی شروع ہو گیا۔ صرف حسل خانے میں حاجت ضروری کے وقت ایسا نہ کیا جائے۔ کچھ لوگ اس میں ایسی مشق بیچ پھیلتے ہیں کہ حسل خانے میں زبان دانتوں تلے دبا کر رکھتے ہیں تاکہ ذکر جاری نہ ہو جائے۔ وضو کی کوئی قید نہیں۔

اگلے بعد تک خوب مشق کریں اور بتائیں کہ کوئی مشکل تو دور پیش نہیں آری۔ اگر اس پر کسی قدر عبور حاصل ہو جائے تو ساری عمر کے لیے سب امور کے لئے کافی ہے۔

والسلام

نیاز مندہ۔ قدرت اللہ شہاب

میں نے چند ایک روز کو مشق بھی کی تھی۔

لیکن جو فیصلہ جیسی کامیابی ہو۔ جس کا ذہن خرافات سے کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ لہذا میری یہ کوشش سب سے لا حاصل ثابت ہوئی۔

حیرت کی بات ہے کہ میری ان کیوں کیوں کے بلوغت قدرت اللہ مجھ سے بایں نہ ہوا۔ اس نے زندگی بھر مجھ پیسے چپاک کھانگوار گوار کیا۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔

میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

گنا ہے کہ وہ سمندر تھا۔ جس و خاشاک اور لطافت اسے چپاک نہیں کر سکتے تھے۔

ہوں۔ مجھ میں کثافت اٹھانے کی ہمت نہیں۔ آرام طلب ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھ بزرگ بننے کی طلب نہیں اگر آپ میں اتنی طاقت ہے تو مجھے ایک اچھا انسان بنا دیں۔ دیا کریں۔

یہ بات میں قدرت کے سامنے مسلسل دہراتا رہا تھا۔

اس کے بلوغت آخری ایام میں وہ میری توجہ کلام کی طرف مبذول کراتا رہا۔ لیکن مجھ میں کام اپنے آپ کی توفیق پیدا نہ ہوئی۔

شکر ہے نہ ہوئی ورنہ مجھ پر پابندیاں عائد ہو جاتیں اور میں یہ کوائف آپ کی خدمت میں پیش نہ کر سکتا اور اس عظیم انسان کے لیے ہدیہ شکرگزاری کا اختصار نہ کر سکتا۔ وہ عظیم انسان حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لائق ترین مقام تھا۔

مثیل کے طور پر ذیل کا خلاصہ ملاحظہ ہو جو قدرت نے مجھے مری سے لکھا۔

مری

۲۶ جون ۱۹۸۳ء

محترمی ممتاز مفتی

السلام علیکم۔ کل صبح میں آپ کی طرف آنے والا تھا۔ ٹیلی فون پر معلوم ہوا کہ آپ رفیق صاحب سے ملنے پھڑکی گئے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہد رفیق صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفا عطا فرمائے۔

لفظی اثبات کا رد کرنے کے لیے آپ کے لیے ایک نہایت آسان طریقہ سمجھ میں آ گیا ہے۔ اس میں نہ کوئی وقت اور نہ کوئی جگہ مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی خاص طریقہ پر بیٹھنا بھی نہیں۔ جس وقت آپ قاریغ ہوں۔ فوراً سانس باہر نکالتے ہوئے Exhale

۱۔ مجھے میں خلا نمبر XXiii ملاحظہ کریں۔

۲۔ اصل خلا مجھے میں ملاحظہ کریں۔ خلا نمبر XXii اور XXiii

چون واپس باب

مل سے ہم دونوں ایک گلاس میں پڑے ہیں۔ لیکن الگ الگ وہ تیل ہے میں پانی ہوں۔

وہ چہلہ

اشفاق کی شکایتیں کرتا ہوں تو ہاتھ کو دکھ ہوتا ہے 'وہ ٹھسے میں کھتی ہے' کیا یہ غلن صاحب میں کوئی خوبی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں 'اس میں تیسریوں خوبیاں ہیں۔ مجھ - نہ زیادہ خوبیوں کا مالک ہے' پرنس بن کر رہتا ہے 'پانی میں نہتا۔

وہ چہلہ

میں نے کہا 'مجھے آپ سے بھی شکایت ہے کہ تیل کو پانی میں نہ بدل سکے۔

نظر نہ کریں 'وہ بولا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

کب ہو جائے گا۔ آپ نے کھجور کا درخت لگا بھی دیا تو کیا فائدہ۔

صوفی برکت علی

اس نے بات کا رخ بدلا۔ کہنے لگا۔ اگر لاہور میں آپ کو فرصت ملے تو صوفی صاحب کو سلام کر آئیں۔

وہ کون ہیں 'میں نے پوچھا۔

سلاور والے چائیں۔ سب پتہ چل جائے گا۔

میں نے حالی بھرلی۔ جی اچھا۔ لیکن میرا ارادہ نہیں تھا کہ صوفی صاحب کی خدمت میں ماضی دوں۔ مجھے کسی اور بزرگ سے ملنے کی خواہش نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ قدرت پوچھے گا تو تیل دوں گا۔ بہانہ بنالوں گا۔

داستان سرائے میں پہنچا تو عیاشی کا ایسا نشہ آیا کہ صوفی صاحب کی بات ہی ذہن سے نکل گئی۔

رات کو دس بجے فون بجلا اشفاق سے میں فون کے پاس تھا 'چوہا اٹھایا۔ میرے آپ دوست یوسف بول رہے تھے انہوں نے میری آواز پہچان لی۔ بولے 'آپ یہاں ہیں۔

میں نے کہا 'ابھی آیا ہوں۔

بولے 'ملاقات ہونی چاہیے۔

پاکستان

میں نے فون کا چوہا اٹھایا۔ قدرت بول رہا تھا۔

آپ لاہور جا رہے ہیں کیا۔

میں نے کہا 'جی جا رہا ہوں۔

کسی کام کے لیے جا رہے ہیں کیا۔

میں نے کہا 'کام نہیں۔ عیاشی کرنے جا رہا ہوں۔

کیسی عیاشی۔

تیل اور پانی

داستان سرائے میں قیام کرتا بذات خود عیاشی ہے۔ وہی میری ماں ہے۔ وہ مجھے چوہا کھلاتی ہے۔ یعنی ہوئی ماں کی دال۔ مٹی روٹی۔ کڑا ساگ 'جھپٹ سر' شیرے والی کابریں 'ہو ہاتھ سے ہاتھ ہوں گی۔ ہاتھ ہی ہاتھ۔ ہاتھ ہی ہاتھ۔ قدرت اللہ کی باتیں۔ اشفاق کی شکایتیں۔

UrduUrdu.com

اس لیے کہ وہ مجھ سے دل کی بات نہیں کرتے کسی سے دل کی بات نہیں کرتے چاہے

کی کتابیں خرید رہے تھے تو ایک کچھ غلوں آئی۔ بڑی بے تکلفی سے ہمیں پچھنے لگی۔
کہ آئے نس پاکستان توں۔

میں نے کہا لی تجھے کیسے پتہ چلا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں۔

کہنے لگی: توڑے منہ سے جو کھلیا ہوا ہے۔

میں نے پوچھا: وہ کیسے؟

ہوئی چلو بازار وچ جا کھڑوئے۔ نس تو لوکل دے منہ کنڈا ہدے منہ تے روٹی ہووے
تے کنڈا ہووے بس جان لو کہ لو 'پاکستانی' اے۔ سلائی تے کچھ وچ نہیں اونڈا۔ حالات
بجڑے 'نے' پر چریاں تے روٹی اے 'بازار وچ روٹی اے' پیسے دی بھر مار اے۔ چڑیاں دی
بھر مار اے۔ سڑکوں تے موزوں ای موزوں۔ دکلاں وچ مل ای مل۔ سڑکوں تے کچھ نہیں
اونڈی اے 'کی' ہو رہا اے۔

میں نے پوچھا لی آپ کیا کرتی ہیں۔

ہوئی 'میں انٹر ایڈی ہو شس آں۔

۱۹۸۶ء میں میں نے پاکستان پر ایک مضمون لکھا تھا جو درج ذیل ہے۔

مملکت خدا داد

اگرچہ پاکستان ایک جمہوریت ملک ہے لیکن بڑا بے ہمار ہے۔ حسین مناعہ سے ملائی 'رنگارنگی کا
جواب نہیں۔ کسی جانب زرخیز مناظر اور میدان پھیلے ہوئے ہیں کسی جانب پہاڑوں کی سر۔ فلک
چڑیاں سرافٹے کھڑی ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں ہری بھری وادیاں لپٹی ہوئی ہیں۔ چشے
پھوٹ رہے ہیں۔ پھول ہی پھول رنگ رنگے پھول۔ کسی جانب ریت کے صحرا ہیں۔ کسی جانب
شگافاں دیہاتے۔ مناظر کے لحاظ سے پاکستان گوناگوں ہے 'ملائی ہے۔ یہاں ہر قسم کی آب و ہوا
ملتی ہے۔ ہر قسم کی جانبت 'طرح' طرح کے چمکے پھندے۔

یہ علاقہ بڑا قدیم ہے۔ پتہ نہیں کتنی نہایتیں قائم ہوئیں 'پہلی پھولیں اور پھر چاہ ہو
گئیں۔ آج بھی یہاں جگہ جگہ ڈھیریاں موجود ہیں۔ جنہیں کھودو تو آثار کی دولت نکل آئے۔
میراثہ انکی ملتی ملتی حلی میں ہیں 'میراثہ' میراثہ کیور نیل سے ملا۔

موسیو کیور نیل بین الاقوامی شہرت کا مالک 'آثار قدیمہ' کا ماہر ہے۔ قیام پاکستان کے وقت وہ

میں نے کہا 'ہوئی چاہیے۔

بولے 'لیکن میں تو کل جا رہا ہوں۔

میں نے کہا 'مت چلو۔

کہنے لگا 'چلا ضروری ہے۔

ضروری ہے تو چلو۔

بولے 'ایک صورت ہے۔ میں صبح چلوں گا شام تک واپس آچوں گا کیا ایسا نہیں ہو سکتا
کہ آپ میرے ساتھ چلیں راستے میں کپ شپ رہے گی۔

میں نے پوچھا 'چلا کہاں ہے۔

کہنے لگے 'صوفی برکت علی صاحب کی حاضری دینی ہے 'سلاڑ والے۔

میں نے سوچا 'دیکھو کس چلائی کے مجھے پتہ نہ کروا دیا ہے۔

اگلے روز ہم کار میں سلاڑ والے جا رہے تھے۔ میرا دوست نور ایک بہت بڑا اہلی 'اسلامی

شاعر عبدالعزیز خان۔

ہم تینوں گئیں راستے ہوئے سلاڑ والا پہنچ گئے۔

وہاں صوفی صاحب کو دیکھا تو میں حیران ہوا۔ ایک نحیف و زار شخص کوی 'جس میں ایک
من جان ٹھوس رکھی تھی۔ تک کر بیٹھا مشکل ہو رہا تھا اندر خون کی جگہ پارہ
بھرا ہوا ہے۔ اتنی بے چینی نہرسمت کر رہے تھے۔ کہ گرد و پیش سے سمجھا کے اٹھ رہے
تھے۔

بعد کی نماز پڑھانے کے بعد صوفی صاحب نے فرمایا۔

"موجود جان لو کہ ایک ایسا زمانہ آئے والا ہے جب یہ امین لوگوں کی قدم
اٹھانے سے پہلے پاکستان سے پڑھے گی 'میں' میں یہ قدم اٹھاؤں؟" اس
وقت ہم تو رخصت ہو چکے ہوں گے 'اگر ایسا نہ ہوا تو آکر ہماری قبر
تھوکتا۔"

میں تو ششدر رہ گیا۔ یالٹھ 'آواز دھجی ایک بزرگ کی زبان سے۔

یالٹھ 'یہ پاکستان کیا ہے۔ کیوں لوگ اس کی محنت کی باتیں کرتے ہیں۔

جب میں ہجرت ہاتھ لگے لگے کیا قادر و شفیق حسین نور میں ایک دکان سے ہو میو بیٹھی

Per Capita آگم بڑھتی جا رہی ہے۔ پاکستان کی بین الاقوامی حیثیت بڑھ رہی ہے۔ دنیا میں جگہ جگہ پاکستان کا ذکر ہو رہا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ پالیسی یہ بھی کیا ہے؟

ایک طرف اپنی زبان، مادی دوسری جانب خوشحال۔ ہم کائنات پر رہے ہیں پھر پھول کیوں آگ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے دو رخ ہیں۔ ایک تو حقائق کا رخ اور دوسرا پراسرار رخ جو کچھ میں نہیں آتا۔ حیران کن سہی مگر بہت واضح ہے۔ حقائق کے زاویے سے دیکھیں تو

تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ دروازے کھلے تو منافع دیکھ کر تاجروں کی آنکھیں پٹ پٹ گئیں۔ وہ منافع کی شرح بڑھاتے گئے۔ ذخیرہ اندوزی کرتے گئے۔ دراصل ابھی تک مسلمانوں کا مزاج کاروباری رنگ میں نہیں رنگا گیا۔ کاروبار میں وہ آج کے حوالے سے سوچتے ہیں۔ مستقبل ہی کے حوالے سے نہیں سوچتے۔ اس لیے جیتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ بڑھتی جا رہی ہیں۔ سرکاری دفتروں میں رشوت ستانی زوروں پر ہے چھپ چھپ کر نہیں ملانی رشوت لی جاتی ہے۔ نور پور اس کے جیسے آپس میں ہاتھ جالتے ہیں۔ رشوت کے ہاتھ مقرر ہیں۔ رشوت لینا

خبر دی تھی۔ ۱۹۹۰ء میں مغرب کے ایک معروف ستارہ شمس ایچ آرنیبلر کی ٹی وی روزنامہ نمبروں میں بھی تھی کہ آرنیبلر نے لکھا تھا کہ ہندوستان تقسیم ہو گا مسلمان کی محنت قائم ہو گی پھر دونوں ملکوں میں اختلافات دریں گے۔ ان کے اپنی تعلقات ۱۹۹۹ء سے پہلے دوستانہ نہیں ہوں گے۔ ہندو اور دینی انتشار کا شکار ہو جائے گا اور مسلمان دلی تک قابض ہو جائیں گے۔ مغربی ستارہ شمس عرصہ دراز سے پیش گوئی کر رہے ہیں کہ دنیا پر ایک مٹا سن لوہہ خورشیدی نکلور آنے والا ہے اس دور کو وہ انگریزوں کی ایجاد کوئلان ایچ کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا پر عجیب و غریب لوہہ مبارک ستاروں کے کائناتی پشیز آئیں گے جو رہے ہیں۔ مسلمان اس دور کو نشاۃ چاہتے کہتے ہیں۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ اس دور کے آنے سے پہلے، پہلے برزخیت ہوتی آئے گی۔

پاکستان کے جو قومی بھی انہیں غلطو پر پیش گوئیں کر رہے ہیں۔ ان میں ریلینڈی کے عجم غازی بھی ہیں۔

اب بیچے قیام پاکستان کی بات۔ قیام پاکستان عجیب حالات میں عمل میں آیا۔ انگریز اس کے حق میں نہ تھے۔ ہندو اس کے خلاف تھے۔ مسلمانوں کی چند تحفیں بھی اس کے حق میں نہ تھیں۔

ایسے حوصلہ شکن حالات میں پاکستان کا قیام ایک معجزے سے کم نہ تھا۔ قیام پاکستان کے لیے قدرت نے ایک ایسے فرد سے کام لیا جو انگریز فوجیت کا مالک تھا جو سیاسی ہیرا پھیری سے بخلاف تھا۔ (جو پاکستانی پھر سے بے گناہ قادیان اسلام سے برائے نام واقفیت رکھتا تھا قائد اعظم میں سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ بلند کردار کے مالک تھے۔ ان کے ہر مقابل گھڑی عملی قیام تھا۔ جو سیاسی ہیرا پھیری میں بہت مشغول تھے۔ سیاسی روش میں بلند کردار کا پانی کا فاضل نہیں ہو گا۔ انانیت بڑی رکوت ثابت ہوا ہے۔ لیکن اللہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے کالہائی عطا کرے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے صورت حال کا جائزہ لیا کہ قائد اعظم کو ایک اسلامی مملکت کا سربراہ بننا ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ قائد اعظم کے لیے اسلام کی بنیادی تعلیم و بس ضروری ہے۔ وہ قائد سے سمجھتی ہیں کہ قائد نے ان کا مشورہ کیا ان کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ساتھی قائد کو اسلامی تعلیم دیتے رہے۔ صوفی صاحب سے ملنے کے بعد لاہور سے

نعمانیوں پاشد ہندوستان پہنچا
عجم بدی کا رائد زلف جلودان
تقسیم ہند گرد و در در حصص ہوا
آشوب و رنج پیدا اذکر ازمانہ

ہندوستان کے عجم بزرگ جو حضرت مہاجر کی سے پیام سے جاتے جاتے ہیں۔ ان سے مختلف کنکوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان میں پہلی جنگ آزادی لڑی گئی تھی فرنگی نے غدار کا نام دیا تھا۔ جو جناب حضرت مہاجر کی سے ایک علاقے پر قبضہ کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کر لی۔ یہ اسلامی حکومت کچھ عرصہ قائم کرتی رہی پھر انگریزوں نے اپنا ٹکڑا ہوا شیرازہ از سر نو بنیاد انگلستان سے اسطی کی کیپ اور لڑی مٹوا لی اور پھر سے کھوٹا ہوا دار قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ انہوں نے حضرت مہاجر کی کی اسلامی ریاست کا محاصرہ کر لیا۔ گوکہ پاری کی لور اس پر تسلط تھالیہ حضور مہاجر کی کو گرفتار کر لیا گیا۔

حضرت مہاجر کی کا مسلمان ہند میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ یہاں تک کہ غیر مسلم بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ انگریز ڈاکٹر آف تھا کہ حضور کی گرفتاری پر حالات خراب نہ ہو جائیں ساتھ ہی وہ اپنا وقار قائم کرنے کے لیے ضروری سمجھتا تھا کہ ان کی تباہی کرے۔ لہذا انگریز نے حضور کے ہاتھ باندھ دینے اور برصغیر ان کا بلوں نکالنا۔ ایک عجم عظیم سیاح نام مہدوب نے بلوں کا راستہ روک لیا وہ حضور سے خطاب ہو کر بولا۔ دیکھ۔ یہ نہ سمجھو کہ تیری یہ کوشش باطل ہو گئی ہے۔ جو جگہ تو نے بڑا ہے توں سے مل بعد اس میں سے کوئی چھوٹے گی۔ تو نے مل بعد قیام پاکستان عمل میں آیا۔

حضرت مہاجر کی صاحب کے آخری مرتبہ ملحق عبدالعبود سے جن کا مالی ہی میں اسلام تلوہ میں انتقال ہوا ہے۔ میں چند ایک بار ملاؤں انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ ۱۹۷۰ء کی جنگ میں انہوں نے حصہ لیا تھا۔ ان دنوں وہ جوتے تھے۔

شاہ بری لہیف نے کج سے وصال میں سو سال پہلے فرمایا تھا کہ نور پور کے پاس ایک اسلامی شہر آباد ہو گا جو مستقبل میں دنیائے اسلام کا مرکز بنے گا۔

پاکستان کی لہیف اور مملکت کے بارے میں بزرگان دین نے بار بار تذکرہ کیا ہے۔

صرف بزرگ ہی نہیں، نجومیوں اور جوتیشیوں نے بھی بہت پہلے پاکستان کے قیام کی

والہی: میں حیران ہو رہا تھا کہ باللہ اتنا بزرگ نور۔ اتنا بڑا دھوئی، قدرت اللہ کا تو کہتا ہے کہ دھوئی کرنا بزرگ کا کام نہیں۔

چھوٹا منہ

لاہور سے والہی آیا تو میں سیدھا شلب کی طرف گیا۔
گڈی نے کہا: آج ہاموں کا موڈ آف ہے۔
شلب کا موڈ آف ہو۔ میں، میں نہیں ہانتا، میں نے جواب دیا۔
بچ کتنی ہوں، وہ بولی۔
شلب کا تو موڈ ہوتا ہی نہیں۔ وہ تو ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ہے، اس میں اچھل نہیں۔
کبھی کبھی چمکتا ضرور ہے۔ لیکن یہ چمکن کسی اور طرح کی ہوتی ہے۔
گڈی بولی، میں ہاموں کو جانتی ہوں۔

گڈی

وہ بچ کتنی تھی۔ وہ قدرت اللہ کی ہمشیرہ کی بیٹی ہے۔ گھر میں صرف گڈی شلب کو جانتی تھی۔

میں نے پوچھا: تجھے کیسے پتا کہ شلب کا موڈ آف ہے۔
کہنے لگی: کچھ لوگ ملے آئے تھے۔ انہوں نے پاکستان کا ذکر کیا۔ ہاموں کہنے لگے۔ پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ راستے سے بھٹکا ہوا۔ ہم آج تک اسلام آباد

جب میں صدر گمراہ کا نانا لائیں ای با قلم شام کا وقت تھا آپ اپنے گھر کے برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی موجود تھا۔

ایک سال 'آئیلہ ناہا' وہ تازہ مسافر قلم پڑی کراری اردو پڑھتا تھا اس نے اپنی حالت زار کا نقشہ کھینچا تھا۔ رہنے کے لئے مکان نہ تھا کھانے کے لئے روٹی نہ تھی۔ کئی دن مارا مارا پڑتا رہا۔ لیکن فکری نہ لی تھی۔ کوئی پرسن مل نہ تھا۔

شباب صاحب آپ نے اس سال سے بڑی ہمدردی جتائی تھی 'اے حوصلہ دیا تھا' فکر نہ کیجیے اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کر دیں گے۔ آپ کل دفتر آجائے ایک عرض لکھ لائیے۔ شاید کل ہی ہفت بن جائے۔ حوصلہ نہ ہاریے 'آزاد کش کے وقت آجاتے ہیں۔

جب وہ رخصت ہوئے لگا تو مجھے میں یوں 'آزاد کش کے وقت آجاتے ہیں۔' نصرت ہو پاکستان پر۔

شباب صاحب یہ سن کر آپ نے جھکی کی طرح کرسی سے اٹھ کر سائل کے منہ پر طمانچہ مار کر کہا تھا کٹ آؤ۔ یاد ہے۔

شباب صاحب میں نے آپ کے ساتھ میں جھکیں مل گزاریں ہیں۔ اس دوران میں آپ نے صرف ایک آدمی کو قہقہہ مارا ہے۔ اس لیے کہ اس نے پاکستان کو بد دعا دی تھی۔ اس کے بعد بھری محفل میں جہلی صدر ارباب نور من کے لال کار بیٹھے تھے۔ آپ نے ایک وزیر کو گرمیوں سے پکڑا تھا اس لیے کہ پاکستان کا وزیر ہوئے ہوئے وہ پاکستان کے خلاف تجزیہ کرتا تھا۔ یاد ہے۔

ہم تو آپ کے ہاتھ میں شباب صاحب جو آپ کہتے ہیں۔ جی ہے 'جو آپ کرتے ہیں وہ حق ہے۔ آپ ہی نے ہمارے دلوں میں پاکستان کی اہمیت اور عظمت کا جذبہ پیدا کیا ہے۔

اورداب آپ کہتے ہیں کہ اسلام کے حوالے سے بیٹے پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں۔

شباب نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چند روز بعد وہ مری چلا گیا۔ وہ اکثر مہلات کے لیے مری چلا جایا کرتا تھا۔

میں نے کڑے اور جب تک اسلام غلط نہیں ہو گا پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کی اہمیت صرف اسلام کے حوالے سے ہے۔ گڈی کہنے لگی 'ہاں کی گواہ میں فخر میں تھا لیکن آواز کے پیچھے شدت تھی۔ ناراضگی تھی۔ میں ہاں کے ہٹے کو پچھاتی ہوں۔

گڈی کا کمرہ شب کے کمرے سے ملحق تھا اس روز میں شب کے کمرے میں داخل ہوئے لگا تھا کہ گڈی نے مجھے بلایا تھا۔

کہنے لگی 'آج آپ ہاں سے اسیلا کے ساتھ بات کریں۔

شب کے کمرے میں داخل ہو کر میں نے سلام کیا اور فریاد معمول پڑے لوب سے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

پھر شباب بولا 'آپ خاموش ہیں۔' خیریت ہے۔ میں نے کہا 'جنت میں اعتیاد برت رہا ہوں اس لیے۔

اس نے سوالیہ نگاہ سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا 'جنت گڈی نے مجھے مشورہ دیا ہے کہتی ہے آج اعتیاد سے بات کریں۔

ہاں کاموز آف ہے۔

وہ مسکرایا۔

میں نے کہا گڈی کہتی ہے 'کچھ ملاقاتی آئے تھے' انہوں نے پاکستان کی عظمت کی بات پھیر دی۔ جس پر آپ نے انہیں جھڑپا دی۔

ہاں 'وہ بولا' لوگ غلط نہیں پھیلاتے ہیں۔ میں نے آپ کا مضمون پڑھا ہے پاکستان پر۔

جی 'میں نے کہا۔

آپ بھی غلط نہیں پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

میں نے کہا 'شباب صاحب آپ کو ایک بات یاد دلاؤں۔ اجازت ہے۔

شباب نے میری جانب دیکھا۔

ظہانچہ
۱۹۷۷ء کی بات ہے میں نے کہا 'جب آپ مرکزی حکومت کراچی سے پڑی لائے تھے۔

اس کے دس ہندروہوں کے بعد گنیا والا بلا کا واقعہ رونما ہوا۔

گنیا والا بلا

چلتے چلتے میں نے جو سرائی کر دیکھا تو راستہ غافوس نظر آیا۔ میں نے اسے اہستہ سے دی اور چٹا رہا لیکن جوں جوں آگے بڑھتا گیا توں یہ احساس بڑھتا گیا کہ میں غلطی سے کسی ان جانی سڑک پر نکل آیا ہوں۔ میں نے سوچا کوئی را پکیر لے تو اس سے پوچھوں کہ یہ کون سا علاقہ ہے۔ کچھ دور سڑک سے ہٹ کر ایک بست بڑا درخت تھا جس کے قریب ہی گھاس پھوس کا ایک جموٹھا تھا۔ جموٹھوں کے باہر ایک شخص کھڑا تھا۔ میں نے سوچا اس شخص سے پوچھ لوں۔ جموٹھوں کے برابر پتلیا تو سٹی سی بجے کی آواز آئی اور سکوتر کے پچھلے پیچے کی ہوا نکل گئی۔ میں نے سکوتر روک لیا۔ کیا معیت ہے؟ میں نے سوچا اب خاتون پیرفٹ کرنا پڑے گا۔ شہنی کو دیکھا تو اس میں بھی ہوا نہیں تھی۔ اب کیا ہو گا؟ میں گھبرا گیا۔

میں نے سرائی کو دوبارہ دھنی غصہ کھڑا تھا جسے میں نے جموٹھوں کے سامنے دیکھا تھا۔

"کیا ہو گیا؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ ہو گیا ہے۔"

"اسے ادھر کر دو گے؟" وہ بولا۔

"یہ سڑک کدھر کو جاتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیس بھی نہیں جانتی" وہ بولا "ادھر پہاڑی کے پیچے جا کر ختم ہو جاتی ہے۔"

"آپس کوئی گاڑی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں" وہ بولا "ادھر ایک رکھ ہے۔ وہاں سے روزانہ ٹرک آتا ہے۔ ٹرک آئے گا تو تم سے

پار میں حرکت ہوئی اور ایک دھلا سفید ریش چڑھا کر نکل آیا۔

اچھے ہی بولا "تو آگیا۔"

"جی" میں نے جواب دیا "میں راستہ بھول کر ادھر آ نکلا ہوں۔"

"ہاں" بڑھا بیڑیا۔ "بب چاہتے ہیں راستے دے دیتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں راستہ بند کر دیتے ہیں۔"

میں نے کہا "جی" میرے سکوتر کی ہوا نکل گئی ہے۔ کچھ ہو گیا ہے۔"

"ہاں" وہ بولا "تم خود میں ہوا بھرتے رہتے ہیں۔ ان کا کرم ہو جائے تو ہوا نکل جاتی ہے۔"

پہلے تو میں اس کی باتوں پر نہ سمجھا "پھر سوچا کوئی مہذب ہے جو انہیں شاپ بول رہا ہے۔"

کچھ دیر کے لیے وہ چپ رہا پھر دم آواز میں بولا "تو جو سنے بت بنا رہا ہے کیا تجھے قسم

اس لیے دیا تھا کہ بت بنائے؟"

قسم کی بات سن کر میں چونکا۔ اسے کیسے پتا چلا کہ میں لکھتا ہوں لیکن بت تو قلم سے

نہیں بنائے جاتے۔

دھن "وہ بڑھا جوش میں آگیا۔ کہنے لگا "کیا حیثیت ہے پاکستان کی۔ ایک جموٹھا پھنکی سا

ملک۔ غریب ملک۔ نہ تین میں نہ تیرہ میں۔" وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہو گیا پھر آپ ہی چنر

گیا اور یہاں کے لوگ۔ چاروں طرف سے میں میں کی آوازیں آتی ہیں۔ بکسے میں میں کر

رہے ہیں۔ کھانے جارہے ہی اللہ کی اس دی ہوئی دیکھ کو کھانے جارہے ہیں۔

ساتھ اپنا کٹورہ بھرے جارہے ہیں۔ اپنی اپنی کوفلی میں دانے ڈالتے جارہے ہیں۔ ضرورت

نہیں۔ مٹی، خالص مٹی، دوسرے جیسے بھوکے مٹی، مڑے مڑے، مٹی، کوٹھنا، بھر جائے گا،

کہ وہ حتیٰ بات کرے۔ وہ قادر مطلق ہے، جو چاہے کرے۔ آخری فیصلہ Oneirdu عندہ ہے۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا، "تو؟" وہ بولا، "میں کوئی جمو پیڑا نہیں۔"

"تو اور مرکب کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں" میں رکھ میں کام کرتا ہوں۔ روزانہ اور سے گزرتا ہوں۔ دو بار۔ میں نے کبھی جمو پیڑا نہیں دیکھا۔"

"میں کل آیا تھا" میں نے کہا "بڑی در اس جمو پیڑے میں بیٹھا رہا تھا"۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا جیسے میں پاگل خانے سے چھوٹ کر آیا تھا۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب میں نے پاکستان پر مضمون لکھا تھا۔ اسے شائع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔

میں ایک مذہبی مسلمان ہوں۔ میری زندگی محل سے یکسر غلط ہے۔ میری زندگی میں چار ایک ایسے واقعات ہوئے ہیں جنہیں بیت کر مجھے پتا چلا کہ ہماری دنیاوی زندگی کے متوازی ایک روحانی کلام بھی چل رہا ہے۔

لیکن خیالی طور پر میں ایک لویب ہوں، دانشور ہوں۔ میرا وطن شکوک و شبہات سے اٹھ چلا ہے۔ ایسے واقعے سے میں چند ایک روز متاثر ہوتا ہوں، پھر منکر ہو جاتا ہوں۔

چند ایک روز میں سوچتا رہا پھر شکوک و شبہات نے گھیر لیا۔ "سچا؟" شاید میں نے خواب دیکھا ہو یا شاید وہ جمو پیڑا اور وہ یوڑھا میرے ذہن کی اختراع ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سڑک پر آنے جانے والوں نے وہ جمو پیڑا نہ دیکھا ہو۔ ضرور یہ میرے ذہن کی اختراع ہو گی۔ یوں میں نے خود کو مطمئن اور محفوظ کر لیا۔

پھر وہ ایک ماہ کے بعد میں نے اپنی واسکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک مڑا مڑا لافانہ برآمد ہوا۔ اس میں کافہ کا ایک گڑھا تھا، اوپر دسم اللہ لکھی ہوئی تھی۔ بچے لکھا تھا: "کیا وہ بار صبح جاگئے وقت اور گیارہ بار رات سوئے وقت درد کرو۔ اس کے نیچے لکھا تھا: جمو پیڑا مذہبی بات۔"

جب میرے مضامین کا مجموعہ رام دین شائع ہوا تو میں نے اپنے مضمون پاکستان میں یہ واقعہ بھی شامل کر دیا۔

وہ خاموش ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد بولا "آئندہ سے بیٹوں کی باتوں پر قلم نہیں اٹھانا سمجھا؟" اس نے مجھے ڈانٹا۔ پھر دھتکے کے بعد دھتکے آواز میں بولا "ہم جنہیں دو لفظ دیتے ہیں۔ ان کا درد کرتے رہتے۔ قریب پارے چند کھنڈت سے اس نے کافہ کا ایک گڑھا اٹھایا۔

"میں پاک حالت میں نہیں رہ سکتا" میں نے کہا۔

"کچھ پروا نہیں" وہ بولا۔

"میں غلبی نہیں پا رہ سکتا" میں نے کہا۔

"اچھا" وہ رک گیا۔ پھر بولا "ٹھیک ہے" اور کچھ کھینے لگا کھینے کے بعد اس نے کافہ کا گڑھا ایک پرانے لفافے میں ڈالا اور وہ لفافہ مجھے پکڑا دیا۔ کہنے لگا "کیا وہ مرتبہ صبح اور گیارہ مرتبہ سوئے وقت اس کا درد کیا کر۔ اب تو چاہے اللہ تجھے کھینے کی توفیق عطا کرے۔"

میں اٹھ بیٹھا۔ باہر میرا سکوتر سڑک کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے سکوتر اشارت کیا وہ چل پڑا۔

کچھ دور جا کر دفعتاً مجھے یاد آیا کہ میرے سکوتر کا پیسہ تو چنگر تھا۔ میں سکوتر روک کر بچے اترانے لگا۔ کو دیکھا ہوا ٹھیک ٹھاک "حق" پھر میں نے شفٹی لگا دیکھا وہ بھی ہوا سے بھری ہوئی تھی۔ یہ کیسے ہوا؟ مجھ پر حیرت طاری ہو گئی۔ دیر تک اسی عالم میں چلتا رہا، پھر جو ٹکڑا اٹھائی تو دیکھا کہ راست مالوں تھا۔

شک و شبہ

ساری رات میں سوچتا رہا۔ بات سمجھ میں نہ آئی۔ اگلی شام کو میں پھر سکوتر لے کر چل پڑا تاکہ اس سڑک کا پتہ لگاؤں جس پر میں غلطی سے مڑا تھا۔

کچھ دیر تلاش کرنے کے بعد وہ سڑک مل گئی۔ میں اس پر چل پڑا۔ بڑے درخت کو دیکھ کر مجھے تسلی ہو گئی، لیکن بڑے آس پاس جمو پیڑا دکھائی نہ دیا۔ بڑے نیچے ایک آدمی آوی نماز پڑھ رہا تھا۔ میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ جب وہ فارغ ہوا "تو میں نے پوچھا" "میں ایک جمو پیڑا تھا۔"

© Onurdu.com کا میزک اپنے کنوئیں میں بڑا خوش تھا۔ سمندر کے میزک نے آکر سب قص
میں کر دیا۔

جانبہ

کوئٹہ پہنچے تو وہاں قلم قبیلہ نے انہیں اور شاعروں کا ایک میلہ لگا رکھا تھا۔ اس میلے کی
خصوصیت یہ تھی کہ بھیرتو حتیٰ لیکن کھوے سے کھانا نہیں چھلتا تھا۔ میلہ ہو اور ساتھ نظم ہو یہ
بات میرے لیے نئی تھی۔

انہیں کو مختلف ہوشوں میں گھرا دیا گیا تھا اور میزبانوں کا ایک جھگڑا ہر وقت گردش میں
رہتا۔ پوچھتا آپ کا قیام مناسب ہے۔ کوئی تکلیف تو نہیں۔ کسی بچہ کی ضرورت ہو تو

میزبانوں کی جھگڑا سارا ہات کرتی تو نہ سے پھول جھڑتے دیکھنا دیکھنا رہ جاتا۔ کھن
کوئلے رکھتا کہ دس رکھتا رہے۔

جی ہات ہے کہ مجھے ادبی محفل سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ میں تو کوئٹہ اس لیے گیا تھا کہ
مشر سے ملوں گا۔ اس سے پچھڑائی رہے گی کہوں کا کافی جاد مجھے کسی عوامی شرکی ہوشیارت
تعلیم اسلام آباد میں اپنی دلی نہیں سمجھتی۔ وہاں تو صاحب رہتے ہیں جو ہم چاہنا جانتے ہیں، ہم
دانا نہیں۔

بلی فرصت ملی تو میں پوچھتا پوچھتا مشر کے گھر پہنچا۔
میں نے پوچھنے کی کا مشر صاحب میں تو مارا گیا۔ آپ کے شرمیں آکر لگ گیا۔
وہ جاکیرین کر دینا گیا 'ہولا' فریادی۔ یونوس نے لولا۔
میں نے کہا 'غل' اپنی ایک غلوں نے لولا۔
ہولا کون ہے وہ مختصر۔

میں نے کہا 'غل' جادو ہمارے میزبانوں کی جھگڑا سارا ہے۔
ہولا 'فریادی' کیا حسن کے زور پر لولا۔

میں نے کہا 'جانبہ' دانا ظاہری حسن نے بھی، لیکن اندر کے حسن نے تو چاہی بچادی۔ کہتے

کنوئیں کا میزک

قدرت اللہ مری سے دلہن آیا تو میں کوئٹہ جانے کی تیاری میں مصروف تھا۔

آپ کوئٹہ کس سلسلے میں جا رہے ہیں؟ اس نے پوچھا۔
میں نے کہا 'جانبہ' وہاں ایک ادبی محفل ہو رہی ہے انہوں نے بلایا ہے۔ لی آئی اے کا
ٹکٹ بیٹھا ہے۔

کہنے لگا 'وہاں کوئی مضمون پڑھیں گے آپ۔'

میں نے جواب دیا 'مضمون لکھنے سے تو بے کر لی ہے۔'

وہ کہیں؟ اس نے پوچھا۔

بڑی ڈانٹ پڑی ہے شاب صاحب۔ کہتے ہیں جو تو نہیں جانتا، بے حیثیت ہے تو بے
حیثیت بنا کر رہ۔

میں نے شاب کو کنیا والے پایا کا سارا واقعہ سنا دیا۔

وہ بڑے غور سے سنتا رہا۔ تفصیلات پوچھتا رہا، لیکن مجھے ایسا گھٹا تھا جیسے اس کی حیرت
معنوی تھی۔

میں نے کہا شاب جی ساری فطرت میری ہے۔ میں تو کنوئیں کا میزک تھا۔ ایک دن کنوئیں
میں سمندر کا میزک آگیا۔ کنوئیں کے میزک نے پوچھا تو کہیں سے آیا ہے۔

وہ بولا 'میں سمندر سے آیا ہوں۔ سمندر بہت بڑا ہوتا ہے۔'

کنوئیں کے میزک نے اپنے اندر ہوا بھری۔ پھولا کر بولا 'کیا سمندر اتنا بڑا ہوتا ہے۔'

سمندر کے میزک نے کہا 'میں اس سے بہت بڑا۔ کنوئیں کے میزک نے اور ہوا بھری اور
پھولا۔ پوچھا کیا اتنا بڑا؟'

شاب صاحب کنوئیں کا میزک اپنے اندر ہوا بھر بھر کر پھاڑ پھٹ گیا۔

میں نے تو بے کر لی ہے۔ شاب صاحب، اس دنیا کے اصول زرا لے ہیں۔ جو جانتا ہے۔ وہ

جانتا نہیں جو نہیں جانتا اسے کہنے کا حق نہیں۔

شاب صاحب گھبرا گیا، ہولا آپ مجھے نہیں

میں نے کہا شاب صاحب اتنے سب مل ہو گئے ہیں۔ میں بھی سمجھا بھی تھا کیا۔

سکر کے قاضی صاحب

کئے گا، ہم بھی آجکل قاضی سے ڈرانے لگے بیٹھے ہیں۔

کون قاضی؟ میں نے پوچھا۔

بولاً، سکر کا قاضی۔ تم نہیں جانتے سکر کے قاضی کو۔

میں نے سرنگی میں ہلادیا۔

کئے گا؟ اسے تو سارا کسٹن جانتا ہے۔ سیف الزبیر ہے۔

جو کہتا ہے حکم میں جاتا ہے۔ قاضی خداوند سے ہے۔ بڑا خداوند ہے۔ پتہ نہیں کس کی نظر

لگ گئی۔ کہتے ہیں شہلا باز قندرو کو سلام کرنے گیا تھا۔

انہوں نے کھلے میں بٹھا دیا۔ پادش و صوب سردی سب جرح کیا۔ پھر جب دھوم مچائی تو

لوگوں نے ایک مکان میں جا بیٹھا۔

اب ایک جھوم لگا رہتا ہے۔ ہم بھی باقاعدہ حاضری دیتے ہیں۔ ہم پر خاص نظر ممانت ہے۔

رات کو جب آخری گاڑی کو سڑک کو آتی ہے تو ہم اجازت کی درخواست کرتے ہیں۔ جوب میں

دو فرماتے ہیں بیٹھے رہو۔ دو گھنٹے بٹھائے رکھتے ہیں۔ گاڑی خیش پر کھڑی رہتی ہے۔

آپ کا انتظار کرتی ہے کیا۔

میں اس نے کہا، ہم کون جانتا ہے۔

تو پھر میں نے پوچھا۔

بس انجین کی کوئی کل بکڑ جاتی ہے۔

منفق جمل تجھے قاضی سے ملائیں، محشر نے کہا۔

میں نے کہا، کبھی بھر کسی اس وقت منسوب نہیں۔

بولاً، کبھی بات۔

کبھی بات میں سے محشر کے منہ پر نبوت بولے۔

مہذب کا نام سن کر میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔

پرانی بات ہے شاید ۱۹۳۰ء کی۔

راجہ شفیق لال بادشاہ کا بڑا شیدائی تھا۔

maern

ہیں وہ کوئٹہ کے گورنری ٹیکم ہے، لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔ گورنر تو حکم چلا کر پھر دیکھنا چاہیے۔

ہیں۔ خدمت کرنے پر نہیں۔

وہ کہنے لگا، اس معاملے میں مابہدولت کچھ نہیں کر سکتے۔ اس شر کا پچھ اس محترم کے

مشق میں سرشار ہے۔ اور علاقے کے بڑے بوڑھے محترم کے میاں کے گن گاتے ہیں۔

پہلے کچھ لوگ پھاٹوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ جب ہے یہ آئے ہیں۔ لوگوں نے پھاٹوں

سے اترنا شروع کر دیا ہے۔ دونوں ہی سم قاتل ہیں، کیا میاں کیا ٹیکم۔ میاں نے غصوں کو رام کرنا

اپنا رکھا ہے۔ ٹیکم نے جبکہ جبکہ، شر شر بچوں کی انگوٹیاں چلا رکھی ہیں۔ اور یہاں اتنی بڑی لہری

تحکیم قلم قبیلہ چلا رکھی ہے۔

منفق صاحب آپ تو بڑے اندام و عہد ہیں۔ بھائی میرے مقام کو کچھ کر مشق لگایا کریں۔

محشر بھی کیا رہند بزرگ تھا۔ جب وہ اسلام آباد آیا تھا تو اس نے مجھے ڈانٹ لگائی۔ کہنے لگا، تو

تو اپنے محسن کا بیوہ لگنے میں یوں لگا ہے جیسے وہ مجرم ہو، نہ بھائی بیوہ نہ لگایا کر۔

تو کیا کروں؟ میں نے پوچھا۔

ہم ایک دیکھ دیتے ہیں تجھے۔ دن میں کسی وقت۔ ایک کوئے میں بیٹھ کر اپنے مرشد کو

سامنے بٹھا لیا کر۔ تصور کے زور پر، پھر ایک سو ایک مرتبہ یہ آیت پڑھا کر۔

کون سی آیت؟ میں نے پوچھا۔

کہنے لگا یہ آیت۔

یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

میری ہنسی نکل گئی۔

بولاً، خسو نہیں میں بے حد متحید ہوں۔

اس روز کوئٹہ میں بھی اس نے بڑی شبیگی سے کہا دیکھ منفق۔ اگر تو کسی محترم پر عاشق

ہو جائے تو روز دوبار اس آیت کی ایک شیعہ کیا کر۔

ہوش الہی بظاہر ہے، اگر غائب رکے چلوں کا میل

خود وہ کیا ہو گا انہیں ہوش میں لائے گا

UrduPhoto.com

لال بادشاہ مری کا ایک مہذب تھا۔ سارے علاقے میں اس کی دھوم مچ رہی تھی۔ وہ کھلے میں بیٹھا تھا۔ اس کے گرد سائیکوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔

اس کے ہاتھ میں ایک چھری ہوتی تھی۔

جس سائل پر وہ چھری چلاتا۔ وہ سائل خوشی سے پھولے نہ سکتا۔ سمجھتا کہ بس اب کام ہو گیا۔ کالیالیالی ہی کالیالی سارے علاقے میں مشہور تھا کہ جس خوش نصیب پر لال شاہ کی چھری چل گئی اس کی جملہ مشکلات آسان ہو گئیں۔

لال بادشاہ

پتہ نہیں کیسے راجہ نے عفت کو رشامند کر لیا کہ لال شاہ کی خدمت میں حاضری دیں۔ عفت نے شاہ کو بتایا۔ شاہ نے پوچھا کہ لال شاہ مہذب ہیں یا سائل۔ راجہ نے کہا: پہلے وہ مہذب تھے۔ اب تو سائل ہیں۔ سائیکوں سے ملتے ہیں۔ ان کے دکھ درد سنتے ہیں۔ پوچھ چمکھ کرتے ہیں۔

ہم نے لال شاہ کے ڈیرے پر جانے کا پروگرام بنالیا۔ مری سے آگے پتہ نہیں کون سی سڑک پر۔ راجہ یولا: بس یہاں گاڑی روک لیجیے کسی مناسب جگہ پر پارک کر دیجیے۔

ہم سڑک سے نیچے اتر گئے۔ کافی فاصلے سے گرنے کے بعد ایک کھامیدان نظر آیا۔ اس کے پرے سرے پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک جانب لال شاہ بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے سائل ہاتھ دھو کر دھاروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سائل بادی بادی صاحب کے پاس جا کر بیٹھ جاتے۔ اپنی مشکل بیان کرتے، ہم سب چھٹی چھار میں بیٹھ گئے۔

بھرجو میں نے غور سے لال شاہ کی طرف دیکھا تو خوف زدہ ہو گیا۔ ان کے چہرے پر نورانیت کی بجائے کئی کئی تند بھری تھی۔ ان کی آنکھوں نے چرومخ کر دکھا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور ایک آنکھ میں پھولا تھا۔

بھرجو میں نے قدرت کی طرف دیکھا تو اس پر گہراہٹ طاری تھی۔ رنگ بادی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور وہ ایک لمبے ترنگے سائل کے پیچھے دیک کر چمپا بیٹھا تھا۔ منہ روہیل سے

UrduDunya.com

کیاں تیرہت میں نے مدھم آواز میں پھل

اس نے ہونٹوں پر اٹھ لی رکھ لی۔ پھر سر سے اشارہ کیا کہ میں جا رہا ہوں۔ آپ کچھ دیر کے بعد آجائیں۔

راجہ نے شاہ کو جاتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گیا۔ اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کی ہانہ پکڑ لی۔

کچھ دیر کے بعد جب میں پاڑی لوٹ میں پہنچا تو دیکھا کہ قدرت ایک چتر پہ بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر وہی کیفیت طاری تھی۔ سانس آکھڑا ہوا۔ رنگ زرد تھا، ارے یہ آپ کو کیا ہوا۔

کنے لگا: انہوں نے ہمیں دیکھا تو نہیں۔

پتہ نہیں میں نے کیا لیکن آپ خوف زدہ کیوں ہیں۔

یولا: اسے تو اپنا ہوش نہیں۔

اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔

یہ مہذب لوگ بہت طاقت ور ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں سدھ بدھ نہیں ہوتی۔ پتہ نہیں ان جانے میں کیا کریں۔

کبھی کسی طاقت ور مہذب کے پاس نہیں جانا چاہیے۔

مہذویت

میں خود مہذویت سے بہت خائف تھا۔

بھائی جان نے ایک مرتبہ مجھے بھری نگاہ اپنے چھوٹے بیٹے پر ڈالی تھی۔ وہ چار دن شرم میں

مہذویت کی حالت میں گھومتا پھرتا تھا۔

مجھے شعور تھا کہ مجھ میں مہذویت کا عنصر موجود ہے۔ اس لیے میں خائف رہتا کہ سائیکس انڈس یا بھائی جان کی ایسی نظر نہ پڑ جائے کہ میں کپڑے پھاڑ کر باہر نکل جاؤں۔

پھر مجھے ڈاک کے ذریعے ایک خط ملا۔ لکھا تھا: شمر ہے مہذویت کا خطرہ، تم کیلید خط میں نہ لکھتے والے کا نام پتہ درج تھا نہ شمر کا نام۔ لٹاٹے پر جو مرگی ہوئی تھی وہ پڑھی نہیں جاتی

مگر بیچ کر میں نے بڑی کوشش کی کہ یہ بات بھول جاؤں۔

سوچا محشر نے مذاق کیا ہے، اگرچہ محشر کا قاضی صاحب سے میل ملاپ ضرور ہے، لیکن محشر ان کا پالکا نہیں ہے۔ اس لیے محشر کے اس اعلان کو ثابت دینا سراسر حماقت ہے۔

بیزسویہ

پھر اتفاق سے کوئٹہ کا ایک مشہور بہت روزہ پرچہ بیزسویہ لگا گیا۔ یہ ایک خصوصی اشاعت تھی جس میں تمام تر مضامین قاضی صاحب سے جھٹکتے تھے۔

پرچہ پرچہ کر مجھ پر لاؤ سر نو گورنمنٹ طاری ہو گئی۔

کوئٹہ کے مشہور صحافی محمد جعفر شریف نے بڑا لفظوں میں قاضی صاحب اور محشر کے باہمی تعلق کا وضاحت سے یوں اظہار کیا تھا۔

پہلا قاضی صاحب قبلہ کی خدمت میں کوئٹہ میں ان کے عقیدت مندوں کو پانڈیالی کا شرف محشر صاحب قبلہ کے توسط سے حاصل ہوا تھا۔ گویا محشر صاحب قبلہ کوئٹہ میں ان کے ہاتھ کر رہا تھا۔ محشر صاحب اس وقت بھی صاحب محل تھے۔

جنہیں وہ مناسب سمجھتے تھے۔ پہلا صاحب کی خدمت میں پیش کر دیتے اور ان کے لیے دعا کی درخواست کرتے۔

پہلا قاضی صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچنے کی روایت لاہور وارانہہ دار اظہار ہوا کہ محشر نے کہا کہ انہوں نے اپنے مضمون میں تفصیل سے لکھ دی ہے۔ اس لیے اس کا جواب مناسب نہیں، قاضی صاحب نے مجھے اپنے حلقہ میں شامل کر لیا تھا اور اس کی اطلاع محشر صاحب کے ذریعے ہوئی۔ غالباً ۱۹۵۲ء کو لاہور میں مجھے محشر صاحب کے ساتھ قبلہ پہلا صاحب کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہونے کا موقع ملا، اس کے بعد مسلسل محشر صاحب قبلہ کے ساتھ اور کبھی محشر صاحب کی اہانت سے پہلا

صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور اپنی ذاتی..... پریشانیوں اور مصائب سے بچنے کے لیے ان کی دعاؤں سے فیضیاب ہوتے رہے۔

یہ مضمون چھ کر میں خوف زدہ ہو گیا۔ سیدہ عاقدرت کی طرف بھاگا۔ اسے میں نے سارا قصہ سنایا۔

میری بات سن کر وہ گھبرا گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا، پھر کہنے لگا، آپ کے پاس قاضی صاحب کی کوئی تصویر ہے۔

میں نے کہا، تصویر تو نہیں۔ البتہ بیزسویہ میں ان کا ایک چھپا ہوا ہے۔

وہ لے آئے، وہ بولا۔

میں پرچہ لے کر آیا تو وہ غور سے تصویر دیکھا، پھر کہنے لگا، یہ تو بہت طاقت ور مہذب ہیں۔ بہت طاقتور۔ یہ پرچہ ہمیں رہتے دیں۔ اس پر مجھے اطمینان ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد جب قدرت اور میں لاہور اشفاق کے ہاں غمرے ہوئے تھے تو مجھے پتہ چلا کہ محشر لاہور آیا ہوا ہے۔ اور سعادت کے گھر گھسرا ہوا ہے۔

سعادت کے گھر کا پتہ لگا کر شاپ اور میں محشر کو ملے گئے۔

محشر کو دیکھ کر میں حیرت زدہ ہو گیا۔ یہ وہ محشر نہیں تھا جس سے میں واقف تھا۔

ایک نجف و نزار آدمی خلی آٹھوں سے فضا کو گھور رہا تھا۔

شاپ کو دیکھ کر اس نے افسس کی کوشش کی۔ لاؤ گزلیا۔

وہ آدمیوں نے بڑھ کر اسے سارا دیا۔ اس کی ناگہم لاؤ گزلا رہی تھیں۔

محشر نے رخصت ہونے کے بعد جب ہم گاڑی میں بیٹھے تو میں نے شاپ سے کہا، یہ وہ محشر نہیں تھا جسے میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔

شاپ نے انہیں میں سر ہلایا۔ بولا، لگتا ہے مجھے رخصت ہوتے وقت قاضی صاحب نے اپنی حقیرانہ کی سرور دہری ہے۔ یہ اتنا بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے۔

کچھ دیر کے بعد خبر لائی کہ محشر کو قلعہ ہو گیا ہے۔

وہ سال وہ چار پائی پر بے حس و حرکت سمیڑی کے عالم میں پڑا رہا۔ پھر فوت ہو گیا۔



سید سرفراز شاہ



۵۶۔ ہومیوپیتھی
۵۷۔ چوٹا اور بڑی
۵۸۔ وفات
۵۹۔ کھنوں، زکھنوں

ہومیوپیتھی

سیانے کہتے ہیں یہ کائنات ایک گھنیرا میزابل ہے۔ گنا ہے جیسے کچھ مضمینیں بھی گائیڈا
میزاکس ہوں جو چلتے چلتے ہے وجہ رخ بدل لیتی ہیں یا رگت بدل لیتی ہیں یا چال بدل لیتی ہیں۔
دنگی سے سرٹ ہو جاتی ہیں یا سرٹ سے پریا۔
میرا دوست مسود قہشی ہے۔ وہ بارہ سگاہ قہلہ سینگ چلا آ تھا۔ بے وجہ اس کے سینگ اٹھ
گئے اور وہ کیوتر کی طرح غرغٹ غوں۔ غرغٹ غوں کرے لگا۔

بھری میں نے مجھے ملی ماراں کے حاجی رفیع الدین کی خدمت میں بیعت کے لیے بھیجا تھا اور میں نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا تو حاجی صاحب نے فرمایا تھا 'جاؤ والدہ صاحبہ سے کہہ دو کہ جس بات سے وہ خوف زدہ ہیں وہ ہو کر رہے گی' واصل اڑے کی 'میریل ہو گی۔ پھر جب واصل چھٹ جائے گی تو انہیں بڑے اچھے لوگ ملیں گے۔ رخ بدل جائے گا' سب ٹھیک ہو جائے گا اس وقت میں نے سسر بھرا اقصیہ لکھا تھا۔ ہونہ۔ اچھے لوگ' رخ۔
تقسیم سے بہت پہلے جب میں بی اے کا طالب علم تھا اور ہم لاہور میں شپ شپ لکھتے رہا کرتے تھے تو میں ایک ہومیو پیتھ سے حصارف ہوا تھا۔

ڈاکٹر ہومیو مسعود

جس گلی میں میں گورویں سے ملے چلایا کرتا تھا وہاں ایک دوکان میں ایک صاحب بیٹھے ہوتے تھے۔ میرے ہند ایک کتابیں پڑی ہوئیں۔ اناری میں ہند ایک شیشیں اور کرسی کے پاس ایک بیگ۔

ان کی شخصیت میں دو باتیں بڑی نمایاں تھیں 'اکساری' مجز اور خدمت۔ ایک روز میں نے مجھے ملک سے پوچھا 'جو اسی گلی میں رہتے تھے کہ یہ کون صاحب ہیں کیا بیٹے ہیں۔

مجید ملک بولایا 'ڈاکٹر مسعود ہیں۔

میں نے کہا 'ڈاکٹر دیکھتے تو نہیں۔ ڈاکٹر تو منہجہ مردوز کر بیٹھے ہیں۔ یہ تو درویش نظر آتے ہیں۔

کہنے لگا 'یہ ہومیو ڈاکٹر ہیں۔

وہ کیا ہوتا ہے۔ ہومیو' میں نے پوچھا۔

کہنے لگا 'ہومیو طبی ایک طریقہ علاج ہے۔ مجھے خود تو علم نہیں کہتے ہیں کہ ہومیو طبی درویشانہ طریقہ علاج ہے۔

پھر تو ڈاکٹر مسعود بڑا موزوں معالجے میں نے سواہ۔

ان دنوں میں نے ڈاکٹر مسعود کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا وہ پہلے ہومیو پیتھ تھے۔ جنہوں نے



ڈاکٹر نقیشتی



ڈاکٹر جمالیہ سید شمس الرحمن

ڈاکٹر شامہ سید شمس الرحمن

یہ طریق علاج لاہور میں رائج کیا تھا۔

ہمارے ایک سال بعد میرے والد نے ایمریس پارک میں مکان خرید کر لیا۔ ایمریس پارک لاہور کے ایک خوبصورت علاقہ ہے۔

مگر سے ملحق تھا۔ شاہو کی مرضی جانے کے لیے ہم محمد عمر سے اس سڑک پر پہنچنے سے آج کل علاج اقبل روڈ کئے ہیں۔

ایک روز میں نے دیکھا کہ علامہ اقبال روڈ کی ایک دوکان پر ڈاکٹر مسعود بیٹھے ہیں۔ ظاہر تھا کہ انہوں نے کئی چھوڑ کر سڑک پر اپنا عمل بنالیا تھا۔

ایک روز جب وہ فارغ بیٹھے تھے تو میں ان کے پاس جا بیٹھا۔

میں نے کہا: "ڈاکٹر صاحب یہ ہومیو پتی کیا طریق علاج ہے۔"

کئے گئے، یہ ایک فریڈن طریق علاج ہے۔ جو ہمارے ملک میں اور ہمارے مزاج کے لیے بہت موزوں ہے۔

میں نے کہا: جب آپ گوانڈی کی ایک کھلی میں پرکیش کرتے تھے تو میں نے مجھے ملک سے پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ درویشانہ طریق علاج ہے۔

ہاں، وہ بولے: یہ سچ ہے اس طریق علاج کا مسودہ ایک درویشانہ تھا۔ اس طریق علاج کے اصول ایسے ہیں جو صرف ایک درویش کو سوجھ سکتے تھے۔

میں نے کہا: آپ میں تو اتنی انکساری ہے، مگر یہ کیا اس طریق علاج کی دین ہے۔ وہ بٹنے کئے گئے، گوئی بھی طریق علاج ہو۔ معالج میں مجزو انکساری نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔

بات نہیں بنتی کا مطلب، میں نے پوچھا۔ کئے گئے، معالج شفا بخشا ہے۔ اگر اس میں مجزو انکساری نہ ہو تو وہ خدا بن جاتا ہے۔

ڈاکٹر مسعود سے دو ایک ملاقاتیں ہوئیں اس کے باوجود مجھ میں ہومیو پتی کو جاننے کی خواہش پیدا نہ ہوئی۔ اگر اس روز کوئی شخص مجھ سے کہتا کہ ایک دن ایسا آئے گا جب تو ہومیو پتی کا بہت بڑا پارک ہو گا تو میں قہقہہ مار کر ہنس دیتا۔

چند ایک سال بعد وہ دن آیا جب گورے ڈاکٹروں نے مجھے ہر ملاکہ دیا تھا کہ تمہاری بیوی کا اندر گل کھلی ہے اور وہ چند روز کی مہمان ہے اور میں اتفاقاً اور حیرانہ کے ڈاکٹر محمود کے پاس تھا

گیا اور محمود کی ایک بیوی نے میری بیوی کو صحت عطا کر دی تھی۔ اس وقت مجھے علم نہ تھا کہ محمود

الٹی چرخ

ایسے ہی تقسیم کے بعد اشفاق حسین ہومیو ڈاکٹر محمود کے سامنے سائل کی حیثیت سے ایستادہ تھا۔ یہ لاہور کی بات ہے۔

بیٹہ جانو، محمود نے اشفاق حسین کو حکم دیا تھا اور اشفاق حسین بیٹہ گیا تھا۔

وہ آٹھ دن محمود کے عمل کی بچ پر بیٹھا رہا تھا۔

روز محمود مریضوں کو دیکھا، انہیں دو انیکل دتا اور جب عمل کے بند ہونے کا وقت ہوتا تو وہ اشفاق حسین سے کہتا: اب تم جانو۔ کل آئے۔

آٹھ دن اشفاق حسین محمود کی حاضری دیتا رہا۔

اشفاق حسین ایسے سلوک کا باری نہیں تھا۔ لیکن وہاں بیٹھے پر مجبور تھا۔

اس کی سرپٹ چال بچین لی گئی تھی۔ اسے پیدل کر دیا گیا تھا۔ اس کی طبی جرأت منظور ہو چکی تھی۔ اس کی جگہ انڈیشن اور خوف نے اس کی شخصیت کو بکڑ لیا تھا۔ اشفاق حسین میرا

لنگوٹیہ پار ہے۔

ایلو بیٹھی نے اشفاق حسین کو بولب دے دیا تھا۔ ان کے پاس اشفاق حسین کے لیے کوئی دوا نہ تھی۔

اشفاق حسین ایلو بیٹھی کا دلدادہ تھا۔ اس نے اپنے گھر میں ایک ڈپٹری بنا رکھی تھی۔

اشفاق حسین نے اس تبدیلی کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ میں میں جوں گے ایکسپلر پر پاؤں رکھ کر جوں گے بریک کی ایلی کی تھی۔ اسی اسیر پر وہ محمود کے عمل میں آٹھ روز بیٹھا رہا تھا۔

نودیس دن جب محمود عمل بند کرنے لگا تو اس نے اشفاق حسین کو پاس بلایا، پھر سامنے پڑی ہوئی شیشیوں سے ایک شیشی نکالی۔ ایک خوراک بنائی۔ بولا: مکھن۔ اشفاق نے منہ کھولا۔

محمود نے دوا اس کے منہ میں ڈال دی۔ بولا: جا بیٹہ جا، آدھ مکھن اسی بچ پر بیٹھا رہ۔ جو جو کچھ تو محسوس کرے مجھے بتاتا جا سکے۔ میں تجھے انڈر آپزرویشن رکھوں گا۔

آدھ مکھن اشفاق حسین وہاں بیٹھا رہا۔

Oneurdu.com
 ایک جنون طاری ہے۔ ہم انہیں سمجھا سمجھا کر تنگ کئے ہیں مگر وہیں پر اثر ہی نہیں ہوتا۔

ایک روز میں نے زیدی سے کہا: ڈاکٹر صاحب اگر کوئی مریض پیالے میں دہلی ڈال کر اس میں سے چنی اٹھالے تو۔

تو کیا وہ پولا اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔ ہمارا کام حالت دہلی ہی تو ہے۔ چاہے کوئی دے دے یا چنی اٹھالے کیا فرق پڑتا ہے۔

زیدی کا خدمت خلق کا جذبہ دیکھ کر مجھے اس سے لگاؤ پیدا ہو گیا اور میں انکو اس کے پاس بایستہ۔

بھر میں نے دیکھا کہ فوجی افسر اس کے پاس آتے تھے۔ سلطنت مار کر کتنے جناب ہمیں سی ایم ایچ سے جا بٹ موصول ہوئی ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضری دیں۔

سی ایم ایچ سے دو تیاروں کے مریض آیا کرتے تھے۔ ایک تو پتھری کے اور دوسرے لاروا کے۔

میں نے ایک دن پوچھا: زیدی جی سی ایم ایچ سے مریض آپ کی طرف کیوں بھیجے جاتے ہیں۔

کتنے لگا: اس لیے کہ دو امراض کا حقیقی علاج ہمارے پاس موجود ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی وہ دل اور گردے کے مریض بھی دیکھ کر کیا کریں گے۔

ابتدائی ایام میں جب میں زیدی سے ملتا تھا تو اس کی ٹانگ پر ایک ہاتھ کی تیلی لپٹی ہوئی نظر آتی تھی۔

میں نے پوچھا: یہ کیا چیز ہے۔

پولا: ٹانگ سے ایک کیرا نکل رہا ہے اسے لاروا کہتے ہیں۔ اسے میں ہاتھ کی تیلی پر لپٹا دیتا ہوں۔ روز کو تھوڑا بچ لگتا ہے۔ اگر یہ سارا نکل آیا تو پھر اس مرض کی آکسیر دوا دیں جائے گی۔

اور اگر ٹوٹ گیا تو میں سے پوچھ لیا۔

ٹوٹ گیا تو اپنی رخصتی ہو جائے گی۔ یہ مرض منگ ہے۔

پھر تو یہ پراسیسس معطل ہے۔

آدھ گھنٹہ محمود اس پر لکھیں بنائے بیٹا رہا۔

کیا ہوا؟ محمود نے آدھے گھنٹے کے بعد پوچھا۔

اشفاق حسین نے سرنگی میں بلا دیا پولا: کچھ بھی نہیں ہوا۔

کچھ بھی نہیں ہوا؟ محمود حیرت سے منہ میں گرہ لے چکا تھا۔ گٹ آؤٹ۔ تمہارے اندر کوئی ایڑی چنی گئی ہوئی ہے جو دووا کا کام کرنے نہیں دیتی۔ دووا کو بے اثر کر دیتی ہے۔ چاند بھر یہاں سے تھک ہمارا وقت ضائع نہ کرنا۔

اشفاق حسین: محمود اور ہومیو پتھی کو کانٹا نہیں دیتا ہوا مگر آجیلا۔

اس وقت اسے علم نہ تھا کہ ایک روز وہ اپنے ہومیو پتھی میں بیٹھا ہو گا۔ اور اس کے گرد مریضوں کی بڑی گئی ہوگی۔ اسے یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ لوگوں میں شفا پانے کا، نہیں خود شفا سے محروم رہے گا۔ اور اس کے اندر بھی ہوئی چنی جوں کی توں اٹنی چلتی رہے گی جو دووا کو اندر جاتے نہیں دے گی۔

ہومیو پتھی سے باغی ہو کر اشفاق حسین واپس ایلا پتھی میں چلا گیا۔ ایلا پتھی کے مطلق اس کا علم اور تجربہ وسیع تھا: جوانی میں ہی اس نے ایمن ایڈوائس گھر میں ایک انجمنی ڈپنٹری کھول رکھی تھی۔ لکڑوں میں کسی کو تکلیف ہوئی تو وہ اشفاق حسین کی ڈپنٹری میں آ جاتا۔ وہاں دوا سنت ملتی تھی۔

زیدی

پھر جب ہم کرشن نگر کے لولی لان میں مقیم تھے تو اتفاقاً زیدی سے ملاقات ہو گئی۔ زیدی ایک ہومیو پتھ تھا۔ اس نے گھر میں ہی مکمل کھول رکھا تھا۔

زیدی بہت بڑا تھا۔ کسی کام کاغ کے قتل نہ تھا۔ ہاتھ کا پتہ نہ تھا۔ آنکھوں میں پٹائی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اور گرد ایک دھندلا سا چھپلا رہتا تھا۔ اسے پیرہے کمانے سے دلچسپی نہ تھی۔ اس نے میز پر ایک پیالہ رکھا ہوا جس میں ہر مریض دو آدھے ڈال دیتا تھا۔ اس کے گھروالے زیدی کے اس فعل پر بہت برہم تھے۔ کہتے تھے: وہ بڑا صاحب نے یہ کیا میلہ لگا رکھا ہے۔ سارا دن مریض کھڑے کچے رہتے ہیں۔ پڑیاں ہاتھ سے رچتے ہیں۔ آمدنی نہ ہونے کے برابر ہے۔

© 2014 Oneurdu.com

وہ چٹا ہوا، میں ہم نے تو اب جانا ہی ہے۔ آج نہیں تو کل۔ سمجھ لو ہم لڑکیاں۔ عذرا مہربان
 چٹے ہیں انتظار کر رہے ہیں کہ کب گاڑی آئے۔
 کہنے لگا آپ خود آکر رپورٹ کریں گے۔ -

meern

پوالہ سسٹم روحانی سسٹم معلوم ہوتا ہے۔

آپ کس بنا پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔

© Oneurdu.com

ہو میو شمشکی کے اس الجاز کو دیکھ کر بھی مجھے ہو میو شمشکی کو جاننے کی خواہش

meern neurd.com

زندگی میں میں نے ہومیو پتھی کے پوسے پوسے مجھے دیکھے تھے، لیکن اس سسٹر کو جاننے کی خواہش پیدا نہ ہوئی تھی، لیکن اس چھوٹی سی بات نے میرے دل میں ہومیو پتھی کو جاننے کا جنون پیدا کر دیا۔ جن دنوں میں ہومیو پتھی پڑھ رہا تھا، اشفاق حسین کراچی سے اسلام آباد آیا۔ اشفاق حسین میرا پرانا یار تھا۔

اپنا اپنا محلہ

اگرچہ ہم دونوں اکٹھے نہیں رہے تھے، لیکن اشفاق حسین سے میرا رابطہ نہیں ٹوٹا تھا۔ جب میں نیا نیا پنڈی آیا تھا تو اشفاق حسین کیسٹ پور کے کورسٹ کالج میں پیکچر تھا اس کی طبیعت میں وہی رعینہ تھی، وہی ایڈیٹر تھا، وہی باتوں کی پہلوئیاں تھیں اور وہی موسیقی کی نگہیں ان کے علاوہ وہ سپورٹس میں بن چکا تھا۔ کالج میں ٹینس کا بہترین کھلاڑی تھا۔ مگر میں

اشفاق حسین ایمن آباد کے شیون میں سے ہے۔ تقسیم کے بعد سارے شیخ کراچی چلے گئے تھے اور انہوں نے چند ایک سال میں کراچی کا آٹوموبائل سے متعلقہ بزنس اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا اور وہ سب کچھ جیتی ہو گئے تھے۔

اشفاق حسین کو روپیہ جوڑنے سے نہیں بلکہ خرچ کرنے سے دلچسپی تھی اور جسے روپیہ جوڑنے سے دلچسپی نہ ہو وہ بزنس میں نہیں بن سکتا۔

غالباً وہ کراچی اس لیے چلا گیا کہ وہ پروفیسری میں مغلیہ ٹھانڈے سے نہیں رہ سکتا تھا اور مغلیہ ٹھانڈے سے زندگی بسر کرنا اس کی واحد آرزو تھی۔

بہر حال بزنس میں اس نے کئی پاپے پیلے روپیہ بھی کمایا۔ مگر اس کام میں اس کا جی نہ لگا۔ پھر اسے چھوٹا بخار رہنے لگا۔ آٹھ دس ماہ اس نے کراچی کے تمام سپیشلسٹ چھان مارے،

meern

میں نے کہا 'ہتھیار ڈال دینا تو ہر حلیم کر لیا ہے۔
 بالکل 'قدرت بولا' عام باتوں میں ہتھیار ڈال دینا کثرت ہوتی ہے لیکن کثرت کے ساتھ ساتھ
 میں ہتھیار ڈالنا فتح ہوتی ہے۔ ہتھیار ڈال دو اور جیت پاؤ، سبھی ہو چلا۔

قدرت اللہ کا یہی فلسفہ تھا جس پر وہ زندگی بھر محال رہا کہ ہتھیار ڈال دو۔ بچے دل سے
 ہتھیار ڈال دو۔ ہار چلا بچے دل سے ہار چلا۔ کوئی بحث کرے تو بولا "بحث نہ کرو" بات نہ بڑھاؤ۔

اس کی بات مان لو۔ کوئی الزام دھرے تو اسے حلیم کر لو اپنی پوزیشن صاف نہ کرو۔ مان جائے
 میں ہراساں ہے اور کچھ جیت کا دوسرا نام ہے قدرت اللہ کہتا تھا "دوسروں کو کچھ پہنچاؤ گے تو"
 آپ خود بخود سبھی ہو چلا۔ مفت میں۔

شدت

اس روز میں اشفاق احمد کے گھر میں بیٹھا تھا۔ اشفاق نے کہا "بچے ایک چیز سنائیں۔
 میں نے کہا کیسی ہے۔
 بولا "سن لے پتہ چل جائے گا۔"

اشفاق نے ریڈیو پر ایک کیسٹ لگا دیا۔
 کوئی غصہ بول رہا تھا ارے "یہ کون بول رہا ہے۔ کیسے بول رہا ہے۔ مدھم۔ بیٹھا کیا
 لے ہے۔ کیا انداز ہے۔ بات کتن سے سیدھی دل میں اتر رہی ہے۔

کون ہے یہ "میں نے پاؤ سے پوچھا۔
 بولی "رجنیش۔"

کون رجنیش۔ وہ جو امریکہ میں پڑھتا بیٹھا ہے۔ امریکی دھڑ دھڑا اس کے مرید بن رہے
 ہیں۔

دسی "اشفاق بولا۔
 کیا وہ جو قری بیس کا قاتل ہے۔

ہاں دسی۔
 نہیں میں نہیں جانتا۔ جیسی مغفرت میں اتنی مٹھاس اتنا آڑ۔ رجنیش کے اس ٹاک کا

موضوع شدت تھا۔
 میں وہ کیسٹ سن رہا تھا ہار ہار ہار ہار ہار اور میں نے زندگی میں پہلی بار جانتا کہ شدت

قیہری عمل میں ہے۔
 پھر مجھ پر رجنیش کے کیسٹ حاصل کرنے کا جنون طاری ہو گیا۔ اشفاق احمد نے اس سلسلے

قدرت کا فلسفہ نہ اشفاق حسین اپنا سکا تھا نہ میں۔ اشفاق حسین کے راستے میں میں مائل
 تھی۔ میرے راستے میں میری طبیعت شدت۔

بچپن سے ہی میں شدت کا مارا ہوا تھا۔ میری طبیعت شدت سے سبھی غلاں تھے۔ پاؤ "اشفاق
 احمد" کسی "میری بیوی" قدرت۔ اگرچہ قدرت نے کبھی اس کا شمار نہیں کیا تھا "لیکن بات کہہ
 چھپی راتی ہے۔"

قدرت نے میرے حلقے جو پستلا جملہ کھسا تھا اس میں ہی بات کھل گئی تھی۔ اس نے کہا تھا
 ممتاز ملتی کی دوستی ایک پھوڑا ہے جس کی ٹیٹوں میں لذت ہے۔

اس جملے کے مفہوم کو میں پورے طور پر نہیں سمجھا تھا۔ آج تک نہیں سمجھا پایا۔
 اللہ زندگی بھر میں شدت کو ایک وصف کہتا رہا میں سمجھتا تھا کہ اگر جذبہ شدت ہے تو

شدت ایک خوبی ہے۔
 ساری زندگی میں شدت کو انعام کہتا رہا "ملاؤ کہ دو ایک بار قدرت نے برسمیل تیار کیا۔"

شدت کی خدمت کی تھی۔
 ایک بار جب میں غفور صاحب کے جذبہ کے گمن کا رہا تھا تو قدرت نے کہا تھا "لو لو لو"

ان میں توازن نہیں۔
 UnupPhoto.com

اشفاق احمد کی عادت ہے کہ وہ ایسی چیزیں سنبھال کر رکھتا ہے جو دوسروں کو حیران کر دیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ ایسی باتیں یا چیزیں عام کر دی جائیں۔ اس کے برعکس میری یہ عادت ہے کہ کوئی ایسی نئی چیز یا بات مجھے مل جائے تو میں ڈھنڈورا پیٹ دیتا ہوں 'کو' 'آجہ' یہ دیکھو یہ کیا ہے۔ ہر معاملہ میں نے بڑی مشکل سے رنجش کے چند ایک کیسٹ حاصل کر لیے اور انہیں سننے لگا 'سنائے لگا۔

جب کبھی میں کیسٹ سن رہا ہوتا اور قدرت اللہ آجہا تو رنجش کو سن کر اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر چھا جاتا تھا۔

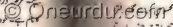
بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس قدر محاسن بھری آواز 'مہم انداز اور دل میں اتر جانے والے بول۔ پھر ناگواری کیوں۔

ایک دن میں نے قدرت سے کہا۔ رنجش نے مجھے اتنی بڑے حقیقت کا احساس دلایا ہے کہ شدت قہری چیز نہیں ہے۔

ہاں 'وہ بولا' ساتھ ہی اس نے آپ کے جذبے میں مزید شدت پیدا کر دی ہے۔

چھوٹا اور بڑی

چھوٹا



السرور کے ساتھ میں کھلے لے گا۔ چھوٹے شرف کے درمیان ایسے ہوم محمدیہ کے ساتھ اس کا برکتو یا تو جی حضور ہوا
کے چڑھائیوں کو سلام کرنا اس کی پرانی عادت ہے۔ اگر کے ساتھ اس کا برکتو یا تو جی حضور ہوا
ہے اور یا کچھ کچھ۔ ممانہ روی سے محروم ہے۔ جی حضور ہوا ہو تو سراسر جی صاحب! جناب عالی!!
لیں سر!!!

نئے اچھا سمجھ لے پھر اس کی ہر بات میں اچھا نظر آتی ہے۔ وقت یہ ہے کہ شے ہر اچھے
اس میں بھی اچھائیاں نظر آتی ہیں۔ پھر اسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ شے میں اچھا نہیں سمجھتا
اس میں اچھائیاں کیوں نظر آتی ہیں؟

شدت

ممتاز متقی میں شدت ہے۔ اس شدت کا قوم کچھ زیادہ ہی گاڑا ہے۔ ایک عالم کسی حکیم
صاحب کی دکان پر گئے۔ پوچھا آپ کے پاس ”شعیر“ ہے؟ حکیم نے جواب دیا ”جناب! شعیر تو
ہے پر اتنا گاڑا نہیں۔ ممتاز متقی کی شدت شمیم والی شدت نہیں“ شے والی شدت ہے۔
زندگی بھر وہ شدت کو وصف سمجھتا رہا۔ اس پر باز کرتا رہا۔ لھٹے غصے کرداروں سے الگ
رہا۔ سمجھتا رہا کہ جس میں شدت ہے ”اس میں غلطی ہے“ سچائی ہے۔ اناسی سال کا ہوا تو پہلی
بار اس نے جانا کہ شدت وصف نہیں ”صیب ہے“ رکوت ہے اور لھٹے غصے لوگوں کے دم
کرم سے زندگی ہری بھری ہے۔ یہ بات پہلے اس نے رنجش کے منہ سے سنی ”جو جنسی آزادی
کا پر ہمارک ہے اور اسی وجہ سے رسوائے زنانہ ہے۔ رنجش کی زبان میں مطلقاً جی“ بڑھتا
تازہ قد۔ ممتاز متقی نے رنجش کی بات سنی ”جان لی۔ دل سے سن لی“ لیکن اسے ملامت

عصر دراز ہوا کہ اس نے جان لیا تھا کہ غصہ در حقیقت دوسرے کی غلطی پر خود کو سزا دینے
کا نام ہے۔ خود کو چائی میں ڈال کر بلوٹنے کا عمل ہے۔ جان لینے کے باوجود ”جان لینے کے باوجود وہ
آج تک خود کو چائی میں ڈال کر بلوٹنے پر مجبور ہے۔

اس کے غصے کے کراؤف منفرد ہیں۔ مثلاً آپ نے اسے کچھ کہہ دیا۔ جواب میں وہ جی ہاں
جی ہاں کرتا رہا۔ مگر کراؤف بیٹھے بٹھائے اسے خیال آیا کہ آپ نے تو یہ کہا تھا ”میں آپ نے یہ
کہہ کر اس کی توہین کی تھی۔ جواب میں اسے جی ہاں نہ کہنا چاہیے تھا۔ دماغ اسے غصہ آ
جائے گا“ فون سر کی جانب پورش کر کے گا کہنیاں بیٹھے گئیں گی ”ذہن میں آگ لگ جائے گی“
ذہنی دھچکا مشقی شروع ہو جائے گی۔

اسے کبھی موقع پر دوبارہ غصہ نہیں آیا۔ لہذا تو ”تو“ میں میں ”نہیں“ ہوئی ”بھلا پائی کی فورت
نہیں آئی۔ اس کا غصہ کمزور اور دیر پرک آوی کا غصہ ہے“ بے بسی کا اظہار ہے۔ ہاں اگر ذہنی
دھچکا مشقی کے فوراً بعد آپ سامنے آ جائیں تو دوبارہ اظہار ہو جائے گا۔ شرک سے غصے کی برکت
کمل جائے گی۔

عورت

عورت کے متعلق ممتاز متقی کا رویہ کٹ مٹا ہے۔ جسے انگریزی میں لوبیت ریلیشن شپ
Love Hate کہتے ہیں۔ متقی میں ایک ریڈار حس کا ریمور لگا ہوا ہے۔ قرب و جوار میں کوئی
عورت آجائے تو وہ نگ نگ کرنا شروع کر دیتا ہے اور اگر آنے والی باگی تار ہو تو ٹٹوں ٹٹوں
کر لے لے لے۔

ممتاز متقی کو ہر عورت سے عشق ہے ”بلا لحاظ رنگ اور خدو خصل۔ چنے سفید رنگ پر تو اس

Oneurdu.com

کیفیت سے محروم ہے۔ اس پر غائب ہے کہ وہ اپنے ذہن میں کسی خیال کے دی (مکمل) ہے۔ اگر کبھی اللہ "آئینہ دیکھ پائے تو اسے دھکا لگتا ہے۔ ارے میں یہ ہوں کیا؟ اس غیر معزز روئے کے قصاصات بھی ہیں جو براہ راست کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً چوراسی سال کی عمر کے بچہ کو گھر میں اسے ایسی پڑائیں حاصل تھیں جسے عقل رنگ کما جائے۔ گھر میں کوئی بھی اس سے خوش نہیں۔ بیوی بچاری بڑی دھکی ہے۔ میاں نے بھی اکیلے میں بیٹھ کر اس کی دکھ سکھ کی باتیں نہیں سنیں، ابھی اس کی شکایات پر دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ پڑوسن کی بے حیائی کی بات پر بھی کان نہیں دھرا۔

گھر میں کسی کو لوب سے "خصوصاً" اس کی تحریروں سے دلچسپی نہیں۔ بیوی کہتی ہے "میں خود بخود جھوٹی کہانیاں لکھ کر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہو؟ ایک انٹرویو میں کسی صحافی نے اس کی بیوی سے پوچھا "تپ کے میاں میں کوئی خوبی تو ہو گی جو آپکو پسند ہے۔ جواب میں پیغم نے کہا "کوئی ہو تو بتائیں گاؤں کی بے بی نہیں۔"

دراصل مفتی کو توجہ دینے کے لیے وقت نہیں ملتا اسے بہت کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ کچھ ہانڈی روٹی کے لیے، کچھ لوب کے لیے۔ جو وقت بچتا ہے وہ ہومیو پتی کھا جاتی ہے۔

اللہ میاں

اللہ میاں سے مفتی کے تعلقات ازلے پزلے رہے ہیں۔ بچپن میں وہ اللہ سے خوف زدہ رہا۔ کچھ تھا کہ اللہ نے ایک بھٹی کھا رہا تھا، کچھ میاں سوٹا پکڑ رکھا ہے اور جو بھی آتا ہے اسے سوٹا مار کر بھٹی میں ڈال دیتا ہے۔ کچھ کہہ کر وہ اللہ سے منکر ہو گیا، کچھ اللہ کی بے لوثی کرنے میں لذت حاصل کرنے لگا۔ جب وہ پچاس سال کا ہوا تو ایک بزرگ نے اس پر رقت طاری کر دی۔ چائیں کیا ہوا۔ اس کا رخ بدل گیا۔ اللہ والے "پت پات میں اللہ نظر آئے لگے۔ آج کل وہ حیرت میں ڈوبا ہوا ہے کہ اللہ اس پر اس قدر مہربان کیوں ہے؟ قدم قدم پر اس کی مدد کیوں کرتا ہے؟

فرقت کے وقت وہ اللہ کو پاس بٹھا کر اس سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ کلام کی باتیں نہیں، دوسرا دوسری گپ شپ: اللہ تجھے پتا ہے آج مجھے ایک لڑکی کا خدا ملا ہے۔ بڑی باگی لڑکی ہے۔ کسکتی ہے، جو تو اٹلی ہے تو میں بھی اٹلی ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ آج کل مفتی کی کتابوں میں اللہ

کیفیت سے محروم ہے۔ اس پر غائب ہے کہ وہ اپنے ذہن میں کسی خیال کے دی (مکمل) ہے۔ اگر کبھی اللہ "آئینہ دیکھ پائے تو اسے دھکا لگتا ہے۔ ارے میں یہ ہوں کیا؟ اس غیر معزز روئے کے قصاصات بھی ہیں جو براہ راست کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً چوراسی سال کی عمر کے بچہ کو گھر میں اسے ایسی پڑائیں حاصل تھیں جسے عقل رنگ کما جائے۔ گھر میں کوئی بھی اس سے خوش نہیں۔ بیوی بچاری بڑی دھکی ہے۔ میاں نے بھی اکیلے میں بیٹھ کر اس کی دکھ سکھ کی باتیں نہیں سنیں، ابھی اس کی شکایات پر دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ پڑوسن کی بے حیائی کی بات پر بھی کان نہیں دھرا۔

ممتاز مفتی اذلی طور پر اکیلا ہے۔ اکیلے وہ جسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو جان بوجھ کر الٹرا "انگ رہتا پسند کرتے ہیں۔ محفل لگ جائے تو وہ بے نہیں، تیرے رستے ہیں، وہ دوسرے وہ جو محفل سے گھبراتے ہیں، "کھڑے ہیں۔ اکیلے میں سالم محسوس کرتے ہیں، محفل میں دوسرے۔

اگر آپ ممتاز مفتی کو ایک کمرے میں بند کریں، جہاں اس کی ضروریات اسے ملتی رہیں تو بے شک چھ مہینے کے بعد آکر دروازہ کھولیں، ممتاز مفتی یوں ہشاش بشاش بیٹھا ہو گا جیسے ابھی ابھی روز گارڈن کی سیر کر کے آیا ہو۔

اس نے زندگی بھر باقاعدہ ورزش کی ہے نہ سیر کی ہے۔ پچھلے دنوں "واکنز" کہا آپ کو چاہیے کہ باقاعدگی سے ہر روز سیر کریں، ورنہ آپ تیار ہو جائیں گے۔ مفتی نے کہا "واکنز صاحب" سوچ لیجیے کیونکہ میں نے زندگی بھر سیر نہیں کی۔ "واکنز" کہا "شور سیر کریں۔ مفتی نے دس دن سیر کی۔ مگر وہ تیار نہ کیا۔ وہ مینے پڑا رہا۔ ٹانگوں میں درد آج تک نہیں گیا۔

مفتی مہمان نوازی سے بڑا اڑکھ ہے۔ ظاہر ہے کہ جو ڈرامہ کوئی آئے نہ جائے، وہ مہمان نوازی کیا کرے گا۔ وہ "واکنز" مہمان سے چاہے یا لٹا یا پھتا بھول جاتا ہے۔ مہمان رخصت ہو جائے تو اسے یاد آئے گا کہ لوہا چاہے کا تو پوچھا نہیں۔ لوگ انتظار کرتے ہیں کہ مہمان آئے تو کھانا کھائیں۔ مفتی انتظار کرتا ہے کہ کب مہمان جائے تو کھانا کھائے۔

مفتی نے عمر بھر کوٹھن کی ہے کہ اس کا بڑا خیال ہے جو معزز لوگوں کا ہوتا ہے۔ مگر میں اس نے بھی خود کو بیٹھ آف جلی نہیں کھاتا، اسی وجہ سے اس کی تحریروں میں شوق ہے، بے تکلفی ہے، پچھلے ہے۔ اس نے بھی خود سے خود کو اپنے میں نہیں دیکھ جیسا آئینہ سامنے رکھے

کیوں خود لٹائی کر رہا ہے؟ محفل میں کوئی بات کروں تو کہتا ہے: کیوں نہ لٹائی جائیں کرتا ہے؟
کھانے کو ناپسند کروں تو چلاتا ہے: شکرانہ شکرانہ! اس کچیڑی مسلسل کتہ چینی کی وجہ سے مفتی
اپنی تحریروں میں جھوٹ میں بول سکتا مجبوری ہے۔

محبت

مفتی مفتی نے بڑی محبت کی ہیں لیکن بڑی دیر کے بعد اسے حقیقت کا شعور ہوا کہ
دراصل اسے محبت کرنے کے عمل یا کیفیت سے محبت تھی محبوب سے نہیں۔ "بیتے دیہیں
تصور جانیں کیے ہوئے" کی کیفیت سے محبت تھی محبوب کی اہمیت تو تھی لیکن محض۔

اس کے محبوب میں چند اوصاف کا ہونا لازم ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ رنگ گورا ہو۔
خود غل اہم نہیں۔ عمر رسیدہ ہو۔ خیال ہو۔ نور سب سے اہم بات یہ کہ محبوب میں ہر بات کی
واضح تفہیم یا دھونس موجود ہو۔ کسی کسی نیک یا بدکار خاندان سے محبت نہیں لگا سکتا۔ آج کل
کی لڑکیاں اسے انجیل نہیں کرتیں۔ کہتا ہے: محبت لگانا ایک فن ہے۔ یہ کھلی مٹھی پکی لڑکیاں
بھلا کیا جانیں کہ محبت کیا ہے؟

مفتی کے نزدیک محبوب میں مٹا کا ہونا ضروری ہے۔ مٹا بھرے لگاؤ کے ساتھ بے وفائی کی
دھونس کا ہونا بھی لازم ہے۔ اسے طوائف قسم کی عورت سے بڑی دلچسپی ہے۔ آپ نے دیکھا
ہو گا کہ اس کی کمائیوں میں طوائف کا بیادناڑہ ہوتا ہے۔

مفتی کا کہنا ہے کہ محبت میں چار مرحلوں سے گزرنا ضروری ہے: "ورنہ آپ کے کردار کی
تحقیل میں ہو گی۔"

۱۔ کسی سے ٹوٹ کر محبت کرنا۔

۲۔ کاپیالی ایسی کہ محبوب دل و جان سے جھینس لیتا ہے۔ تخت پر بٹھا کر مود چل کرے۔

۳۔ پھر تار مار کر تخت کے نیچے گر ادے تحلیل کرے۔

۴۔ اور آخر میں آپ محبوب سے بے نیاز ہو جائیں۔ دم مند ہوا جائے "یوں جیسے کبھی لگا

ی نہ تھا۔

مفتی کے نزدیک کردار کی تحلیل کے لیے ان چاروں کیفیتوں سے گزرنا ضروری ہے۔

زبردستی آگھستا ہے۔ مفتی میں عقیدے کا فقدان ہے، عقیدت کی بھرمار ہے!

اللہ نہ کرے کہ مفتی کو آپ سے عقیدت ہو۔ ہو جائے تو آپ زنج ہو کر رہ جائیں گے۔

مفتی کو شکرگزاری کی بیماری لاحق ہے۔ قدرت اللہ شباب کو عمر بھر یہ شکایت رہی کہ وہ مفتی کی
عقیدت کا شمار ہے اور اس لیے مظلوم ہے۔

مفتی کو ویسے ہونے پر فخر نہیں ہے بلکہ مسذرت ہے۔ اس نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ ادیب
بنے۔ اتفاق سے بن گیا۔ تلی لگی۔ پھر تلی کا ایسا چکا پڑا کہ آج تک لکھنے پر مجبور ہے۔

ادب

مفتی کو اردو نہیں آتی۔ اس نے کبھی اردو ادب کا مطالعہ نہیں کیا۔ جب اس نے لکھنا
شروع کیا تو اہل زبان بڑے ناراض ہوئے۔ انہوں نے شور مچا دیا: مفتی کو زبان نہیں آتی! بند
کر دیا! لکھنا بند کر دیا۔ وہ جھجکتے تھے۔ واقعی مفتی کو زبان نہیں آتی تھی۔ وہ کہتے رہے۔ مفتی لکھتا
رہا۔ اس نے لکھ لکھ کر اپنی زبان خود وضع کر لی۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مفتی کے لکھنے کا انداز
منفرد ہے تو اسے یقین نہیں آتا کیوں کہ اب بھی اسے زبان نہیں آتی۔

مفتی نے لکھ کر ادب پر کوئی احسان نہیں کیا نہ ہی خدمت کی ہے۔ انادب نے مفتی پر
احسان کیا ہے کہ اسے اہمیت عطا کر دی۔ زندگی بے مصرف نہیں رہی۔ وہ سوچنے والے ادب کو
نہیں مانا۔ کہتا ہے: ادب ہنر ہے، سوچ نہیں۔ ادب کا مقصد انسان میں مثبت تبدیلی لگانا
ہے۔ ہمدردیاں پیدا کرنا ہے۔ سوچ کو ہنر میں بھگو کر پیش کرنا ہے "اگر تحریر میں تاثر نہیں"
اگر وہ قاری میں ہنر کی بھیک نہیں پیمیں کرتی تو بے کار ہے۔

کچیڑی

مفتی کا بیان ہے کہ اللہ نے مجھ میں ایک کچیڑی لگا رکھا ہے۔ چائیں "اسے اللہ کی دین
کچھوں یا عذاب؟ اس کچیڑی نے میری زندگی حرام کر رکھی ہے۔ یہ کچیڑی میری ہر بات پر اپنے
کو منہ دیتا رہتا ہے۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ مجھے بتا دیتے ہیں تو وہ جھج کر کہے گا:
کیوں جھوٹ بول رہا ہے؟ اگر میں کہوں کہ میں نے آپ کی اپنی کھلی کھلی ہے تو وہ بولے گا:

میں نے کہا: آج کل ہر جوان لڑکی کو ڈیڑھ پلٹن کے دورے پڑتے ہیں۔ جن کے حالات ناماز گاہ ہیں انہیں بھی۔ جن کے حالات سازگار ہیں۔ انہیں بھی ایسا کیا ہے۔
 کہنے لگی: ہاں۔ یہ سچ ہے، لیکن ایسا کیا ہے؟ مجھے معلوم نہیں، جب وہ جانے لگی تو میں نے پریسٹیل بتا کر پوچھا: وہ صحیحی راسخ نہیں آئی۔ کیا نام ہے اس کا؟
 مسیحہ، وہ بولی: وہ شہزادی ہے۔ سن کی موزن ہے۔ پھر موزا انگلی دکا کر لے گیا، پہلی مٹی۔
 یہ سن کر میری دل میں اب گہری گنگائی۔ مسیحہ کے خلاف۔

دوا میں دعا

کچھ دنوں کے بعد مسیحہ آگئی۔ کہنے لگی: میری ماں آئی ہوئی ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔
 تیار ہے کیا؟ میں نے پوچھا۔
 نہیں تو وہ بولی۔
 پھر مجھ سے ملنا کیا چاہتی ہے۔
 بولی: مجھے معلوم نہیں۔ اہل کشتی حسی ان سے وقت لے کر۔
 میں ہنس پڑا۔ میں نے کہا: لڑکی میں کیا ہے؟ میں کا اپنی کشتیوں کے لئے کے لیے وقت لینا پڑتا ہے۔

وہ بڑی سنجیدگی سے بولی: اہل کشتی سے ملنا چاہتی ہے۔

ان دنوں میرے پاس لڑکیاں اور خواتین اکثر آیا کرتی تھیں مجھے پتہ چل گیا تھا کہ موزی نسبت عورت زیادہ تیار پڑتی ہے۔ موزی تیار ہو جائے تو وہ بے کار ہو کر پڑ جاتا ہے۔ عورت تیار ہونے کے باوجود کام میں لگتی رہتی ہے۔ قدرت نے اسے درگاہ صحت عطا کر رکھی ہے۔ وہ تیار کے ساتھ جینے کی ہمت رکھتی ہے۔

لیکن یہ ایسے میں لئے کی بات میری سمجھ میں نہ آئی۔

میں نے کہا: آپ کہیں راسخ ہیں۔

بولی: آپ پھر کے ایک کواڑ میں۔ اس نے پورا پتہ دے دیا۔

محبت میں ممتاز مفتی بہت کینہ ہے۔ فراخ دل نہیں۔ اس کی محبت میں ملکیت کا جذبہ شامل ہوتا ہے۔ اپنی لانا کی وجہ سے وہ خواہی اور پردگی کے عمل سے محروم ہے، اس لیے وہ شک و شبہ کا شکار رہتا ہے۔ محبوب کے غیب کے بارگشا رہتا ہے۔ شاید محبت کرنے سے اس کا مقصد یہی ہو کہ محبوب کے غیب کے حوض سے ہونے کا مجھے دل پر چوٹ لگتی رہے۔

سیانے کہتے ہیں کہ درد حد سے بڑھ جائے تو لذت پیدا ہو جاتی ہے۔ شاید مفتی شک و شبہات اس لیے پاتا ہے کہ درد کی لذت حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

مفتی کو تقاضے شدید غفلت ہے سینٹ اسمرٹھ Self Assertive خود پسند لوگوں سے وہ الگ ہے۔ اپنے لوگوں سے حتی الوسع دور رہتا ہے۔ کتا پتہ اتے اپنے نہ ہو کہ دوسرے کیلئے نظر آئیں۔ اپنا گھونسل لٹاؤ نہ پھانساؤ کہ دوسرے بالمشیت نظر آئیں۔ مفتی کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر قدرت لفظ شباب نے ڈالا۔ اسے سنڑی سے تسلی ہوا اور حیرت کی بات ہے کہ تیس سال کی رفاقت میں قدرت اللہ نے اسے کبھی نصیحت نہیں کی۔ کبھی نہیں کہا کہ یہ مت کر۔

قدرت اللہ سے ملنے سے پہلے وہ کئی بولی رات تھا۔ اس سے ملنے کے بعد بھروسے بن گیا۔

بڑی

ان دنوں میں حادثہ مشہور کو ہومس دوائیں دیا کرتا تھا۔
 پریکٹس نہیں کرتا تھا۔ مفت دوا دیتا تھا اور جب دوا دیتا تو زیر لب کہتا: یا اللہ جس نے تو اپنا کام کر دیا اب تو جان اور تیرا کام۔

ایک روز دو لڑکیاں آئیں۔ ایک دہلی چلی۔ سائل: حق، دوسری بھرے جسم کی گوری۔
 دونوں ہی ڈیڑھ پلٹن کی ماری ہوئی تھیں۔ میں نے دوا دے دی اور وہ چلی گئیں۔

دس بارہ روز کے بعد چلی دہلی پھر آئی۔ وہ کالج میں بیگم رکھی تھی۔ میں نے اس سے کہا: مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا تو اس پر خوشی دل سکتی ہے۔

بولی: ہنس بات پر۔

میں نے کہا 'آپ کالج سے کب فارغ ہوتی ہیں۔
بولی میں کالج نہیں جانتی۔
بہر حال کوئی دفتر تو ہو گا۔
اس نے سرنگی میں ہلکا سا ہنسا۔ بولی میں بے کار ہوں۔
'اچھا' میں نے کہا 'میں آنکڑ آپ پارے جانا دیتا ہوں۔ آج یا کل آپ کے گھر آ جاؤں گا۔
اس روز میں نے غور سے صبیحہ کو دیکھا۔ وہ کم گو تھی۔ لوہڈ پر لٹر تھی۔ ٹھہری ہوئی تھی۔
بادشاہ تھی۔

رزق بند

آپ بارہ سے واپس آکر میں نے شاب کو فون کیا 'میں نے کہا 'ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہے۔
پوچھا 'کون ہے۔
میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ میں نے کہا 'آپ وقت دے دیں۔ میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔
'ہوا' اچھا کل بتاؤں گا۔

قدرت اللہ کی عجیب عادت تھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا تو وہ اس کے بارے میں فوری فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ بات کل پر ٹل دیتا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ بات دیکھ کر بغیر فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ پتہ نہیں دیکھ کر بات کرتا تھا۔

اگلے روز وہ خود میرے گھر آیا۔ کہنے لگا 'آپ فارغ ہیں تو میرے ساتھ چلیے۔ مجھے آپ پارے جانا ہے۔ کام ہے ایک۔ واپسی پر اس خاتون سے بھی مل لیں گے۔
میں نے کہا 'آپ کا وہاں مناسب نہیں ہے۔ میں اس خاتون کو میںیں لے آتا ہوں۔
'ہوا' میں وہیں مل لیں گے۔

ہم خاتون کے گھر پہنچے تو گھر والے حیران رہ گئے۔
شاب پٹیلی پر بیٹھ گیا۔ میں باہر نکل آیا۔ تاکہ خاتون اکیلے میں بات کر سکے۔
واپسی پر میں نے قدرت سے پوچھا کہ کیا کیس ہے۔

'ہوا' اس کی مٹی کتنی ہے رزق بند ہے۔ افریقہ میں کسی خاتون نے جادو کر دیا ہے۔ صبیحہ اہم اسے انکس ہے، لیکن ایک سال سے نوکری کی تلاش میں ماری ماری بھر رہی ہے۔ نوکری

میں نے کہا 'آپ کالج سے کب فارغ ہوتی ہیں۔
بولی میں کالج نہیں جانتی۔
بہر حال کوئی دفتر تو ہو گا۔
اس نے سرنگی میں ہلکا سا ہنسا۔ بولی میں بے کار ہوں۔
'اچھا' میں نے کہا 'میں آنکڑ آپ پارے جانا دیتا ہوں۔ آج یا کل آپ کے گھر آ جاؤں گا۔
اس روز میں نے غور سے صبیحہ کو دیکھا۔ وہ کم گو تھی۔ لوہڈ پر لٹر تھی۔ ٹھہری ہوئی تھی۔
بادشاہ تھی۔

وہ آپ پارے کے ایک چھوٹے سے قلیٹ میں رہتے تھے۔ کمرے میں کوئی مازو سلان نہ تھا۔ صرف ایک پٹیلی چھٹی ہوئی تھی۔ دوسرے کمرے میں چند برتن پڑے ہوئے تھے۔
گھر میں تین چار لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔
میں کشمیر تھی۔ بھیجی بھیجی سی۔ مٹا کے پیچھے اڑ رہے تھے۔ میں پٹیلی پر بیٹھ گیا۔ لڑکیاں دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

میں بولی 'مفتی جی ہمیں دعا کی ضرورت نہیں ہم تو دعا کی محتاج ہیں۔ ہمیں کسی صاحب دعا کا پتہ بتائیے کہ کہہ کر وہ رک لگی۔
پھر بولی 'خانا ہے شاب صاحب دعا ہیں اور وہ آپ کے دوست ہیں۔ مجھے ان کے پاس لے چلے میری سفارش کر دیجیے۔

یہ سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یہ کیا اکیلے میں کہنے کی بات تھی۔ میرے پاس تو بہت سے مسائل آیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں شاب صاحب سے ملو دیجیے۔

میں شاب کو فون کیا کہ آتا تھا کہ شاب صاحب اب تو آپ کی پرنکس میں لگی ہے۔ اب تو فیس لگا دیجیے چلیے آپ کو گورا میں ہے تو مجھے ہی اجازت دیجیے کہ میں لانے کی فیس وصول کر لیا کروں۔

UrduPhoto.com

اس پر شاب ہنسا۔
ایک دن میں نے یہی بات دہرائی تو صبیحہ جی سے بولا 'اگر واقعی آپ کو ضرورت ہے تو گا لچکے نہیں۔

UrduPhoto.com

نہیں مل رہی۔ تو دس پہلی نہیں ہیں۔ باپ بے تعلق ہوا بیٹھا ہے۔ گھر میں کمانے والی صرف مصیبت تھی۔

خدا حافظہ

آٹھ دس دن کے بعد مصیبت پھر آگئی۔ کسے غلی 'شباب' نے کہا تھا کوئی بات ہو تو ملحق صاحب کے ذریعے مجھے خبر کرنی۔

میں نے کہا پھر۔

بولی 'شباب' صاحب نے مجھے کچھ پڑھنے کو دیا تھا 'ملک' پر چلتی ہے۔ کیا میں بھی پڑھوں۔

میں نے کہا 'ملک' ہے میں پوچھ کر آتا ہوں گا۔

بولی ہم وہ فلیٹ چھوڑ رہے ہیں۔

کہاں؟ میں نے پوچھا۔

بولی 'انفوز' نہیں کر سکتے۔

پھر کہاں چلاوے۔

کسے غلی 'میں مندرجہ اعلیٰ جائے گی۔ وہاں ہمارا چھوٹا سا گھر ہے۔ اب ایک چھوٹی سی دکان ہے۔ میری چھوٹی بہن یونیورسٹی میں فورتحہ انٹرنیٹ کی طالبہ ہے۔ وہ مل میں اسے ایک کمرہ ملا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس جا رہوں گی۔ اگر وہاں مجھے رہنے کی اجازت مل گئی تو۔

ورنہ؟ میں نے پوچھا۔

ورنہ یہاں کسی لڑکیوں کے ہاٹل میں جگہ ڈھونڈوں گی۔

فلٹ کب چھوڑ رہی ہیں آپ۔

پرسوں 'وہ بولی 'شہم' تک۔

میں نے قدرت سے بات کی۔

اس نے کہا 'ہاں میں بھی پڑھوں۔' خبر کی کتاب کے بعد 'خاندانہ' ہو۔ انہیں یہ اطلاع آج ہی

دے دیں۔ میں اسی روز اطلاع دینے چلا گیا۔

جب میں واپس آ رہا تھا تو مصیبت نے فلٹ کے پردے سے جھانک کر کہا۔ خدا حافظہ۔

وہ خدا حافظہ گویا بندوبست کی گولی کی طرح میرے دل میں اتر گیا۔ ساری رات مجھ پر خدا حافظہ کی چاند ماری ہوتی رہی۔

اگلے دن میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کتاب کو 10 تو سطروں کے پردے سے جھانک کر کوئی کتنی خدا حافظہ۔ کتنے جیستا تو خیالات منتشر ہو جاتے۔ ایسے گنگا جیسے میں خدا ہوں اور مصیبت نے خود کو میری حفاظت میں دے دیا ہے۔

چاند ماری

دو ایک دن تو میں اس ذاتی کیفیت سے لڑتا رہا پھر ہتھیار ڈال دیے۔ میں نے اشفاق حسین کو فون کیا۔ میں نے کہا 'یار تو فارغ ہے کیا۔'

اس نے پوچھا 'کیا بات ہے۔'

میں نے کہا 'میں ایک لڑکی سے ملنا چاہتا ہوں۔'

بولی 'پھر۔'

میں نے کہا 'تو مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے چل۔'

بولی 'کہاں۔'

میں نے کہا 'یونیورسٹی میں۔'

یونیورسٹی میں پہنچ کر ہم نے آگیا لگایا۔ مصیبت کو تلاش کیا اور پھر وہیں یونیورسٹی کے علاقے میں ہم تینوں ایک چمچ کے کنارے جا بیٹھے۔ اور کمرے پالی پر کھڑیاں چلائے رہے۔

اشفاق حسین مصیبت سے باتیں کرتا رہا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔

مصیبت کے خدا وصال سوئے تھے۔ جسم بھاری تھا۔ وہ نسائی نخرے سے سرا سر غلی تھی۔ لٹاؤشی نہ تھی۔ توجہ طلبی نہ تھی۔

ترت بھرت نہ تھی۔ اس قدر بے جھجک بات کرتی تھی جیسے لڑکی نہیں بلکہ لڑکا ہو۔ اس کی شخصیت کی تمام تر مٹاس اس کے طبعی شعور اور بے نیازی کی وجہ سے تھی۔

ہم اس چمچ کے کنارے ایک ذریعہ محنت بیٹھے رہے۔ دواں ہوتے وقت اس نے خدا حافظہ کی ایک اور گولی ڈالی۔ جب ہم واپس آ رہے تھے تو اشفاق حسین کہنے لگا 'ابھی لڑکی ہے مگر بے

چند ہی دنوں میں مسجد کے گھروالوں کو رام کر لیا۔ وہ ان کے چہرہ پر خائے میں جا کر برتن
انچھ دیتی۔ کھوں کی مٹائی کر دیتی۔ بچوں کے ہوم ورک میں مدد کر دیتی۔

چند دنوں میں وہ اس گھر کی فردین تھی۔

اس کمرے میں مسجد صرف دو سینے رہی، پھر ایک مکان کا پورن مل میبل یہ پورن مکان
کے بالکل الگ تھا۔

کردار کے لحاظ سے بتانا میں چھوٹا تھا اتنی ہی وہ بڑی تھی۔

پہلے چند دنوں میں ہی اس نے بات کھول دی تھی۔

کتنے تھی۔ آپ میں اتنی شدت کیوں ہے۔

میں نے کہا، شدت نہیں غلوں سے۔

نہیں، اس نے جواب دیا، غلوں مدھم ہوتا ہے۔ کتنے تھی، پتہ نہیں کیوں مجھے ایسے لوگ
پہنچ نہیں، جن میں شدت ہو۔ مجھے لکھڑے تھے لوگ اچھے لگتے ہیں۔

پھر اس نے مجھے اپنی کھائی سنائی۔ کتنے تھی، میرا باپ ایک معمولی سی ملازمت کرتا تھا۔ پھر وہ
رنگار ہو گیا۔ اور اس نے ایک معمولی سی دکان کھول دی۔

تم تو بھائی بہن ہیں۔ گناہ سے میرے باپ کا بچہ پیدا کرنے کے علاوہ کوئی شغل نہ تھا۔

آنڈیل

بہر حال باپ میرا آنڈیل تھا اور میں اس کی خدمت میں تھی رہتی تھی۔ اس کے وارے
نیارے لیتی رہتی۔ بچپن سے جوانی تک میری عائش لڑکوں جیسی تھیں۔ لڑکوں کے کھیل کھاتی۔

درویشوں پر پڑھتی۔ چنگ اڑاتی۔ مجھے تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ میں نے دسویں پاس
کر لی تو باپ نے مجھے آگے پڑھانے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا، دکان کی آمدنی اتنی قلیل ہے کہ
مشکل سے پڑھائی روٹی چل سکتی ہے۔ اچھی تعلیم دینا میں کوشش کر سکتا۔

میں نے کہا، 'میرے میری نہیں دے دیجیے باقی اخراجات پارے کرنے کے لیے میں
نیوشن کرواؤں گی۔

باپ نے انکار کر دیا۔

میں نے کہا، شاپ صاحب دعا کریں کہ میں فارغ ہو جاؤں۔

پار اور جیت

اسی شام میں قدرت اللہ کے گھر چلا گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس سے ساری بات کروں اور
کہوں کہ مجھے اس تجربے سے رہائی دلا دے۔

قدرت نے چھوٹے ہی مجھ سے پوچھا، اس لڑکی کا ٹیلی فون آیا تھا کیا۔

نہیں، میں نے سر ہٹ کر کہا۔

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا، 'دیکھئے، اس میں دو دن کا بھلا ہے۔ آپ کا بھی۔ اس لڑکی کا
بھی۔ آپ اسے سارا دیں۔ اس کی مدد کریں۔ اس کا کہنا تھا نہیں۔ اس پر احسان نہ دھریں، بلکہ
خود کو اس کا احساس مند محسوس کریں، اس میں صرف دو خطرے ہیں۔ ایک تو خواہش یا اس
بچہ نہ مارے، وہ تو انشاء اللہ نہیں ہو گا۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ آپ اسے جیت لینے کی کوشش
کریں گے۔

محبت جیت نہیں، پار ہوتی ہے۔ پار ملے۔ خود کو حوالے کر دو۔ اختیار ڈال دو۔

میں حیرت سے قدرت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں کیا کہنے آیا تھا اور یہ کیا کہہ رہا ہے۔

ساری رات میں سوچتا رہا۔ مجھے شک پڑ رہا تھا کہ یہ خدا کا عطا کی گئی کس قدرت اللہ ہے۔
تو نہیں چلائی تھی۔ کس وہ مجھے پار جانے کی تعلیم دے رہا تھا۔ آخر اس کا کیا مطلب تھا
کہ اس میں دونوں کا بھلا ہے۔ اس کا بھی میرا بھی۔ کیا یہ اللہ والے لوگ اتنے طاقت ور ہوتے
ہیں کہ دوسرے کے ذہن کو قس قس کر کے رکھ دیں۔

اگلے روز مسجد کا فون آنیلا۔ کتنے تھی، ایف بی سی میں مجھے ایک چھوٹا سا کرا مل گیا ہے۔

وہ کرا ایک رستے تھے گھر میں واقع تھا۔ باپ اور بھائی مرے تھے۔ دونوں بڑے مخلص اور

جنازش تھے۔ بچے تو جنم تھے۔ مجھ سے دو بچے تھے۔ ایک مسجد نوکری کی تلاش میں بسوں پر اور پیدل
جوتے چلائی۔ دو بچے میں بیچ جائے۔ مجرموں کی طرح دروازہ بھاگے۔

دو گھنٹے ہم اس چھوٹے سے کمرے میں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ کمرے کا دروازہ ہم باہر

کھلا رکھتے۔ وہ مجھے بتاتی کہ دن بھر وہ کہیں کہیں نوکری کی تلاش میں گھومتی رہی۔

پھر رات کے وقت میرے گھر سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسے لگتا جیسے کوئی ٹل رہا ہو۔ دروازے آپ ہی آپ کھل جاتے۔ کوئی کہتا: بھاگ جاؤ ورنہ۔

میں نے ایک افریقی بڑھیا سے کہا: بی بی اگر تو میرے گھر میں میرے ساتھ آ رہے تو میں تجھے الگ کمرائیوں میں لے کر رکھواؤں گی۔

وہ عورت صرف ایک رات میرے گھر میں رہی اگلے روز ہاتھ جوڑ کر بولی: نہ بی بی اس گھر پر تو کسی نے کلا جادو کر دیا ہے۔ یہ بد رو میں تجھے چھوڑیں گی نہیں۔

اس پر میں اس قدر خوف زدہ ہوئی کہ نرم فٹم کیے بغیر تو کبری چھوڑ کر پاکستان واپس آ گئی۔ یہاں آئی تو وہاں مجھے دو ایک خانلوں کے پاس لے گئی تھی، وہ کہتے ہیں اس لڑکی کا رزق بند ہے۔ تو کبری نہیں لے گی، شادی نہیں ہو گی۔

دیوانگی

اس کی کہانی سن کر مجھ پر اک پائل بن سوار ہو گیا۔ تو کبری کی تلاش میں سارا سارا دن اسے اپنے سکوتر پر بٹھا کر میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے دفنوں، پرائیویٹ کیمپوں، غارن اہیسیہ بھوں کے پتھر کاٹا رہا۔ لوگ مجھے دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ اس بڑے کھوسٹ کو کیا ہو گیا ہے کہ ایک جوان لڑکی کو سماتا پھرتا ہے۔

میرے گھر والے اس بات پر غلام تھے۔ میں نے اپنی بڑی کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ بچاڑا حلق نہیں ہے۔ لیکن اسے یقین نہ آیا۔ وہ بھی تھی اسے یہ حکایت تھی کہ اگر تعلق نہیں تو اتنی توجہ کیوں۔ میری بیٹیوں مند سے کچھ نہیں کہتی تھیں لیکن وہ مجھ پر غناؤں تھیں۔

پھر بھی مجھے باپ سے بد روی تھی۔ میں نے سوچا کوئی چھوٹی موٹی تو کبری کر لوں تاکہ گھر چلانے میں لاپاکی مدد کر سکوں۔

پھر اتفاق سے مجھے اپنے باپ کے چیک بنٹس کا پتہ چل گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے میں دیتا سمجھ رہی تھی۔ وہ ایک خود غرض ادارے پر جس میں فصل تھا۔ آئیڈیل پینا چور ہو گیا۔ ساتھ میرے بھی پر پٹھے اڑ گئے۔ بہتوں تیار پڑی رہی۔ پھر میرے دل میں ایک عزم جاگا کہ میں اپنی تعلیم از خود حاصل کر لوں گی۔

چھ سال قدم قدم پر مصیبتیں آنیں اور میں نے انہیں جھیل لیا۔ لیم اے کرنے کے بعد میں گورنمنٹ کالج میں پیکچرار ہو گئی۔ میں اپنے سارے بہن بھائیوں کو اپنے گھر لے آئی اور سب کو تعلیم اور ادب میں داخل کر دیا۔ لاپا دیکھ کر ہانک رہی کنارہ کش ہو گئے۔ بھائی بہنوں نے بے حس ہو کر بچاڑا دھوا ڈال دیا۔ وہ محفوزی اتنی بوجھل ہو گئی کہ میری کمرٹ ہو گئی۔

اتنا قرض چڑھ گیا کہ اگر بڑا ممکن نہ تھا۔ ملازمت سے استعفیٰ دے کر افریقہ میں پیکچرار کی ایک تو کبری قبول کر لی۔

افریقا جادو

افریقہ میں میں ایک مکان میں تن عمار رہتی تھی۔ خوف تو آتا تھا، لیکن مجبوری تھی۔ پھر ایک روز میرے گھر ایک پاکستانی جوڑا آ گیا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ

یہ نہ کرو۔ وہ نہ کرو۔ اس سے نہ ملو۔ ایسے نہ رہو۔ ویسے نہ رہو۔

صیغہ معنی "اپنی مرضی کی مانگ تھی۔ وہ بڑی خوددار تھی۔ وہ میرے رویے پر خوش نہ تھی بلکہ وہ مجھ سے سخت تنگ آ چکی تھی۔ فرائضی غفلتوں نے کہا یہ تیرا دوست تو پاگل معلوم ہوا ہے۔"

وہ سچ کہتی تھی میں پاگل ہو گیا تھا۔ تین سال یہ پاگل پن میرے سر پر سوار رہا۔ میری "غوابشات" تھیں "ایک یہ کہ اس کا رزق کل جائے" دوسری یہ کہ اس کی شادی ہو جائے۔ میرا طرز عمل میں شدت کم ہونے کی بجائے دو چند ہو چکی تھی۔

نیا جنم

ایک روز ہفتہ "شباب" کے سامنے ہفتہ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ کئے گئے گی۔ اب بس کیجیے شبلیہ بھائی۔ مفتی کی تو ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔

شباب نے کہا "مجھے بھی ترس آنے لگا ہے۔"

ان دنوں فرائضی غفلتوں کی سفارش پر ورلڈ بینک نے افریقہ میں تحقیق کرنے کے لیے ایک گروپ میں صیغہ کا نام بھی شامل کر لیا تھا۔ پورہ لندن چلی گئی تھی۔

حقوق کے جانے کے بعد خدا اکیلا رہ گیا تھا۔ یہ بھائی اس قدر تکلیف دہ تھی کہ میں قدرت کے پاس چلا گیا۔ میں نے کہا "شباب صاحب" اللہ کے واسطے مجھے اس درجہ انگی کے پکڑے لٹال لیجیے۔

قدرت بہت افسردہ تھا۔ غصہ تھا۔ میں نے دو تین بار اپنی درخواست دہرائی وہ بولا "مفتی صاحب آپ نے ایک بہت اچھا موقع ضائع کر دیا۔"

مجھے اس کا احساس ہے شباب صاحب" میں نے جواب دیا۔

احساس ہے تو ایسا کیوں کیا۔

شباب صاحب میں گواہوں۔ انی طور پر گواہوں "کیونکہ میں بن سکے احساس کے باوجود کوشش کے باوجود میں بن سکے مجھے پتہ ہے کہ میں ہار نہ بن سکا۔ اسے جیت لینے کی خواہش جنوں بن گئی۔ بے شک میں گردن زنی ہوں" لیکن اللہ کے واسطے مجھے بچا لیجیے۔

انتہاء کے بعد۔ میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر محارت کی جھلک تھی۔ بولا "پیارا لسی لسی پٹی لڑکی کو لے کر میں اپنے دفتر کے باہر کو خراب نہیں کر سکتا۔ لپیٹ اسے کاسٹریکٹ پر کام دے سکتا ہوں۔"

تکس کی بات سن کر میرا دل ٹوٹ گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں صرف ایک فرد ایسا ہے جس کو مجھ پر رحم ہے۔

پھر میری چار یاری آگئی۔

وہ سب میرا مذاق اڑانے لگے۔

میرولا "مفتی تو پاگل ہو گیا ہے کیا۔"

ہاں "میں نے جواب دیا۔ میں پاگل ہو گیا ہوں۔"

اس عمر میں ایک کرل فریڈ کو اعصابی سکڑ پے لے پھرتا ہے تو تجھے بدنامی کا ڈر نہیں ہے کیا؟ مسعود نے کہا نہیں "میں نے جواب دیا" مجھے بدنامی کا ڈر نہیں ہے۔

ارے "اعظمی بولا" تجھے شرم نہیں آتی۔

نہیں آتی "میں نے کہا۔"

اگر کسی نے شباب صاحب کو بتا دیا تو "موتو لے گا۔"

شباب صاحب "کون شباب صاحب" میں نے جواب دیا۔

لڑکیوں "بے کلم ہے وہ سب چلانے لگے۔ گستا ہے۔ یہ مہذب ہو گیا ہے۔ انتہاء اللہ شکر پڑیاں کی ہڈیاں پر طاقت ہو گئی۔"

اس انتہاء میں ورلڈ بینک کی ایک فرائضی غفلتوں اسلام آباد میں ریسرچ کا کام کرنے کے لیے آگئی۔ اسے درکردگی ضرورت تھی۔

صیغہ کا کام دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ فرائضی غفلتوں نے صیغہ کو اپنا نائب بنا لیا۔ وہ غفلتوں دو ایک مرتبہ مجھ سے کہی گئی۔ اس کی آمد پر مجھے خوش ہونا چاہیے تھا۔ انٹانٹس چرچہ دانے بھرنے لگا۔

دراصل میں صیغہ کا خدا بن بیٹھا تھا۔ میں اسے اپنی مخلوق سمجھنے لگا تھا۔ میں اس پر احکام چلاتا تھا۔

قدرت دیر تک خاموش رہا پھر یوں۔ اللہ کی خدمت میں منتیں بھیجے کہ وہ آپ کو اس جہنم سے بچالے۔

میں نے کہا گیند آپ نے لڑھکایا تھا کیا اب آپ اسے روک نہیں سکتے۔
یہی آپ کی غلط فہمی ہے۔ وہ یوں لگتا تھا اسی نے لڑھکایا تھوڑی روک سکتا ہے۔
کیا آپ میری مدد نہیں کر سکتے؟ میں نے پوچھا۔
اس نے سر ہلکی میں ہلا دیا۔ یوں آپ کو خود کچھ کرنا پڑے گا۔
کیا کرنا پڑے گا۔

اس کی منت کئی پڑے گی، تڑا کرنا پڑے گا، توپ کئی پڑے گی
کس طرح؟ میں نے پوچھا۔

کلام پڑھنی پڑے گی۔ یا اللہ میرے ذہن سے غیر اللہ کو نکال دے۔
میں نے کہا شائب صاحب میں ایک ٹپاک آدمی ہوں۔ مجھ سے وعید نہیں پڑھا جائے گا۔
مجبور ہی ہے، وہ یوں۔

وہ دن میں سوچتا رہا۔ پھر میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ میں نے کہا شائب صاحب آپ جو
فرمائیں گے میں کروں گا اللہ کے واسطے مجھے بچا لیجیے۔
وہ مہینے میں جانتا کہ خصوصی اوقات پر خصوصی مقام پر بیٹھ کر اللہ کے حضور منت سہاوت کرتا
رہا کہ اے اللہ میرے ذہن سے غیر اللہ نکال دے۔

وہ مہینے کے بعد ایک روز بیٹھے بیٹھے میں نے محسوس کیا جیسے میرے سر کا بوجھ اتر گیا ہو۔
میں ہلکا ہلکا ہو گیا جیسے میں نے نیا جنم لے لیا ہو۔ میں نے قدرت کو فون کیا۔ میں نے کہا مبارک
ہو۔
کہنے لگا، کس بات کی مبارک۔

میری رہی برکت کی مبارک شائب صاحب میں آزاد ہو گیا ہوں۔
یوں آپ ایک بات کا وعدہ کیجیے، اب خدمت کرنی ہو گی۔ جہاں تک ہو سکے۔ احسان کے
بغیر، جتنا ہے بغیر عمر بھر، اللہ انور کو اس کا احسان مند سمجھتا ہو گا۔

وفات

آخری ایام میں قدرت اللہ کے معمولات میں شائب نامہ کا اضافہ ہو گیا تھا۔
وہیں تو قدرت عرصہ دراز سے شائب نامہ رکھ رہا تھا۔ وہ شائب نامے کے کئی ایک باب
اپنی محفلوں میں پڑھ چکا تھا۔ خصوصاً سلسلہ میں۔

سلسلہ اور رابطہ

سلسلہ اسلام آباد کی ایک اپنی عظیم حسی جو ادا جعفری نے شروع کی تھی۔ اس عظیم میں
زیادہ تر ارکان سول افسر اور ان کی بیگمات تھیں۔ اس عظیم کا مقصد عظیم الفرصہ الہاؤں کو
اپنی تعلقات کی جانب مائل کرنا تھا۔

ایک روز قدرت نے مجھ سے کہا اگر آپ قاری ہوں تو چلیے ایک اپنی محفل میں ہو آئیں۔
کہیں ہو رہی ہے؟ میں نے پوچھا۔
ادا جعفری کے کمرے۔

وہ لوہ جو ساز و صوفی رہی؟ میں نے پوچھا۔
قدرت نے سر ہٹات میں ہلا دیا۔

پانچ چہ دونوں کے بعد ملاقات ہوئی تو کتنے لگاؤ یہ بتائے کہ میں آخری باب کا نام کیا رکھوں۔
میں نے کہا 'شباب صاحب نہ میں اسلام سے واقفیت رکھتا ہوں نہ اردو زبان سے۔ آپ
کسی زبان و فن سے پوچھیے۔

کئی ایک دن وہ آخری باب کا نام سوچتا رہا۔ لوگوں سے پوچھتا رہا۔ پھر ایک دن فون پر کئے
لگا مجھے نام مل گیا ہے۔ اس کی آواز سرت سے یوں چمک رہی تھی جیسے کسی بچے کو فہارہ مل گیا
ہو۔

میں نے پوچھا 'کیا نام ملا۔

بولتا۔ چھوٹا منہ بڑی بات 'کیسا ہے۔

میں نے کہا بے حد سوزوں ہے۔

وہ کہیے 'اس نے پوچھا۔

میں نے کہا آپ نے خود کو پیشہ چھوٹا سمجھا 'ماتا اور اسلام کو پیشہ بڑی بات سمجھا۔

شباب شے کی کتاب مکمل کر کے سو دہ تاثر کے حوالے کر کے وہ مطمئن ہو گیا۔

وفات سے چار ایک دن پہلے میں اتفاقاً 'شباب کے گھر گیا تو وہ ڈاکٹر ڈاننگ روم میں بیٹھا
تھا۔

اسے دیکھ کر میں چرچا۔ میں نے کہا 'شباب صاحب یہ کیا ہو گیا۔ آپ ایک دم اس قدر
دلچسپ پتے ہو گئے ہیں۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔

اس کی آنکھ میں قاتلانہ چمک لہرائی۔ بولا 'مجھ پر دم کرو 'ماتا اور اسلام ہو گئی ہیں۔

کیا میں نے پوچھا۔

مجھے کھانے پینے اور سونے سے بے نیاز کر دیا کیا ہے 'اس نے فرما 'انہما سے کہا۔

یہ ہماری آخری بات تھی۔

چونکہ پھر لوگ آگئے تھے۔ بات کی وضاحت دیا ہو سکی۔

وفات

UrduPhoto.com

چوبیس جولائی کو شام کے پانچ بجے کے قریب منشا پور آمید کئے لگا 'بٹھے میں آپ کو لینے

کیا ہوں۔

کہیں 'میں نے پوچھا۔

بولتا 'ایک ادبی محفل میں جانا ہے۔

میں نے کہا 'منشا پور تھے پتہ ہے۔ میں ادبی محفلوں میں نہیں جاتا۔

کہنے لگا 'پتہ ہے لیکن اس محفل میں تو جانا ہو گا۔

میں نے کہا 'وہ کس خوشی میں۔

کہنے لگا میں نے وعدہ کیا ہے کہ آپ کو لاؤں گا۔

چلو بھی میں نہا۔ تسارا وعدہ پورا ہو جائے۔ کاپے اپنا کپاڑہ ہو جائے۔

یہ محفل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں تھی۔ ہلی بھرا ہوا تھا۔ افسر زیادہ تھے۔ ادیب کم

کہ۔ خلدہ حسین کے ساتھ شہم منجلی جاری تھی۔

دو ڈھائی گھنٹوں کے بعد جب میں واپس گھر پہنچا تو حسینہ نے کہا 'شباب صاحب کو دل کا

دورہ پڑ گیا ہے۔

میں نے اس خبر کو خاص اہمیت نہ دی۔ شباب کی زندگی میں دل کا دورہ تو عام سی بات

تھی۔ بیسیوں بار اسے دل کا دورہ پڑا تھا۔ جب بھی میں اس سے پوچھتا تو وہ کہتا۔ کوئی بات نہیں۔

شیشے کے برتن پر زیادہ دباؤ نہ پڑ جائے تو خرچ جاتا ہے۔

آخری ایام میں ایلو پتیشی کی دواؤں کا راری ایکشن شروع ہو گیا تھا۔ اس نے لندن کے ڈاکٹر

سے رابطہ قائم کیا 'اپنی کیفیت بیان کی اور اسے بتایا کہ میں آپ کی تجویز کردہ دوائیاں ہاتھ لگے سے

کھانا رہا ہوں۔ ڈاکٹر حیران رہ گیا کہنے لگا 'آپ اتنے برس سے مسلسل دوائیاں کھا رہے

ہیں۔ دوائیوں کا راری ایکشن ہوتا ہی تھا۔

قدرت نے مجھے فون کیا۔ کہنے لگا 'کیا ہو سید پتیشی میں دل کی ایسی ادویات ہیں جو ری ایکشن

پیدا نہیں کرتیں۔

میں نے کہا 'ہیچا' ہیں۔ لیکن دوا کھانے کا قاعدہ۔

کیوں 'اس نے پوچھا۔

میں نے کہا 'مجھے آپ کے دل پر ترس آتا ہے۔ ایک طرف آپ اس پر ضرب لگاتے

بکیت میں تھے، چلتے ہوئے لڑکھا رہے تھے۔ وہاں میں کھت تھی۔ گتا تھا پیسے پی کر آئے
ہوں۔ دھمت۔

رہتے ہیں۔ دوسری طرف اسے تعزیت دینے کے لیے دوایاں کھاتے ہیں۔

میں نے قیمنہ سے پوچھا، شاپ کو کب دور پڑا۔

بعد وہ مجھ سے باتیں کرنے لگا ہے۔ اس کی باتوں میں صیحت کا رنگ نہیں ہوتا۔ حکم نہیں ہوتا۔ دھونس نہیں ہوتی۔ اس کی بات میں منت ہوتی ہے۔ تڑا ہوتا ہے۔

جب میری بیوی کسی رشتہ دار کے خلاف شکایت کرتی ہے تو وہ میرے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس دیتا ہے کہتا ہے 'سنیے نہیں۔ لیکن یوں کہ تبکم کو احساس نہ ہو کہ سن نہیں رہے۔ ہاں ہاں کرتے رہتے ورنہ اسے دکھ ہو گا کہ میری بات پر توجہ نہیں دی۔

میرے دوست دانش ور بھی کبھی اپنے کالموں میں میرا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔

حال ہی میں ایک صاحب نے سرخی جمالی۔ سٹو سٹو جٹو میں ندی ڈوب گئی۔ فرانیڈ کا پتو کار صوفی بن بیٹھا اس پر مجھے بڑا غصہ آیا کہ نہ تو اسے فرانیڈ کے مضمون کا علم ہے نہ صوفی کا مطلب جانتا ہے۔ میرے پاس بھی قلم ہے۔ میں بھی ————— قدرت نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ نہ 'وہ یولا' اکتور ہم۔ ذیوالین ڈسٹرین۔

دودن میں اسے صوفے پر بیٹھے دیکھتا رہا۔

میں نے سوچا کہ میرا ذہن چل گیا ہے اور مجھے ویلیو سی نیشن ہونے لگے ہیں۔

چلو اچھا ہوا کہ ذہن چل گیا میں نے سوچا۔

یادداشتوں کی چاند باری سے بچنے کے لیے یہ ایک دفعہ کیے نہام ہے۔ انسان اپنے خوف کے لیے کیا نہیں کرے گا۔

پھر وہ صوفے سے اٹھ کر میرے اندر آ بیٹھا۔

وہ کہتا ہے

جب بھی میری بیوی مجھ پر کوئی الزام دھرتی ہے اور وہ اکثر مجھ پر الزام دھرتی رہتی ہے۔

اس وقت میرا جی چاہتا ہے کہ اسے کہوں کہ بی بی میرا قصور نہیں ہے۔ ————— میں اس

میں کچھ کہہ میں سکے

اشفاق احمد نے کتاب اور مصنف کے حلقہ کی باتیں کیں اور پتہ نہیں کس مصلحت کے تحت آخری باب کا ذکر ہی نہ کیا۔

موتے کا ایک گواہ مخرب ہو گیا۔

میرزا یونس نے اپنی کتاب مبراہیم میں قدرت اللہ پر عزت و احترام کے پہلوں برمائے اور اس حقیقت کو بے نقاب کیا کہ قدرت اللہ سے جس قدر قریبی تعلقات خان صاحب اور ان کے بچوں کے تھے اور کسی کے نہ تھے۔

میرزا یونس میں بازو قدس نے شباب ہائے کے آخری باب کے حوالے سے کچھ نہ لکھا۔
موتے کا ایک اور گواہ کسی مصلحت کے تحت مخرب ہو گیا۔————— میں اکیلا رہ گیا۔

اصحاب کشف

پھر مجھے خیال آیا کیوں تا کسی صاحب کشف بزرگ سے پوچھوں کہ الگہ عمری کھوں یا نہ کھوں۔

سب سے پہلے میں نے صدیق رامی سے پوچھا۔ میں نے کہا یا اگر قدرت اللہ سے حیرا رابطہ قائم ہے تو مجھے پوچھ کر تا کہ میں الگہ عمری کھوں یا نہ کھوں۔

چند روز کے بعد صدیق نے مجھ سے کہا کہ ہاں ہاں لکھیے، لکھنے میں کیا حرج ہے۔

صدیق کی بات میں ذہن نہیں تھا، خود احمدی تھی۔ مجھے اس کی بات پر یقین نہ آیا۔

پھر میں نے ایک دو اور بزرگوں سے پوچھا۔ انہوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔

میں نے پھر صدیق سے پوچھا۔ میں نے کہا یا تو مجھے ڈرنا نہیں۔ اگر تو صاحب کشف ہے تو

مجھے صرف یہ پوچھ دے کیا الگہ عمری قدرت اللہ کے لیے آرزوی کا باعث تو نہ ہو گی۔

چند روز کے بعد صدیق نے کہا کہ پہلی بار جب آپ نے پوچھا تھا تو ناخوشواری کا احساس ہوا تھا۔

اب نہیں بول، مطلب ہے 'اب اجازت ہے۔'

صدیق کی یہ بات بھی مجھے یقین نہ دلا سکی۔

کچھ چیزوں نے کہا کہ آخری باب قدرت اللہ شباب کی تحریر نہیں ہے۔ یہ باب ان کے چیلوں ہاتھوں نے تحقیق کر کے شباب ہائے میں شامل کر دیا ہے۔

اس سے پہلے بھی کچھ لوگ اپنے کالموں میں، میں سلسلہ شباب کے چار درویشوں کے طعنہ دیا کرتے تھے۔ اس پر میں نے سوچا کہ مجھ پر لازم ہے کہ الگہ عمری کھوں اور لوگوں کو بتاؤں کہ یہ آخری باب کا درویش۔ ایک حقیقت تھا اور وہ قدرت اللہ کی تمام زندگی پر ملوی رہا تھا۔
اگر شباب ہائے میں آخری باب شامل نہ کیا جاتا تو میں الگہ عمری نہ لکھتا۔

کشف

بہر حال قدرت کی وفات کے بعد یہ کشف پھر سے جاری ہو گئی کہ کھوں یا نہ کھوں۔ میرے ذہن سے آواز آئی، 'دیکھ، مفتی الگہ عمری لکھنے سے حیرا متعدد اپنی شخصیت کو بوست کرنا نہیں ہے۔ شباب کو بزرگ ثابت کرنا نہیں ہے، چونکہ شباب نے کبھی بزرگی کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس کے کردار کا بڑا اعظم تو عجز تھا۔ وہ خود کو الگہ عازب بندہ سمجھتا تھا اور حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ترین غلام۔' الگہ عمری میں قدرت اللہ کی تشریف کرنا مقصود نہیں ہے۔ تشریف تو صرف اللہ کی ذات کی ہے۔ پھر تو الگہ عمری لکھنے سے کیوں چٹکاتا ہے۔

پھر دل سے آواز آئی شاید میری یہ تحریر قدرت اللہ کے لیے آرزوی کا باعث ہو۔

نہیں میں چاہتا قدرت اللہ کی آرزوی مجھے گوارا نہیں، کسی قیادت پر گوارا نہیں۔ میرے لیے قدرت اللہ کی گزند سے بڑھ کر اور کوئی چیز قابل حصول نہیں ہے۔

موقعہ کے گواہ

انہی دنوں ٹی وی نے شباب ہائے پر ایک پروگرام تشکیل دیا۔ اس پروگرام میں تین شرکاء تھے۔ جمیل الدین علانی، اشفاق احمد اور میں۔ یہ پروگرام شرکاء کے درمیان بات چیت پر مبنی نہ تھا۔ ہر شخص کو الگ الگ کتاب اور مصنف کے حلقہ کی اپنی رائے کا اظہار کرنا تھا۔ جمیل الدین علانی نے کتاب کی اولیٰ حیثیت اور قدرت اللہ کے کردار کی تشریف کی اور آخری باب کے مصنف کہا کہ میں شباب صاحب کے کردار کے اس پہلو سے واقف نہیں ہوں، لہذا اس بارے

محسوس ہوتا ہے جیسے ٹیپ کہ رہے ہوں۔ ہونچے 'بالوب' یا 'لاندھ' ہو 'شیار' عالی 'دناپ' 'عالم دین' قدم رہا فرما رہے ہیں۔

شلہ صاحب کو دیکھ کر میرا یقین ایمان کامل میں بدل گیا اور میں نے محسوس کیا جیسے میں ان کی خدمت میں خود حاضر نہیں ہوا بلکہ جیسے گایا ہوں۔

شلہ صاحب کا اسم گرامی سرفراز شاہ ہے، وہ ایک معروف کھیتی میں اعلیٰ حد سے پے فائز ہیں۔ ان کے مرشد محترم سید یعقوب علی شلہ ہیں جن کا وصال ۳۰ اگست ۱۹۸۹ء کو ہوا، مزار اقدس لاہور میں واقع ہے۔ ان کا سلسلہ چشتیہ 'صابریہ' وار ہے۔ اس سلسلے میں روح کے مطابق خلافت سب سے کم عمر کے مرید کو عطا کی جاتی ہے۔

سید سرفراز شاہ کو خلافت ۱۹۸۸ء میں عطا ہوئی تھی۔ جب سے خدمت فلق جاری ہے۔ پہلے میں ایک دن سوموار کو مغرب کی نماز کے بعد عبادت مندوں اور سالکوں سے بلا امتیاز اور بلا افتراق و تفریق ملتے ہیں۔ مشورہ دیتے ہیں، دعا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہر خانے کا رنگ سراسر مستقر ہے۔

انہی دنوں پر اسٹریٹ گیٹلڈ کی وجہ سے میں تیار پڑ گیا۔

میں نے حسب معمول ہومیو پیتھی کا علاج شروع کر دیا۔

چند روز بعد آگے کے بعد لائق ہو جاؤ۔ پھر دورہ پڑ جاؤ۔

یہ دورہ سے بڑے تکلیف دہ تھے اور بار بار پڑتے تھے۔

میری بیٹی نقیہ جو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے، اس نے کہا، اب یہ ایک مکینیکل رکاوٹ ہے، اسے کٹوائے بغیر چارہ نہیں۔ دو اکام نہیں کرے گی، آپ آپ یقین کروالیں۔

سرجن شکار

ایک روز دو بجے زبردستی ہسپتال لے گئی۔ پھر رات سرجن ڈاکٹر شکار سے ملوایا۔

ڈاکٹر شکار کو دیکھ کر میں جبراً رہ گیا۔ وہ ڈاکٹر نہیں لگتا تھا۔ اس میں روحانیت لہریں لے رہی تھی۔ آنکھ بھری ہوئی تھی۔ لہریں اٹھ رہی تھیں۔ چیمپے اڑ رہے تھے۔

اگر ڈاکٹر شکار کو رات سرجن نہ ہوتا تو شاید میں آپ یقین کروانے پر رضامند نہ ہوتا۔

ملتی صاحب تصوف یا روحانیت پر کتب آپ کے دسے قرض ہے اور قرض بٹا لو جائے اور نہیں ہو گا۔ کتب لکھتے وقت احتیاط کیجئے گا کہ مبالغہ آرائی نہ ہوئے پاسے کہ اسی نے تعلیم یافتہ ذہنوں کو تصوف سے دور کر دیا۔ حالانکہ یہ شرع پر ۱۰۰ فی صد عمل و درآمد کی ایک راہ تھی۔ تاریخ اس پر گواہ ہے۔ فقیروں نے کوئی وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی تنہا لاکھوں کفار کو مسلمان کر لیا۔ اس کے برعکس کوئی مولوی آج تک صرف ایک غیر مسلم کو مسلمان نہ کر سکا۔ اپنے تمام تر وسائل کے باوجود۔ امید ہے آپ کی کتب تصوف یا روحانیت کے بارے میں اکثر شکوک کو صاف کر دے گی اور یہ ایک بڑی خدمت ہوگی۔

امید ہے ان دنوں آپ کی طبیعت ٹھیک ہوگی۔ فائدہ کھاتے رہیں۔ پیغم صاحب کی طبیعت کیسی ہے قرآن کیجئے گا۔

حیرت ہے آج آپ کو خط لکھتے وقت بجلی نہیں گئی ورنہ تو بیش آپ کو خط اندھیرے میں ہی لکھا گیا۔ معلوم نہیں آپ کو کچھ میں آیا کہ نہیں یا آپ موت میں ہی برداشت کر گئے۔

والسلام

سرفراز

ہم میں سے

انہیں دیکھ کر میں سمجھا کہ یہ شلہ صاحب کے کوئی کارکن ہیں۔

اصل شلہ صاحب انہی شریف لائیں گے۔ سفید ریش ہوں گے، لمبا چنڈ نصب تن ہو گا، انداز مزینت سے بھرپور ہو گا، جیسے مروجہ عالم دین، بزرگ یا پھر فقیر ہوتے ہیں۔

پتہ نہیں ایسے کیوں ہوتا ہے کہ علمائے کرام، بزرگ اور پھر صاحبان کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے، جیسے وہ ہم میں سے نہ ہوں، جیسے وہ کوئی غائب مخلوق ہوں۔

شلہ صاحب کے پاس بیٹھ کر میں نے محسوس کیا جیسے وہ ہم میں سے تھے، جیسے میرے پاس کوئی دوست یا ساجھی بیٹھا تھا۔ اس کے برعکس علمائے دین کا انداز کچھ ایسا ہوتا ہے جسے دیکھ کر

آپریشن ہوا تو مٹانے میں سوزوہاؤ کشیڈیا داخل ہو گئے، جو چھپ جاتے ہیں۔ انفکشن ہو گئی۔ پیٹ میں سوزاؤ کر کے کئی لگا دی گئی جس سے چھٹاب براہ راست تھیلے میں خارج ہو جاتا تھا۔

ہسپتال میں میں تین مہینے پڑا رہا۔

ان دنوں مجھے صرف ایک فکر دامن ہے، قہار کیا مجھے اگلے گھری کو عمل کرنے کی صلت ملے گی۔ مرے کا خوف نہ تھا۔ مرے کے لیے تو میں عمر دروازے چار بیٹھا ہوں۔ اللہ نے ایک بھر پور زندگی عطا کی۔ اتنی "ریج" زندگی شاید ہی کسی کو عطا ہوئی ہو۔ صرف ایک خیال دامن گیر تھا کہ اگلے گھری کو ضروری نہ رہ جائے۔

ڈاکٹر ثار روزانہ رولڈز پر آتے تو میں ان سے کتا ڈاکٹر میرے لیے دعا کرو۔ لوگ پہنچتے تھے کہ یہ کیا احمق مریض ہے، جو ڈاکٹر سے دعا کی بجائے دعا کی بات کر رہا ہے۔ ان دنوں سرفراز شاہ مجھے حوصلے دیتے رہے۔ مجھے یقین دلانے لگے کہ اگلے گھری عمل ہو گی۔ انشاء اللہ، بلکہ ابھی تو آپ کو ایک کڑیچہ لگتا ہے۔

اہلِ ایلا

شاہ صاحب نور شیریں کے علاوہ ڈاکٹر نقی اور ڈاکٹر اہلِ ایلا میری صحت بہتر بناتے رہے۔ چھ سات سال گزرے، مجھے ڈاک کے درپے ایک کتاب موصول ہوئی۔ کمال کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب نہ تھی بلکہ کتاب گمے درف تھے جن پر جلد پڑھا رکھی تھی۔ یہ کتاب کتابوں کا ایک مجموعہ تھی۔ ساتھ ایک خط تھا۔ کتا قادیکی بچے کتاب اشاعت کے لیے بالکل تیار ہے، لیکن یہ پیچھے کی نہیں، جب تک آپ اس کا پانچ نہ لکھیں گے۔

یہ ایک انوکھا طرزِ مصنف تھا، وہ خط نہیں تھا بلکہ ایک دھول تھا، لیکن اس دھول سے بے پلاں غلوس تھا۔ میں نے سوچا یہ کون صاحب ہیں جو غلوس میں بھیجی ہوئی دھول سے

اوسے یہ تو ایک غلاب علم ہے۔ وہ بھی ایم بی بی ایس کا ایم بی بی ایس کے غلاب علم کو تو

سرکھالے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس شخص نے اتنی ساری کتابیں کیسے لکھ لیں اور پھر اڑسویں کا یہ عالم کہ پیشاب بھی دھوینڈ لیا۔ پیشاب پڑانے لگنے والے کو بھی نہیں ملتا۔

کتابیں پڑھیں تو میں ہکا بکا رہ گیا۔ روایتی رنگ میں رنگی ہوئی اتنی چٹل۔ اتنی بھیک۔ یہ بندہ ہے یا جن ہے اس جن کا نام اہلِ ایلا تھا۔

پھر اہلِ ایلا نے مجھے خط لکھے شروع کر دیے۔ طویل خط اپنے تجربات مشاہدات، آپ جیتے واقعات، شرارتیں، محبتیں، سب لکھ۔

میں نے اہلِ ایلا کو لکھا کہ آپ کے خط بے حد دلچسپ ہوتے ہیں، پڑاڑ ہوتے ہیں، لیکن نہ تو مجھے خط و کتابت کی عادت ہے اور نہ میرے پاس وقت ہے۔ لہذا آپ کو ایک ہاتھ کی تلی پہنائی پر دے گی۔

ڈاکٹر نے لکھا کہ پھر دو ہفتے میں، ہم ایک ہاتھ کی تلی پہنائے کے جاویں ہیں۔

ڈاکٹر نے ایک ہاتھ کی تلی کے جواب میں اگرچہ میرا ہاتھ نہیں ہٹا تھا، لیکن دل ضرور ہٹا تھا۔

یہ ایک ہاتھ کی تلی کئی ایک سال بچتی رہی۔

پھر ڈاکٹر نے اسلام آباد تھل ہسپتال کو وارنٹس ہو گیا۔

وہ روزانہ ہسپتال آتا تھا۔ پیشاب پڑا۔ مجھ سے کتا۔ ابھی تو آپ نے اگلے گھری عمل کئی ہے۔

تجربے کیسے پڑے کہ وہ عمل ہو جائے گی۔

مجھے پتہ ہے، وہ جواب دیتا۔ میرے اندر کوئی بوڑھا ہے۔ کتا ہے۔ مفتی سے کہہ دے یہ کتاب عمل ہو گی۔

پھر کئی کال سکویہ بناگیر آ جاتا ہے۔ جواب آئی، پیٹلٹ ہے۔

ڈاکٹر بناگیر ایک سیک۔ مسک فرمے۔ اس کی کسی پہ معلوم ست سے تار جڑی ہوئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں اک پچھلی چٹائی رہتی ہے اور وہ اپنے مدھم ذریعہ انداز میں کتا ہے یو دل

بی کل رائیٹ۔

شاہ صاحب، ڈاکٹر ثار، ڈاکٹر بناگیر، ڈاکٹر اہلِ ایلا اور ڈاکٹر نقی، ان سب نے میرے

دل میں ایسے کی کرن چگائے رکھی۔

اس کتب کی تکمیل شاہ صاحب کی مرہونِ منت ہے۔ وہ مسلسل میرا حاصلِ بندہ رہا ہے۔

رہے۔

عرفِ آخر

آج میں عمر کے ۸۷ ویں سال میں ہوں۔ زندگی کی گماگمی سے گزر چکا ہوں۔ پلیٹ فارم پر بیٹھا انتظار کر رہا ہوں کہ کب گاڑی آئے اور میں سوار ہو کر رخصت ہو جاؤں۔

مجھے جتنی ہوئی باتیں یاد آتی ہیں تو حیرت میں ادب جاتا ہوں۔

بھری زندگی میں دو چار باتیں حیران کن ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جب بھی بھری زندگی میں کوئی مشکل مقام آیا تو اللہ نے ہاتھ بڑھا کر مجھے بچا لیا۔ ان دنوں میں بھی جب میں اللہ کو نہیں جانتا تھا نہیں جانتا تھا اور ان دنوں میں بھی جب میں نے اسے جان لیا۔ ان لیا۔

ایسا کیوں ہوا۔ وہ مجھ پر اتنا مہربان کیوں تھا کیوں ہے۔ مجھ میں ایسا کوئی وصف نہ تھا نہ ہے۔ جس کی وجہ سے مجھ پر کرم فرمائیاں کی جاتیں۔ اللہ میں ایک گڑا ہوا بچہ تھا جیسی ہڈیات میں لٹ پٹ لو جو ان قلم میرا ذہن تھک و شہست سے بھرا ہوا قلم مغرب زدہ قلم

میں منہ زبانی مسلمان قلم میں نے اپنی ساری زندگی قلم چوسنے بلیسی میں گزار دی۔ میں نے اپنی ہاں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔

مجھ میں کوئی بھی ایسا وصف نہ تھا جس کی وجہ سے مجھے نوازا جاتا۔

دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ جوانی میں جب میں نے مجھے مل کے حلقہ رفیع الدین کی

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

ہا ہے۔ مجھے ان باتوں پر غصہ آتا تھا۔ کون بڑھائیوں انتظار کر رہا ہے۔ نہیں میں نہیں چاہوں
 کہ میں چاہوں کہ نہیں مانتا۔ میں ایک آزاد آدمی ہوں جو چاہوں گا کروں گا۔
 پھر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ مجبوراً مجھے لازور چھوڑ کر دلہنہنی آنا پڑا۔ سامع اللہ بخش
 اور خواجہ جان محمد بٹ دونوں بزرگ میرے شہر تھے۔ انہوں نے مجھ پر رقت طاری کر دی۔ پھر
 میرا سفر بدل دیا۔ یہ ایک حیرت انگیز سفر تھا۔ تہذیبی حق۔ چاروں طرف مجھے اللہ ہی اللہ نظر آئے
 لگے۔ مجھ پر اتنی بڑی کرم فرمائی کہ میں گئی اب حیرت کے ساتھ ساتھ میرے دل میں شکرگزاری
 کے جذبات پیدا ہو گئے۔ مجھے خواجہ جان محمد بٹ سے عقیدت پیدا ہو گئی۔ پھر بھی میں عقیدے
 سے بے گناہ رہا۔

اس کے بعد میرا چلہلہ کراچی ہو گیا۔ کراچی میں پہلی بار میں قدرت اللہ شہاب سے ملد
 میں انی طور پر ایک چھوٹا آدمی ہوں۔ اس لیے بڑے افسروں سے ملنے سے الریک ہوں
 لیکن قدرت اللہ شہاب کے بجز اور وسعت قلب سے متاثر ہو کر میں اس کی چٹک چٹک چٹک
 اس کے قریب گیا تو اس کے چند ایک اوصاف دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔
 وہ بہت ذہین تھا۔ قابل تھا۔ خود کو کسی شخص سے برتر نہیں سمجھتا تھا اس میں بڑا کام
 تھا۔ دوا داری تھی۔ برداشت تھی۔ مہربان تھا۔

کچھ دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس کی زندگی میں ایک بے اسرار عنصر ہے۔ اسے
 بدایات موصول ہوتی ہیں وارنگ دی جاتی ہیں۔
 پھر میں کئی سال اس بے اسرار عنصر کا محسوس لکھنے میں لگا رہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ کوئی ہے
 اس کی کوئی حیثیت ہے۔ بزرگوں میں اس کا کوئی مقام ہے۔

اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا ایک کالی ہے اور کسی خاص کام کو سرانجام دینے
 کے لیے مقرر ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون سا کام ہے اور اس کا کیا پیش ہے۔
 بہر حال میرا دل اس کے لیے جذبہ عقیدت سے سرشار ہو گیا۔ میرا ایمان ہے کہ میری تمام
 تر زندگی کا سب سے بڑا مشاہدہ قدرت اللہ شہاب ہے اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم
 پر سب سے بڑا کرم کیا تو میں جواب دوں گا کہ سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ اللہ نے مجھے
 قدرت اللہ شہاب عطا کیا۔

خدمت میں بھیجا جو پیشہ تسلیم کے بزرگ تھے۔ تو انہوں نے مزاح کر کے فرمایا کہ والدہ صاحبہ
 سے کہہ دیجیے کہ جس بات سے وہ خوفزدہ ہیں وہ ہو کر رہے گی۔ بڑی بدنامی ہوگی رسوائی ہوگی
 تخیل ہوگی یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا لیکن آخری عمر میں انہیں بڑے اچھے لوگ ملیں
 گے۔

مالی صاحب کی بات حرف بحرف سمجھ جاتی ہوئی۔ میری وجہ سے بڑی بدنامی ہوئی رسوائی
 ہوئی تخیل ہوئی اس دوران میں بھی ہر مشکل کے وقت اللہ نے مجھے ہاتھ پڑھا کر بٹھالیا۔
 جب محلے دار لالعلیاں اٹھائے مجھے تلاش کر رہے تھے تو دھن "میرے منہ پر انگیرھا کے
 چھلے لکل آئے جو پھوٹ کر ڈھم گئے اور ایک جڑاں کے پکڑا جا کر میرے منہ پر قہقہ
 دیا۔ میرا منہ کھلا ہو گیا۔ محلے دار کی بار میرے قریب سے گزر گئے "وہ مجھے پہچان نہ سکے۔
 مجھ پر چوری اور دعوہ دی کا مقدمہ چل رہا تھا۔ عدالت میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو میری
 منانیت دیکھ کر مجھے جاننا نہ تھا۔ جو جانتے تھے وہ میرے دشمن ہو رہے تھے۔ میں اس وقت ایک
 قہقارے دار پند نہیں کہیں سے آگیا۔ اس نے عدالت سے عرض کی کہ جناب میں اس کی منانیت
 دیتا ہوں۔

وکیل نے کہا تم اس کی منانیت نہیں دے سکتے کیوں کہ تم قہقارے دار ہو۔
 قہقارے دار نے اپنی چٹائی اتار کر جینز پر رکھ دی بولا:
 عالی جلالہ تو میں منانیت دے سکتا ہوں۔
 وہ قہقارے دار کون تھا مجھے علم نہیں۔ اس نے کیوں میری خاطر اپنی نوکری واؤ پر لگا دی۔
 حیرت انگیز طریقوں سے اللہ نے مجھ پر کرم فرمائیں کہیں۔

پھر تقسیم کے وقت جب میں پاکستان آ رہا تھا تو میں کیسے غامض کی ایک ایسے اتفاقات
 ہوئے جن کی وجہ سے ہم سب خیریت سے پاکستان میں آ پہنچے۔ کیا وہ اتفاقات تھے۔ نہیں اسنے
 سارے مثبت اتفاقات نہیں ہو سکتے۔ قدم قدم پر میری مدد ہوتی رہی۔ کیوں؟
 یہ ان دلوں کی بات ہے "جب میں اللہ کو نہیں تھا "پھر بھی مجھ پر حیرت طاری رہی "اسنے
 اتفاقات۔ مسلسل سے اسنے مثبت اتفاقات یہ کیسے ہوا۔ کیوں ہوا۔

پھر سب سے مجھے کہتے رہے۔ اور چلا جا۔ جہاں سبز پھاڑیاں ہیں وہاں ایک بڑا چالاک تھا اللہ کر



میرے دل میں اس کے لیے جذبہ عقیدت تھا، اس کے لیے ہمت پر مبنی تھا۔ وہ کتا تھا۔
عقیدت اچھی چیز نہیں۔ عقیدہ پاؤ۔

مجھ میں جذباتیت تھی، شدت تھی۔ وہ ان دنوں خصوصیات کو "اُس کو ملی ٹیکنیشن" کہتا
تھا۔

پھر ایک اور بات تھی اس پر بات چھپانا عام تھا۔ دبا "بھی وہ کہنے والا نہیں تھا اس کے
برعکس میں دبا "کہہ دینے پر مجبور تھا۔

مجھے شک پڑا تھا کہ میں اس کی آزمائش تھا۔ اس کے راستے کی رکاوٹ تھا۔

میں صرف آخری باب بچا ہے۔ باقی ۵۰ ابواب جھوٹ نہیں مگر جی بھی نہیں ہیں۔
 جب میں نے ایک کبھی تو دانشوروں نے کہا کہ مفتی نے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ
 یہ ثابت کرے کہ قدرت اللہ شاپ ولی قہد
 عام طور پر ولی قہد افسر ہوتے ہیں۔ قدرت اللہ قہد افسر میں قہد اسے بیکر ٹیٹ سے
 قلع قہد
 قدرت اللہ کی وفات کے بعد اتفاقاً لاہور کے ایک بزرگ سید سرفراز احمد شاہ صاحب سے
 میرا رابطہ پیدا ہوا۔
 محترمہ صفیہ شیریں صاحبہ وسیلہ بنیں اور میں نے محسوس کیا کہ میں خود شاہ صاحب کی
 خدمت میں حاضر نہیں ہوا بلکہ مجھے ان کی خدمت میں بھیجا گیا ہے۔
 قدرت اللہ شاپ کی کرم لوازیں وفات کے بعد بھی جاری و ساری ہیں۔
 جناب شاہ صاحب مجھ پر بہت نرمی ہیں 'حالا' کہ مجھ میں کوئی ایسا وصف نہیں کہ وہ مجھے
 قتل اعتنا سمجھیں۔
 شاہ صاحب بہت بڑے بزرگ ہیں۔ وہ صاحب کشف اور صاحب دعا ہیں اور جہاں تک
 میں سمجھتا ہوں ان کا مرجہ بہت بلند ہے۔
 صاحبزادہ میں داخل ہونے کے بلکہ خود ایک بڑا خوش نصیب فرد ہوں۔ دعا فرمائیں کہ میرا انجام
 بخیر ہو۔



شاہد قاتل میں الکوی کے خیر میں ممتاز مفتی کو محمد حسین بیگل کی کتاب "حیات محمد مصطفیٰ ﷺ" پیش
 رہے ہیں درمیان میں افتخار عارف ڈی بی الکوی کھڑے ہیں، شیخ پر عزیز ملک بیٹھے ہیں (۱۹۹۱)



ممتاز مفتی اپنے اہل خانہ کے ہمراہ (۱۹۹۱)

برای هر قسم از این کتاب

است که هر یک از این کتابها را در هر یک از این کتابها
و این کتابها را در هر یک از این کتابها

است که هر یک از این کتابها را در هر یک از این کتابها
و این کتابها را در هر یک از این کتابها

مست

مست

برای هر قسم از این کتاب

است که هر یک از این کتابها را در هر یک از این کتابها

است که هر یک از این کتابها را در هر یک از این کتابها
و این کتابها را در هر یک از این کتابها

است که هر یک از این کتابها را در هر یک از این کتابها
و این کتابها را در هر یک از این کتابها

13. 6. 60

IV meern

..... /

آپ نے اپنے تبادلوں کا میں خوب کما ہے۔ کہ ہو گیا
میں کیا ہے اور نہیں ہو سکا۔ آپ اعلیٰ تھے مگر
کا اسید ہے اب تو فیصلہ ہو گیا ہو لا۔ خدا
بہرہ کرے۔

شہاب اسید ہے مری ہے گلے سرکے۔ ورنہ
چن روز ہوئے تو ذرا آیا تھا کہ وہ ایک روز میں
جانے والے ہیں۔ ان پیاروں کو بھی دوسرے
پریشانی اٹھانا پڑے۔ میری بی اور بیاں میں
کی ہیں۔ ہم دونوں کا دنیاؤں کو آکر رہنے تو
علاج کرنا۔ اب بیاں جانے کیلئے کہ دو تریں
نہ اصل مقدمہ پورا ہو جائے۔ اور ہماری سلیاں
میں دودھ ہو جائیں۔ شہاب جیسے نیک اور شریف
آدمی کو فواء محواز میرے ساتھ اتنا کلمہ بگلتا
پڑا۔ پچھلے باقی طالبان کی پریشانیوں دیکھے
سے۔ شادی کی تو بہوی بھی کوئی خوشی نہ
دے سکے۔ بہتہ نہیں کہ گناہ میں بھی سزا
مل رہی ہے۔ خدا صاف کرے۔

پتہ نہیں کیا کیا کاشی میں۔ بعض دفعہ
بہت پریشان ہو جاتی ہیں۔ مدد نہیں
ایک آبا ہو گا۔ ان ارسالوں میں

meem

© Onurdu.com

دل قلمے ہیں۔ ہر ناشدنی نہیں مری ہے
پھر میں پرائیں سے بہت بہر ہیں۔ ایک وہ ہیں
بہر بہر کا دکھ میں کوئی شکل نہیں بننا بیان کرنا
فخوار تو ہیں۔

حیرت کیاں ہیں اب کا فی یو لیا۔
برسان مال کی خدمت میں سدا۔
میاں جان کی خدمت میں بہت بہت سلام
عزیز کر۔ جیسا۔

دراسدا

علاج دعا
عقد

بارہ قسم قید منیٰ حبیب

اس کی کہ۔ یہی خوش نصیبی ہے کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا
مورخ $\frac{11}{10}$ کو غائب کیا کوئی نام نہ تھا وہ مورخ $\frac{11}{10}$ سے 23 سے $\frac{11}{10}$
کہ غائبی کوٹ بند رہنے کے سبب میں خوشاب اپنے گھر پہنچا
آپ کو گرائی نام انقلابی غیر عارفی میں یہاں پہنچا جو کوٹلی کا
گورنر نے عام ڈاک میں رکھ دیا۔ خبر دے جانے سے جب
میر عام ڈاک کا پتہ لگا دیکھا تو آپ کو فرسٹ نام بک فرسٹ میں
چوکی اور ان کوٹلی پر بھیج بھی دے اگر یہ کوٹلی دقت پر رہتے
تو یہ آپ کو جواب پتہ پر کر لیتا۔ حالات بالآخر وقت صحت خواہ
ہو۔

آپ عاجز ہیں کہ میں کیسے منت بہار کو کہہ سکوں ان دنوں

اس کی کہ آپ کو میرے تعلق نیکوئی رکھنے اور تم کو فراموش
کرتے ہیں میں نے وہ بار الہی میں دعا کر دی ہے۔ تنہا فرشتوں
نظر آئے ہیں اللہ کریم برکت فرمائی۔

سبب وجہ گرائی نام قیدہ مورخ $\frac{11}{10}$ کو غائب کیا
نہی دیکھنے غلط انداز فرست میں مورخ $\frac{11}{10}$ کا کوٹلی کا پتہ
جو کہ غالباً ان کوٹلی گیا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سنسکرتوں نے
اس کوٹلی لیا ہو۔ کیونکہ آپس میں مشفقانہ نامی لے منسل
عال تھا۔ تو میں انہیں دوبارہ غلط کہہ رہا ہوں۔

بچ کے تعلق ہے بھی انہوں نے قید فرمایا تھا کہ زہری امسال
تیار دی ہے کہ کہ میں بھی امسال بچ کے بچے جاؤں یہاں تک
میں مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو سبوتا
آئی تھا وہ پری ایپ میں وجہ کے خوب میں حضور نے دوبار ان الفاظ
میں لکھ دفرمایا۔ اچھا اسے بھیج دو۔ بہت اچھا تم اسے
بھیج دو۔ ایک دفعہ حکم قبول کر کے میں ہوا ہو گیا۔ خدا کی امان
نہی ہاں یہ ہے تھا۔ نہ وہ خدمت میں رہی تھی وہ نہ ہی ارادہ میں تھا



GOVT MAIL

AEROGRAMME

1. AIR MAIL IS CHARGED
2. THE CANCELLATION OF POST
3. AIR MAIL IS CHARGED



Hon. Excellency Qudus Gullsh Shadab
Pakistan's Ambassador to
Holland, The Hague
Holland

Haris Meera Gullsh Hame
4. Hahabullah Road, Lahore

1068

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

neern

نہ آتا تھا نہ اللہ کا رسول - دینی مقصد چھوڑ دیں تھیں اور ان کی پھر پڑا ہے -
 بات نہیں تھی - کہیں یا کہ ان لغات اور کلام کی بدعت نے ہمیں اس کو
 چھیننے بنا کے دکھایا -

بیان کی لغات اور کلام کی بدعت ہی اللہ بیان کی تسبیح و ثناء
 میں ہے آپ صحت ہے - یہی ایک قہر آؤ - آئی - اسی صفت کی خان
 بے نیازی کے صحت ہے ہم کلام کا انداز ہی عرفان بشارت -
 کہیں تاکہ ہے ؟

بچے ایک برس میں پلے سے کس زیادہ - غار روزہ - درد و غم
 سے تشغیر رہا - کہیں نہ کوئی چھوڑا ڈھکی - نہ کسی نہ پھر پڑا ہے -
 باطن میں وہ تاریکی صفت ہی تھی جس میں چھوڑا ہوا ہوتا ہے - کہیں ظاہر
 کی جس کو یہ روشنی اندھیرا نظر آئے گی - وہوں نے اس نام میں شرف
 پر جاوے دیے دلاہتر آئے بڑھا - جلن چاروں اسی کا داروغہ بھرتو
 آ گیا - اور آپ نے چار کام یہ چھوڑا ہی اٹھ گیا -

خط جانے اچھے اور کچھ اچھے ہیں ؟ کہیں ترقی ہے اس
 نے میں صبر اور شادمانی کا کچھ اور ہی تسلط ہے !

تجربہ -
 ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۱

میری - ابو نعیم

آج آخروہ تاریخ ہی آئی جس دن ہم پوری سے واپس آئے
 پھر کہ ایک صحت و دربار اور پائی ہاں کہ وہ ہے - اللہ کی رحمت و بخشش
 اس وقت سے کہ اس میں دینی یا شائیمہ ہو رہا ہے - البتہ تاریخ کی رحمت
 پھر ہی - سوائے اس کے کہ بات چیت کے مادیات کا ایک جہاں ہی باقی رہا
 باقی رہے ! (دو روز تو اب اسی تاریخ کو اظہار میں ہی پوری پائی کہ
 کھلت ہوئے اور روس میں صدر شریف کا آئندہ ارٹھم ہوا - اور.....)

اس ایک ہی کامیاب نہ تھا - تو ایسا ہی آپ کے پیار کا ایک
 اور چھوڑا اٹھ گیا - آئندہ میں تعویذ بہت دے گا اور کچھ رحمت کا
 خدمت پر کھتا ہے - کہیں آئندہ میں پھر بھرتی اور لاچار ہی رہا
 یہ کیا چھوڑا اٹھا رہا - بکھر رہا ہے -

پلے چھینے یہ شکا ہے ہی کہ جب بھی نماز روزہ - درد
 و غم میں صبر پیدا ہوئی - پھر اور ان کی پھر پڑا ہے میں ہی
 شیعہ انسان ہونا رہا - "مشتف" سوائے اس کے کہ حقیقی ہوا
 کچھ اندھ تھی - دراصل نماز روزہ - درد و غم کا مقصد

اب آدم پر مطلب :-

۱ - شہر کہہ سکتی آپ کہ لوگ انتظار کیا۔ فی الحال اسے دیکھ رہے ہیں۔

۲ - دوسروں کے ساتھ آرڈر منڈر دھڑلے سے پہنچے ہیں:-

محمد اشرف خان
۶۶۴

قائد پولیس - باغ - آزاد کشمیر۔

۳ - کچھ عرصہ پہلے فرزند کا دیکھا جا رہا ہے۔ پانچ سو روپے کا فی آرڈر آپ نے بھیجا تھا۔ اسکا رسید ملی یا نہیں؟

۴ - موسم بہار آگیا ہے۔ پھر شہر بہار فرمائے گا۔ چوڑا کر کے دی گئی ہے۔ جی یا نہیں؟ انہیں تو بے تکلف لکھیں۔ میں صرف اسی پر غور کرتا جا رہا ہوں کہ آپ بھی (دیکھتے ہوئے مسامتہ میں) تکلف کا نام نہ لیں۔ (دیں کہ تکلف ایسا ہی جلد ہے۔)

مازیدہ
تہذیب

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

30/4

دی تب
۲۶ رات

مکرمی - اسلام علیہ

ابھی ابھی آپ کا چھٹا خط ملا۔ جس پر شاید غلطی سے پانچویں نمبر لکھا ہے! اس کی تاثیر کی وجہ سے کل لکھا گیا ہے۔ اس سے قبل لکھا تھا کہ خدا خدا کر کے آپ مشکل تھائی ہے۔ لیکن اب یہاں دعاؤں نے بڑا ساتھ دیا۔ تمہارے مقصود تو اہل برقی ہے۔ کہیں جھگڑائے مبرور دعا سے مل جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کوئی - بھائی جان اور سائیں صاحبہ سرور دعا کو اتنے نہیں۔

برائی تھائی ان آسان برقی ہیں۔ چھٹا ڈرون وغیرہ آپ آمیزش سے سبزیوں میں رہتی ہیں۔ اب دوسری بات ہے۔ اسے تو لیں۔ دینی صحرا۔ چھوٹی سی تھائی۔ اس پر وہ بھی فیلڈ آگیا ہو گا۔ آئی! خدا کا شکر ہے کہ وحشت کاری میں برقی۔

آپ کے خطوط میں جو امور جواب طلب ہیں، ان کے متعلق آگے لکھو گا۔ بھائی جان اور سائیں صاحبہ سے دعا کی درخواست میں دیر

مکرمی

یار سہ
مدتہ اور سہ

Letli Poth
on 1.9.65

جی پیت -

۳ رندری - ۱۹۶۲

تقریبی - اسلام علیہ

خط سے خبریں معلوم ہوئیں۔ معلوم ہئی یوں، مجموعی تاثر
 ایک کھلی سی شخصیت کا ہوا۔ چند خبریں ہی ایسی تھیں۔

خبروات پھر بھی بدستور قائم رہتے ہیں۔ وانی سے کنارہ کش ہونا
 چاہئے۔ اس کے ساتھ رابطہ جاری رکھنا چاہئے۔ نہ معلوم
 کس وقت قلوب القلوب اس کی حالت بدل دے۔
 ۶۔ آئی ڈی ڈیٹا ڈیٹا و ضرور یرقان ہی ہوا ہوگا۔ اچھی دیکھ
 بات کا خضرہ ہیں۔ ان کے اگلائے میں درج ہے کہ ان کا عمل

ان کا نام ایک طرف ، اندر ہی اندر یہ احساسِ شکست
و مایوسی دوسری طرف : اس تضاد اور خلیج میں

یہ اہلِ عجب کو کلمہ دھندا ہے - مجاہدہ میسر ہو تو شوق میں گواہ رہ
جاتی ہے - شوق تیز ہو تو مجاہدہ کھڑو رہ جاتا ہے - ان دونوں

موجودہ ٹروپ کام کرنا ہے۔ کام اچھا ہو رہا ہے۔ کیسے۔

عنادی اور فسادی عنصر بھی گھات میں لگے ہو رہے ہیں۔

اس لحاظ میں خبروں یا انوائسوں سے مطلع کرتے ہیں۔

4۔ میں اب ہمتن اپنے پردہ نام میں لکھا ہوا ہے۔

پچھلے چھ ماہ گویا ہوا۔ tuning کا عرصہ تھا۔ اب

۔ wave-length frequency

۱۹۶۵ سن 5.3

ترقی۔ السلام

دہلی کے بٹھائے اب امید ہے کچھ ساکن ہو چکے ہوں گے۔

ان کی ٹیگ دے دیا گیا۔ رتبہ اختیار کرتی ہے۔ کیسے۔

تقری - اسلام علیہ

دونوں خط مل گئے۔ بھائی جان کا ارشاد سن کر
دل مطمئن ہو گیا۔ ان لوگوں کی باتیں وہ توں ہی جانیں۔
اپنا کام تو خط یہ ہے کہ جب تک بشارت نہ سن لیں
فکرت ہیں۔ جب سن لیں تو مطمئن ہو گئے بیٹھے جائیں۔
چنانچہ اب بیٹھے ہیں!
بھائی جان اور ساس کی کئی خدمت میں میرا سلام
عرض کرتے ہیں۔

۲۔ ۵ جولائی کو مجھے لندن سے بلاوا آیا تھا۔ آٹھ
دن وہاں رہ کر پوسٹوں سے واپس آیا ہوں۔ [بھائی جان
میں تو ۵ جولائی ہی کو لوٹے تھے!]

لندن میں اچھی ملاقاتیں ہیں۔ دنیا کا
ہر موضوع زیر بحث آیا۔ کین دایسی کی بات نہ
انہوں نے اٹھائی نہ میں نے۔ دونوں کا انداز

۶۔ دثوق سے بنا تو محال ہے۔ کین دثوق
اندازہ لگتا ہے انشا اللہ آٹھ سال ارض منور کی زیارت
نصب ہوئی۔ تھام طویل ہوا یا مختصر، ہر صورت میں
آپ کی شرکت کا اہتمام بھی ضرور ہوتا۔ انشا اللہ۔

۷۔ بیڈی بخیریت پہنچ گئی ہے۔ اب اپنی والدہ کے پاس
برضی جا رہی ہے۔ غصت فریب ہے۔ اور آپ سب کو
سدم ملواتی ہے۔ تاقب لفظ خوش دھرم ہے۔
اکثر "معتی جا حب" اور "وہ ہے" کو یاد
کرتا ہے۔

۸۔ آپ کے خط اب دیر دیر سے آنے لگے ہیں۔
وجہ ضرور مصروفیت ہوئی۔ مصروفیت کا لحاظ بھی
لذم ہے۔ لیکن یقیناً میں اپنے فطری رفتار اور
قائم ہو جائے تو شاید زیادہ گراں نہ فرمے۔

۹۔ تمہارے بارے میں
مزید خبریں دیا کوئی
ڈاکٹر بتا سکتا ہے کہ اس
کان کے لائسنس نمبر کا آئینہ

کے ساتھ اشتقاق اور تدریس کے متعلق آپ کا کہنے کا
موقع ملا۔

۵۔ راجہ صاحب، خان صاحب کو ہم سب کی طرف سے
بہت بہت سلام۔ اگر دانی صاحب بھی اپنے ذہن کی
غلام گردشوں سے نکل آئے تو ان کو بھی سلام۔
جو کچھ اچھا برا وہ محسوس کرتے رہے ہیں وہ محض
مصحف متخیلہ کا کچھ نقل ہے۔ علاج اس کا
اللہ کے لئے ہے۔

۶۔ غوث سلام کیلواتی ہے۔ مولوی صاحب بہ نور
حق صاحب کو اور راجے صاحب کو یاد کر لیتے ہیں۔
دعائے خیر
نور اللہ

کچھ ایسا تھا کہ ”مجھے کیا پڑی ہے کہ میں یہ ذکر پھیروں
تہمہ مرض ہو تو بولو۔“ چنانچہ دونوں اس موضوع پر
کاوش کرتے رہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ
ہے۔ آسم کو درخت پر لٹا رہے دیں، تو وہ سرد
نہم لگا کر خود بخود موسم کے مطابق پلتا ہے۔ اگر اس
پرانی میں رکھیں، تو دوسروں کی مرضی کے مطابق پلتا
ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہو، کہ دونوں
ایک دوسرے کی پرانی سے محفوظ رہیں اور فقط اس
واحد ذات کی رضا کا انتظار کریں۔ واللہ اعلم۔

۳۔ نقوش کا آپ جتنی خبر دیکھا۔ بہت اچھا ہوا
کہ میں کچھ نہ لکھ سکا۔ ورنہ آپ کے معنوں کا آخری
حصہ بے معنی ہو جاتا! اب ہم از ہم آپ کے معنوں
کی وجہ سے کچھ نہ لکھ سکتے تو قائم رہتے۔

۴۔ لندن میں جا دید۔ ہمیں ملاقات ہوئی تھی۔ اس

بڑا اثر رکھتی ہے۔ کچھ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں کچھ
دوسروں کے لئے۔ کچھ دین کے لئے دعا کرتے ہیں کچھ دنیا کے
لئے۔ یہ سب دعائیں اپنی اپنی جگہ جائز، ضروری اور
مفید ہیں۔ لیکن کچھ لوگ، خالص، ایسے بھی ہیں جو
محض اللہ کی رضا کے لئے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ جب تک
کسی تک نادم میں دربار ایسے لوگ موجود ہیں، اس
پر مہمت تو آسکتی ہے کہیں تمہاری نہیں۔ دعا اور توسل
کوئی کہ پاکستان میں ایسے لوگ ہمیشہ موجود ہیں

۴۔ ہندوستان کے پورے ٹیکسٹ میں ہیں۔ بین الاقوامی
منڈی میں بھی انصاف اور ایمانداری بہت کماب ہے۔
ہمارے لئے ابھی آزمائش کا دور شروع ہوا ہے۔ منتہی
ہوا۔

۵۔ پہلے پیرا خیال تھا کہ ۲۰۱۰ء قحور یا لا۔ ۵۰
زندہ کی اس جگہ کے دروازے دروازے۔ ان دو
جگہوں نے توئی بھائی پٹی خدیں بڑا اہم پارک
کھیلنے۔ انا مقامات پر تعمیر نو کی ایسی نیا د
بڑی چاہئے تو آئندہ بچنے ہمارے مشعل راہ اور

مکرمی - اربعہ

آپ کے پیاروں و عزیزوں کی ساقیہ طے ۷ ستمبر ۱۴
۱۲ ستمبر دوے برسوں ۱۱ ۲۳ ستمبر اور ۱۴ اکتوبر
دوے طے ۱۱ ستمبر وادی تھی۔ غائب اب تک ہوا
وہاں کا نظام نارمل ہو گیا ہوگا۔

۳۔ دیکھتا ہوں پاکستان پر جو فتنہ کیا
ہے۔ وہ تمام شکریہ ہے اور مقامِ عبرت بھی۔ ہم
لوگ بھی جو تھے جسے مسلمان میں رہ تو ظلم ہو رہا ہے۔ اس
پر بھی نوازے ہمارے غائبی ایمان کی بدولت رکھی۔
آزادئیں کے دہت جو نوازیں دفعہ بدیر ہوتے ہیں وہ
مستحق ہوتے ہیں عادتاً نہیں۔ اس لئے ان پر شائبہ
پانا یا آئندہ کے لئے ان پر تکلیف نہ رہا۔ مناسب
اچھی چیز تو تیار ہے۔ اسلمیہ کے علوان ایمان

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

۷ 3
نہرستان کے سیمہ ہائی پوٹی دیوار ثابت ہو۔ لیکن
پھر یہ قدر قبل از وقت نظر کیا۔ ایمان اور استقلال
کے ساتھ انتظار کرنا چاہئے۔ شاید ان کو یا کسی اور جگہ
کہ اس سے بھی زیادہ غلط ملنے والی ہو۔

۶۔ ممتاز کی کوئی خبر ملی؟ اس کا ضرور پتہ نہیں
اور اس کے ذریعہ اس کے لواحقین کا بھی۔ اس کو جو
بچے تھے اس کے بھی نقیض نہیں۔

۷۔ اگر عکس کا ارادہ بدل لیا ہے تو کیا مفائد
ہے۔ فوج میں شارٹ کٹس بھی، خاص طور پر اس وقت
بڑی اہم ہے۔ البتہ چند سال بعد www.military.com
کی شاید ضرورت پڑے۔ اگر اس کے متعلق اس کا ذہن
صاف ہے تو یہ www.military.com میں کیا دھرا ہے؟

۸۔ طور آذر کا بیٹھا کرتے رہیں۔ راجہ صاحب
اور دانی صاحب کو سہم دیں۔ یہاں کی جان دور سانس کی
خواب میں دھماکے عرصہ کرتے رہیں

غفلت اور سووی بوقلمون ٹھٹھکیں۔
دور

نمبر 34

سبحانہ سبحانہ

یارے ثاقب میر شہزادہ ویرا

آج رات کے ثاقب کے بعد کچھ اور بھی لکھنا ہے۔ لیکن
قرآن کریم میں ہے کہ ہر آدمی اپنے رب سے غفلت سے
بے ہوئے ہے۔ آج رات کے ثاقب کے بعد کچھ اور بھی لکھنا
ہے۔ لیکن قرآن کریم میں ہے کہ ہر آدمی اپنے رب سے غفلت
سے بے ہوئے ہے۔ آج رات کے ثاقب کے بعد کچھ اور بھی
لکھنا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں ہے کہ ہر آدمی اپنے رب
سے غفلت سے بے ہوئے ہے۔ آج رات کے ثاقب کے بعد
کچھ اور بھی لکھنا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں ہے کہ
ہر آدمی اپنے رب سے غفلت سے بے ہوئے ہے۔ آج رات
کے ثاقب کے بعد کچھ اور بھی لکھنا ہے۔ لیکن قرآن
کریم میں ہے کہ ہر آدمی اپنے رب سے غفلت سے بے
ہوئے ہے۔ آج رات کے ثاقب کے بعد کچھ اور بھی
لکھنا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں ہے کہ ہر آدمی اپنے
رب سے غفلت سے بے ہوئے ہے۔ آج رات کے ثاقب کے
بعد کچھ اور بھی لکھنا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں
ہے کہ ہر آدمی اپنے رب سے غفلت سے بے ہوئے ہے۔

آداب قبائلیہ سے قول خدا کا اس کے لئے قوی قلعہ میسر
میں رہا۔ اس کے سبب اس کی ذی قریبی میسر ہوئی۔ آپ خدا کا نائب میرے لئے
لیں کہ اس کا مقصد ہے کہ میں اس کے بدلے - خوش رہا رہا
وہ میرے نائب - مع - خیر کو میرے نائب بنیں۔ دینا دلائی عامل ہے
خدا کا نام آپ پر میری فرستادہ دینا مع
خدا مند
عبد العزیز

۲۰۰

تحریر - اسرار علیہ السلام

۲۔ ساتھوں سال کے بعد کا پروگرام ابھی سے طے کرنا کیا ضرور ہے؟ انشاء اللہ ایسی ایسی باتیں گفتگو پر سنائی جن کا

۵۔ اگر یہ توقع پوری ہوئی کہ ہلال صبا، مہینہ منورہ
جاری ہے، تو ان کی ایک نجی کی دلیل ہوگی۔
وہ دربار تو چھپے کھلا ہی رہا ہے۔ خواہ کوئی دین کے
وہاں جائے یا دنیا کے لئے۔ البتہ حاضری شرط ہے۔
مقتعد دین ہو، تو فوہ بلا دا آتا ہے۔ ورنہ دھیل
دھیل کر جانا یا بیچا نا پڑتا ہے۔ خدا کرے الگ بندہ
کی کو شخص کا پیاب ہو۔

۶۔ پرنسپل کا یہ منہ بندہ سبیل ہے کہ اسراہی ہڈیا عین چور ہے
میں رکھ کر بھڑکے۔ اس لئے کچھ اخباری بیانی بازی
کے لئے ڈر لگتا ہے۔ اس سے نہ صرف پرنسپل کے
سلب تمام کا خوف ہے، بلکہ مقتعد کو چھٹس لگنے کا
پتہ بھی ابھر سکتا ہے۔ طریقہ کی بلند بندہ سر۔ یا
بیسوں کے ساتھ گھن والی بات ایسے مواقع پر ہی منطبق
ہو سکتے۔ کتنی کی طبع ڈانڈے۔ ورنہ محض اشتراک ہے۔

۷۔ جہاں تک صلاحاتی انتخاب کا تعلق ہے، صدر ایوب
کی کامیابی نہایت اغلب ہے۔ یہ کامیابی ذاتی
زیادہ اور جماعتی کم ہوگی۔ جماعتی کامیابی کا مرحلہ

ہم جیسے بے بغور ہم دشمن بھی بن رہے۔ انکا تعلق
اپنے بندوں سے اپنے وقت پر خود ہی کام لیا ہے۔

۳۔ وزیر کے لیا واقعہ ہوا؛ ذرا تفصیل لکھیں، تو ہم
بھی کچھ مزالیں۔

۴۔ ۱۹۶۵ء میں انشاء انکا ملاقات کی قوی امید ہے۔
ہو سکتا ہے کہ پہلے کسی وقت پینہ بھرے لئے چھٹی پر
آئیں۔ کہیں فی الحال کوئی امر لے نہ ہے۔ صرف سال
طے ہو کر ہوتا ہے۔ پہلے آنا ہی احساس نہ تھا۔
رہا پینوں یا معتدوں یا دونوں کا تعلق، یہ اپنے
بس کا بدل ملے ہے۔ آپ میس لیسٹ سے پٹری طلب
کو دیکھنے کی کوشش کریں تو سمجھ ہی نظر نہ آئے گا، بوائے
اس احساس کے کہ مال بد ڈپر کیس ہے۔ بڑا ڈاک خانہ کہ
پاس لٹے ہوئے دھیں، تو سامنے ہوگا۔ کوئی کھانا
چار سوئے دہ ہے کوئی کھانا پانچ سوئے ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ تین سو یا چھ سوئے دور ہو۔ علی ہذا القیاس۔
فی الحال قلعہ بڑے ڈاک خانہ تک ہی رسائی سمجھئے !
تعمور فاطمہ کا پل، ابھہ اپنی کوتاہ بینی کا ہے۔

اندیشہ میں۔ لیکن چونکہ بنیادی طور پر جذبہ دین غالب
ہوئی ہے، اس لئے اختلافات اتفاقات کے حوادث کو
نظر انداز کرنا بھی عقلمندی کے خلاف ہے۔ اتفاقی حادثے
کا رد بار دنیا میں ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں، دین میں نہیں۔

دین کا دامن تمام لمحے سے تقدیر الٰہی بدل
ہو جاتی، جب اس کا محل بدل جاتا ہے۔ جسے
تزلزلہ نفس سے اخلاق طبع میں بدلتے، فقط ان
کا محل ہی بدلتا ہے۔ مثلاً محل - تزلزلہ کے بغیر
نفس پر جائز ناجائز صرف سے بچنا چاہتا ہے۔ کہیں
تزلزلہ کے بعد بعد وہ اسراف سے تو ضرور بچتا مگر
زکوٰۃ سے نہیں۔ چنانچہ محل کی طبع تو رہی، لیکن
اس کا محل وقوع بدل گیا۔

اسی انداز سے دین، ملائی، اتفاق،
حادثہ کے تعلق کو بھی سمجھ لیجئے۔

محمد
نور محمد
محمد رشید
1095

ابھی باقی رہ گیا۔ اسی آزمائش صوبائی اور مرکزی
مجمعیوں کے انتخابات کے وقت ہوئی۔ ضرورت نقلیہ میں
ہوئی کہ جسے الوب کی ذات ۲ جنوری کو کاغذ پر جو، مسئلہ
اصلی مقدمہ یہ ہے کہ بعد ازاں ان کو اسمبلی کی بھی اس شکل
کی میسر آئی کہ وہ کنگ کا کاروبار لیونان شام کنگہ چلا
سکیں۔ امید ہے کہ ۲ جنوری کے بعد اہل حق اور اہل
تدبیر اس مسئلہ کی طرف بھی توجہ فرمائیں گے۔

۸۔ مجھے خدیں میں نہ بدل جانے سے میں حدوت
اتفاقات کا جو ذکر کیا تھا، وہ مطلق فارمولہ
ہو گیا تھا۔ لیکن اوقات فراست کو مکاشفہ پر
توثیق ہوتی ہے۔ مکاشفہ میں علم غیب کے دعویٰ
کی سی شکل ہوتی ہے جو عبدیت کے منافی ہے۔ اس لئے
اس میں حلال اور محاشا نفس کا اعتبار میں زیادہ
ہے۔ خواہش میں بشری غصہ ہے۔ اس لئے اس میں
بشری حدود کے اندر اندر غلبہ کا امکان بھی بہت کم

فراست بشری کا تقاضا ہے، اب جس کی ملائی
اس کی بچیں۔ اس حدوت تک مسئلہ بدل کر کوئی



XVII

پیش

۲۲ جن ۷۱

پیش نماز: اہم کلمہ

23.6.71

آپ کا ۲۵ جولائی کا خط دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ آپ کے خط میں لکھا تھا کہ وہ دہلی میں آ رہے ہیں۔

آپ کے خط میں لکھا تھا کہ وہ دہلی میں آ رہے ہیں۔ آپ کے خط میں لکھا تھا کہ وہ دہلی میں آ رہے ہیں۔

اس وقت کے دہلی میں جو لوگ رہ رہے تھے وہ دہلی میں آ رہے تھے۔ اس وقت کے دہلی میں جو لوگ رہ رہے تھے وہ دہلی میں آ رہے تھے۔

چند دن بعد کہ آپ کے خط میں لکھا تھا کہ وہ دہلی میں آ رہے ہیں۔ آپ کے خط میں لکھا تھا کہ وہ دہلی میں آ رہے ہیں۔

اس شخص سے کہہ دیا کہ ابھی میری شمار
روزی نے اٹھائیں سے عرض کیا کہ ابھی میری شمار
عادات میں سے غرض یہ بھی ایک عادت تھی۔ لیکن میرا
میں تو مرحلا۔ اگر کوئی نوکری فراہم نہ کر دے گی تو کیا میری قسم
میں ضرور خود کشی کر دے گا۔ وہ دن اور آج کا دن۔ وہ جاوید
گیا۔ میری عمر وہی تھی جو ابھی دیکھی ہے؟ اب ہر روز
یوں ہوسکتا ہے کہ وہی سڑک کے پتھر کوٹھے والے مزدور
چرخہ چکائی کے ٹانگوں کو جو کہ اس شخص سے جوڑ کر دے گا۔
ٹھوکر رہے ہیں۔ ہاتھ اس نوکری کے پتھروں کا پتھر (ماتر)
رہیہ بود بدلتے دے پتھر نہ رہتا۔

پتھر جائے، توڑنے اور جوڑنے کے عمل میں تھک
برابری چلتی ہے! اذیت دہلی ہے۔ ایک بگڑی ہوئی۔ دیکھیں لکھتے۔

اب آپ آدھ ادنی منظر بہت باریکوں۔ اس کے
سلسلے آٹھ ذرا میں ملے گا۔ یہ خود کشی کو بھی پڑھا دے
چکے تو جو اب ہر کسی کے قہر ہر کسی۔ افسوس کیا ہوں۔
درد و غم کوڑی پتھر تو پتھر و شوم ہے۔ آج کا دن۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

مجھے بھی ہسپتال کے کمرے سے اسے باہر لایا کچھ اشیاء کی بیسی بیسی۔

میں: کیا اشیاء کیسی ہو؟

وہ: پیاروں! لڑکھٹا۔

میں: کیا جاری ہے؟

وہ: کیسے۔

میں: علاج کیا ہو رہا ہے؟

وہ: لا علاج ہے۔ (الزبتہ)

میں: ہسپتال کے دیگر ڈر ہے جو؟

وہ: انشاء اللہ کل یا پھر۔

میں: ٹھیک رہتے ہیں۔ حکام میں بیماری پھیلنے سے ڈکائی کا خطرہ ہے۔

وہ: ٹھیک کوئی چیز ہے۔

میں: وہ کیسے؟

وہ: کل یا پھر وہ میں ہسپتال پر دھڑکا، تو انہوں نے ان کے جسم پر

اپنے ٹائیون کا حساب کتاب کر لیا۔

یہ سارا میں رو دیا۔ وہ ٹیلیفون پر قبضہ کر کے گیا۔ اٹھو۔

میں: وہ گریہ کیا۔

اسے کیسے کہیں ہوگا؟ اسے جیتے مدد و احسان

کیوں اٹھا لیا گیا؟ وہ سوائے غائبہ کوئی اور نہیں سوائے اس کے کہ اس نے

ایسٹری لینڈ پر کھڑے اس کے بعد مجھ کو سائی کلمہ مارا۔ وہ ان کی جگہ

پر

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

نوٹیفکیشن

۱۹۶۹ جولائی

مکرمی - اسلام آباد

توہ میں مولانا رحم کے منار کی پیشانی پر ہنسی

کی یہ رباعی درج ہے:-

مانہ آ مار آ پر آن کہ ہستی باز آ

گر کا فرو گیر و بت ہستی باز آ

اے درگہ ما درگہ نومدی نیست

سوار انز تو بہ شکتی باز آ

مولانا رحم بے شک عارف کامل تھے۔ لیذا انہوں نے جو

کچھ لکھا ہے سچ ہی پایا ہوگا۔ پھر ڈر کی کوتاہی کا ہے؟

× × × × ×

میں پرہیز سے غریب الوطنوں کو شرق و لا کلام

بند ہے۔ اس کے ارادہ کے کہ اسے لکھتا رہوں۔ چنانچہ

11-7-69

1. I have purposely delayed my reply for a few days to avoid the temptation of rushing into some hasty decision. It is quite easy to be extremely sensible and reasonable and objective about one's personal love affairs. But it is difficult with those who are actually involved in it.

2. I am writing this after picturing myself in the same boat in which you happen to be sinking up and down in the strong ocean of desire.

3. This is quite a natural episode and it can happen to normal human beings alone. Remorse is good only if it does not become morbid. Morbid remorse can be much more debilitating than outright sin.

4. Sin is an affair between man and God. If it gets communalized, without flowing out as a virtue, and, if, later, it causes remorse in the innermost

کھود پاس اور اعلیٰ چوبیا والا تاثیر دے، اسے جیلہ صحیح ہے۔ عقلی الب یہ ہے کہ رانی کو پرست سمجھ لیا جائے۔ ایسے قربت میں ہے چوبیا کو بڑی بات ہے، میڈر بھی نکل آئے تو نجات ہے۔

x x x x x

خسرو، محبوب دانی باتیں اور مائیک لیا مائیک دانی قوس
ہمیں ان کی الحال عالم خیال کا واسطہ ہے۔ کیوں یہ بھی سچ ہے کہ اگر
صر میں ثابت اور ایمان میں استقامت مجتہد رہا تو برکتِ غیب سے
ایسے عجائب و غرائب نمودار ہو سکتے ہیں، جو قرب و خیال کی

دسترس سے بھی ناممکن۔

x x x x x

آپ نے خدا کا شوق سے انتظار کیا ہے۔ پھر بھی
اٹھ قدم بھائی جان سے ملنے کے بعد ہی نہیں۔ عکس کا حال احوال بھی
کلیں۔ اس ذل کے بعد اس سے آٹھ قدم "ایلی" کے جب
کی کیفیت تمہاریں۔ عت اور شوق خوشی میں۔ سلام
پیارے دوستِ الہیہ۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com
1104

۲۔ دسمبر ۱۹۶۵ء

محرمی - السلام علیہ

آپ کے دونوں خطوط مورخہ ۱۳ اور ۱۴

دسمبر آج آگئے تھے۔

۱۔ حج کے لئے درخواست دیدین۔ انصاف

نام نکل آیا تو حج کا پاسپورٹ بھی آگئے تھے

۲۔ اور فارن آفیس بھیج دی۔ اس صورت میں آپ

کس ایسے سمجھ رہے ہیں جو ردائے ہوں۔

۳۔ مارچ کے قریب جدہ پہنچاؤ۔ دعا

پر آگئے ہو جائیں گے۔

۴۔ اگر حقہ میں نام ہیں لکھا تو نہ ہوں۔

آپ اپنا انٹر نیشنل پاسپورٹ بروڈنٹ کر لیں

کہا رہیں۔ میں کام آؤں گا۔ جب غالباً مارچ

پہنچے گا وہاں لکھا۔ نہ ہوں۔ اس سے صرف

vention of God's grace — that it is
exceedingly difficult to fall out of it.
Final mortals may violate divine injunctions
a hundred times, but if it is not in
a spirit of wilful defiance — there is
always hope. The faintest flicker of
healing fear or remorse in the unfathomable
depth of consciousness keeps him hope
alive. It is small things — like
white flickers — that swing the
pendulum of man's fate and
destiny. So be of good cheer.

9. I no longer insist that you
meet Bhai Jan immediately. Take your
own time. Meanwhile, write to me
quite frequently.

A

سی ہوسٹال اپنے لئے اور آپ کے لئے بھی کروا
 رہے ہیں۔ ہنگامے جب آپ کا ٹکٹ بن جائیگا
 تو دس ہزار امریکی ڈالروں کی ضرورت پڑے گی
 امریکی ڈالر دالیا جائیگا۔ اس کے بعد پروگرام
 اٹھا رہیگا۔

۶۔ امریکی ایئر لائن نے بات کر کے کہیں
 کہ اپنے ٹکٹ پر کچھ خرچ ہوگا۔ پاسپورٹ جب
 تیار ہو جائے تو اس پر لبنان، سعودی
 عرب، دیرہ گاہے دیرا بننے ہوتے جو مارچ
 اور اپریل کے مہینوں کے لئے valid ہوں۔ اس
 میں چھپے مدد ہیں۔

۷۔ ہم اپنا پروگرام اس قسم کا بنا رہے ہیں۔

۲۷ مارچ۔ ایئر ڈم سے پروت
 ۲۸ مارچ۔ پروت سے جدہ
 ۱۶ اپریل۔ جدہ سے پروت
 پروت سے ایئر ڈم

یہ اس لئے کہ وہ سٹیک ہف سے آپ کو
 سفر کی اجازت دلاؤ۔ بغیر آپ کے لئے۔
 آپ نے جو کچھ ہماری ساعدگی پر ہے اس کے
 exchange دیرہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔

۸۔ آپ American Express والوں سے
 بات چیت شروع کریں کہ مندرجہ ذیل رستے کا ٹکٹ

بنوانا ہے :
 Karachi → Beirut
 Beirut → Jeddah
 Jeddah → Beirut
 Beirut → Amsterdam → London
 Amsterdam → Israchi
 → Paris

گہرائی سے یوں چلیں کہ 26 یا 27 مارچ
 کو پروت پہنچ جائیں۔ پروت کے بعد باقی
 ساری things smooth کو Open رکھوائیں۔

۹۔ ہم انشاء اللہ ۲۷ مارچ کو شام
 کو پروت پہنچ جائیں گے اور ۲۸ کو جدہ
 روانہ ہوں گے۔ پروت سے جدہ اور جدہ سے پروت

۸۔ جی میں جانتا ہے کہ تیرے میں آپ کا نام ہے
کچھ۔ تاکہ بدعت سے ہی جھٹکا تیار ہو۔ تاہم
درخواست دینا ہی ضروری ہے۔ اس کے غور میں۔

۹۔ حج کے بعد شاید آپ کو ٹھوڑا سا عرصہ
ان اطراف میں گزرنا پڑے۔ کتاب کے سلسلے میں۔
اس کے ریڈیو یا TV سے جو آخر آئے، اس
پس دستہ مارچ سے چن چار ماہ کی بنائیں رکھیں۔
آخر اس وقت تک کوئی آخر نہ آئے، تو اب بھی
انتظار ہے۔ داپس کے بعد دیکھا جائیگا۔

بھائی جان یہ سب ایس جی سے ہی اس پر درام
کہ تعیناتی کمرالیں۔

میں
میں

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

اس میں ۲۸
۲۸ ستمبر ۱۸۹

برادر عزیز۔ اسماء بیگم۔
آپ کا خط ملا۔ جہاں تک بچہ یا دلہنہ ہے، آپ کا کوئی بیٹا
ہو گا جس کا میں نے جواب نہ دیا ہے۔
وہاں وقت کے ترائے کا شکریہ۔ اگرچہ جلی صاحب خان میں
ہوں تو پھر یہ صاحب ہے ان کا شکریہ فرما دیا کروں۔
کوئی بڑا بھائی کسی اخبارات کے کالونی میں ہی ادب لیتا رہے
جنون کا تذکرہ ہوا ہے۔ پھر ان کو بہت سے اخبار میں گزرتے۔ اگر آپ نے پڑھا ہے اور
رفتہ نہ ہو تو بک ان کے آگے بھی دے سکتا کروں۔ جس صاحب اپنے سارا کمال اہتمام سے لیتے
کرتے آتے ہیں۔
رمضان شریف کی ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷ راتوں کو اگر کچھ ہو تو
پر رات زیادہ سے زیادہ چاہیں۔ وہ نیند دن کے وقت ہوا ہی کہیں۔
پر رات اپنے دوستوں کے ساتھ منہ ہر ذیلی میں پڑھیں۔
دام و اخی۔ کم ۳۳-۱۲۔ ایک سے زیادہ جیت رکھیں۔
۱۲۔ قرآن شریف کی تلاوت۔ خاص طور پر سورہ الاحقاف۔ سورہ یونس۔
سورہ صافات۔ (۱۰ سورہ یونس کے ہیں بچے)۔ سورہ رافعہ۔ سورہ
وہی۔ سورہ صافات۔ سورہ صافات۔ اور چاروں کو۔ اول آخر درود شریف جیتو۔
آسانی سے پڑھا جائے۔ اگر کچھ باتیں ہیں پس نہ پڑھ سکیں۔ تو ۲۱۔ ۲۲۔
۲۵۔ ۲۷ راتوں میں تفسیر کو پڑھیں۔ اگر ۲۵۔ ۲۷ رات کو پورا پڑیں۔
سوی گھر کو جو گھر سے پہلے دے سکتیں۔ بڑا کمال یا دیکھیں۔ شکریہ
خدا پر سب صحت روز پر جائیں تو رمضان شریف کے بعد ابھی
ہو۔

بیا زید
حضرت امیر شاہ

۹ اپریل ۶۵

مکرمی - اسلام علیہ

دو دنوں خد سے۔ کہیں کے نام آید خلاف ہے۔
اگر اس کے کام نہ لگے، تو صاحب ڈرائٹ تجھ کو نہیں
دے گا۔ اسی کے مطابق لکھا جائے۔

۲۔ دانی پر خوب بھل ہوا۔ کبھی کبھی سیاست بھی
بست کام آتی ہے۔ شیخ کے ساتھ بات چیت تو سوتی
رہی، خدا کو۔ دانی کو اس حاضری کا خیر فائدہ فائدہ ہو۔

۳۔ عرس پس مہری طرف سے آید کو آید روپے
حاضر ہیں۔ بھائی جان سے اجازت لے کر شامل ہو لیں۔
جواب آنے پر جیسے بھی دیکھا۔

۴۔ نفسی اعتبار سے دود شریف بھاری ہونے کے لیے
طریق ہیں۔ آید عالم اور سید عالم دا راستہ تو یہ
ہے کہ ہر وقت چلے پھرتے، کلام کرتے، بے کار بیٹھے،

۲۳/۵/۶۵

۸۳ جون ۶۵

مکرمی - مفتی صاحب

اسم سکندر۔ کچھ بیچ میں آپ کی طرف آنے والا تھا۔ بیٹھوں پر اس کو آپ
کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ یہی سولہ ہوا کہ شاید رفیق صاحب کی طبیعت
نہیں تھی۔ اچھا خاں! اس کا خاں! خاں!

نئی اشاعت کا رد کہ غلط ہے آپ کھلے ایک بنیاد آسان طریقہ
کھینچ آئی ہے۔ اس میں کوئی وقت اور نہ کوئی قدر ضرورت ہے۔ کسی خاص طریقہ پر
بھیجا ہی ہے۔ جس وقت آپ پہنچیں۔ نوڈ سانس پھر نکالے ہوئے (عامانہ) خاص
= زہن کو لا آئے ہیں۔ اس سانس زہن کی طرف دانتے ہوئے (عامانہ) اس طرح خاص
= زبان پر آئے ہیں۔ اس طرح ہر سانس کو عامانہ کرتے ہوئے لا آئے
عامانہ کرتے ہوئے آئے ہیں۔ اس طرح ہر سانس کو عامانہ کرتے ہوئے
اچھے بیٹھے رہا ہے۔ نایع اوقات میں کرتے ہیں۔ اس کو اس طرح بکھریں کہ یہ
عادت بنائیں جائے۔ جہاں نصرت ہوگی وہیں سانس کے آنے جانے میں خود بخود نئی اشاعت
شروع ہوگی۔ حرف غسل خانے میں عبادت خد کے وقت میں نہ لایا جائے۔ کہہ کر اس کو
ایسی شق ہم پہنچانے ہیں کہ غسل خانے میں زبان انہوں نے دبا کر رکھتے ہیں تاکہ دیکھ جائے
نہ ہو جائے۔ وغیرہ کوئی چیز نہیں۔

اچھے بیٹھے خوب شق کریں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔ اگر آپ
کسی نہ دیکھ جائے گا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔ اگر آپ

شائے کہ اس، شبہ دوازہ شریف مفہوم ان میں موجود ہیں۔
دردِ خفہ یہ ہے :

صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علی حبیبہ محمدؐ و آلہ وسلم

(اس کے اعراب اور لفظ کسی عربی دان سے پوچھ لے جائیں)

با وضو بلا وضو جب خیال آئے کہ کوئی ساجھی سادھی دعا
یہ مسلسل پڑھتا رہے۔ دوام کے ساتھ ساتھ کثرت بھی
لازم ہے۔ اس میں دیر لگتی ہے۔
دوسرے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے :

۱۔ دردِ تاج - سوالات (ایک رات میں)

۲۔ دردِ کف - سوالات (دوسری رات میں)

۳۔ نمازِ دالہ - سوالات (تیسری رات میں)

تم، راتوں میں جب یہ تعداد پوری ہو جائے

London
30 Dec 74

جناب مفتی صاحب !

احقر یتیم - جسے ۱۰۰ روپے عطا فرماتے تھے ابھی اس پر پرم لینے کو ہی جایا ہے۔
 امر سوال کی اجازت ہوئی تو آپ سے آپ کا خط طلب لیا۔
 جناب ! آپ کا خط طلب لیا مگر تو مکمل ہو چکی اس خط کا موازنہ جب
 آپ فقیر کو دے رہے تھے تھے۔ اس تو اسی سے آگے
 کی بات ابھرتی ہے۔

مفتی صاحب ! تعویذ بدعا بہت پر جناب آپ سے دے
 تھے تھے آخر قریب خدائے ادا نہیں ہوتا۔ جناب کہتے وقت
 اشیاء کہتے تھے کہ مبالغہ آرائی نہ چوتے پوچھتے تھے کہ اسی نے
 تعلیم یافتہ ذہینوں کو تعویذ سے دور کر دیا حالانکہ ہم
 شیعہ پر ۱۰۰ روپے عطا کیے تھے۔ اگے راہ حق - نارنج اس
 برکات ہے۔ فقیروں نے کوئی وسائل نہ چوتے پوچھتے تھے ہی تنہا
 واقفوں کے لئے کہ سلطان مرزا۔ اس کے برعکس کوئی حوالہ آج
 سند مرث احمد فیہ سلم کو سلطان نہ کر کے اپنے تمام قریبی

4, Viners Close,
 Seelingsbourne Kent ME1
 10.1.74

پیارے ممتاز - السلام علیکم

آپ کا خط اور رسالہ امین قلب کے ذریعہ پہنچا۔ مفضل جوہر، چند روز میں
 دوٹو - یہ شخص رسید ہے۔ امید ہے کہ پھر والدہ جیہ کی طبیعت بہتر ہو جائے
 ہم یہاں بچے تو عدت کو مایوس بھی کر چکے تھے کہ وہ زچہ ناقب کو اس کے قریب سے جانے
 تک کی اجازت نہ ملی۔ اس بار خط کے بعد شہر تھا۔ پھر سے کسی سوگند نہ زیادہ
 دو روز میں جاری مائل بارہ مرتبہ رکھا۔ جس سے ۱۰۰ روپے عطا کیا۔ خدا کا
 شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ اب روایت ہے۔ ابھی کہ سات بچے اور ہستیاں میں رہا
 پڑھا۔

حاجم محمد دو دن کہیں کہ اس کا خط مل گیا ہے۔ اس بار پوری خط اور ہم
 سونڈا۔ البتہ قارئین کے نام آید دو خطی صلیح کا محدث نام پیرسور، ایڈل
 اسے بھی دوٹو - اسے چاہیے۔ میرا پلا خط نہ تھا ہے۔ سبب سے آج
 میرے خط کے رکھ چکے۔ اس کے بعد اس کا باوجود بھی بارگاہ۔ یہاں
 اسے ذرا ہی کہیں۔

آپ کی کتاب صلیح کے نام پر اسر و غم کے کی ضرورت ہے۔ ان کے لئے
 قادیان بھیجنا۔ اور وہ بدعت کے لئے دیا چاہیے۔ صدیق راوی کا تھا ہے۔
 کسی کو کسی میں رکھنے زیادہ نہ ملے۔ خاموشی سے کام کرے اور سیکھے۔
 لائن میں اچھا تھا۔ پیار کوئی کسی سما دیں۔ نام شیعہ ہے۔ باقی ہر اک
 چلے میں چلی۔ بہت سچا ہے خیال ہے ۱۸ میل دور ہے۔ صلیح آپ

meern

© Oneurdu.com

کے باوجود - امید ہے آپ کی کتاب نصرت یا روحانیات کہہ ہمارے
ہی اکثر خلوت کو صاف کر دے گی - اور یہ ایک بڑی خدمت ہوگی۔
امید ہے ان دنوں آپ کی طبیعت محبت ہوگی - خالہ کھانہ ریٹھ
جنگل صافیت کی طبیعت کیسی ہے - نمر پر کیجئے گا۔
مرتب ہے آج آپ کو خدا کھنڈے وقت نہیں لگے - ورنہ
وہ ہمیشہ آپ کو خدا اندھیرے میں ہی بھاگایا - معلوم نہیں آپ
کہ سمجھ ہی آیا کہ ہیں - یا آپ مررت پی ہی ہو راشت کر گئے۔

دانش
سرزاد

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

1120 UrduPhoto.com



meem

oneurdu.

www.ameernews.com

امیر نیوز